حضرت جی ثالث

جلد سوم

تالیف

سید محمد شاہد سہارنپوری

دعوت وتبلیغ کے حضرت جی ثالث

حضرت مولانا

محمد انعام الحسن کاندھلوی

عالم انسانیت کی وسیع ترین تحریک "دعوت وتبلیغ" کے حضرت جی ثالث حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی" کے سوانح حیات یورپ، افریقہ، امریکہ اور ممالک عربیہ واسلامیہ کے دعوتی اسفار، اور آپ کے دورِ امارت میں عالمی سطح پر ہونے والی تبلیغی مساعی و

—— جدوجہد ——

نیز آپ کی دعوتی بصیرت، کمالات، خصوصیات، اخلاق وعادات کا دل آویز —— تذکرہ۔ سانحۂ وفات اور تعزیتی خطوط وغیرہ

تالیف —— سید محمد شاہد غفرلہٗ سہارنپوری

ناشر

مکتبہ یادگارِ شیخ محلہ مفتی سہارنپور یوپی

نام کتاب ـــــــ سوانح حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی
(جلد سوم)
تالیف ـــــــ سید محمد شاہد غفرلہ سہارنپوری
بار اوّل ـــــــ شوال المکرم ۱۴۱۹ھ جنوری ۱۹۹۹ء
ناشر ـــــــ مکتبہ یادگار شیخ محلہ مفتی سہارنپور یوپی ۲۴۷۰۰۱
ٹیلی فون: ۱۳۲-۷۴۵۷۱۲،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ اولیں

اللہ جل شانہ، کے فضل وکرم سے سوانح حضرت جی ثالث کی جلد ثالث قارئین کے مطالعہ میں آرہی ہے۔ اس جلد کا پندرھواں باب بعنوان ''دعوت کی بصیرت اور اس کا فہم وادراک'' دعوتی وتبلیغی کام میں مصروف افراد کے لیے بڑی اہمیت اور کشش اپنے اندر رکھتا ہے اور ایک طرح سے داعیان عالم کے لیے ایک طرز دعوت اور طریقہ دعوت کی رہنمائی اور رہبری کرتا ہے۔

اس باب کے مطالعہ سے جہاں اس عالی اور مبارک محنت کی نزاکتیں اور باریکیاں سامنے آئیں گی۔ وہیں اس حقیقت کا بھی احساس ہوگا کہ امت کے تمام طبقات میں اجتماعیت پیدا کرنے والا یہ قیمتی عمل اپنے نام لیواؤں سے کس قدر محنت، جدوجہد اور خاموش قربانیوں کا تقاضا کرتا ہے اور کس قدر اخلاص، للہیت، تواضع وعاجزی اور فنائیت کا مطالبہ کرتا ہے۔

اللہ جل شانہ، وعم نوالہ ان صفاتِ جمیلہ اور اوصاف جلیلہ سے ہم سب کو مالا مال فرمائے، اور فکر الیاسی، جہد یوسفی اور بصیرت انعامی سے بھرپور حصہ ہم سب کو مرحمت فرمائے کہ اس ناچیز مصنف کی نگاہ میں یہ ہی اس باب بلکہ پوری کتاب کا مرکزی کردار اور بنیادی پیغام ہے۔

سید محمد شاہد غفرلہ،
یکم شوال ۱۴۱۹ھ (یوم العید)
مطابق ۱۹ر جنوری ۱۹۹۹ء

فہرست مضامین جلد سوم

چودھواں باب

ممالک غیر میں تبلیغی نقل و حرکت اجتماعات اور آپ کے دعوتی اسفار

کوئی بزم ہو، کوئی انجمن، یہ شعار اپنا قدیم ہے
جہاں روشنی کی کمی ملی، وہیں اک چراغ جلا دیا

انسانیت کی صلاح و فلاح اور مخلوق کا صحیح اور مضبوط تعلق اپنے خالق و مالک سے جڑ جائے۔ اس عظیم اور بلند و بالا مقصد کو لے کر حضرت مولانا نے عرب و عجم، یورپ و امریکہ، ایشیا اور افریقہ کے متعدد سفر فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور آپ کے اخلاص سے بھرپور جذبۂ دعوت کی لاج رکھتے ہوئے ان سفروں کے وسیع و عمیق نتائج و ثمرات بھی حیرت انگیز طور پر ظاہر فرمائے۔ چنانچہ افرادی طاقت بڑھنے کے ساتھ ساتھ میدان محنت وسیع تر ہو کر نکلنے والوں کی تعداد میں حیرت انگیز طریقہ پر اضافہ ہوا، اور عرب و عجم میں ہونے والے اجتماعات میں ممالک غیر سے شرکت کرنے والے وفود کی تعداد بھی بڑھتی چلی گئی۔

حضرت مولانا نے جن ممالک میں پہنچ کر وہاں توحید و سنت کی شمع روشن کی، اور بھولی بھٹکی انسانیت کو دارین کی صلاح و فلاح کا درس دیتے ہوئے دائمی راحت و کامیابی کی طرف بلایا۔ ان (ممالک) کے نام اور ان کے سنین سفر (بترتیب حروف تہجی) یہاں پیش کئے جاتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ حضرت مولانا تینتیس (۳۳) بیرونی ممالک میں ایکسو سینتالیس (۱۴۷) مرتبہ تشریف لے گئے۔

	مقامات سفر	سنین سفر	تعداد سفر
۱	اردن	۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء، ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء، ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء	تین مرتبہ

	مقامات سفر	سنین سفر	تعداد سفر
۲	انگلینڈ	۱۳۹۲ھ (۱۹۷۲ء)، ۱۳۹۸ھ (۱۹۷۸ء)، ۱۴۰۰ھ (۱۹۸۰ء)، ۱۴۰۲ھ (۱۹۸۲ء)، ۱۴۰۵ھ (۱۹۸۵ء)، ۱۴۱۴ھ (۱۹۹۴ء)	چھ مرتبہ
۳	اسپین	۱۳۹۲ھ (۱۹۷۲ء)	ایک مرتبہ
۴	امارات عربیہ متحدہ	۱۳۹۳ھ (۱۹۷۳ء)، ۱۴۰۱ھ (۱۹۸۱ء)	دو مرتبہ
۵	امریکہ	۱۴۰۰ھ (۱۹۸۰ء)، ۱۴۰۵ھ (۱۹۸۵ء)	دو مرتبہ
۶	برما	۱۳۹۲ھ (۱۹۷۲ء)	ایک مرتبہ
۷	بلجیم	۱۴۰۲ھ (۱۹۸۲ء)	ایک مرتبہ
۸	بنگلہ دیش		چوبیس مرتبہ
۹	پاکستان		سیتالیس مرتبہ
۱۰	تھائی لینڈ	۱۳۹۲ھ (۱۹۷۲ء)، ۱۴۰۳ھ (۱۹۸۲ء)، ۱۴۰۴ھ (۱۹۸۴ء)	تین مرتبہ
۱۱	ترکی	۱۳۹۲ھ (۱۹۷۲ء)	ایک مرتبہ
۱۲	تنزانیہ	۱۳۹۵ھ (۱۹۷۵ء)	ایک مرتبہ
۱۳	جاپان	۱۴۰۵ھ (۱۹۸۵ء)	ایک مرتبہ
۱۴	رہوڈیشیا	۱۳۹۵ھ (۱۹۷۵ء)	ایک مرتبہ
۱۵	ری یونین	۱۳۹۹ھ (۱۹۷۹ء)	ایک مرتبہ
۱۶	زامبیا	۱۳۹۵ھ (۱۹۷۵ء)، ۱۳۹۹ھ (۱۹۷۹ء)	دو مرتبہ
۱۷	سعودی عرب		تیئس مرتبہ
۱۸	سری لنکا	۱۳۸۷ھ (۱۹۶۷ء)، ۱۳۹۳ھ (۱۹۷۳ء)، ۱۳۹۶ھ (۱۹۷۶ء)، ۱۳۹۹ھ (۱۹۷۹ء)، ۱۴۰۳ھ (۱۹۸۳ء)	پانچ مرتبہ
۱۹	سنگاپور	۱۳۹۲ھ (۱۹۷۲ء)، ۱۴۰۳ھ (۱۹۸۲ء)، ۱۴۰۴ھ (۱۹۸۴ء)	تین مرتبہ
۲۰	سوڈان	۱۳۹۹ھ (۱۹۷۹ء)	ایک مرتبہ
۲۱	شام	۱۳۹۲ھ (۱۹۷۲ء)	ایک مرتبہ
۲۲	عراق	۱۳۹۲ھ (۱۹۷۲ء)	ایک مرتبہ
۲۳	فرانس	۱۳۹۲ھ (۱۹۷۲ء)، ۱۳۹۸ھ (۱۹۷۸ء)، ۱۴۰۲ھ (۱۹۸۲ء)، ۱۴۰۵ھ (۱۹۸۵ء)	چار مرتبہ

	مقاماتِ سفر	سنینِ سفر		تعدادِ سفر
۲۴	کویت	۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء		ایک مرتبہ
۲۵	کینیا	۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء		ایک مرتبہ
۲۶	کناڈا	۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء		ایک مرتبہ
۲۷	لبنان	۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء		ایک مرتبہ
۲۸	لیبیا	۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء		ایک مرتبہ
۲۹	ملیشیا	۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء	۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۲ء	دو مرتبہ
۳۰	مراکش	۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء		ایک مرتبہ
۳۱	موزمبیق	۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء		ایک مرتبہ
۳۲	ملاوی	۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء	۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء	دو مرتبہ
۳۳	مارشیش	۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء		ایک مرتبہ

اس طویل فہرست میں حرمین شریفین (سعودی عرب) پاکستان اور بنگلہ دیش کے اسفار کی تفصیلات قارئین گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں، بقیہ دعوتی اسفار کی عہد ساز اور دل نواز تاریخ یہاں پیش کی جاتی ہے۔

(۱) سفر سری لنکا

۱۳۸۷ھ ——— ۱۹۶۷ء

سری لنکا میں دعوتی وتبلیغی کام کے آغاز کے متعلق مولانا مفتی محمد رضوان صاحب —— (سری لنکا) لکھتے ہیں کہ:

"سری لنکا میں سب سے پہلے دعوتی وتبلیغی کام مولانا عبدالملک مراد آبادی کے ذریعہ پہونچا۔ موصوف ۱۹۵۴ء میں ہمارے یہاں تشریف لائے اور کولمبو کی ایک مسجد میں قیام کرکے کام کی شرعات کی، ۱۹۵۴ء میں مولانا محمد یوسف صاحب نے مولانا محمد داؤد صاحب کو بھیجا۔ موصوف اس زمانے میں بمبئی میں

حجاج میں کام کر رہے تھے وہیں سے ڈنڈیگل ہوتے ہوئے بحری جہاز سے سری لنکا پہونچے، اور کولمبو پہنچ کر ایک مسجد میں مقیم ہو گئے۔ اس مسجد میں پہلی مرتبہ مولوی داؤد صاحب نے نماز کے بعد اعلان کیا کہ ہے کوئی ایسا شخص جو میری بات کا ترجمہ کرے اس پر ایک صاحب مترجم بن کر سامنے آئے ۱۹۵۴ء میں پاکستان سے بھی ایک جماعت سری لنکا پہنچی تھی۔ مرکز نظام الدین سے مولانا رحمت اللہ صاحب کی بھی متعدد مرتبہ سری لنکا آمد ہوئی۔

یہاں پر تقریباً ایک سو سالہ ایک قدیم ادارہ "البہجۃ الاسلامیہ" کے نام سے ہے جس میں علماء کثیر تعداد میں ہیں، ان حضرات نے شروع سے ہی تبلیغ کی سرپرستی اور جماعتوں کی رہنمائی کی۔ ۱۹۶۲ء کے اوائل میں حاجی حنیفہ مرحوم حاجی اویس مرحوم، حاجی انور، حاجی فواد وغیرہ کی ملاقات مولانا یوسف صاحب سے ہوئی اور اس موقع پر حاجی حنیف صاحب کو مقامی کام کا ذمہ دار بنایا گیا۔

۱۹۸۱ء میں حاجی حنیفہ صاحب کے انتقال کے بعد مولانا محمد انعام الحسن صاحب نے پورے سری لنکا میں کام کرنے کے لیے ایک مجلس شوریٰ بنائی جس کے ارکان یہ تھے، حاجی فاروق امریکن، جناب نجم الدین صاحب، حاجی محمود بلئے، حاجی اویس، حاجی انصار، حاجی انور، حاجی جابر، حاجی عمر، جناب شاہ الحمید جناب محی الدین اور خواجہ صاحب یہ سب حضرات شوریٰ کے ارکان نام زد ہوئے، اب ان میں سے جناب شاہ الحمید، جناب محی الدین خواجہ صاحب اور حاجی اویس کا انتقال ہو چکا بقیہ حضرات موجود ہیں"۔[1]

سری لنکا میں جب یہ دعوتی عمل ترقی پا گیا اور عمومی طور پر وہاں والوں کا رجحان اس عمل خیر کی طرف ہو گیا تو حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کو دعوت سفر دی گئی اور آپ نے وہاں کا سفر فرمایا۔

---

[1] تحریر مفتی صاحب موصوف بنام راقم سطور۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے وصال کے بعد دیارِ غیر کا یہ سب سے پہلا سفر ہے جو حضرت مولانا نے اپنی امارت کے ابتدائی زمانہ میں فرمایا۔ نظام سفر کی تعیین اور مشورہ کے لیے جب سری لنکا کے خواص کی ایک جماعت حضرت مولانا کی خدمت میں دہلی پہونچی تو آپ نے ان سے اس سفر کے اصول وضوابط اور شرائط طے فرماتے ہوئے جو گفتگو فرمائی۔ اس سے حضرت مولانا کے دعوتی احساسات وخیالات، اور مزاج وطبیعت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک مجلس میں جو اسی مقصد کے لیے منعقد کی گئی تھی، ان حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا،

"دنیا کے اذہان نمائش کو کامیابی جانتے ہیں ہم اسے ناکامی جانتے ہیں اصل یہ ہے کہ کام سامنے آئے ہمارے آنے کو کوئی امتیازی شان نہ دیجائے عام سیدھے سادھے طریقوں سے ہمیں رکھا جائے اگر تم ہمیں اجازت دو کہ ہم اپنا پکا کر کھائیں۔ تو یہ تمہارے اجتماع کی خاص نہج ہوگی۔ جماعتیں جماعتوں کو دعوت دیں اجتماع کی دعوت نہ دیں، دن کو چل پھر کر ساری طاقت لگاؤ تاکہ لوگ تیار ہوں، رات کو رو رو کر اللہ سے مانگیں، خرچ کے لیے چندہ کا نام نہ ہو بلا خرچ کے کرو یا کم خرچ کرو، عمومی کھانا نہ کرنا کھانے پینے کی ذمہ داری لینے سے تو اصل کام سے توجہ ہٹ جاتی ہے صورت ایسی کرو کہ آنے والے مہمانوں کو تکلیف نہ ہو اور تم اس میں مشغول نہ ہو، ضرورت کی چیزوں کی دکانیں جلسے سے دور لگاؤ تاکہ جلسہ بازار نہ بنے جلسے کے آس پاس دکان و بازار نہ ہو، ورنہ میلہ کی شکل بن جائے گی، دکانیں دور ہوں تاکہ جلسہ والے فارغ رہیں اور دعا مانگنے کے لیے بیت اللہ پر ایک جماعت بھیج دو"۔[1]

اس سفر کے لیے مرکز سے حضرت مولانا کی روانگی چودہ جمادی الاولی ۱۳۸۷ھ (۲۱ اگست ۱۹۶۷ء) میں مدراس کے لیے ہوئی۔ روانگی سے قبل آپ نے مرکز کے مقیمین اور اساتذہ کو جمع فرما کر بڑی کارآمد اور مفید نصیحتیں فرمائیں اور اس پر متوجہ فرمایا کہ دعوت کی یہ محنت اللہ جل شانہ

---

[1] بیاض مولانا محمد عمر صاحب مرحوم۔

کا بہت بڑا انعام اور فضل ہے اگر اس کی ناقدری کی گئی تو سخت محرومی کا اندیشہ ہے۔

عین روانگی کے وقت ادعیۂ صالحہ کے لیے جو مکتوب آپ نے حضرت شیخؒ کو تحریر فرمایا اس کی چند سطور یہ ہیں۔

"اس وقت پونے چھ بجے ہیں ۶ بجے سے پہلے نماز پڑھ کر روانہ ہونا ہے۔ دعاؤں کی خصوصی درخواست ہے۔ اللہ جل شانہٗ اس سفر کو ہمارے لیے اور عام تبلیغ والوں کے لیے اور پوری امت کے لیے ذریعہ ترقی و دفع بلیات و آفات ارضی وسماوی فرمائے۔" [1]

۱۷ر جمادی الاولی (۲۴ر اگست جمعرات) میں حضرت مولانا، نیز مولانا محمد ہارون صاحب وغیرہ مدراس سے بذریعہ طیارہ کولمبو پہونچے اور ۱۹ تا ۲۳ر جمادی الاولیٰ (۲۶ تا ۳۰ر اگست) میں ہونے والے اجتماع میں شریک ہوئے۔

دہلی سے یہ حضرات شریک قافلہ تھے۔ مولانا محمد ہارون، مولانا محمد عمر، مولانا محمد عمران خاں صاحب، نواب میاں بھوپال، الحاج نجم الدین، الحاج حافظ عبدالعزیز، الحاج محمد شفیع دہلوی اس پانچ روزہ اجتماع میں حضرت مولانا کے مختلف مجالس میں آٹھ بیانات حسبِ ترتیب ذیل ہوئے۔

پہلا بیان جس سے اجتماع کا افتتاح ہوا۔ ۱۹ر کی صبح میں بعد فجر ہوا، اس موقع پر آپ نے آیت کریمہ قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة تلاوت فرماکر انسان کا اشرف المخلوقات ہونا اور اس کا اعلےٰ منصب داعی ہونا اور ہجرت ونصرت پر اپنی جان ومال خرچ کرنے کو تفصیل کے ساتھ تبلایا۔

دوسرا بیان کام کرنے والے رفقاء اور پرانوں میں بیس جمادی الاولیٰ میں ہوا اس بیان کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے: فرمایا!

"پوری دنیا ہماری محنت کا میدان ہے ہمیں اپنی محنت کا میدان پوری

---

[1] مکتوب محررہ ۱۴ر جمادی الثانی ۱۳۸۷ھ ۱۲ر اگست ۱۹۶۷ء۔

دنیا کو جاننا ہے ؎

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

پوری دنیا کو میدان محنت بنا کر قدم اٹھانا ہے اور اپنی ذات اور اپنے علاقے سے لے کر پورے عالم کا فکر کرنا ہے۔ سچا اور پکا امتی ہونا یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) والی ذمہ داری کو اپنے ذمہ جان کر جان و مال کی قربانی کرنے والا بن جائے، تو قیامت میں تمغہ ملے گا، اپنے مقام اور گھر سے لے کر دنیا کے آخری چپے تک کی ذمہ داری اوڑھنی ہے اگر ذمہ داری کے احساس میں اپنے مقام کو چھوڑ دیا یا صرف اپنے مقام ہی کو لے لیا اور عالمی فکر نہ کی تو اس کی یہ محنت ناقص ہے، جتنی قربانی کی صفت بڑھائے گا، اتنا ہی عالم میں خدائے پاک دین پھیلاتے جائیں گے، جتنی ہماری قربانی بڑھے گی اتنی ہی ہمارے کام کرنیکی صفت اور سابقیت اور پرانا پن بڑھتا رہے گا، زمانے کے مقدم اور مؤخر ہونے کی اللہ کے یہاں پوچھ نہیں ہے بلکہ صفات اور قربانی کی پوچھ ہے جس میں یہ صفت بڑھے گی وہ بڑھ جائے گا چاہے بعد میں آنے والا ہو۔ آپ نے اس امت کے بارے میں نحن الآخرون السابقون فرمایا ہے یعنی زمانہ کے اعتبار سے بعد میں آنے والے ہیں لیکن صفات کے اعتبار سے آخرت میں سب سے آگے ہوں گے، ایسے ہی امت کے افراد ہیں خواہ وہ بعد میں لگیں لیکن صفات و قربانی میں اگر آگے بڑھ جاتے ہیں تو یہ خدا کے یہاں مقدم ہوں گے لیکن اگر پہلے والوں میں قربانی و صفات بڑھتی چلی جائیں تو کوئی ان کی گرد کو نہیں پہونچ سکتا والسابقون السابقون اولئک المقربون صرف زمانے کی سبقت اور پہلے لگنا یہ معیار قرب نہیں بلکہ صفات و قربانی میں بڑھنا یہ معیار قرب و ترقی ہے خدا کے یہاں اوصاف و صفات کی پوچھ ہے بعد والے قربانی میں اگر پہلے والوں سے آگے جائیں تو وہی مقرب ہیں "

(ماخوذ از بیاض مولانا محمد عمر صاحبؒ)

تیسرا بیان اکیس جمادی الاولیٰ میں بعد نماز عشاء مجلس نکاح میں ہوا جس میں حضرت مولانا نے سادہ نکاحوں پر ترغیب دی اور اس موقع پر ہونے والی رسوم کو جاہلیت سے تعبیر کیا۔

چوتھا بیان جماعتوں کی روانگی کے وقت دعا سے قبل فرمایا اس موقع پر آپ نے آیت شریفہ انك لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء تلاوت فرما کر ہدایت کا اللہ جل شانہٗ کی طرف سے ملنا اور ذریعہ و بہانہ کے طور پر محنت و قربانی پر اس کا موقوف ہونا اور تمام صفتوں میں عبدیت کا مقام سب سے اونچا ہونا بیان فرمایا۔

پانچواں بیان تعلیم کے موقع پر ہوا اس میں آپ نے آیت شریفہ ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر تلاوت فرما کر تعلیم کے اصول و آداب بتلائے اور فرمایا کہ اس آیت شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ:

"پوری امت کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ وہ اتنے آدمی تیار کرے — جو پوری امت کو دعوت دینے کے لیے کافی ہو جائیں"

اسی ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ:

"فرض کفایہ، فرض عین سے بھی زیادہ قابل فکر ہے کیوں کہ جو شخص فرض عین ادا نہ کرے گا تو وہی اس کا گنہ گار ہو گا لیکن فرض کفایہ کے ادا نہ ہونے سے سب گنہ گار ہوں گے"

چھٹا بیان سری لنکا کے مشورہ والے احباب میں امیر کی عدم اطاعت خود رائی و خود نمائی، اپنی رائے پر ضد و اصرار اور تکبر و بڑائی جیسی مہلک چیزوں سے بچنے پر فرمایا

ساتواں بیان ظاہرہ کالج کے پرنسپل، پروفیسر صاحبان اور کالج کے دیگر عملہ و اسٹاف کے درمیان ہوا۔ پرنسپل صاحب نے اس اجتماع کے لیے کالج کی پوری عمارت منتظمین کے حوالہ کر دی تھی۔ حضرت مولانا نے اس کا شکریہ ادا کیا اور پھر اپنی دعوت اس طرح پیش کی:

"یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے آپ کو توفیق دی کہ آپ نے اجتماع کے لیے کالج میں تعطیل کر دی اس پر اللہ پاک آپ کو بہت اجر دیں گے۔ لیکن انسان سے خدائے پاک جو کچھ چاہتے ہیں، وہ اس کے علاوہ ہے۔ کالج میں اللہ کے مہمانوں کا اکٹھا ہونا اور کالج کا اس محنت میں استعمال ہونا بہت اچھی بات ہے لیکن کالج والے خود اس کام میں استعمال ہو جائیں یہ اصل چیز ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اس کالج میں ہونا بہت بڑی چیز ہے لیکن صرف تذکرہ کر دینے میں اور اس کی حقیقت اپنے اندر اتار لینے میں بہت بڑا فرق ہے، تذکرہ کرنے میں صرف ثواب ملے گا لیکن خدائے پاک کے یہاں سے انسان کی کامیابی کے جو وعدے ہیں وہ حقیقت پر ہیں جتنی حقیقت اپنے اندر آجائے گی اتنی ہی کامیابی ملتی چلی جائے گی اور اس راستہ میں خدا کا بہت بڑا کرم یہ ہے کہ جو شخص بھی حقیقی محنت کرنے والوں کے ساتھ شامل ہونے کے لیے محنت کرتا ہے تو چاہے وہ محنت کے اس بلند معیار تک نہ پہونچے لیکن اللہ جل شانہٗ اپنے فضل و کرم سے ایسے لوگوں کو حقیقت والوں میں شامل کر دیتا ہے۔

میرے عزیز دوستو! ہر چیز کے تین اجزاء ہوتے ہیں ایک لفظ دوسرے صورت اور تیسرے حقیقت ــــــ الفاظ تک پہونچنا بہت آسان ہے اور الفاظ کے بعد صورت کا درجہ ہے لیکن ان دونوں سے منافع اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتے جب تک کہ اس چیز کی حقیقت حاصل نہ ہو جائے مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں، جیسے کالج ایک لفظ ہے اور اس کی عمارت یہ اس کی صورت ہے لیکن تیسری چیز جو کالج کی حقیقت ہے وہ اس کی تعلیم اور پڑھنا پڑھانا ہے۔

ایسے ہی دین کے اندر الفاظ بھی ہیں اس کی صورت بھی ہے اور اس کے اندر حقیقت بھی ہے۔ اب محنت کر کے اس بات کی کوشش کرنا ہے کہ ہمارے

اندر اور دنیا بھر کے انسانوں کے اندر دین کی لائن کے اعتبار سے حقیقت آجائے
فکر کرتے رہیں کوشش کرتے رہیں اور ڈرتے رہیں کہ کہیں سیدھے راستے سے
بھٹک نہ جائیں "۔ (ماخوذ از بیاض مولانا محمد شمیم صاحب اعظمی)

آٹھواں بیان جمعیۃ العلماء برما سے تعلق رکھنے والے اہل علم کے درمیان فرمایا' ان حضرات سے ہونی والی گفتگو کا موضوع یہ تھا کہ دین میں اصل اعتبار عمل کی حقیقت اور روح کا ہے اور یہ کہ دین پر عمل کرتے ہوئے جس قدر ناگواریاں سامنے آئیں' ان کو برداشت کرنا نصرت الہیہ کے دروازوں کو مفتوح کرنے کا بڑا اہم ذریعہ ہے۔

اجتماع سے فارغ ہو کر سری لنکا کے مختلف مقامات کینڈی، بیٹی، کولا، کلمونہ، سماندرے بڈلہ وغیرہ تشریف لے گئے۔ ہر جگہ اجتماعات ہو کر جماعتیں نکلیں۔ ۲۰ر جمادی الاولی (۶ر ستمبر) میں جنوبی ہندوستان کا رخ فرماتے ہوئے ترچاپلی آمد ہوئی پھر سیلم اور وانمباڑی ہو کر گیارہ ستمبر میں بخیر و عافیت دہلی تشریف لائے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے روزنامچہ میں اس سفر کا اندراج ان الفاظ کیساتھ کیا گیا ہے۔

" مولوی انعام صاحب وغیرہ ہارون مولوی عمر بڑی جماعت کے ساتھ ۲۲ر اگست کی شب میں ۷ بجے دہلی سے روانہ ہوئے اور بدھ کی دوپہر کو ۱۱ بجے مدراس پہونچے، دو شب کا قیام طے تھا لیکن معلوم ہوا کہ جمعہ کو ہوائی جہاز عین جمعہ کے وقت پہونچتا ہے جس میں جانا ابتدائی سفر کی وجہ سے مناسب نہ سمجھا' اس بنا پر مولوی انعام، ہارون وغیرہ جمعرات کو کولمبو روانہ ہو گئے اور بقیہ رفقاء مولوی محمد عمر' مولوی عمران وغیرہ نیز عبدالوہاب ابوطلحہ قاضی جی۔ وغیرہ جو بدھ کو مدراس پہونچ گئے۔ تھے حسب تجویز سابق جمعہ کو کولمبو پہنچے حاجی نجم الہدیٰ، حاج ابوالحسن مکیان بھی ۲۵ر اگست کو کولمبو سیدھے پہونچ گئے۔

اس درمیان میں سیلون کے مختلف مقامات پر گشت کے بعد ۷ر ستمبر کو دو بجے دوپہر کو طیارے سے ترچی روانگی ہوئی۔ اور سیلم وانمباڑی مدراس ہوتے ہوئے گیارہ ستمبر کو دہلی پہنچے"۔

حضرت مولانا نے مرکز دہلی پہنچکر اپنی بخیر رسی کا جو مکتوب حضرت شیخ کو سہارنپور تحریر فرمایا اسمیں اس

سفر سے متعلق چند سطور یہ ملتی ہیں!

"الحمدللہ اجتماع سیلون بہت اچھا رہا۔ مسلمانوں پر تو اثر تھا ہی لیکن وہاں کے بدھوں پر بھی بہت اچھا اثر رہا۔ اسلام کی حقانیت کے قائل ہوئے جس کالج میں اجتماع ہوا، اسمیں ایک کرسچین ماسٹر تھا وہ اسلام لایا۔ یہ پندرہ برس سے اپنے مذہب کی زور سے تبلیغ کرتا تھا۔"

(۲) سفر تھائی لینڈ، ملیشیا، سنگاپور، برما

۱۳۹۲ھ — ۱۹۷۲ء

نظام الدین دہلی سے اس طویل سفر کا آغاز یکم محرم الحرام ۱۳۹۲ھ (۱۷ر فروری ۱۹۷۲ء) جمعرات میں ہوا۔ حضرت مولانا مع اپنے رفقاء مولانا محمد ہارون، مولانا محمد عمر، جناب منشی بشیر احمد، شیخ محمد سورتی وغیرہ جمبو جیٹ طیارے سے چل کر بینکاک (تھائی لینڈ) پہنچے۔ یہاں قافلہ کا قیام مسجد دارالامان میں ہوا۔ اور یہیں سے بڑی بڑی مساجد، مسجد انصار السنۃ، مسجد العتیق۔ مسجد ہارون میں جماعتیں پھیلا دی گئیں جنھوں نے اپنے حلقوں اور ماحول میں خوب جم کر دینی محنت کی، یہاں کے پانچ روزہ قیام میں ہونے والی محنت وجدوجہد کا کچھ اندازہ مولانا محمد عمر صاحب رح کے مکتوب کے اقتباس سے ہوگا۔ لکھتے ہیں:

"۱۷ر سے ۲۱ر فروری تک بینکوک میں قیام رہا، مختلف مساجد میں کام کیا۔ قیام مسجد دارالامان میں تھا۔ مسجد ہارون، مسجد انصار السنۃ، مسجد العتیق مسجد جامع الاسلام وغیرہ میں کام ہوا، اتوار کو شیخ الاسلام کی مسجد میں جس میں سینکڑوں ان کے معتقدین تھے، آدھ گھنٹے بات ہوئی۔ محمد صاحب سورتی ہمارے ترجمان اردو سے تھائی میں رہے، عربی سے تھائی میں ــــ شیخ عبدالرحمان ترجمان رہے۔ حضرت جی دامت برکاتہم کے بھی ارشادات مختلف مجلسوں میں ہوئے"۔ [۱]

---

[۱] مکتوب محررہ ۷ر محرم ۱۳۹۲ھ۔

۲۱ر فروری میں بینکاک سے بذریعہ ریل روانہ ہوکر تھائی لینڈ کو پار کرتے ہوئے ۲۲ر کو ملیشیا میں داخل ہوئے۔ بٹروریتھ اسٹیشن پر احباب کا بڑا مجمع استقبال کے لیے موجود تھا یہاں سے مختلف کاروں کے ذریعہ پینانگ (ملیشیا) پہنچے۔ تمام احباب سارے راستے تعلیم ذکر، تلاوت اور دینی مذاکروں میں مشغول رہے، مختلف حلقوں میں علاقائی زبانوں میں بیانات ہوئے۔ حضرت مولانا نے اس موقع پر مقصد زندگی اور ضرورت زندگی کو خوب وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا اور اسی ضمن میں حضرت ربیعۃ الرائے کا مشہور واقعہ سنایا، مجمع نے بڑے تاثر کے ساتھ بات سنی، اور خوب تشکیل میں حصہ لیا۔ یہاں کے قیام میں ایک دن پرانوں کا بھی جوڑ رکھا گیا، اس میں بھی حضرت مولانا نے پرانوں کی صفات اور اس کی شناخت کو تفصیل سے بیان فرمایا۔

مولانا محمد عمر صاحب اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں،

”بینکانگ سے ۵ جماعتیں روانہ ہوئیں۔ بینکاک میں ترجمہ ٹمیل زبان میں ہوا، لیکن ملائی زبان والے الگ بیٹھ جاتے۔ ان میں الگ ترجمہ ہوتا تھا۔ سنگاپور میں پہلے دن مرکزی مسجد میں بیان ہوا۔ ملائی زبان میں ترجمہ ہوا تشکیلیں ہوئیں، جمعہ کی نماز میں مختلف مساجد میں احباب گئے۔ حضرت جی نے مسجد سلطان میں جمعہ پڑھا، پھر سنیچر، اتوار کو کیمونگ سوسو کی مسجد میں اجتماع ہوا، احباب اچھے خاصے جمع ہوئے، سنیچر کو تعلیم کے کئی حلقے ہوئے، عصر کے بعد جماعتیں بن کر گشت میں گئیں، مغرب کے بعد عام مجمع میں بیان ہوا جس کا اردو ملائی، اور ٹمیل زبان میں ترجمے ہوئے۔ اتوار کو فجر کی نماز کے بعد مولوی ہارون صاحب کا بیان ہوا، ملائی زبان میں ترجمہ ہوا۔ نام آئے، پھر تعلیم کے حلقے دس بجے ہوئے، عصر کی نماز کے بعد پرانوں کے مجمع میں حضرت جی دامت برکاتہم کا بیان ہوا۔ مشورہ کی ایک جماعت بنی جو سنگاپور کے کام کو نظام الدین سے پوچھ کر چلائیگی۔ مغرب بعد بیان ہوا، ملائی میں ترجمہ ہوا، اور ٹمیل والے الگ بیٹھ گئے تھے ان میں الگ ترجمہ ہوا۔ پھر حضرت جی دامت برکاتہم نے آکر

بیان فرما کر جماعتیں رخصت فرمائیں تقریباً ۵۷ آدمی نکلے ان میں انڈونیشیا
تھائی لینڈ اور ہندوستان کے لیے جماعتیں بنی، باقی ملیشیا اور قرب وجوار کی بنیں
عرب حضرات بھی خوش ہیں۔" [1]

حضرت مولانا کی معیت و امارت میں یہ پورا قافلہ چھ مارچ کو بینکاک (ملیشیا) سے بذریعہ ریل روانہ ہو کر کوالالمپور ہوتے ہوئے سنگاپور پہونچا، یہاں آپ کا سب سے پہلا بیان بینکولین اسٹریٹ کی مسجد میں ہوا۔ حضرت مولانا نے سنگاپور کے قیام میں جو تفصیلی مکتوب حضرت شیخ کو ارسال فرمایا اس میں دعوتی مشاغل و اجتماعات کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ اس ملک میں مادیت کی طرف دوڑ اور مغربیت کی زبوں حالی پر نوحہ کرتے ہوئے ایمان ویقین والی زندگی کی طرف پلٹ کھانے پر اپنے دلی کرب وبے چینی کا اظہار بھی فرمایا ہے۔
اس مکتوب کی نقل یہ ہے:

" مخدوم مکرم معظم محترم مدظلکم العالی،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اس سے قبل ایک عریضہ بینکاک سے لکھا تھا جو غالباً مل گیا ہوگا۔ بینکاک سے ۲۱ مارچ ۱۹۷۲ء ۶ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ دوشنبہ کی شام کو ۳ بجکر چالیس منٹ پر روانہ ہوئے اگلے روز ۴ ½ بجے ملیشیا میں پینانگ پہونچ گئے۔ پینانگ شہر سمندر پار کرکے جانا پڑتا ہے۔ تین میل سمندر کا عرض ہے۔ اسٹیشن سے موٹروں میں سوار ہو کر سمندر پر پہونچے۔ موٹریں ہی اسٹیمر میں سوار ہو گئیں۔ اور پندرہ منٹ میں سمندر کو عبور کر لیا گیا۔ ویزے وغیرہ بہت سہولت سے حدود پر مل گئے۔ ایک کارڈ دیا گیا تھا جس کو بھر کر دے دیا گیا اور کھڑے کھڑے ویزا ہو گیا، خروج کے لیے ریل ہی میں پاسپورٹ لے کر خروج کر دیا گیا۔ دو شب پینانگ میں قیام رہا۔ پانچ جماعتیں تیار ہوئیں ایک تین

---

[1] مکتوب محررہ ۱۵ محرم ۱۳۹۲ھ ۲ مارچ ۱۹۷۲ء۔

چلہ کی، اور ایک ایک چلہ کی اور بقیہ تین جماعتیں دس روز، بیس روز کی ہیں ایک جماعت خاص ملیشیا والے حضرات کی ہمارے ساتھ سنگاپور آئی ہے جمعرات کی صبح ۹ بجے پینانگ سے روانہ ہوئے، شام کو پانچ بجے ملیشیا کے عاصمہ کوالالمپور پہونچے۔ مغرب کے وقت ایک مسجد میں نماز پڑھی۔ مغرب عشاء کے درمیان بندہ کا کچھ بیان ہوا عشاء کے بعد اسٹیشن آگئے، دس بجے سنگاپور کے لیے گاڑی تھی صبح کو آٹھ بجے سنگاپور پہونچ گئے۔ ریل ہی میں ملیشیا سے خروج اور سنگاپور کا ویزا ہو گیا۔ یہاں سنگاپور میں جمعہ کی صبح کو پہونچ کر جمعہ کے وقت مختلف مساجد میں جماعتوں کو بھیجا گیا اور مغرب کے بعد ایک مسجد میں اجتماع ہوا مولوی محمد عمر اور بندہ نے بیان کیا۔ الحمدللہ تشکیلیں ہوئی اور ہو رہی ہیں۔ دو شب یہاں پر اجتماع ہے، مغربیت و مادیت چھائی ہوئی ہے اور ہر شخص کی اس جانب دوڑ ہے حق کی طرف دعوت دینے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے کی شدید ضرورت ہے عوام کو صحیح بات اور صحیح راہ دکھانے کی بتانے کی فضاء اور ہوا ہے ہی نہیں، عوام بھولے بھالے روٹی اور کپڑے کی آوازیں دن رات سنتے ہیں، اسی کو زندگی کا مقصد بنانا اپنی معراج اور ترقی تصور کرتے ہیں۔ ایمان و اعمال کی آواز ہی کانوں میں پڑنی چھوٹی ہوئی ہے اللہ جل شانہ ہم پر اور پوری امت پر رحم فرمائے۔ دیہات میں ابھی تک جانا نہیں ہوا خیال ہے کہ ایک دو جگہ دیہات میں جانا ہو جائے کہ وہاں کی فضاء اس مادیت کے سیلاب سے دور ہوگی۔ وہاں پر اس ذریعہ سے ماحول میں کام کی شکلیں اور آخرت کی آواز کان میں پڑ جائے، ایمان و اعمال صالحہ کی فضاء قائم ہو جائے، اس کے لیے خصوصی دعاؤں کی التجا ہے۔ دعائیں ہی سہارا ہیں ان کمزور آوازوں کے لیے اور ہم جیسے ضعفا کے لیے، شخصی محبت کا اظہار تو یہ لوگ بہت کرتے ہیں۔ اللہ جل شانہ اس کو آخرت کی فکر اور محنت پر پڑنے کا ذریعہ فرمائے۔

ساتھی الحمدللہ خیریت سے ہیں دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں، گرمی برسات والی ہر جگہ پڑ رہی ہے، رات کو بھی پنکھے چلا کر سوتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ عافیت کے ساتھ سہولت کے ساتھ دینی فروغ کی صورتوں کے ساتھ اس سفر کو پورا فرمائے اور ایمان کی ہوائیں چلنے کا ذریعہ فرمائے۔ سب حضرات کی خدمات میں سلام مسنون گذارش دعا، گھر والوں کی خدمات میں سلام مسنون۔

والسلام

محمد انعام الحسن غفرلہٗ[1]

۱۴ محرم (یکم مارچ بدھ) میں آپ کی کولالمپور آمد ہوکر انڈین مسجد میں قیام و بیان ہوا یہاں سے پینانگ اور بنکاک ہوتے ہوئے ۲۲ محرم (۹ مارچ) جمعرات میں برما تشریف لائے۔ مولانا محمد عمر صاحب کا ایک گرامی نامہ جو سنگاپور سے برما تک کے سفری احوال پر کافی روشنی ڈالتا ہے، یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں :

"سنگاپور میں پرانوں کی مشورہ کی ایک جماعت بنائی ہے جو فکر سے کام کرے گی، سنگاپور سے روانہ ہوکر دو جگہ ملیشیا میں ایک ایک دن کام کیا دونوں جگہ سے نقد احباب ساتھ نکلے۔ اچھا خاصہ قافلہ ساتھ چل رہا ہے اپنے ساتھی بھی وقتاً فوقتاً اس قافلے میں لگ کر محنت کرتے ہیں۔ حضرت جی دامت برکاتہم نے بھی کئی جگہ قافلہ میں بات کی۔ رات کا بیان فرمایا۔ قافلے سے مقامی کام کی بھی تفصیلی بات ہوئی تاکہ ہر جگہ مقامی کام ہو۔ ملیشیا کے احباب بہت نرم دل ہوتے ہیں، روتے بہت جلدی ہیں، سیکھنے کا جذبہ بھی بہت ہے بعض ترجمان بھی بہت اچھے ملے جو بات جم کر کرتے ہیں، ان دو جگہوں کے نام جوہر بارو، اور باتو بھات ہے۔ اس کے بعد پینانگ آنا ہوا مختلف جگہوں پر اطراف میں کام ہوا، قافلہ تو انھیں مقامات پر منتقل ہوتا رہا اور حضرت جی دامت برکاتہم مع اپنے ساتھیوں کے عصر سے عشاء تک ان

---

[1] مکتوب محررہ ۱۱ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ از سنگاپور۔

مساجد میں جاتے رہے۔ پنانگ سے باہر نکلنے کے لیے سمندر عبور کرنا پڑتا ہے۔ جہاز ہی میں موٹریں وغیرہ داخل ہو جاتی ہیں۔ دوسرے کنارے تک جہاز پہنچ جاتا ہے۔ پینانگ میں احباب کافی قریب ہوئے۔ انڈونیشیا کے لیے اور تھائی لینڈ کے لیے جماعتیں بنیں، ہندوستان کے لیے بھی سنگاپور، ملیشیا سے کافی نام آئے ایک جماعت ۱۶ر مارچ کو ہندوستان کے لیے بحری جہاز میں بیٹھے گی۔ دوسری بڑی جماعت ۲۹ر مارچ کے جہاز سے سوار ہو گئی۔ سنگاپور سے پینانگ آتے ہوئے دو دن کولالمپور بھی قیام رہا۔ یہ دارالحکومت ہے، دینی کام یہاں بہت کم ہے لیکن پھر بھی لوگ قریب ہوئے۔ خواص کا الگ اجتماع بھی ہوا تھا انھوں نے بھی وعدے کیے۔ اکثر جنوبی ہند کے تجار ہیں۔ پینانگ سے مقامی ماحول کے لیے بھی جماعتیں بنیں۔ ہندوستان سے آئی ہوئی جماعتیں ہر جگہ ملی۔ اللہ آخرت کی فکر کو ہر جگہ جاری کرے۔ کلمہ نماز کی محنت قبول ہو پھر ۶ر مارچ کو پینانگ سے بذریعہ ریل بنکاک کے لیے روانہ ہوئے اسٹیشن پر کافی احباب رخصت کرنے آئے آنکھوں میں آنسو تھے اور چہروں پر جدائی کے آثار تھے حضرت جی دامت برکاتہم سے کافی احباب قریب ہوئے۔ ریل ۲۴ گھنٹوں میں بینکوک پہونچی۔ راستوں میں نمازوں وغیرہ میں آسانی رہی بینکوک میں مقامی احباب اور محمد شفیع بستی والوں کی جماعت کے احباب اسٹیشن پر تھے۔ آسانی سے مسجد ہارون پہنچے اور ایک دن وہاں رہ کر برما آمد ہو گئی ۔“ [1]

برما میں حضرت مولانا کا قیام ۹ تا ۱۶ر مارچ رہا۔ یہاں کے اس ہفت روزہ قیام میں مانڈلے، مولمین (سورتی مسجد) اور متعدد دارالعلوم و جامعات (جیسے دارالعلوم نانبویہ — اور صادقیہ وصوفیہ) میں تشریف لے گئے اور ہر جگہ عمومی وخصوصی اجتماعات ہوئے۔ رنگون کا

---

[1] مکتوب محررہ ۲۲ر محرم ۱۳۹۲ھ ۹ر مارچ ۱۹۷۲ء از رنگون ۔

روزہ اجتماع اس موقع پر ۲۶، ۲۷، ۲۸، محرم (۱۳، ۱۴، ۱۵، مارچ) میں منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا اور ان کے رفقاء نے شرکت کی۔

مولانا مفتی محمود داؤد یوسف صاحب اپنے مکتوب بنام حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ میں سفر برما کی کارگذاری اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا انعام الحسن صاحب مع رفقاء مولوی محمد عمر صاحب، مولوی ابراہیم صاحب منشی جی وغیرہ ہمراہ ۳۵ اشخاص مقامی جن میں مولوی حافظ صالح صاحب مظاہری مولوی فضل الرحمان صاحب، مولوی عبدالوہاب صاحب، قاری یوسف صاحب اسعدی مدرسین دار العلوم ناگوے، مولوی محمود راسا مظاہری اور یہ احقر مورخہ ۱۰ / مارچ کی صبح کو بذریعہ مخصوص طیارہ مانڈلے روانہ ہوئے۔ ۱۰½ بجے پہونچے، مانڈلے میں ایک اجتماع کا انتظام تھا جمعہ کی نماز کے بعد سے کام شروع ہوا۔ ۳ بجے علماء کرام کا مخصوص اجتماع رہا۔ مولانا عمر صاحب نے خطاب کیا، عصر کے بعد خصوصی مجلس رہی۔ مولوی ابراہیم صاحب سورتی نے مستورات کے اجتماع کو خطاب کیا مغرب کے بعد مولانا انعام الحسن صاحب سے بیعت ہونے والے بیعت ہوئے عشاء کے بعد اجتماع میں مولانا موصوف نے خطاب کیا، سنیچر کو بھی تقریباً اسی طرح کا پروگرام رہا۔ البتہ عصر کے بعد مولانا انعام صاحب نے بھی علماء کی مخصوص مجلس میں خطاب کیا، اتوار کی صبح کو دس بجے مانڈلے سے براہ راست مولمین کو روانگی ہوئی، ۱۲ بجے مولمین پہونچے ہر جگہ جم غفیر نے استقبال کیا مولمین میں بھی اجتماع کا انتظام رہا۔ علماء و مستورات و حکام کی مخصوص مجالس میں خطابات ہوئے، ہر جگہ سے جماعتیں رنگون کے اجتماع کے لیے تیار ہوئیں۔ رنگون سے جماعتیں نکلیں گی۔ مولمین میں تقریباً ۱۳ علماء نے سال سال بھر کا وعدہ کیا۔ بعضوں نے چلہ میں جانا منظور کیا۔ مولمین میں بھی کافی لوگ بیعت ہوئے۔ کل صبح ۸ بجے مولمین کے مطار سے رنگون روانہ ہوئے اور وہاں سے سیدھے اجتماع گاہ کی طرف روانگی ہوئی۔ شہر رنگون سے اجتماع۔۔۔

کی جگہ تقریباً ۱۶ میل پر واقع ہے" لہ

حضرت مولانا مع اپنے رفقاء ۲۹ محرم / ۱۶ مارچ جمعرات میں برما سے بذریعہ طیارہ کلکتہ پہونچ کر اگلے دن بذریعہ ریل سہارنپور کے لیے روانہ ہوئے۔ اور دو یوم حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں رہ کر ۵ صفر / ۲۱ مارچ میں مرکز دہلی تشریف لے گئے۔

اس اختتام سفر کی یادداشت حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ اپنے روزنامچہ میں اس طرح درج فرماتے ہیں:

"آج ۲۹ محرم جمعرات کی دوپہر میں مولوی انعام الحسن ۱۰ بجے کے قریب رنگون سے چل کر ڈیڑھ گھنٹے میں کلکتہ پہونچے اور کلکتہ سے جمعہ و شنبہ کی درمیانی شب میں دہرہ ایکسپریس سے چل کر اتوار کی صبح کو سہارنپور پہونچے — بابو ایاز مع مولوی اظہار وزیر شنبہ کی دوپہر کو گاڑی لے کر سہارنپور پہونچ گئے تھے، منگل کی صبح کو مولوی انعام صاحب کسی کی کار میں براہ میرٹھ — دلی تشریف لے گئے، اور ہارون بابو جی کی کار میں براہ کاندھلہ دہلی کے لیے روانہ ہوئے"

اس موقع پر حضرت شیخ رح کا وہ مکتوب گرامی بھی پیش کیا جاتا ہے جو آپ نے حضرت مولانا کو برما کے زمانۂ قیام میں تحریر فرمایا تھا:

"مکرم محترم جناب الحاج مولانا انعام الحسن صاحب مدفیوضکم!

بعد سلام مسنون

اس سے بہت مسرت ہوئی کہ ہر جگہ ویزا نہایت سہولت سے ریل ہی میں ملتا چلا گیا، ایسا تو کبھی سننے میں نہیں آیا، اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے تم دوستوں کے اس سفر کو مثمر ثمرات و برکات بنائے۔ تم نے مغربیت کی جو شدت لکھی آج اس سے کون سی جگہ خالی ہے۔

لہ مکتوب محررہ ۲۷ محرم ۱۳۹۲ھ ۱۴ مارچ ۱۹۷۲ء۔ از رنگون۔

اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے۔ دعائیں تو تم دوستوں کی روانگی کے بعد سے بہت اہتمام سے کی جارہی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے نہایت سہولت وراحت کے ساتھ سفر کو پورا فرمائے۔ مثمر ثمرات وبرکات بنائے، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنے دین کی مشغولی میں شامل فرمائے۔

مولوی یعقوب صاحب سہارنپور کے قریب ایک گاؤں کے اجتماع کے لیے منگل کو آئے تھے اور اجتماع کے ختم کے بعد دوسرے دن سہارنپور آگئے تھے اس اجتماع میں عزیزان زبیر وشاہد بھی یہاں کے احباب کی درخواست پر گئے تھے، ظہر کے بعد روانہ ہوئے تھے اور دوسرے دن عصر کے بعد واپس آگئے۔ فقط والسلام

محمد زکریا بقلم مظہر عالم مظفرپوری ۱۷ر محرم ۱۳۹۲ھ "

(۳) سفر کویت، عراق، انگلینڈ، فرانس، اسپین، مراکش، ترکی لبنان، شام، اردن، سعودی عرب ۱۳۹۲ھ —— ۱۹۷۲ء

اس طویل دعوتی سفر پر حضرت مولانا ۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ ۶ر جولائی ۱۹۷۲ء جمعرات میں مرکز نظام الدین سے روانہ ہوئے۔ قدیم معمول کے مطابق حضرت مولانا نے یہ سفر بھی حضرت شیخؒ سے ادعیہ صالحہ کی درخواست کرتے ہوئے شروع فرمایا۔ چنانچہ عین روانگی وقت پالم ایرپورٹ سے حضرت شیخؒ کو لکھتے ہیں:

" اس وقت سات بجے کے قریب مطار پر پہونچ گئے ہیں یہ عریضہ مطار ہی سے تحریر کیا جارہا ہے، ٹکٹ، پاسپورٹ دکھائے جارہے ہیں —— بجز دعاہائے خصوصی کی درخواست کے اور کیا عرض کروں "[1]

---

[1] مکتوب محررہ ۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ از پالم ایرپورٹ۔

مذکورہ تاریخ میں صبح آٹھ بجے آپ کویت ایرلائنز سے روانہ ہوکر سیدھے کویت تشریف لے گئے۔ شہر سے ۲۵ کلومیٹر دور مطار پر استقبال کرنے والے مقامی عرب اور غیر عرب احباب بڑی تعداد میں موجود تھے۔ حضرت مولانا نے طویل دعا فرمائی جس میں عرب ممالک میں دعوتی کام جمنے اور عربوں کے اس محنت پر کھڑا ہونے کی خصوصیت کے ساتھ دعا کی۔

کویت میں قیام شیخ خالد دلوس کے مکان پر ہوا۔ یہ زمانہ وہاں پر سخت گرمی کا تھا لیکن اس کے باوجود متعدد چھوٹے بڑے اجتماعات ہوئے جن میں عرب بڑی تعداد میں شامل ہوئے، ان کے علاوہ مسجد الایمان خیری میں ایک اہم سہ روزہ اجتماع بہت اچھے انداز میں ہوا جن میں تشکیلیں بھی خوب ہوئیں۔

کویت پہونچ کر وہاں ہونے والے اجتماعات اور مشغولیت اور مصروفیت کا تذکرہ حضرت مولانا اپنے ایک مکتوب (بنام حضرت شیخ) میں اس طرح فرماتے ہیں:

"الحمد للہ بخیریت وراحت کویت کے سوا بجے اور ہندی پونے بارہ بجے کویت پہونچ گئے۔ دہلی سے سوا آٹھ بجے پرواز شروع ہوئی۔ اور ٹھیک پونے بارہ بجے ساڑھے تین گھنٹہ میں کویت پہنچ گئے الحمد للہ راستہ میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ کویت میں خوب گرمی ہے لو چل رہی ہے، بھائی عبدالوہاب، بھائی یوسف رنگ والے، بھائی ابراہیم عبدالجبار، دو روز پہلے سے آئے ہوئے ہیں مولوی سعید خاں بھی کل سے ایک جماعت شیوخ نجد کی لے کر پہونچے ہوئے ہیں۔ آج شام ملک عبدالحق بھی پہونچنے والے ہیں، ہمارے ساتھ شیخ یونس انس، یاسین بھی کویت تک اسی طیارے میں ساتھ آئے، ملاقات بھی ہوئی، لیکن بات کچھ نہیں ہوئی۔

۔ الحمد للہ تین روز کویت میں بخیریت گذر گئے اور آج جماعتیں روانہ ہوگئیں ہیں۔ اسی وقت جماعت کی روانگی سے فارغ ہوکر نماز کے انتظار میں تھے۔ ہمارا اجتماع کویت شہر سے بیس کیلومیٹر کے فاصلہ پر ایک ناتمام مسجد میں تھا۔ سب سے الگ جنگل میں آج شام کو دوسرا اجتماع شہر میں ہے

کیوں کہ بعید ہونے کی بنا پر سب کی رائے یہ ہوئی کہ ایک اجتماع شہر میں بھی ہو جائے۔

موسم شدید گرم ہے، رات کو مغرب تک خوب لو چلتی ہے اور بہت ...ھلتی ہے۔ ہمارا قیام بالکل سمندر کے کنارے ہے، الحمدللہ ساتھی سب بخیر ہیں اگرچہ بہت بے عنوانی ہو رہی ہے کہ کولر میں سے ایک دم خوب گرمی میں نکلنا ہوتا ہے، کولر میں تو کپڑا اوڑھ کر سونا ہوتا ہے اور باہر نکل کر خوب سخت گرمی اللہ جل شانہٗ فضل فرمائیں۔"[1]

مولانا محمد عمر صاحب نے جو مکتوب حضرت شیخ کی خدمت میں کویت سے ارسال فرمایا اس میں مسجد احمدی اور مسجد ایمان الخیری میں ہونے والے ہر دو اجتماعات کی مزید معلومات اور تفصیلات یہ ملتی ہیں۔ لکھتے ہیں:

"جمعرات ۶ر جولائی میں مسجد احمدی میں مغرب کے بعد بندہ کا عربی میں بیان ہوا۔

سیکڑوں عرب حضرات جمع تھے اخیر میں تشکیل ہوئی۔ عشاء کی نماز وقت پر ہوئی۔ عشاء کے بعد شیخ عبدالرزاق مصری نے کتاب حیات الصحابہ پڑھ کر پھر تشکیل کی، وہاں سے ہم قیام گاہ آگئے۔ جمعہ، سنیچر، اتوار تین دن اجتماع رکھا ہے۔ اجتماع گاہ والی مسجد ایمان الخیری قیام گاہ سے قریب ہے۔ سارا مجمع مسجد احمدی سے اجتماع گاہ پر آگیا، جمعہ کو فجر کی نماز کے بعد مولانا سعید احمد خاں صاحب کا عربی میں بیان ہوا۔ پھر مجمع چھوڑ دیا۔ ۹ بجے کے قریب تعلیم کے عربی اور اردو دو حلقے ہوئے اخیر میں دو حلقے جمع کر کے حضرت جی دامت برکاتہم کا بیان ہوا۔ بندہ نے ترجمہ کیا، پھر جماعتیں جمعہ کی نماز پڑھنے مختلف مساجد میں تقسیم ہوگئیں پھر عصر کے بعد شیخ راشد حقان نے عربی میں بات کرتے کے

---

[1] مکتوب محررہ ۹ر جولائی ۱۹۷۲ء از مسجد ایمان الخیری۔

جماعتوں کو گشتوں میں بھیج دیا، اردو والوں میں بھائی ابراہیم عبدالجبار صاحب نے بات کی مغرب کی نماز کے بعد عربی میں بندہ کا بیان ہوا، عرب ایک ہزار سے بھی زیادہ تھے کیوں کہ چھٹی کا دن تھا۔

عشاء کے بعد پھر شیخ عبدالرزاق مصری سے کتاب پڑھوا کر تشکیل کرائی گئی، کچھ نئے اور کچھ پرانے نام آئے۔ سنیچر کو فجر کی نماز کے بعد عربی میں فضلِ عظیم صاحب مکی کا بیان ہوا۔ تعلیم کے حلقوں کے موقع پر حضرت جی دامت برکاتہم اور ہم سب اجتماع گاہ پہنچ کر سارے مشورہ والے عرب حضرات اور اپنے سارے ساتھی اور حضرت جی دامت برکاتہم سب تعلیمی حلقے میں بیٹھ گئے اور بندہ کا عربی میں تعلیم کے سلسلے میں آدھا پون گھنٹے بیان ہوا۔ اس کے بعد ہم سب الگ کمرہ میں مشورہ میں بیٹھ گئے۔

مشورہ سے ظہر کے بعد فارغ ہوئے۔ عصر کے بعد عربوں میں مولانا سعید خاں صاحب نے اصول کی باتیں کیں پھر جماعتیں گشت میں گئیں، مغرب کے بعد بندہ کا بیان عربی میں اور حضرت جی دامت برکاتہم کا اردو والوں میں ہوا حضرت جی دامت برکاتہم کے بیان پر تشکیل ہوئی۔ حضرت جی کے بیان پر چار آدمیوں نے تین چلے نقد اور بارہ نے کم وقت لکھائے۔ جمعہ میں عصر کے بعد قبائل کے دو چودھری صاحبان آئے تھے ان سے حضرت جی دامت برکاتہم نے بات کی جس کا انھوں نے اثر لیا۔ اتوار اجتماع کا آخری دن تھا فجر کی نماز کے بعد مولوی محمد بن سلیمان جھانجی کا عربوں میں بیان ہوا، پھر آرام وناشتے کے لیے چھوڑا پھر سوا نو بجے سے گیارہ بجے تک بندہ کا روانگی کے اصول و آداب پر بیان ہوا، پھر حضرت جی دامت برکاتہم نے بیان فرمایا ترجمہ بندہ نے کیا پھر حضرت جی نے دعا فرمائی اور مصافحہ کر کے جماعتوں کی روانگی سے فارغ ہوئے۔

آج رات کا بیان شہر کویت کی مسجد بلدیہ میں تھا، نئے عرب بھی تھے حضرت جی

دارت برکاتہم نے بیان فرمایا۔ دفتری چلوں کے نام آئے کہ دفتر سے مسجد اور مسجد سے دفتر جائیں۔ ایسے کافی نام آئے، عربوں میں بندہ کا بیان ہوا، چار چار ماہ کے نقد نام آئے۔ اجتماع سے فارغ ہو کر راستے میں ایک مکان پر اندر مستورات اور باہر مرد جمع تھے وہاں حضرت جی مدظلہ کو بیعت کے لیے جانا ہوا۔ احباب بھی ساتھ تھے پھر قیام گاہ پہونچے"۔[1]

مولانا محمد بن سلیمان جھانجی کے مکتوب بنام حضرت شیخ رح کے مطابق کویت کے اس اجتماع سے نو جماعتیں یورپ، ہندوستان، پاکستان، دوبئی اور بحرین وغیرہ کے لیے روانہ ہوئیں جب کہ اجتماع سے قبل بھی متعدد جماعتیں دین کی نسبت پر اللہ جل شانہ کے راستہ میں نکل گئیں تھیں۔

دہلی سے روانہ ہوتے وقت حضرت مولانا کی طبیعت پر خصوصیت کے ساتھ آسٹریلیا اور برازیل میں جماعت بھیجنے کا جذبہ و فکر تھا۔ چنانچہ کویت پہونچ کر سب سے پہلے آپ نے مقامی عربوں کے سامنے اس کا تقاضا رکھا اور مطالبہ کیا کہ ان دونوں ملکوں کے لیے جماعت تیار کی جائے۔ چنانچہ اللہ جل شانہ کے فضل وکرم سے ان دونوں ملکوں کے لیے جماعت تیار ہو کر روانہ ہوئی، ______ ۔ برازیل کی جماعت آپ نے مولانا محمد یعقوب صاحب کاوی کی زیر امارت روانہ فرمائی اور اس کے لیے پیرس کے اجتماع سے دو، اور مراکش کے اجتماع سے تین عربوں کی بڑی اہتمام سے تشکیل فرما کر اس جماعت میں ان کو شامل کیا۔

۲۸؍ جمادی الاولیٰ (۱۰؍ جولائی) میں حضرت مولانا کویت سے بغداد پہونچے جامع رشید الدراغ میں قیام ہوا اور یہیں شب میں اجتماع ہوا۔ امام مسجد شیخ کاظم حضرت مولانا اور اس دعوتی کام سے بہت مانوس اور متاثر ہوئے۔ آخر تک ساتھ رہے، یہاں کے قیام میں آپ مدائن، کسریٰ، جو بغداد سے ۳۴؍ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور آج کل سلمان پاک کے

---

[1] مکتوب محررہ ۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ ۹؍ جولائی ۱۹۷۲ء از کویت

نام سے مشہور ہے، تشریف لے گئے۔ اسی طرح حضرت یوشع علیہ السلام حضرت سلمان فارسی، حضرت حذیفہ حضرت عبداللہ بن جابر، حضرت جنید بغدادی، حضرت سری سقطی، حضرت معروف کرخی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی قبور مبارکہ پر حاضری دے کر فاتحہ پڑھی اور ایصال ثواب کیا۔ ایک دن موقع نکال کر ایوان کسریٰ بھی تشریف لے گئے اور خصوصیت کے ساتھ اس مقام کو دیکھا جو شق ہوگیا تھا۔ اور آج تک وہ اسی طرح موجود وباقی ہے۔

حضرت مولانا ان قبور مبارکہ پر حاصل ہونے والی کیفیات ومشاہدات کے متعلق حضرت شیخ رح کو لکھتے ہیں:

"بغداد میں اپنے اسلاف کے مزارات پر حاضری کے وقت حضرت والا کا دھیان آیا کہ ان کے پاس حاضری میں حضرت والا کی ملاقات تو (اصل) ملاقات ہوتی۔ ان سب حضرات کے یہاں سکون وسکینہ تھا لیکن حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بشاشت خوب تھی۔" [1]

مولانا محمد عمر صاحب رح بغداد میں ہونے والی دعوتی محنت اور ان مقامات متبرکہ کی زیارت کی تفصیلات اپنے ایک طویل مکتوب میں حضرت شیخ رح کو ان الفاظ کے ساتھ لکھتے ہیں:

"بغداد جانے کے لیے ہم لوگ دس جولائی میں کویت ایرپورٹ پہونچے واپسی کی دعا ہوئی، لوگوں پر جدائی کا اثر تھا۔ کویت کے چھ عرب انگلینڈ کے سفر میں رہنے کے لیے ساتھ ہوئے۔ ہوائی جہاز کویتی ایرلائن کا تھا تقریباً سوا نو بجے کویتی وقت سے اڑا۔ اور سوا دس بجے بغداد کے ہوائی اڈہ پر اترے۔ مقامی علماء اور عوام ایرپورٹ پر آئے ہوئے تھے۔ بغداد میں جامع رشید الدراغ میں قیام رہا۔ اردن اور شام اور لبنان کے عرب حضرات اچھی مقدار میں آئے تھے مسجد میں مشورہ ہوا کئی جماعت مختلف مسجدوں میں کام کرنے کے لیے بنی

---

[1] مکتوب محررہ ۲۵ جولائی ۱۹۷۲ء از ڈیوزبری۔

ایک مسجد میں بڑا اجتماع مصلحت کے خلاف تھا اس لیے ہر جماعت نے عشاء تک اپنی اپنی مسجد میں کام کیا اور ہم لوگوں نے جامع رشید الدراغ میں کام کیا یہ پیر کا دن تھا۔ اطراف کے کئی علماء حضرت جی دامت برکاتہم سے ملنے آئے تھے، عصر کے بعد ان سے ملاقات ہوئی۔ الحمد للہ اچھی مجلس رہی۔ مسجد میں مولانا سعید احمد خاں صاحب نے مجمع کو سنبھالا اور گشت میں بھیجا، مختلف مساجد میں جانے والی جماعتوں کو عصر سے پہلے روانہ کیا۔ ظہر کے بعد کھانا ہوا ہر ایک نے اپنا اپنا پاؤ پاؤ دینار عراقی جمع کرا دیا۔ حضرت جی دامت برکاتہم نے عربوں کو کھانے کے لیے پہلے بٹھایا اور خود کھلانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ تو حضرت جی کے ساتھ ہم لوگ بھی جڑ گئے۔ عرب شرما رہے تھے کہ شیخ کھڑے ہو کر ہمیں پانی پلا رہے ہیں لیکن حضرت جی برابر پانی پلاتے رہے اور کھانے کی ترتیب دیتے رہے پھر ہم سب نے اخیر میں کھایا، عربوں پر اس کا کافی اثر پڑا۔ رات کے بیان میں الحمد للہ تشکیل ہوئی۔ عراق میں زیادہ فضا نہیں ہے۔ لیکن حضرت جی دامت برکاتہم کے پہونچنے کی برکت سے عربوں نے مختلف ملکوں سے آکر محنت کی تو حضرت جی دامت برکاتہم فرمانے لگے کہ یہاں تو اچھی فضا ہے، فضا نہیں تھی لیکن بن گئی۔ عراقی عرب حضرات حضرت جی سے فرداً فرداً خوب ملے اور حضرت جی بھی ان کے سامنے خوب کھلے، باوجود اپنے عوارض کے حضرت پر بشاشت رہی۔ احباب نے مشورہ دیا کہ یہاں انبیاء اولیاء کی قبروں کی زیارت کے لیے چلیں تو حضرت جی نے ارشاد فرمایا کہ پہلے دعوت کے کام کی ترتیب بنے اور خوب اطمینان ہو جائے، پھر جتنا وقت بچے اس میں زیارت کی سعادت حاصل کی جائے، چونکہ ہمارے پاس کام کرنے والے کافی تعداد میں ہیں، اس لیے کام کی بہت اچھی ترتیب بن گئی۔

۱۱ر جون منگل کو صبح کی نماز کے بعد ہم ایک گاؤں میں گئے جس کا

نام سلمان پاک ہے اور پرانا نام مدائن ہے۔ بغداد سے بیس میل سے زیادہ فاصلہ ہے وہاں تین قبروں کی زیارت ہوئی۔ سلمان فارسی کی قبر پر گئے وہاں لکھا ہوا تھا سلمان منا اهل البيت پھر حضرت حذیفہ رض اور حضرت عبد اللہ بن جابر رض ان تینوں قبروں کی زیارت کی پھر کسریٰ کے محل کی ایک دیوار دیکھی جو اب تک ہے جس میں شگاف پڑا ہوا ہے، یہاں کے لوگوں نے بتایا کہ یہ شگاف حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت سے ہے لیکن اب حکومت اس شگاف پر پیوند لگا رہی ہے۔ حضرت جی دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ چودہ سو سال سے اب تک یہ نہیں گرا، اور اللہ معجزہ دکھا رہے ہیں اب اس میں ترمیم کرنے سے خدانخواستہ یہ گر نہ جائے، سلمان پاک سے واپسی پر ہم بغداد کے قبرستان کے قریب اترے، حضرت جنید بغدادی اور حضرت سری سقطی رح حضرت یوشع علیہ السلام کی قبروں پر جانا ہوا، حجرے بند تھے، باہر باہر سے سلام کیا اور زیارت کی راستے میں بلا ارادہ ابونواس شاعر کی قبر ملی، حضرت جی نے وہاں پر بھی ایصال ثواب کرایا پھر وہاں سے پیدل شیخ معروف کرخی رح کی قبر پر گئے، زیارت کی حضرت جی تو بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ ایک مسجد میں یہ قبر الگ ہے وہیں پر ایک تہ خانہ ہے جہاں پر شیخ عبدالقادر جیلانی رح اور شیخ معروف کرخی رح اپنے اپنے زمانے میں خوب عبادت کرتے تھے اور وضو کی جگہ بھی تھی۔ یہ تہ خانہ بالکل ٹھنڈا تھا، اسی میں کنواں بھی تھا ہم نے اس کنویں کے پانی سے وضو کیا اور دو دو رکعت نماز پڑھی، حضرت جی نے تو خاص اسی جگہ نماز پڑھی جہاں یہ بزرگان دین پڑھتے تھے، ہم لوگوں نے آس پاس میں پڑھی، پھر قریب کے قبرستان میں شیخ محمود آلوسی رح کی قبر ہے جو صاحب روح المعانی ہیں پھر واپس قیام گاہ پر آئے منگل کو رات کا بیان امام ابو حنیفہ رح کی مسجد میں رکھا تھا، شام کو عصر کے بعد شیخ عبدالقادر جیلانی رح کی زیارت سے فارغ ہو کر جامع امام اعظم پر

پہونچ گئے بمغرب بعد کا پروگرام اچھا رہا تعلیم یافتہ طبقہ زیادہ تھا۔ الحمدللہ جامع امام ابوحنیفہؒ میں تشکیل بھی اچھی ہوئی، جذبات بھی اچھے بنے، کچھ علماء عشاء کے بعد حضرت جی سے ملنے آئے یہ مجلس بھی تھوڑی دیر چلی پھر کام کرکے قیام گاہ پر واپس ہوئے۔"[1]

حضرت مولانا ۳۰ر جمادی الاولیٰ (۱۲ر جولائی) بدھ میں بغداد سے روانہ ہوکر بیروت ہوائی اڈہ پر کچھ دیر ٹھہر کر ایتھنس (یونان) پہنچے یہاں نماز ظہر ادا کی گئی اور پھر سب رفقاء نے اپنی اپنی گھڑیاں مقامی وقت کے اعتبار سے ایک گھنٹہ پیچھے کرلیں۔ یہاں سے چل کر جینوا اترے۔ یہاں بھی گھڑیاں مزید ایک گھنٹہ پیچھے کی گئیں۔

بغداد سے روانگی کی تفصیل حضرت مولانا کے مکتوب (بنام حضرت شیخ رحؒ) میں پڑھیے تحریر فرماتے ہیں:

"بغداد سے جس جہاز سے آئے، جہاز والوں سے بغداد ہی میں یہ بات طے ہوگئی تھی کہ ہم گوشت نہیں کھائیں گے سبزی وغیرہ ہمارے لیے تیار کی جائیں چنانچہ ہم سب کے لیے کھانا اور پانی کا علیحدہ انتظام کیا گیا اور جینوا میں جہاں پر جہاز بدلنا ہوا وہاں پر بھی دوسرے جہاز پر پہونچانے کے لیے ایک لڑکی شروع سے ساتھ رہی اور بہت ہی ہمدردی کا اظہار کرتی رہی۔ اس سے کہا بھی گیا کہ ہمارے مذہب میں اجنبیہ کے ساتھ ایسی بے تکلفی کے ساتھ بات چیت کرنا۔ ٹھیک نہیں وہ اس سے بھی اور زیادہ متاثر ہوئی۔ ہم بغداد سے ۱۰ بجے صبح کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں چالیس منٹ بیروت میں جہاز ٹھہرا، بیروت سے چل کر یونان کے مطار پر ظہر کی نماز پڑھی جہاں پر آدھا گھنٹہ جہاز ٹھہرا یونان کے مطار ایتھنس سے روانہ ہوکر جینوا پہنچے، جہاں پر جہاز بدلنا تھا۔ وہاں مطار پر اپنا کپڑا بچھا کر ہم تعلیم کررہے تھے کہ بھائی شفیع حافظ عبدالعزیز

---

[1] مکتوب محررہ ۲ر جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ ۱۳ر جولائی ۱۹۷۲ء از لندن

اوراخلاص احمد آگئے" [1]

بغداد کے اختتام سفر پر (لندن روانہ ہونے سے قبل) حضرت مولانا نے عربوں سے رخصتی بات کی جو صاف اور فصیح عربی زبان میں تھی اور پھر دعا فرما کر حضرت مولانا عازم انگلینڈ ہوئے۔ راستہ میں بیروت، جنیوا، ایتھنس، کو عبور کرتے ہوئے چھ گھنٹے کی پرواز کے بعد بخیر و عافیت لندن ایرپورٹ اترے۔ ایسٹ لندن مسجد میں پہونچ کر نماز عصر ادا کی اور بعد مغرب احباب سے ملاقات فرمائی۔

لندن پہونچکر حضرت مولانا نے اپنی بخیر رسی اور روداد سفر کے دو مکتوب حضرت شیخ کی خدمت میں مدینہ منورہ ارسال فرمائے، یہاں ان دونوں مکاتیب کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں :

"بدھ ۱۲ر جولائی کو عصر سے قبل بخیریت الحمد للہ لندن کے مطار پر پہونچ گئے، مطار پر بہت بڑا مجمع تھا، مطار پر دعا ہوئی اور دیگر لوگ بھی بہت سے تماشائی اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ قاضی عبدالقادر مفتی صاحب بھائی افضل اور ان کے یہاں کا مجمع بھی موجود تھا الحمد للہ کوئی دقت اور کوئی تکلیف نہیں ہوئی بلکہ اللہ جل شانہ کے فضل سے سب عملہ والے تعاون ہی کرتے رہے۔

لندن مطار پر پہنچ کر قانونی کارروائی سے قبل اذان دے کر بڑی جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی گئی پھر قانونی کارروائی شروع ہوئی ہر ساتھی سے خوب سوالات کیے گئے بندہ نے آہستہ سے اللھم انا نجعلک فی نحورھم الخ پڑھی الحمد للہ بندہ سے کوئی سوال نہیں کیا گیا اور ایک کلمہ نہیں بولا، پاسپورٹ لے کر تین منٹ میں فراغت ہوگئی، باہر آکر اجتماعی دعا ہوئی۔ اور عصر سے قبل لندن میں اپنے مستقر پر پہونچ گئے، رات

---

[1] مکتوب محررہ ۱۳ر جولائی ۱۹۷۲ء از ایسٹ لندن ماسک۔

لندن میں گذری. صبح دس بجے ناشتہ کے بعد ڈیوزبری کے لیے روانہ ہوئے۔ جو لندن سے دوسو میل ہے. تین گھنٹہ میں ڈیوزبری پہونچے جمعہ کی نماز کے بعد اجتماع شروع ہوا. اگرچہ اعلان کے مطابق اجتماع کی ابتداء ہفتہ کے روز سے تھی. ڈیوزبری پہونچکر مولوی یوسف متالا سے ملاقات ہوئی وہ مع اپنے طلبہ کے آئے ہوئے ہیں، انھوں نے والانامہ مرحمت فرمایا۔

الحمدللہ یہاں لندن میں ہر جگہ سے پوری مشرق وسطیٰ اور یورپ امریکہ سے حضرات آئے ہوئے ہیں اور بہت رغبت و محبت ہے اللہ جل شانہٗ اس باطل کے مرکز سے حق کی اور ایمان کی ہوائیں چلائے، ظلمت اور تاریکی گھٹاٹوپ ہے. جینوا کے مطار پر دہلی سے آنے والے معصوم صاحب بھی مل گئے جن کی معرفت عزیزِ شاہد کا مرسلہ کتاب کا پیکٹ بھی مل گیا اور ہر ایک کے نام کی کتاب اس کو پہونچا دی گئی. سب حضرات کی خدمت میں سلام مسنون گھر والوں کی خدمات میں بھی سلام مسنون. بھائی شفیع پاس بیٹھے ہوئے ہیں وہ اور تمام رفقاء سلام مسنون کے بعد دعا کی درخواست کرتے ہیں. مجمع بڑھتا چلا جارہا ہے اور جگہ بہت کم ہے. اللہ کا شکر ہے پرسوں سے دھوپ نکلی ہوئی ہے. کہتے ہیں کہ اٹھارہ ماہ میں دھوپ نکلی ہے۔

محمد انعام الحسن غفرلہٗ [1]

لندن پہونچ کر سب سے پہلا اجتماع ایسٹ لندن مسجد کے قریب ایک ہال میں ہوا. اس دن تاریخ یکم جمادی الثانی (۱۳ر جولائی) تھی. اگلے روز حضرت مولانا عرب وعجم پر مشتمل اپنے قافلہ کے ساتھ ڈیوزبری تشریف لے گئے یہاں بھی ایک اجتماع تھا جس کے لیے بہت بڑا مجمع سراپا انتظار و استقبال تھا۔

مولانا محمد عمر صاحبؒ ان دونوں اجتماعات کی تفصیل حضرت شیخ رح کو اس طرح تحریر

---

[1] مکتوب محررہ ۱۳ و ۱۶ ر جولائی ۱۹۷۳ء از ایسٹ لندن ماسک۔

کرتے ہیں :

"جمعرات کا اجتماع عصر کی نماز کے بعد ایسٹ لندن مسجد کے قریب ایک ہال میں ہوا، سیکڑوں کا مجمع جمع تھا بہت سے لوگ اسی دن بات سننے پہنچے تھے، بندہ کا بیان ہوا، اخیر میں حضرت جی دامت برکاتہم نے چند جملے ارشاد فرماکر دعا کی، تشکیل میں نام اچھے آئے لیکن اکثر وہ تھے جو پہلے آچکے تھے بعض نام نئے بھی تھے۔ مجمع کی عجیب فضا تھی۔ مغرب کے بعد لوگوں کے اصرار پر حضرت جی دامت برکاتہم کا مصافحہ ہوا۔ ۱۴ر جولائی جمعہ کو صبح پونے دس بجے ڈیوزبری کے لیے روانہ ہوئے، جمعہ کی نماز سے فارغ ہوئے۔ عصر کے بعد پہلے مستورات میں مولوی محمد سلیمان کا بیان ہوا۔ پھر حضرت جی دامت برکاتہم نے بیان فرمایا بیعت ہوئی، مرد بھی کافی جمع تھے کچھ تشکیل ہوئی ذہن بنے۔" [1]

حضرت مولانا ڈیوزبری اجتماع کے تاثرات واحساسات اپنے گرامی نامہ میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کو ان الفاظ کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں۔

"موسم کے اعتبار سے سب ہراساں تھے کہ بارش کا سلسلہ مستقل چل رہا تھا اللہ جل شانہ عافیت کے ساتھ باقی ماندہ کو پورا فرمائے۔ الحمد للہ لوگوں کا عام استقبال اور رجوع ہے اور ہر طبقہ متوجہ ہے اللہ جل شانہ دین کی عمومی فضا قائم فرمائے۔ پوری انسانیت قابل ترحم ہے۔ الحمد للہ عرب خوب ذوق وشوق سے جمع ہوئے۔ مصر سے کویت سے سوریا اور لبنان سے اور امارات متحدہ سے بھی عرب خوب تشریف لائے، مصر سے دوسو کے قریب آئے اور سب خوش اور ارادے لے کر گئے۔" [2]

اس سفر کا سب سے اہم اور عظیم الشان سہ روزہ اجتماع ۲۴،۲۳،۲۵ جمادی الثانی (۱۵، ۱۶، ۱۷،

---

[1] مکتوب محررہ ۸ر جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ ۱۹ر جولائی ۱۹۷۲ء از شیفلڈ۔

[2] مکتوب محررہ ۱۶ر جولائی ۱۹۷۲ء از ڈیوزبری۔

۱۷؍ جولائی ، شنبہ، یک شنبہ، دوشنبہ میں شیفلڈ میں منعقد ہوا، جماعتوں کی نقل و حرکت، رفقاء و احباب کی دل سوزی و فکرمندی اور حضرت مولانا کی اندرونی لگن و کڑھن اور سراپا جذبۂ اخلاص و ایمان نے اس اجتماع کو اتنا مؤثر اور دل گداز بنا دیا تھا کہ اغیار بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

حضرت مولانا ۱۴؍ جولائی میں ایک بڑے قافلہ کے ساتھ ڈیوزبری سے روانہ ہوکر لندن ایرپورٹ ہیتھرو پر اترے اور وہاں سے شیفلڈ اجتماع گاہ تشریف لائے، ایرپورٹ ہیتھرو پر تشریف آوری اور اجتماع کا منظرنامہ مولانا مفتی عبدالباقی صاحب نے اس طرح تیار کیا ہے۔

"تثلیث کے اس ملک میں توحید کی آواز عجیب منظر پیش کر رہی تھی، ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا قرون اولیٰ کے بچے بچائے لوگ (جن کی زندگیوں میں اسلام کی جھلک نظر آرہی تھی) جمع ہوئے ہیں، ان میں لمبی لمبی داڑھیوں والے لمبے لمبے کرتوں، پاجاموں والے، شلواروں والے، بڑی بڑی پگڑیوں والے تھے جنہیں دیکھ کر "گورے لوگ" محو حیرت بھی تھے اور محو تماشا بھی۔ جب ہندوستان کا وفد لندن کے ہوائی اڈہ "ہیتھرو" بلڈنگ نمبر ۳ پر تشریف لایا تو قانونی کارروائی سے فراغت کے بعد سب سے پہلے امیر التبلیغ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب باہر تشریف لائے، نہ زندہ باد، نہ مردہ باد کے نعرے نہ ہنگامہ نہ شور و شر کچھ بھی نہیں تھا، بلکہ انتہائی وقار اور خاموشی کے ساتھ لبوں پر تبسم، چہروں پر طلاقت اطمینان اور سکون کی فضا میں معانقے، مصافحے ہوئے، اور پھر دعا شروع ہوئی جس میں آہیں سسکیاں اور پھر آخر میں دھاڑیں مار کر رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ تثلیث کے پرستار نیم عریاں لباس میں کیمرے تان کر کھڑے تھے ان کو فوٹو اتارنے سے منع کیا گیا تاہم چپکے چپکے وہ کیمروں کو ہلاتے رہے۔ چونکہ لندن ایرپورٹ ہیتھرو پر ایک منٹ میں ایک جہاز اترتا ہے اور اڑتا ہے اس لیے مسافروں کا تانتا بندھا رہتا ہے، اس لیے مسافر آتے جاتے تھوڑی دیر کے لیے ضرور رکتے اس لیے کہ منظر ہی ایسا تھا کہ ہر ایک کو دعوت نظارہ دے رہا تھا۔

یہ مجمع مرکز تبلیغ لندن گیا اور پھر دوسرے دن اجتماع گاہ شیفلڈ پہنچا تین دن شیفلڈ میں بڑی رونق رہی، خاص طور پر جب خیموں اور خیموں سے باہر میدان میں نمازوں کے لیے صفیں درست ہو جاتی تھیں تو اس منظر کو دیکھنے کے لیے محل اجتماع سے باہر فٹ پاتھوں پر انگریز مرد اور انگریز عورتیں کافی تعداد میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگتے۔ یہ روح پرور منظر ان پر بڑا اثر انداز ہو رہا تھا۔ اجتماع میں تقریباً اڑتیس ملکوں کے وفود شامل ہوئے جو آسٹریلیا کے علاوہ باقی چاروں براعظموں کے مختلف بولی بولنے والے نسل و رنگ کے لوگ تھے، کنیڈا، امریکہ افریقہ اور ایشیا، یورپ اور عرب و عجم، اسلام کے عالمگیر دین ہونے کا نقشہ نظر آرہا تھا۔" [1]

مولانا محمد عمر صاحبؒ کے مکتوب سے اس اجتماع کے تینوں دن کی کارگذاری اور پروگرام نقل کیا جاتا ہے۔ موصوف حضرت شیخؒ کو لکھتے ہیں:

"۱۴ر جولائی، جمعہ کو قبل مغرب ڈیوزبری سے شیفلڈ کے لیے روانہ ہوئے مغرب تاخیر سے شیفلڈ میں پڑھی۔

اجتماع کے پہلے دن ۱۵ر جولائی، سنیچر کو فجر کی نماز کے بعد بھائی بشیر نے اوقات گذاری کی بات کی، تعلیم کے حلقوں سے پہلے تعلیم کے اصول کے بارے میں مولانا سعید احمد خاں صاحب نے بیان کیا پھر تعلیم کے حلقے ہوئے۔ انگریزی، عربی فرانسیسی اور اردو کے حلقے ہوئے۔ علمائے کرام میں بندہ کا بیان ہوا۔ اخیر میں حضرت جی دامت برکاتہم نے بھی مختصر ارشاد فرمایا۔ سال سال بھر کے کچھ نام آئے ظہر کی نماز کے بعد مفتی زین العابدین صاحب کا بیان ہوا۔ یہاں مغرب عشاء کے بیچ میں کھانا اور عشاء کے بعد آرام ہوتا ہے۔ پونے دس بجے سورج ڈوبتا ہے اور ـــــ

---

[1] ماخوذ از کتابچہ مولانا محمد یوسف بنوری اور جماعت تبلیغ۔ مطبوعہ کراچی۔

پونے تین بجے صبح صادق ہوتی ہے۔ فجر کی نماز کے بعد مختصر سی کسی ساتھی کے بات ہونے کے بعد پورے مجمع کو سونے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ کیوں کہ رات بہت چھوٹی ہوتی ہے۔

۱۶ر جولائی اتوار کو فجر کی نماز کے بعد قاضی عبدالقادر صاحب کا بیان ہوا۔ آرام کے بعد تعلیم کے حلقے ہوئے۔ عربوں میں مولانا محمد احمد صاحب کے بعد حضرت جی دامت برکاتہم کا بیان ہوا تشکیل ہوئی۔ ظہر کی نماز کے بعد بندہ کا بیان ہوا، عصر کی نماز کے بعد مولانا اسلم صاحب کا بیان ہوا۔ عصر کے بعد امریکہ و کناڈا کے احباب حضرت جی دامت برکاتہم کی خدمت میں ملنے آئے۔ بیعت بھی ہوئے، ان کے بعد پیرس کے حضرات آئے اور مشورہ ہوا۔

۱۷ر جولائی پیر کو تیسرے اور آخری دن فجر کی نماز کے بعد مولوی محمد سلیمان کا بیان ہوا، پھر آرام کے بعد شریف بھائی وغیرہ احباب نے جماعتیں بٹھائیں۔ روانگی کے اصول و آداب بندہ نے بیان کیے پھر حضرت جی دامت برکاتہم نے بیان فرمایا پھر دعا کی، مجمع خوب رویا، انگریز بھی بہت متاثر ہوئے، کفر کی فضا میں ۶-۷ ہزار کا مجمع پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ دعا کے بعد خیریت سے جماعتیں روانہ ہوئیں"۔[1]

مولانا منیر ربانی (بی، اے) اپنے مکتوب میں حضرت مولانا کی اجتماع میں ہونے والی آخری تقریر اور اختتامی دعاء کے متعلق لکھتے ہیں ! :

"اس تاریخی اجتماع میں جماعتوں کی روانگی کے موقع پر حضرت جی دامت برکاتہم نے دعوت کی اہمیت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دعوت ایک ایسی دولت اور ایک ایسی نعمت ہے کہ اگر اس کو صحیح طریقہ سے کیا جائے تو انسان کے اندر زندگی کے شعبوں میں چلنے کی استعداد، ایمان میں قوت، عبادات میں جان ـــ

---

[1] مکتوب محررہ ۸ر جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ

معاملات میں درستگی، معاشرت میں پاکیزگی اور اخلاقیات میں حسن پیدا ہوگا جس قدر اس دعوت والے کام میں آدمی آگے بڑھتا جائے گا اس کی عملی زندگی بنتی چلی جائے گی، اور یہی اس کی نجات کا راستہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس کے برخلاف اگر یہ اعمال سے بے نیاز ہوکر مادیات، ایجادات اور ضروریات زندگی میں پھنسا رہے گا تو اس کی بے چینی اضطراب اور بے اطمینانی میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

آخری دن حضرت جی نے دعا کرتے ہوئے فرمایا، یا اللہ عالم میں خیر کے فروغ اور شر کے خاتمہ کا اس اجتماع کو ذریعہ بنا، اور اس کے لیے محنت کرنے والوں کو قبول فرما۔ اس دعا سے سب پر رقت طاری ہوگئی عجیب سماں بن گیا حاضرین کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہہ رہا تھا۔"[1]

اجتماع ختم ہونے پر حضرت مولانا مع قافلہ اسی دن شام میں شیفلڈ کی جامع مسجد تشریف لے آئے۔ مولانا محمد عمر صاحب یہاں کے دو روزہ قیام کی مشغولیت و مصروفیت کو اپنے مکتوب میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"شیفلڈ جامع مسجد پہونچ کر رات کو مشورے ہوئے۔ دو دن کے لیے بیرون سے آنے والوں کو سب کو روکا ہے تاکہ حضرت جی دامت برکاتہم سے ملنا جلنا ہو جائے، ۱۷ر جولائی پیر کو قیام گاہ یعنی اجتماع گاہ سے منتقل ہوکر شیفلڈ کی جامع مسجد میں آئے۔ ۱۸ر جولائی منگل کی دوپہر میں افریقہ والوں کے سامنے حضرت جی کا بیان ہوا، نقد، ادھار خوب تشکیل ہوئیں اور مقامی کام کی بھی تشکیل ہوئی۔ پھر امریکہ اور کناڈا والوں سے بات ہوئی۔ کرنل امیر الدین حیدرآبادی نے ترجمہ کیا، ان میں بھی خوب تشکیل ہوئی۔ آنے والوں پر اجتماع کا اچھا اثر رہا ذہن قربانی پر آمادہ ہوئے، مستورات کی جماعت نے بھی خوب کام کیا، مختلف

---

[1] ماہنامہ تعمیر فکر بنگلور مئی، جون ۲۰۰۳ء۔

ممالک کے احباب نے اپنی دینی محنت کے مسائل رکھے جن کے حضرت جی جواب دیتے رہے۔" (اقتباس مکتوب محررہ ۱۹ر جولائی)

جناب الحاج بھائی عبدالوہاب صاحب (رائے ونڈ) اس اجتماع کے موقع پر حضرت مولانا کے ہونے والے بیانات، اختتامی دعا، شب خیزی کا اہتمام اور خداداد رعب و ہیبت کے متعلق اپنے جذبات و احساسات کا اظہار حضرت شیخ رح کے نام ایک گرامی نامہ میں اس طرح کرتے ہیں:

"سب سے زیادہ بندہ کو متاثر کرنے والی بات جو تھی وہ یہ تھی کہ خواہ حضرت جی شروع میں بیان فرمائیں یا آخر میں بیان فرمائیں، مجمع میں قدرتی طور پر ہیبت اور رعب طاری ہوجاتا تھا اور بڑی ہی جامع اور مؤثر دعوت ہوتی تھی، لوگ بہت اثر لیتے تھے، مولوی محمد احمد صاحب کی رائے تو زور سے یہی ہے اور ہماری بھی یہی ہے کہ اب حضرت جی دوسرے احباب کی تقریر کے بعد بیان کرنے کی بجائے شروع میں ہی مستقل بیان فرمائیں اور بعد میں دوسرے احباب تشکیل فرمالیا کریں۔ بقول مولوی محمد احمد صاحب کے حضرت جی پر اللہ پاک نے دعوت کا فیضان فرمادیا ہے اب تتمہ بننے کی ضرورت نہیں، تنہائی کی گفتگو میں بھی ہر جواب قرآنی آیات اور احادیث اور صحابہ کرام کی زندگی سے بلاتکلف دیتے تھے۔ رات اتنی چھوٹی ہونے کے باوجود تہجد کی بڑی ہی پابندی تھی دیکھنے والوں نے کافی اثر لیا۔ اللہ پاک ہمیں بھی ہر حال میں سب معمولات پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رح کی دعائیں عموماً سب ہی عجیب کیفیت والی ہوتی تھیں۔ مگر ان میں بعض دفعہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بس قبولیت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور قبول ہی ہو رہی ہے۔ یہی کیفیت بالکل اس اجتماع میں بھی جماعتوں کی رخصتی کے وقت حضرت جی مدظلہ العالی کی دعا کے وقت محسوس ہوئی۔ اس دعا میں سب ہی متاثر ہوئے اور حضرت جی کے بیانات

کی بھی یہی کیفیت رہی کہ ماشاء اللہ تھوڑی دیر کے لیے بیان فرماتے تھے لیکن مجمع پر بڑا رعب پڑ جاتا تھا اور بڑی جامع بات ہوتی تھی۔ الحمدللہ مجمع پر اثر بھی خوب ہوتا تھا۔“[1]

اس اجتماع کے بخیر و خوبی ختم ہو جانے اور اللہ جل شانہٗ کی کھلی مدد و نصرت اور حاضرین و مشاہدین کے تاثرات و احساسات کے بارے میں حضرت مولانا حضرت شیخ رح کو ان الفاظ سے مطلع فرماتے ہیں :

”الحمدللہ محض اللہ جل شانہٗ کے فضل سے اور اس کے احسان عمیم سے شیفلڈ کا اجتماع بخیر و خوبی پورا ہو گیا۔ مختلف ممالک کے بہت سے حضرات جو تشریف لائے اور جو مقامی اپنا مجمع اور غیر بھی سب ہی اللہ کے فضل سے بہت ہی متاثر ہوئے۔ خدا کرے کہ اس مقام سے جس سے ہمیشہ باطل اور منکرات کی اشاعت ہوتی رہی وہاں پر سے حق کی اور اوامر و احکامات کی اشاعت کا خدائے پاک فیصلہ فرمائیں۔ لوگوں میں اگر محنت کی جائے اور محض دینی جذبہ سے بے غرض ہو کر تو امید ہے کہ بہت جلد اپنی سابقہ زندگی سے توبہ کر لیں گے۔

جس مکان میں ہمارا قیام تھا اس کے دونوں طرف انگریز کے مکان تھے بندہ نے ایک ایک آم دسہری کا ان کو بھیجا، بہت ہی خوش ہوئے اور عام تاثر انگریزوں کا یہ ہے کہ ایسے بھلے انسان ہم نے نہیں دیکھے۔ اللہ جل شانہٗ ان کی ہدایت کا فیصلہ فرمائیں۔ یہاں پر عام طور سے ابر و بارش ہوتی رہتی ہے الحمدللہ جس روز سے ہم آئے ہیں بارش نہیں ہوئی اور دھوپ نکلتی ہے۔ جس روز ہم لندن پہنچے تھے، اس روز (وہاں والوں نے) بتایا کہ آٹھ ماہ میں دھوپ دیکھی ہے۔ اللہ جل شانہٗ کی ہر ہر قدم پر نصرت ہی ہوتی رہی۔“[2]

مولانا محمد عمر صاحب کے ایک گرامی نامہ کی یہ سطور بھی اسی طرح کے تاثرات و احسات کو ظاہر

---

[1] مکتوب محررہ ۲ راگست ۱۹۷۲ء از لندن۔ [2] اقتباس مکتوب محررہ ۱۸ رجولائی ۱۹۷۲ء از شیفلڈ۔

کر رہی ہیں۔ حضرت شیخ کو لکھتے ہیں :

"الحمدللہ اجتماع میں خوب رونق تھی عبادت کا عجیب منظر تھا۔ لوگ ذوق وشوق سے خدا کے راستے میں نکلے۔ مولانا یوسف متالا صاحب سے ڈیوزبری میں ملاقات ہوئی، اجتماع میں شریک رہے۔ ان کی اہلیہ محترمہ نے خواب دیکھا کہ ایک مجمع اولیاء اللہ کا ہے اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ دوسرا خواب بھی انھوں نے ہی دیکھا کہ آپ چارپائی پر ہیں اور پاس میں حضرت نظام الدین اولیاء ہیں

پیرس کے ایک نمائندے آخری دن اجتماع میں آئے انھوں نے کہا کہ میں ۲۰، اسلامی کانفرنسوں میں دنیا بھر کے ملکوں میں گیا ہوں لیکن اسلام کی حقیقت اسی اجتماع میں نظر آئی۔ وہ مصری تھے، پیرس میں بھی وہ شریک ہوں گے، قرب وجوار کے انگریز عیسائی پڑوسی بہت خوش ہوئے۔ جو لوگ تماشائی کے طور پر آئے تھے وہ بھی متاثر ہو کر لوٹے، بعض پادری بھی آئے۔ امیرالدین صاحب حیدرآبادی کی تقریر سے جو انگریزی میں ہوئی بہت متاثر ہوئے، بعض انگریز گورے نومسلم حضرت جی دامت برکاتہم سے بیعت بھی ہوئے۔ ایک اسی سال کی عمر کے انگریز نے کہا کہ اپنی پوری زندگی میں ایسا منظر میں نے نہیں دیکھا جو اس اجتماع میں مسلمانوں میں دیکھا، ایک پولیس والے نے کہا کہ مسلمانوں کا مذہب حق ہے کیوں کہ اتنے بڑے مجمع میں کسی نے چوری نہ کی، شراب نہ پی، لڑائی نہ کی اور مسلسل تین دن تک بارش نہ ہوئی، دھوپ نکلی رہی۔ یہ خدا کی مدد ہے یہاں تو خوب سردی اور بارش برسا کرتی ہے لیکن ہم نے اب تک بارش برستے نہ دیکھی اور دھوپ روزانہ نکلتی ہے جس سے یہاں والوں پر اور زیادہ اثر پڑا، واقعی اگر بارش برستی تو سارا مجمع میدان میں پریشان ہوتا۔ خدا کا کرم ہی ہوا۔"

(مکتوب محررہ ۸ رجمادی الثانی سنہ ۱۳۹۲ھ ۱۹ رجولائی سنہ ۱۹۷۲ء از شیفلڈ)

شیفلڈ کے اس اجتماع سے دنیا کے تئیس ممالک سعودی عرب، امریکہ، برازیل، یونان، جرمنی بیلجم، کینیا، فرانس، ناروے، مراکش وغیرہ میں پچاس سے زائد جماعتیں تیار ہوکر روانہ ہوئیں جن میں تقریباً سات سو احباب شامل تھے۔ بیرون ممالک جانے والی جماعتیں زیادہ تر تین چلہ کی تھیں۔

اس اجتماع میں اٹھائیس ممالک کے پانچ سو سے زائد احباب اور دعوتی رفقا جمع تھے۔ جن میں افریقہ کے ایک سو احباب جو الحاج غلام محمد پاڈیہ اور مولانا یوسف متلی صاحب کی معیت میں شیفلڈ پہنچے تھے، شامل تھے۔ محتاط اعداد و شمار کے مطابق شرکا، اجتماع دس بارہ ہزار کے درمیان رہے۔ اجتماع کے تینوں ایام میں ہندوستان سے جانے والی مستورات کی ایک جماعت ڈیوزبری میں مقیم رہی اور حضرت مولانا کی ہدایت کے مطابق حالت اعتکاف میں روزے رکھ کر اجتماع کی کامیابی کے لیے اللہ جل شانہ، کے حضور دعا و مناجات میں مشغول رہی۔

اجتماع کے فراغ پر دو یوم شیفلڈ میں قیام رہا۔ اس عرصہ میں امریکہ، کناڈا اور افریقہ میں ہونے والے دعوتی مسائل سے متعلق احباب نے حضرت مولانا سے مشورے کیے۔

اس موقع پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت مبارکہ میں بہت سے احباب نے اپنے تاثرات و مشاہدات اور اجتماع کے تفصیلی حالات ارسال کیے تھے۔ یہاں ان میں سے تین مکاتیب شامل سوانح کیے جاتے ہیں:

پہلا مکتوب جو مولانا الحاج مفتی زین العابدین صاحب کا ہے۔ ۱۹؍ جولائی میں شیفلڈ سے بھیجا گیا۔ دوسرا مکتوب مولانا الحاج محمد احمد صاحب بہاول پور کا ہے جو بیس جولائی میں پریسٹن سے تحریر کیا گیا۔ اور تیسرا مکتوب جو جناب الحاج حافظ محمد پٹیل صاحب کا ہے پانچ اگست میں لندن سے ارسال کیا گیا ہے:

مکتوب نمبر ۱ (مولانا مفتی زین العابدین صاحب)

"اجتماع توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔ یہاں کی وزارت داخلہ نے تعاون کیا کہ ہر ملک کے آنے والے کو داخل ہونے دیا یہاں تک کہ روڈیشیا جو اس

حکومت کی باغی حکومت ہے وہاں کے آدمی کو بھی داخلہ کی اجازت دے دی، ایک بڑی تعداد بلا ویزا آئی۔ ان کو ہوائی اڈہ پر ویزا دے دیا گیا حالانکہ کامن ویلتھ میں نہیں تھے، ادھر اجتماع کی جگہ شیفلڈ میں شہر کے اندر مقامی انتظامیہ نے اپنا پارک دیا اور اس میں بیت الخلاء غسل خانے، وضو کی جگہ خیمے لگانے بنانے میں بھی اعانت کی۔ بہترین اور کھلا انتظام تھا، انگلستان اور دوسرے ممالک سے آنے والوں کی تعداد بھی کھانا کھلانے والوں کی روایت کے مطابق آٹھ اور دس ہزار کے درمیان تھی۔ وقت دینے والوں کی تعداد بارہ سو کے لگ بھگ تھی انگریزوں کے ہر طبقہ کے لوگ اجتماع میں آتے رہے۔ اسمبلی کے ممبر، پادری، پولیس پروفیسر، اخباری نمائندے، یہودی تاجر، طلبہ اور بحمدللہ پورے علاقے کے انگریز متاثر ہوئے۔ ایک بات بہت لوگوں کی زبان سے سنی گئی کہ یہ لوگ خدا کے مقرب ہیں، ان کے اجتماع کی برکت سے نہ بارش ہوئی نہ سردی۔ اس موسم میں یہ لوگ دھوپ کو ترستے تھے مگر اس دفع دو ہفتے سے دھوپ ہی دھوپ نکل رہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ رب کریم نے خاص کرم کیا، ورنہ ان خیموں میں اجتماع بارش و سردی میں ناممکن تھا۔ دوسری بات انتظامیہ کی زبانی سنی گئی کہ ہم نے ایسا پُرامن اجتماع اب تک نہیں دیکھا، دعاؤں کی درخواست ہے کہ رب کریم اس ملک میں اور پورے عالم میں دینی زندگی کو عام و تام فرمائے اور اس کے لیے ہمیں ذریعہ کے طور پر استعمال فرمائے۔"

مکتوب نمبر ۲ (مولانا محمد احمد صاحب بہاولپور)

"اجتماع میں اٹھائیس مختلف ممالک سے احباب تشریف لائے جن کی تعداد پانچ سو تک تھی، مزید یہ کہ اجتماع سے بیشتر پندرہ جماعتیں بیرونی ممالک میں گئیں تھیں اور تقریباً تیس جماعتیں اجتماع کے بعد بیرونی ممالک کے لیے روانہ ہوئیں، اس طرح کل ملاکر پینتالیس جماعتیں بیرونی ممالک کو گئیں، اندرون ملک اجتماع کی محنت کے لیے تقریباً پانچ سو سے زائد افراد پہلے نکلے تھے اور

تقریباً پانچ سو افراد اجتماع کے بعد اندرون ملک محنت کے لیے نکلے جن کی تقریباً پینتالیس جماعتیں بنیں، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نکلنے والوں کو انتہائی طور پر قبول فرمائے۔ اور پورے عالم میں اللہ پاک رشد و ہدایت کے فیصلے فرمائیں اور باطل کے چھٹنے کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

اجتماع کی کیفیت کچھ عجیب ہی تھی، سب ہی لوگ خوب متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ انگریز لوگ بھی بغیر متاثر ہوئے نہ رہ سکے۔ اور انگریزوں کی پولیس جو کہ اجتماع والے پارک میں پہرے کی غرض سے متعین تھی اور اجتماع میں گھوم پھر رہی تھی تاکہ کہیں خدانخواستہ کوئی جھگڑا نہ ہو، وہ پولیس کے آدمی بھی خوب متاثر ہوئے، اور اجتماع کے نظم وضبط کو دیکھ کر کہنے لگے کہ بے شک یہی مذہب سچا ہے، اس کے علاوہ اجتماع کے بعد پندرہ آدمی اٹرۂ اسلام میں داخل ہوئے جن میں تین تو انگریز ہیں اور باقی امریکہ کے حبشی ہیں، ان نومسلموں میں دو انگریز تو چار چار مہینے کے لیے جماعتوں کے ساتھ بھی چل رہے ہیں باقی حضرت جی کا اندرون ملک کا تیرہ دن کا دورہ خوب کامیاب رہا۔ ہر جگہ سے نقد جماعتیں بھی نکلیں اور اسی دورے کے سبب تقریباً ہر شہر میں نئے نئے لوگ بھی تبلیغ کے اس کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ کافی احباب نے بیعت ہو کر حضرت جی سے وعدہ بھی کیا ہے کہ اس کام کو انشاء اللہ تعالیٰ ہم لوگ مرتے دم تک کرتے رہیں گے۔"

مکتوب نمبر ۳ (جناب حافظ محمد پٹیل صاحب لندن)

"۱۲ر جولائی کو ہم یہاں انگلینڈ بذریعہ ہوائی جہاز تقریباً بیس آدمی پہونچ گئے۔ یہاں آتے ہی، ہمیں بریڈ فورڈ بھیج دیا گیا، یہاں پر حضرت مولانا کے متعلقین مولانا لطف الرحمٰن صاحب اور ان کے ذریعہ سے مولانا یوسف متالا سے ملاقات ہوئی ان حضرات نے خدام بارگاہ کے ساتھ جو حسن وسلوک کیا وہ سب حضرت والا کی اقدام عالیہ کی برکات ہیں، اس جگہ کے قریب ہی وہ مقام ہے جہاں اجتماع

طے پایا تھا، تین دن گذارنے کے بعد شیفلڈ جانا ہوا، خدا کی شان ہے ۱۹۶۰ء میں یہاں آنا ہوا تھا تو اکا دُکا لوگوں کو جمع کر کے پچاس ساٹھ آدمیوں کی جماعت میرے ساتھ چلہ بھر چلی تھی لیکن آج ایسا عجیب منظر تھا کہ شاید ہی اس سرزمین نے اور اس کے رہنے والوں نے کبھی دیکھا ہو، نہایت طویل خیموں کی تین علیحدہ علیحدہ لائن تھیں ایک ایک خیمہ کے طول میں تقریباً ۱۵۰۰ آدمی سے زائد نماز میں کھڑے ہو سکتے تھے۔ مجمع بڑھتا چلا گیا، آفاقِ ارض سے لوگ پروانہ وار پہنچ رہے تھے خصوصی طور پر اردو دانوں کے علاوہ عربی، انگریزی، فرانسیسی حلقے ہوتے تھے اور عرب بھی رنگ برنگ کے جمع تھے ایک عجیب سماں تھا اور خدائے ذوالجلال کی عظمت و توحید کا دور دورہ تھا، مقامی لوگ حیران تھے، انھوں نے مجمعے تو بہت دیکھے ہوں گے لیکن ایسا پُرسکون دل کش منظر کہاں نظر آیا ہوگا، پہلے دن پولیس کا زور تھا کہ نہ معلوم کیا کرنا پڑے لیکن جب دیکھا کہ یہاں تو آپس میں محبت و الفت کی شراب پیئے ہوئے ایک دوسرے سے گلے ملتے پھر رہے ہیں اور وہ بھی سب مختلف علاقوں کے تو ان کے تعجب کی انتہا نہ رہی اور وہ بے ساختہ کہنے لگے کہ ہم نے تو عمر بھر کبھی دیکھا نہیں کہ آٹھ دس ہزار آدمی اس طرح جمع ہوں، اور کوئی بات نہ پیدا ہو، نہ رضا کار، نہ والنٹیر بلکہ اللہ تعالیٰ کی شانِ عالی کا مظہر تھا، الحمدللہ تمام طبقات اور تمام اطراف کے لوگوں نے اوقات دیئے، اور تقریباً ۲۷ جماعتیں بیرون اور ۴۳ جماعتیں اندرون کی بنیں یہ ان جماعتوں کے علاوہ ہیں جو کہ پاک وہند، بنگلہ دیش وغیرہ کی حضرات کے ساتھ ہیں۔ اس عظیم محنت کے اثرات اللہ تعالیٰ دکھا رہے ہیں۔ تقریباً ۱۳ دن کا اندرون میں ٹھہرنے کا نظام ہے اس کے بعد بیرون میں جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا۔ آپ کی دعاؤں کے محتاج ہیں اس رونق کے پیچھے خطرات بھی ہیں، شیطان اپنی باطل قوتوں کو بیدار کر رہا ہے، خدائے تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے اور ہمارے کام کو اپنا کام بنا کر اہلِ عالم کی عمومی ہدایت کا فیصلہ فرمائے۔ آمین۔ فقط۔

شیفلڈ کے اس اجتماع کی محنت اور اس میں شرکت کے لیے ہندوستان سے بھی متعدد جماعتیں انگلینڈ گئی تھیں ایک جماعت جس میں مولانا سیّد ربانی، جناب احمد حسین، جناب علی نواز خاں اور خواجہ محی الدین صاحب وغیرہ تھے، بنگلور سے بھی گئی اور وہ اجتماع سے فارغ ہو کر جرمنی کویت، سعودی عرب ہوتے ہوئے ہندوستان واپس ہوئی، اس جماعت نے جرمنی پہنچ کر اپنی جو مفصل دعوتی روداد اپنے مرکز بنگلور[1] بھیجی۔ اس کے مطالعہ سے دعوتی محنت کے آغاز سے قبل انگلستان کی دینی و مذہبی اعتبار سے زبوں حالی اور موجودہ وقت میں وہاں اس محنت کے اثرات اور فوائد و منافع نیز اس ملک میں دعوت و تبلیغ کا عملی آغاز، اس کا ارتقاء اور اس کے نشیب و فراز کے بہت سے پہلو قارئین پر کھلیں گے۔ اس لیے یہاں اس طویل مکتوب کے اہم اجزاء پیش کیے جاتے ہیں:

"محترمی مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امید کہ آپ بعافیت تمام ہوں گے۔ الحمد للہ دو ماہ تک انگلستان کا دورہ پورا کرنے کے بعد ہم سب بخریت ۷ ستمبر کو جرمنی پہونچے۔ آج سے دس بارہ سال پہلے پورے انگلستان میں آٹھ یا نو شہر ایسے تھے جہاں مسجدوں کے نام سے مکانات یا کمرے تھے، انہیں مکانات یا کمروں میں نماز پڑھی جاتی تھی مگر کہیں نہ پنجگانہ نماز ہوتی تھی اور نہ امام مقرر تھے ان میں سے بعض مسجدیں ایسی

---

[1] جناب بھائی فاروق صاحب (بنگلور) نے یہ مکتوب حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں سہارنپور ارسال فرمایا تھا، آنمخدوم رح نے اس خط کی پشت پر جو ہدایت تحریر فرمائی ہے وہ راقم سطور کے لیے آج چھبیس سال گزرنے کے بعد بھی کسی حیرت و تعجب کا موجب اس لیے نہیں ہے کہ اس دربار قلندری میں "گردن جھکا کر بہت آگے تک کی دیکھ لینا" ایک معمولی بات تھی۔ اس تحریری ہدایت کے الفاظ آپ بھی پڑھ لیں:

"عزیز شاہد، شب جمعہ میں اس کو مدرسہ قدیم میں سنا کر اپنے پاس محفوظ رکھے۔ زکریا"

اور گذشتہ چھبیس سال سے محفوظ رکھا جانے والا یہ مکتوب آج سوانح حضرت جی ثالث میں شامل کیا جارہا ہے، بے شک بڑی پاک ہے وہ ذات جو خود نہیں بدلتی لیکن وقت اور زمانہ کو بدل دیتی ہے۔

تھیں جو صرف نماز جمعہ کے لیے کھلتی تھیں اور اس کے بعد مقفل ہو جاتی تھیں، جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے لیے پچاس ساٹھ میل دور جانا پڑتا تھا۔ میت کے لیے غسل کفن، تدفین اور قبرستان کا کوئی انتظام نہیں تھا، بعض اوقات میت کو ان کے ملکوں کو روانہ کر دیا جاتا تھا، بڑی دشواری پیش آتی تھی۔ کہا جاتا تھا کہ یہاں جینا آسان ہے مگر مرنا مشکل ہے۔ حلال طریقہ پر ذبح کرنے کا نہ انتظام تھا نہ کسی کو اس کی پرواہ تھی۔ بچوں کی تعلیم کے لیے مدرسہ یا مکتب کا وجود نہ تھا — قرآن شریف، وضو، غسل، نماز کی ترکیب بلکہ بسم اللہ و کلمہ کے الفاظ سے بھی اکثر لوگ ناآشنا تھے، انگریزی سیکھنے اور بولنے پر فخر کرتے تھے، نماز، روزے کی پابندی تو درکنار، نماز و روزہ اور دین کی باتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور بعض تو کہا کرتے تھے کہ ہم تو یہاں دنیا کمانے کو آئے ہیں، دین کو اپنے گھر میں چھوڑ آئے ہیں۔ ایسی بے دینی کی فضا میں اللہ رب العزت نے محض اپنے لطف و کرم سے اپنے حبیب پاک حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے مبارک اعمال کو زندہ کرنے کی محنت اور دعوت والے کام میں جڑنے کی توفیق یہاں کے بعض مخلص بندوں کو عطا فرمائی۔

۱۹۵۶ء میں سب سے پہلی جماعت چار ماہ کے لیے انگلستان آئی مگر چھ ماہ تک پورے ملک کا دورہ کرتی رہی۔ اس قربانی سے ملک میں دین کی دعوت و محنت کا افتتاح ہوا، ۱۹۶۵ء میں سب سے پہلا تبلیغی اجتماع مانچسٹر میں ہوا انھیں دنوں کرنل امیرالدین صاحب کی جماعت چار ماہ کے لیے ہندوستان سے پہونچی۔ علیگڈھ والے خالد صدیقی بھی اس جماعت میں تھے۔ جماعتوں کی نقل و حرکت اور مسلسل محنت کے بعد حالات بدل گئے۔ ڈیوزبری اب بھی مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ حافظ محمد پٹیل صاحب جیسے مخلص احباب نے بڑی قربانیاں دی ہیں انھیں جیسے حضرات کی محنت و توجہ سے یہاں کام چل رہا ہے۔ ہمارے ملک کے اکابر حضرات اور مشاہیر علماء کا بھی دورہ ہوا ہے جس سے دین کے کام کو

مزید تقویت حاصل ہوئی، گجرات کے اصحاب کے علاوہ حاجی محمد اویس صاحب (ڈیلون) بھائی قاسم صاحب (بمبئی) حاجی نور محمد صاحب اور حاجی محمد انور صاحب (بنگلور) کی جماعت کا دورہ ہوا تو بڑے پیمانہ پر اجتماع کرنے کی تجویز دماغوں میں آئی۔ چنانچہ شیفلڈ میں ۱۵، ۱۶، ۱۷ جولائی ۱۹۷۲ء والا عالمی اجتماع اسی تجویز کی عملی شکل تھی۔ جس میں حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب مولانا محمد عمر پالن پوری اور دیگر اکابر حضرات دنیا کے مختلف حصوں سے تشریف لائے تھے یہ اجتماع یونہی نہیں ہوگیا، بڑی محنت اور قربانی اس کے پیچھے ہے نہ صرف مالی وجسمانی بلکہ روحانی محنت کو بھی بہت دخل تھا۔ اجتماع سے پہلے یہاں کے فکرمندوں نے پورے ملک کا دورہ کیا، کئی مشورے ہوئے، چلہ اور تین چلوں کی ۱۵ جماعتیں باہر نکالی گئیں۔ دعا والی جماعت بیت اللہ روانہ کی گئی جو حال ہی میں واپس ہوئی۔ ایسی محنت کی گئی کہ کام کرنے والوں نے چین نہ لیا، رات دن اسی فکر ودھن میں غرق تھے۔ مرد تو کیا عورتوں نے بھی کافی محنت کی۔ مستورات کی مستقل جماعت نے اپنے محرموں کی نگرانی میں ملک بھر کا دورہ کیا اور خواتین میں کام کیا، گجرات، ریاست میسور، اور کیرالا کے علاوہ امریکی خواتین نے بھی برقع اوڑھ کر اس میں حصہ لیا، ملک وبیرون ملک میں بعض خواتین نے اجتماع کی کامیابی کے لیے روزے رکھے اور اعتکاف کیا۔ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم جیسے بزرگان دین سے خصوصی دعائیں کروائی۔

شیفلڈ میں حضرت جی والا اجتماع انگلستان میں کام کرنے والوں کی قربانی اور محنتوں کا ثمرہ تھا۔ اس سہ روزہ عالمی اجتماع میں عالم اسلام کے مختلف ممالک کے علاوہ امریکہ، افریقہ، یورپ، ہندوستان اور انگلستان کے دس ہزار فرزندانِ توحید جمع ہوئے تھے (دوسرے دوپہر کے کھانے کے ٹکٹ آٹھ ہزار پانچ سو (۸۵۰۰) فروخت ہوئے تھے) یہاں کے ماحول میں دس ہزار کا مجمع ہونا ہمارے یہاں کے دس لاکھ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور کافی محنت چاہتا ہے۔

قال اللہ وقال الرسول اور دعوتِ دین اور اذان کی آواز سے پوری فضا گونج رہی تھی انگریز حیران تھے، کہ کرسی میز اور پلنگ کے بغیر خالی میدان میں خیموں کے اندر دس ہزار کا مجمع تین دن تک کیسے بیٹھا اور جڑا؟ کس طرح سویا اور ٹھہرا؟ پانی وضو اور استنجا کا عجیب نظام تھا، کھانے پینے کا معقول انتظام تھا سب کے سب فرش پر بیٹھے تھے نماز کی کیفیت اور صف بندی کا ایمان افروز منظر بھی فرنگی آنکھوں نے پہلی دفعہ دیکھا، کالے اور گورے، عجمی اور عربی ایک ہی صف میں کھڑے ہوئے تھے پولیس کا پہرہ تھا مگر وہ بھی حیران تھے کہ اتنے بڑے مجمع میں نہ شور، نہ ہنگامہ نہ گڑبڑ اور نہ چوری کا کوئی واقعہ پیش آیا، جو چیز جہاں تھی وہیں پڑی ہوئی تھی کوئی ہاتھ نہ لگاتا تھا بعض تو اس قدر متاثر ہوئے کہ اسی وقت آغوش اسلام میں داخل ہو گئے، ہمارے ایک ساتھی کی گھڑی عشاء کے وقت کھو گئی اور دوسرے دن فجر میں وہیں مل گئی۔ اب ہر جگہ سے قبول اسلام کی خبریں ملتی ہیں ہمارے ساتھ بھی دو نو مسلم انگریز سفر میں تھے یہ کام سیکھنے کے لیے ہمارے ملک آنے کو آمادہ ہیں۔

جب جماعت اسپین کے راستہ سے مراکش (مراکو) جا رہی تھی، دو عیسائی سیاح ہمراہ تھے، سمجھایا کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا طریقہ دین اسلام کہلاتا ہے دونوں متاثر ہوئے، دوسرے دن اجتماع میں پہنچے کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے۔ اب یہ دونوں سیر و سیاحت کو چھوڑ کر جماعت کے ہمراہ دین کی دعوت و محنت میں لگ گئے ہیں۔ لندن بہت بڑا شہر ہے۔ چالیس میل تک پھیلا ہوا ہے، پورے ملک میں پانچ لاکھ مسلمان آباد ہیں تو اکیلے لندن میں ایک لاکھ مسلمان بستے ہیں۔ پورے ملک کے لیے جتنی محنت کی ضرورت ہے اس سے زیادہ صرف لندن کے لیے ضرورت ہے۔ اس ملک میں کام کو اٹھانا جس قدر آسان ہے اس سے زیادہ اس کو نبھانا دشوار ہوتا ہے کام جس قدر آسان ہے اس قدر نازک بھی ہے موقع شناسی

محل شناسی اور حکمت عملی کی ضرورت ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں اصولوں کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ہمارے یہاں ایک دن میں جتنا کام ہوتا ہے اتنا ہی کام یہاں ایک ہفتہ محنت کرنے پر قابو میں آتا ہے' عام طور پر مکانات دور دور ہوتے ہیں۔ مجموعی گشت کے لیے بعض اوقات سواری کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لوگوں کا جمع ہونا اور جمع کرنا کافی محنت چاہتا ہے اللہ کا شکر ہے کہ ہر جگہ لوگ دین کے فکرمند ہیں اور کام کی طرف متوجہ ہیں. خلوص و محبت کے ساتھ پیش آتے ہیں. جماعتوں کی نقل و حرکت اور مسلسل محنت کے ثمرات و برکات اب علانیہ ظاہر ہو رہے ہیں الحمد للہ ہر جگہ نماز پنجگانہ باجماعت کا اہتمام ہے' انگلستان میں تقریباً ڈیڑھ سو مساجد ہیں۔

قرآن شریف اور دینیات کی تعلیم کے لیے مکاتیب اور مدارس جاری کیے گئے ہیں۔ مجلس علماء نے دینی تعلیم کا نصاب تیار کیا ہے' بولٹن نامی جگہ پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ' کے مشورے سے دارالعلوم قائم کیا گیا ہے۔ حضرت جی مدظلہ کے دست مبارک سے اس کا افتتاح عمل میں آیا ہے۔ ہر مقام پر علماء اور حفاظ موجود ہیں' جو امام اور مدرس کے فرائض انجام دے رہے ہیں حفظ قرآن کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ مفتی حضرات موجود ہیں. جمعہ عیدین اور تراویح کا انتظام ہے۔ میلوں دور جانے کی ضرورت نہ رہی. حلال گوشت کی کئی دکانیں کھل گئی ہیں۔ جائز طریقہ پر ذبح کیا ہوا گوشت مل رہا ہے۔ ذبیحہ مرغیاں ملتی ہیں. میت کے لیے غسل کفن اور تدفین کا باقاعدہ انتظام ہے۔ تدفین کے لیے قبرستان میں علیحدہ مقام حاصل کیا گیا ہے۔ بعض علاقوں میں مسلمان اس کثرت سے آباد ہیں کہ یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ہم انگلستان میں ہیں' ان علاقوں کی مساجد میں روزانہ تعلیم' ہفتہ واری گشت' مشورہ' جماعتوں کی تشکیل' ہفتہ اتوار کی چھٹیوں میں باہر نکلنا وغیرہ دینی سرگرمیاں عام ہیں' ہر مسجد میں مدرسہ ہے

بچے اور بچیاں دینی تعلیم حاصل کر رہی ہیں، رب العزت مزید ترقیات دے آمین۔" نعط شیفلڈ کے اجتماع سے فارغ ہو کر حضرت مولانا نے انگلینڈ، اسکاٹ لینڈ اور ویلز کے مختلف اور متعدد مقامات کا (طبیعت کی ناہمواری، نزلہ زکام کھانسی اور بخار کے باوجود طویل) دعوتی دورہ فرمایا۔ چنانچہ پرسٹن، بلیک برن، مانچسٹر، بولٹن، بریڈفورڈ، باٹلے، گلاسگو، لیڈس، لیسٹر، نیٹی ٹن، والسال، برمنگم، گلاسٹر وغیرہ مقامات پر تشریف لے جا کر پوری دردمندی اور فکر کے ساتھ اپنا دعوتی فریضہ انجام دیا، داعی بننے کا نفع اور مدعو بننے کا نقصان سمجھایا، توحید و ایمان کی طرف بلایا اور مغرب و مشرق کے درمیان کے فرق کو خوب کھول کر وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔

ان تمام مقامات کا سفر شروع ہونے سے قبل حضرت مولانا نے دینی و دعوتی مصلحت کے پیش نظر اپنے میزبانوں سے بڑے محبت آمیز لب ولہجہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ ہم اپنے کھانے اور ناشتہ کا انتظام خود کرنا چاہتے ہیں، ہماری خواہش یہ ہے کہ اس مسئلہ میں آپ حضرات کوئی فکر نہ کریں۔

حضرت مولانا کی یہ خواہش ایسی تھی جو میزبانوں کے لیے بڑی آزمائش اور گویا ان کے تعلق و عقیدت کے پاکیزہ جذبات کا ایک امتحان تھا، بالآخر طویل انکار و اصرار کے بعد مہمانوں اور میزبانوں کے مابین ایک درمیانی شکل طے پا گئی اور پورے سفر میں اسی کے مطابق طعام کا نظم ہوتا رہا۔

حضرت مولانا ان شہروں اور علاقوں کی سفری تفصیلات اور یورپ میں اسلامی دعوت پر خطرات و خدشات کا اظہار کرتے ہوئے حضرت شیخؒ کو لکھتے ہیں:

> "اب ہمارا دورہ ہو رہا ہے صبح کہیں، شام کہیں، رات کہیں۔ کل گلاسگو بذریعہ موٹر گئے تھے، ڈھائی سو میل کا سفر تھا، آج واپس ریل سے آئے۔

لہ مولانا محمد یوسف تلا افریقی جوان اجتماعات میں شامل رہے حضرت شیخؒ کو اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ہماری جماعت پرسٹن میں ایک مقام پر گشت کر رہی تھی چہرے مہرے لمبی داڑھی اور لباس سے متاثر ہو کر انگریزوں کے چھوٹے چھوٹے بچے جو کھیل کود میں لگے ہوئے تھے بے ساختہ پکار پکار کر انگریزی میں کہنے لگے کہ عیسیٰ آ گئے عیسیٰ آ گئے۔

موٹریں اگرچہ تھیں لیکن کل سے کچھ نزلہ زکام حرارت کا اثر تھا' ریل میں کچھ لیٹنا ہوگیا اور راستہ میں کچھ سونا بھی ہوگیا، موٹر والے اب عصر کے بعد تک نہیں پہونچے ہم نے ظہر یہاں پہنچ کر پڑھی، دو روز سے یہاں کا جو موسم بارہ ماہ رہتا ہے۔ وہ شروع ہوگیا، بادل، بارش، سردی۔ ۱۲ روز تک تو خوب دھوپ نکلی رہی اور آسمان صاف رہا لیکن الحمدللہ ہمارے کام پر کوئی اثر اس موسم کا نہیں ہے۔

پورے ملک یوکے کے تین صوبہ ہیں، انگلینڈ، اسکاٹ لینڈ، ویلز تینوں صوبوں میں ۲۰-۲۵ مقامات پر جانا ہوا۔ الحمدللہ ہر جگہ پر اجتماعات اور ملاقاتیں خوب رہی اور سب جگہ لوگ اچھا ہی اثر اور خوب اثر بتاتے ہیں۔ اللہ جل شانہ پائیدار فرمائے۔ مولوی یوسف متالا کے مدرسہ کے بارے میں اُس مقام پر جہاں دارالعلوم بنانا ہے، سنگ بنیاد نہیں رکھا گیا بلکہ قریب کی مسجد میں دارالعلوم کے لیے دعا کرائی گئی، اس جگہ میں ابھی کچھ قانونی کسر تھی جس کی بنا پر وہاں مجمع کا جانا مناسب نہیں سمجھا گیا، مولوی یوسف متالا اپنی بیماری کی وجہ سے مستقل ساتھ نہ رہ سکے لیکن آتے جاتے رہے۔

موسم ایک عشرہ تک خوب گرم رہا خوب دھوپ نکلی رہی، تین روز تک بارش اور خوب سردی رہی، اب دونوں ملا جلا کبھی دھوپ نکل آتی ہے اور کبھی ابر آجاتا ہے، تمام دن میں کئی بار ایسا ہو جاتا ہے جن تین روز میں بارش اور سردی رہی معلوم نہیں بھیگنا ہوا یا کیا اس روز سے کھانسی، زکام، نزلہ حرارت کا سلسلہ شروع ہوا، الحمدللہ حرارت تو تین روز کے بعد نہیں رہی لیکن زکام، نزلہ چل رہا ہے اور سفر مسلسل ہو رہا ہے اللہ جل شانہ فضل فرمائیں۔

الحمدللہ بیسیوں اللہ کے بندے اس سفر میں جماعت کے ہاتھوں ضلالت سے تائب ہوئے اور ضالین کے زمرہ میں سے نکلے، الحمدللہ پورے انگلستان میں اللہ کے فضل سے بہت اچھے اثرات ظاہر ہوئے عمومی استقبال ورجحان ہے، دین اہل دین کی رغبت اور طلب ہے لیکن یہ انتہائی فکر کی چیز ہے کہ

جس سطح کے علمائے کرام یہاں پر تشریف لا رہے ہیں وہ علمی اور دینی سطح کے اعتبار سے بہت ہی زیادہ فکر کی چیز ہے، اللہ جل شانہ ہی اپنا فضل فرمائے اور تربیت کی بہترین صورت پیدا فرمائے تھوڑی سی بے عنوانی سے اس پورے طبقہ سے متنفر ہو کر پھر ان کی بات کا سننا بھی مشکل سے گوارہ کیا جائے گا۔ تازہ تازہ جذبہ ہے جدید جدید مسجدیں بنائی جا رہی ہیں جس کا کسی سے ذرا سا بھی تعلق ہے اس کے ذریعہ سے یہاں پر قدم جمانے کی کوشش کی جاتی ہے، اللہ جل شانہ ہی خیر فرمائے۔ ہمارے اجتماع کے نام سے بھی کئی آدمی آ کر اپنی جگہیں تلاش کر رہے ہیں۔

ہمارا قافلہ تقریباً دو سو نفر کا تھا جس کو بکھیرتے رہتے ہیں۔ حافظ عبد العزیز بھائی شفیع، محمد اخلاص کو بھی ایک جماعت کے ساتھ لگا دیا تھا، ایک ہفتہ کے بعد کل ملاقات ہوئی تھی بہت خوش تھے، بھائی شفیع کے چھوٹے بھائی صالح بھی جماعت کے ساتھ ہیں خالد علیگڑھ کی جماعت میں جڑے ہوئے ہیں۔ مولانا یوسف متالا کے یہاں بولٹن میں ایک رات رہنا ہوا وہ مقام جہاں دار العلوم بنانا ہے وہاں پر تو جانا نہیں ہوا، کہ ابھی قانونی قبضہ اور تکمیل نہیں ہوئی۔ مسجد ہی میں دعا کرائی الحمد للہ مساجد کثرت سے وجود میں آ رہی ہیں، دوسری جگہ پریسٹن میں ایک جگہ مسجد کے لیے ساتھیوں نے خرید لی ہے وہاں پر جانا ہوا، سب متفق اللسان ہیں۔ کہ تبلیغ کی برکت سے مساجد بن رہی ہیں اور زندگی میں تبدیلی آ رہی ہے"۔[1]

مولانا محمد عمر صاحب کے مکتوب سے اس دورہ کی مزید تفصیلات اور معلومات ہوتی ہیں وہ لکھتے ہیں:

"شیفلڈ سے ۱۱؍ جولائی بدھ کو عصر کے بعد نکل کر پریسٹن میں آ کر اپنی مغرب کی نماز پڑھی۔ فجر کی نماز کے بعد مولانا اسلم صاحب کا بیان ہوا، دس بجے جماعتیں گشت کے لیے شہر میں پھیل گئیں، گیارہ بجے عورتوں کا اجتماع ہوا، اس میں

---

[1] مکتوب محررہ ۲۵؍ جولائی ۱۹۷۲ء از ڈیوزبری۔

حضرت جی دامت برکاتہم کا بیان ہوا، بیعت ہوئی، ظہر کی نماز کے بعد کا بیان ہوا، پھر حضرت جی دامت برکاتہم کا بیان ہوا، تشکیل بھی ہوئی، عصر سے پہلے بلیک برن میں جا کر عصر کی نماز پڑھی، عصر کے بعد مولانا محمد احمد صاحب گا پھر حضرت جی کا بیان ہوا یہ اجتماع ٹاؤن ہال یعنی سرکاری مکان میں ہوا۔ ۲۱ر جولائی کو ناشتے پر بلیک برن میں علما، حضرت جی دامت برکاتہم کے پاس جمع ہوئے تشکیل ہوئی۔ بندہ عورتوں میں بیان کرنے گیا پھر حضرت جی نے آکر بیان کیا اور بیعت کی۔ پھر جمعہ مانچسٹر آکر پڑھا، یہاں مفتی صاحب کا بیان جمعہ سے پہلے ہوا تشکیل ہوئی۔ بعد جمعہ حضرت جی کا بیان ہوا، کھانا کھا کر آرام کر کے عصر میں بولٹن پہنچے۔ عصر مغرب کے بیچ میں حضرت جی کا بیان ہوا، تشکیل میں نام آئے۔

بولٹن میں آج صبح مستورات میں بندہ کا، پھر حضرت جی کا بیان و بیعت ہے رات کو بھی مولوی یوسف متالا صاحب نے مردوں میں حضرت جی کی بیعت کرائی۔

بولٹن سے ۲۲ر جولائی سنیچر کو بریڈ فورڈ آئے، ظہر کے بعد پہلے حضرت جی دامت برکاتہم کا اور پھر مفتی صاحب کا بیان ہوا۔ پھر بریڈ فورڈ سے باٹلی آنا ہوا، عصر سے پہلے پہنچ گئے۔ عصر کے بعد بندہ کا بیان ہوا، حضرت جی دامت برکاتہم نے بھی مختصر بات کر کے تشکیل فرمائی، نام آئے دعا ہوئی پھر باٹلی سے گلاسگو آنا ہوا۔ یہ لمبا سفر تھا ظہر کی نماز تاخیر سے گلاسگو میں آکر پڑھی، بیان عصر کے بعد ہوا، حضرت جی دامت برکاتہم کی دعا ہوئی تشکیل بھی اچھی ہوگئی۔ ۲۳ر جولائی کو یہاں سے روانہ ہو کر ڈیوزبری پہونچے، حضرت جی دامت برکاتہم اور لوگوں نے ریل سے سفر کیا، راستے میں لیڈس اترے یہاں بھی بیان و دعا اور تشکیل ہوئی، یہاں سے ہڈرس فیلڈ جا کر وہاں بعد عصر حضرت جی کا بیان ہو کر دعا ہوئی تشکیل بھی کی گئی یہاں مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے اجتماع پیرس ہال میں رکھا گیا یہ ہال لہو و لعب اور خرافات میں استعمال ہوتا تھا، لیکن اللہ پاک نے وہاں پر دینی دعوت کو زندہ فرمایا، عصر اور مغرب کی دو نمازیں اسی ہال میں اذان و تکبیر سے

باجماعت ادا کی گئیں پھر اسی ہال میں حضرت مولانا کے ہاتھ پر ایک بڑے مجمع نے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے آئندہ کی زندگی اعمال صالحہ پر گذارنے کی نیت کی۔

ڈیوزبری سے ۲۵ر کو لیسٹر اور ۲۶ر کو ننی ٹن جانا ہوا۔ کوونیٹر میں بھی حضرت جی دامت برکاتہم نے بیان کیا پھر واپس ننی ٹن آگئے۔ اس دورہ میں نقد تشکیل تو کم ہوئی کیوں کہ اکثر شیفلڈ کے اجتماع سے نکل گئے ہیں۔ ہفتہ دو ہفتہ کی تشکیلیں ہو رہی ہیں، بعض چلوں کے بھی تیار ہوتے ہیں لیکن ادھار تشکیل اچھی ہوتی ہے، اور یہاں والے وعدہ پورا کرتے ہیں۔ لیسٹر میں میرے ذمہ علماء کا حلقہ تھا مفتی صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت جی دامت برکاتہم ساتھ چلنے والے قافلے سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے ان علماء کی سو فیصد کی سال سال بھر کی تشکیل ہوئی۔ اور تاریخوں کی تعین بھی ہو گئی۔ تقریباً دس علماء تھے، ننی ٹن میں بھی عصر اور مغرب کے بعد علماء سے بات ہوئی، قاضی صاحب اور مولانا سعید خاں صاحب بھی تھے۔ بعض نے سال سال بھر لکھوایا۔ ہر جگہ مقامی کام کی فضا بھی بنتی ہے تقریباً دو سو کا قافلہ ساتھ چل رہا ہے۔ آگے پیچھے جماعتیں بھی کام کر رہی ہیں۔ خالد بھائی علی گڑھ کی جماعت اور کرنل امیر الدین وغیرہ اپنا پورا وقت انگلینڈ میں گذاریں گے اور بنگلور کی جماعت دو چلے انگلینڈ میں اور ایک چلہ جرمنی میں گذارے گی۔

۲۷ر جولائی کو وال سال آنا ہوا۔ ۲۸ر جمعہ کو برمنگھم کا پروگرام بہت اچھا رہا، یہ شہر لندن کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ جمعہ میں کئی جگہ بیان ہوا۔ عصر سے مغرب تک مولانا سعید احمد خاں صاحب اور حضرت جی دامت برکاتہم کی بات پر خوب تشکیل ہوئی۔ پہلے یہ شہر بہت اٹھا تھا، بیچ میں کچھ عوارض کی وجہ سے بیٹھ گیا۔ اب الحمد للہ دوبارہ اس میں حرکت پیدا ہوئی ہے۔ ۲۹ر جولائی کو گلاسٹر جانا ہوا۔ بیان اور تشکیل ہوئی۔ مقامی کام کے لیے بھی تفصیل سے بات ہوئی۔ عصر کے بعد بندہ کا اور حضرت جی دامت برکاتہم کا بیان ہو کر تشکیل ہوئی۔ مغرب کے بعد بھائی عبدالوہاب صاحب نے مقامی کام کا ذہن بنایا، وعدے لیے حضرت جی

دامت برکاتہم نے پھر کچھ ارشادات فرما کر دعا فرمائی۔

۳۰ر جولائی اتوار کو لندن آنا ہوا، سنیچر کو ایک جماعت کارڈف بھیجی جہاں پر عرب حضرات میں کام ہوا اور تشکیل ہوئی۔ ۳۰ر جولائی کو عصر کے بعد لندن میں حضرت جی کا بیان ہو کر تشکیل ہوئی، ۳۱ر جولائی پیر کو پرانوں کو مسجد میں جوڑا حضرت جی دامت برکاتہم نے بندہ کو سمجھا کر بھیجا کہ کیا کہنا ہے، وہ سب جا کر کہدیا سارے ہی پرانے تھے۔ حضرت جی دامت برکاتہم بہت خوش ہوئے فرمایا کہ سب ہی کہ ڈالا تشکیل بہت اچھی ہوئی، لوگوں نے ہندوستان آنے کے لیے نام لکھوائے۔ حضرت جی نے پھر کھل کر بات کی، ظہر کے بعد بھی روک کر چھ نمبر کی تائید فرمائی۔

یکم اگست کو عصر کے بعد ۱۲ میل دور لندن ہی کے ایک تعلیم یافتہ حلقے میں اجتماع تھا۔ حضرت جی دامت برکاتہم نے بندہ کو بھیج دیا مجمع کافی جمع تھا الحمدللہ تشکیل ہوئی ایک نقد جماعت ایسی بنی جو حضرت جی دامت برکاتہم کی دہلی واپسی تک انگلینڈ پھرے گی، سارے احباب کو ۲ر اگست بدھ کو صبح دس بجے مسجد میں جمع کر کے ترتیب دی، پھر حضرت جی دامت برکاتہم نے ان میں مختصر بات کی، اور دعا کرائی اور صرف سلام کر کے رخصت ہو کر ہوائی اڈہ پر پہونچے وہاں بھی دعا ہوئی، مصافحہ ہوئے۔ ۱۸ میل دور ہوائی اڈہ ہے ساڑھے چار بجے ہمارا ہوائی جہاز لندن سے روانہ ہوا اور پیرس (فرانس) میں سوا پانچ بجے اترا۔"[1]

حضرت مولانا اس پورے دعوتی دورہ میں اسلام کی حقانیت اور اس کی آفاقیت و ابدیت کو واضح طور پر بیان کرتے ہوئے مغربیت کے کھوکھلے پن کو بڑے واضح اور دلشگاف انداز میں بیان فرماتے رہے۔ مجلسوں میں بار بار اپنے مخاطبین سے دریافت فرماتے تھے کہ آخر مغرب کے طرز حیات میں ایسی کون سی کشش اور نفع ہے جس کی بنا پر انجام سے باخبر ہو کر

---

[1] مکتوب محررہ ۱۱ر جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ ۲۲ر جولائی ۱۹۷۲ء از بولٹن

اس کے پیچھے بھاگا جارہا ہے۔

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کو آپ اس ملک میں ہونے والی اپنی تقاریر کے موضوع وعنوان کے متعلق لکھتے ہیں،

"بندہ نے ہر جگہ پر یہ بات کہی اور لوگوں سے پوچھا بھی کہ انگریزی معاشرت کھانا پینا اور مکان بود وباش اور لباس کسی چیز میں بھی راحت نہیں تو کون سی ادا ان کی پسند آئی ہوئی ہے، اب تک کسی ایک نے بھی نہیں بتایا کہ اس میں راحت کی کیا چیز ہے۔ مکان اپنے مشرقی زیادہ راحت کے ہیں کھانا اپنا مشرقی زیادہ مزیدار ہے' لباس اپنا زیادہ راحت کا ہے، ہر ایک نے یہی کہا کہ ٹھیک ہے مجبوری کو یہاں پڑے ہیں، دل کسی کا نہیں لگ رہا ہے صرف تصنع اور تکلف نمائش ہی نمائش ہے، البتہ یہاں پیسے بہت ملتے ہیں۔ غرض یہاں آکر غیروں کی زندگی بہت زیادہ آشکارا ہوگئی، اور بندہ ہر جگہ خوب جاتا ہے کہ وہ ادا بتاؤ تو سہی جو پسند آئی ہے۔ لیکن اب تک کسی نے نہیں بتائی۔" [1]

اسی طرح ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"بندہ مجالس میں یہاں کی دنیاوی زندگی کی بے رونقی اور دنیاوی حیات کے بے کیف ہونے کو خوب کہتا رہا اور لوگوں سے یہ بات کہتا رہا کہ معلوم نہیں ہمیں ان کی کون سی ادا پسند آئی۔ اعمال تو سب کے سامنے ہیں لیکن دنیاوی زندگی کے اعتبار سے بھی بالکل پھیکی اور بے کیف زندگی ہے۔" [2]

انگلینڈ کا اٹھارہ روزہ سفر پورا فرما کر حضرت مولانا اور ان کی معیت میں تمام قافلہ اکیس جمادی الثانی (۲؍اگست) بدھ میں ایر فرانس سے روانہ ہوکر پیرس (فرانس) کے مطار پر اترے، قیام گاہ پر (جو ایک عرب دعوتی کارکن کے مکان کی ساتویں منزل تھی) پہنچ کر نماز عصر ادا کی۔ یہاں کے قیام اور سفر کا اصل محرک ایک اہم اجتماع تھا جو الحمد للہ بڑی خیر وخوبی کے ساتھ ہوا۔ اس کے علاوہ مختلف

---

[1] مکتوب محررہ ۲۵ جولائی ۱۹۷۲ء از ڈیوزبری [2] مکتوب بنام حضرت شیخؒ محررہ ۱۸؍جولائی۔

جماعتوں کے ذریعہ انفرادی طور پر دعوتی محنت اور خصوصی ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں۔ حضرت مولانا نے پیرس پہونچ کر جو مکتوب حضرت شیخ رح کے نام ارسال فرمایا، اس میں احوال سفر کے ساتھ اجتماع کے لیے جگہ کی دشواری اور عین وقت پر نصرۃ الٰہیہ کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اس تفصیلی مکتوب سے ایک اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"کل دو اگست کو لندن سے پیرس آنا ہوا، یہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ جو بڑی مسجد ہے جس میں اجتماع اور جماعتوں کا قیام ہو سکتا تھا، اس کی اجازت نہیں، نہ قیام کی نہ بیان کی، ساتھی پریشان تھے، ان ترقی یافتہ ممالک میں جو دنیا کے پیشوا بنے ہوئے ہیں اور دنیا ان کی اقتداء کو فخر سمجھتی ہے وہاں پر ہر چیز مشکل بنی ہوئی ہے جگہ کا مسئلہ بہت ہی مشکل ہے، ساتھی پریشان تھے اور جگہ کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ ایک پادری ملا، اس نے ایک گرجا دکھائی، بڑی جگہ تھی جس میں تمام ساتھی جو تقریباً ڈیڑھ سو تھے سب سما سکتے تھے لیکن اس میں تصاویر بہت تھیں جس کی بنا پر ساتھی اس پر راضی نہیں تھے، وہ پادری دوسرے گرجا میں لے گیا اس میں تصاویر نہیں تھی۔ البتہ بیت الخلاء کی دقت تھی وہ صرف دو ہی تھے، ساتھیوں نے اس کو قبول کر لیا اور بیت الخلاء کے لیے دوسرے مقامات پر جاتے رہے۔ الحمد للہ کام ہوتا رہا وہ پادری بھی بیانات میں شریک رہا پھر دوسرے لوگوں کو بھی لے کر آیا۔ بہت سے فرانسیسی مرد اور عورت آخری بیان میں شریک رہے" [1]

مولانا محمد عمر صاحب کے مکتوب میں مقامی و علاقائی دعوتی عمل اس میں بتدریج اضافہ و ترقی نیز اجتماع و اجتماع گاہ کی بہت سی تفصیلات اور جزئیات کا اندراج ملتا ہے۔ موصوف حضرت شیخ کو لکھتے ہیں:

"احباب پیرس ہوائی اڈہ پر موجود تھے، قیام گاہ مطار سے تیس میل دور تھی

---

[1] مکتوب محررہ ۱۴ / اگست ۱۹۷۳ء از پیرس

وہاں پہنچ کر نماز عصر پڑھی، اجتماع گاہ کی جگہ کا فکر تھا کہ اتنی بڑی جگہ پیرس میں نظر نہ آتی تھی۔ ایک مسجد ہے وہ حکومت کے ہاتھ میں ہے، بہت ہی متفکر تھے اتنے میں ہمارے ساتھیوں کو جو پہلے سے پیرس پہونچے ہوئے تھے، ایک پادری ملا اس نے کہا کہ میں جگہ بتاؤں، وہ ایک بہت بڑے گرجا میں لے لیا، پانی اور استنجے کی اچھی سہولت تھی، لیکن اس میں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی تصویریں تھیں مورتیاں بھی تھیں، ساتھیوں کو اشکال ہوا تو وہ دوسرا گرجا بتانے لے گیا۔ یہ بہت صاف تھا تصویریں نہ تھیں، بیت الخلاء صرف دو تھے لیکن قرب وجوار میں مسلمانوں کی بلڈنگیں ہیں۔ وہاں نظم ہوگیا، لہٰذا یہ اجتماع اسی گرجا میں ہے کرایہ پوچھا تو پادری نے کہا کہ تم اجتماع کرو، مجھے کرایہ نہیں چاہیئے۔ اللہ کا بہت بڑا فضل ہوا کہ جگہ طے ہوگئی، ورنہ دو دن پہلے تک ساتھی پریشان رہے لیکن اللہ کا کرم ہوا کہ اترتے ہی کام چالو ملا۔ پیرس بہت بڑا شہر ہے۔ محل اجتماع بالکل کنارے پر ہے، لوگوں میں دین کی اتنی رغبت نہیں کہ ہر جگہ سے محلِ اجتماع پر آکر جمع ہوجائیں۔ اس لیے ۳ / اگست جمعرات کو ظہر کے بعد ۷۔۸ جماعتیں بنا کر ۷۔۸ مقامات پر بھیج دیں، یہاں ایک ایک مقام پر ہزاروں مسلمان رہتے ہیں ان کے لیے ایک بڑا کمرہ بھی ہوا کرتا ہے جس میں سینما ٹیلی ویژن، کھیل کود یا کوئی جلسہ کیا جاتا ہے۔ اب بعض مقامات پر انہیں کمروں میں پنج وقتہ نماز ہورہی ہے، یہ خبر ملی کہ تقریباً پچیس مقامات پر روزانہ نماز ہوتی ہے۔ اکثر جگہ مغرب، عشاء اور فجر ہوتی ہے، ظہر، عصر اپنے کاروباری مقام پڑھ لیتے ہیں — سات جگہ ایسی ہیں جہاں پنج وقتہ نماز ہوتی ہے۔

آج سے نو سال پہلے جب ہم آئے تھے تو سرکاری مسجد میں صرف ۳۔۴ نمازی ظہر، عصر میں ہوتے تھے، یہاں والوں نے بتایا کہ جماعتوں کی نقل وحرکت سے اتنے مقامات پر نمازیں ہورہی ہیں، صرف پیرس میں سات لاکھ مسلمان ہیں، جماعتوں نے ہر جگہ جاکر پورا کام کیا، باوجودیکہ فاصلے کافی دور ہیں بس ریل

اور پیدل چل کر جماعتیں دو دو تین تین گھنٹوں میں پہونچی۔ بعض جماعتوں کو وہ جگہ نہ مل سکی، تو یوں ہی واپس آنا ہوا' اجتماع گاہ میں عصر کے بعد مولانا محمد احمد صاحب کا عربی میں بیان ہوا تشکیل اچھی ہوئی، مغرب کے بعد بندہ کا بیان عربی میں اور ترجمہ فرانسیسی زبان میں ہوا، نئی تشکیل بھی ہوئی۔ ہر ایک سے نماز ذکر تعلیم گشت کا وعدہ لے کر چار چار ماہ ہندوستان کے لیے نام لیے آخری بیان میں دو پادری اور ایک فرانسیسی عورت بھی آگئی تھی۔ بیان کے بعد ان کو حق نواز صاحب نے لے کر بات کی، پادریوں نے عشاء کی نماز کا منظر بھی دیکھا' یہ وہی پادری تھے جنھوں نے یہ گرجا اجتماع کے لیے دیا تھا۔ جمعرات وجمعہ فجر کا بیان اردو میں بھائی عبدالوہاب صاحب کا ہوا۔ جمعہ کی نماز میں مختلف مقامات میں احباب گئے' ایک جماعت دس آدمیوں کی تین تین چلے کی نقد روانہ ہوئی۔ ادھار کے بھی نام ہیں وہ دھیرے دھیرے آتے رہیں گے — اندرونِ ملک اور مراکش کے لیے بھی نام آئے ہیں لبنان سے بھی دو آدمی ایک چلے کے لیے آئے ہیں اور لبنان کا پروگرام بھی بنوالیا۔ روزانہ رات کو مشورہ ہوتا ہے۔ تین چلے کی بارہ آدمیوں کی ایک جماعت ہندوستان کے لیے نقد بنی ہے۔ مغرب کے بعد جماعتوں کی روانگی کے اصول وآداب بندہ نے بیان کیے عربی میں بیان ہوا' تشکیل بھی کی، دو تین نام آئے۔ پھر حضرت جی مدظلہ نے اردو میں بیان فرمایا جس کا ترجمہ بھائی یونس نے فرانسیسی زبان میں کیا۔ کچھ پادری اور فرانسیسی مرد بھی تھے حضرت جی دامت برکاتہم نے روح اور جسم پر بیان کیا، موقع محل کے مناسب بات فرمائی پھر دعا ہو کر جماعتیں روانہ ہوئیں۔"[1]

۲۳ر جمادی الثانی (۲۴ر اگست) میں اس اجتماع کا اختتام حضرت مولانا کے بیان پر ہوا' اور اسی وقت دعا ہو کر جماعتوں سے مصافحہ کیا گیا۔ مادہ اور مادیت پر تمام تر انحصار کرنے والے اس

---

[1] مکتوب محررہ ۱۵ر اگست، از پیرس۔

ملک میں حضرت مولانا نے روح اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے اور اس کو صاف و ستھرا بنا کر رکھنے کی بہت جم کر دعوت دی حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو آپ اپنی اس تقریر کا خلاصہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"بندہ نے جسم اور روح کے تقاضوں پر بیان کیا کہ جسم کے تقاضے خواہشات کے ہیں اور روح کا تقاضا روحانی اعمال کا ہے سکون اور چین روح کو بغیر اپنی غذا کے حاصل نہیں ہو سکتا، جتنے جتنے اعمال روحانیہ زندگی میں آتے چلے جائیں گے اس کے مطابق زندگی میں سکون آتا چلا جائے گا اور انسان میں انسانیت آتی چلی جائے گی اور جتنا انسان جسم کے تقاضوں پر اور خواہشات پر قدم بڑھاتا رہے گا حیوانیت اور بہیمیت بڑھتی چلی جائے گی اور پریشانیوں میں گھرتا چلا جائے گا۔ آج جسم کے تقاضوں پر تمام دنیا میں محنت کی جارہی ہے روح کے تقاضوں کو بالکل بھلا دیا گیا ہے اس پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔"[1]

پیرس میں ہونے والے اس اجتماع سے تین جماعتیں روانہ ہوئیں جن میں ایک تین چلہ کی اور باقی دو چلہ کی تھیں۔

پیرس کے اس سہ روزہ قیام کے بعد ۲۴ر جمادی الثانی (۵ر اگست) میں آپ کی تشریف آوری میڈرڈ (دارالخلافہ اسپین) کے لیے ہوئی، یہاں سے قرطبہ، الجزیرہ، طنجہ جبل الطارق، دار بیضا، رباط، قصر کبیر وغیرہ مختلف مقامات پر جانا ہوا، ان تمام مقامات کی روداد اس پیاسی زمین پر دعوتی عمل کے اثرات، دیکھنے والوں کی حسرت اور حیرت اور جبل طارق کو دیکھ کر اپنوں کی بدعملی و بدحالی پر حضرت مولانا کے حساس دل و دماغ کے تاثرات آپ کے دو طویل مکتوب (بنام حضرت شیخ رح) سے معلوم ہوں گے لکھتے ہیں۔

"پانچ اگست کو پیرس سے بذریعہ طیارہ اسپین کے دارالخلافہ میڈرڈ آئے شام کو ۹ بجے ریل سے قرطبہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ظہر سے عشاء تک اسٹیشن۔۔۔"

---

[1] مکتوب محررہ ۱۴ر اگست از قصر الکبیر، مغرب۔

پر رہے اذانیں دے کر نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھتے رہے، لوگ بہت حیرت سے دیکھتے تھے اور جمع ہو جاتے تھے۔ صبح کو تہجد کے وقت قرطبہ پہونچے اسٹیشن پر اتر کر صبح کی نماز پڑھی، سامان وغیرہ رکھ کر ناشتہ سے فارغ ہو کر جامع قرطبہ دیکھنے گئے سب ساتھیوں نے وہاں پر خوب نوافل پڑھے بلکہ ایک ساتھی نے باوجود اذان کا وقت نہ ہونے کے اذان بھی کہی کہ سینکڑوں برس کے بعد اذان کی آواز اس مسجد میں بلند کی گئی ہو۔ پونے تین بجے قرطبہ سے ریل میں روانہ ہو کر آٹھ بجے شام کو الجزیرہ جو بندرگاہ ہے پہونچے، ساڑھے آٹھ بجے بحری جہاز تھا جس سے ہمیں طنجہ جانا تھا۔ ہم سب ساتھی جہاز تک پہونچ گئے لیکن قلت وقت کی بنا پر ٹکٹ نہیں ملے۔ رات کو بندرگاہ پر ہی قیام رہا۔ سامنے جبل طارق تھا تمام رات طارق ہی کے لیے دعائیں نکلتی رہی کہ اس کی برکت سے پورے ملک میں نمازیں اور اذانیں اور تعلیم گاہیں وجود میں آئیں اور ہماری نالائقی اور کم ہمتی سے آج پورے ملک میں اذان نہیں، نماز نہیں فالی اللہ المشتکی ـــــ جبل طارق کو بار بار دیکھ کر حسرت ہوتی تھی کہ ہماری بد اعمالیاں ہم کو کہاں تک پہونچا کر رہیں گی۔ مغرب عشاء، فجر تین اذانیں دے کر جماعتیں ہوتی رہیں اور ہر نماز میں مجمع کھڑا ہو کر دیکھتا تھا۔ صبح کو ۹ بجے کے جہاز میں سوار ہوئے اور ڈھائی گھنٹہ میں اس آبنا کو عبور کر کے طنجہ پہونچے۔ الحمد للہ اپنے کام کرنے والے اہل مغرب اپنی موٹروں کے ساتھ موجود تھے۔ کسٹم والوں نے بھی بس بغیر دیکھے پاس کر دیا ہم سب تقریباً پچاس نفر موٹروں میں قصر کبیر (جو تقریباً ۸ میل ایک سو بیس کلومیٹر ہے) پہونچے وہاں جا کر معلوم ہوا کہ پولیس نے مسجد میں قیام اور بیان کو منع کر دیا ہے۔ اجتماع دار بیضاء میں تھا بجائے ـــــ دار بیضاء کے قصر کبیر میں ٹھہر کر مشورہ ہوا، مشورہ میں یہ طے ہوا کہ ایک جماعت جا کر اعیان مملکت سے ملے، بات چیت کرے۔ چنانچہ جماعت بھیجی گئی، اور الحمد للہ اجازت ہو گئی اور آٹھ اگست کو ہم دار بیضاء (جو تقریباً پونے دو سو میل

ہے. ظہر اول وقت پڑھ کر) روانہ ہوئے اور شام کو بحمد اللہ دار بیضاء پہونچ گئے لیکن وہاں پر جو مختلف جگہوں سے جماعتیں آئی تھی وہ منع کی خبر پر واپس جا چکی تھیں اور جو مجمع بہت بڑا اور جماعتوں کی جو کثرت سے نکلنے کی ترتیب تھی وہ ختم ہو گئی۔ پھر اجتماع ہوا۔ ہزار ڈیڑھ ہزار کا مجمع تھا، اور تیرہ جماعتیں روانہ ہوئی۔ مغرب بعد جمعرات کو دار بیضاء سے روانہ ہو کر رات کو رباط پہونچے۔ جمعہ ہفتہ رباط میں قیام رہا۔ اتوار کو ظہر تک جماعتوں کی روانگی ہوئی۔ عصر کے بعد رباط سے روانہ ہوئے مغرب راہ میں پڑھی، عشاء کے وقت قصر کبیر پہونچے، پیر کے دن ایک ہی روز میں تمام کام ہوا۔ عشاء سے پہلے جماعتیں روانہ کی گئیں۔

یورپ میں زندگی بہت مشکل ہے استنجاء، نماز اور آرام کی صورتیں ان مسکینوں کو حاصل ہی نہیں۔ اللہ جل شانہٗ آسان فرمائے۔ اس سفر کو اللہ جل شانہٗ ان تمام ممالک میں دین کی حیات کا ذریعہ فرمائے۔

۱۵ اگست کو بحری جہاز سے روانہ ہو کر سوا دو گھنٹے میں اسپین کے بندرگاہ پر اترے، جہاز میں ہی اذان دے کر جماعت سے نماز پڑھی گئی۔ ہر ایسی جگہ پر جہاں اغیار ہی ہوتے ہیں، اذان دینا اور بڑی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بھی ایک اچھی صورت دعوت کی بن جاتی ہے۔ عصر کی نماز بھی بندرگاہ پر ہی پڑھی، مغرب سے پہلے ریل میں سوار ہو گئے۔ اگلے روز دوپہر کو دس بجے میڈریڈ پہونچے۔ جہاں سے طیارہ پکڑنا تھا۔ ہماری سیٹیں شام کے جہاز سے روم تک تھی لیکن ایک بجے بھی ایک جہاز جا رہا تھا، خیال ہوا کہ اس میں کوشش کر کے دیکھ لیا جائے۔ چنانچہ الحمد للہ تیس سے زائد سیٹیں اس جہاز میں مل گئی، ایک جماعت کو چھوڑ دیا گیا اور ہم تیس آدمی اس جہاز سے روم آ گئے، روم کے ہوائی اڈہ پر ظہر کی نماز پڑھی، ہر جگہ پر لوگ فوٹو لینے کی کوشش کرتے رہے اور ہم منع کرتے رہے۔ الحمد للہ ہر جگہ فوٹو لینے والے ڈانٹ میں آتے گئے، روم کے ہوائی اڈہ پر ایک ترک عورت نے کہا کہ ایسی جگہ پر نماز پڑھنی مناسب نہیں یہ اغیار کیا کہیں

گے ورنہ سب جگہ لوگ تعجب ہی کرتے تھے روم سے بھی ایک جہاز فوراً استنبول جارہا تھا کوشش کرنے سے تمام قافلہ کو اس میں اللہ کے فضل سے جگہ مل گئی، ورنہ تمام رات روم کے ہوائی اڈہ پر گذارنی پڑتی۔ جہاز کی پرواز سے قبل نماز عصر جہاز میں پڑھی اور مغرب کے وقت استنبول پہونچ گئے۔ استنبول کے مطار پر مغرب کی نماز پڑھی، استنبول پہونچنے کی اطلاع تھی۔ اپنا خیال یہ ہوا کہ بجائے روم کے ہوائی اڈہ پر رات گذرنے کے استنبول کے اڈہ پر گذاریں گے لیکن اللہ کے فضل سے مطار پر اپنے واقف کاروں میں سے ایک ساتھی مل گئے اُن کے ذریعہ سے ٹیکسیوں کا اور جگہ کا نظم ہوگیا اور بخیریت عشاء سے پہلے جائے قیام پہونچ گئے۔ جن صاحب کے مکان پر قیام تھا وہ ایک مسجد کے امام صاحب ہیں۔

۲۰ر اگست کو عصر کے وقت استنبول سے روانہ ہوئے عصر کی نماز جہاز میں سوار ہوکر پرواز سے پہلے پڑھی اور مغرب کی نماز بیروت کے مطار پر پہونچ کر پڑھی۔ دو رات بیروت میں قیام کے بعد آج ۲۲ر اگست کو طرابلس کے لیے روانہ ہورہے ہیں۔ طرابلس میں دو روز کا اجتماع ہے۔ استنبول میں حضرت ابوایوبؓ کے مزار پر حاضری ہوئی، حضرت والا کی جانب سے بھی سلام پیش کر دیا گیا۔"[1]

قرطبہ سے قصر کبیر تک ہونے والے اس دعوتی عمل کی داستان مولانا محمد عمر صاحبؒ کے مکتوب میں بھی اچھے اور موثر انداز سے موجود ہے، لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم کے پیش نظر موصوف کا یہ مکتوب بھی یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں،

"۵ر اگست سنیچر کو ظہر کی نماز پیرس کے ہوائی اڈہ پر سوا بجے پڑھ کر جہاز پر سوار ہوئے۔ دو میں دس کم پر جہاز روانہ ہوکر سوا تین بجے میڈرڈ اترے۔ اب یہ سفر مراکش کے لیے شروع ہوا، میڈرڈ اسپین کا دارالحکومت ہے میڈرڈ سے رات کو دس بجے سے پہلے ریل سے روانہ ہوکر صبح پانچ بجے سے پہلے قرطبہ

[1] مکاتیب محررہ ۱۸ و ۲۳ ر اگست ۱۹۷۲ء از قصر کبیر و بیروت

پہونچے، میڈریڈ میں عصر مغرب کی نماز پڑھی، عشاء کی نماز احباب نے ریل کے پلیٹ فارم پر پڑھی اور حضرت جی دامت برکاتہم نے اور ہم نے ریل میں پڑھی، فجر کی نماز قرطبہ میں مفتی صاحب نے پڑھائی. نماز کے بعد ۲۰-۲۵ منٹ بات کرنے کا حکم حضرت جی دامت برکاتہم نے بندہ کو دیا. بات کے بعد مشورہ ہوا. قرطبہ اسپین کی مشہور جگہ ہے. اسپین کو پرانی کتابوں میں اندلس کہتے ہیں. قرطبہ میں بڑی مسجد ہے جس کے ایک حصہ کو گرجا بنایا ہے. صبح کی بات میں شیخ ابوعبداللہ اندلسی رح کا قصہ مختصر عرض کیا تھا. قرطبہ کی مسجد میں سب ساتھیوں نے جاکر سکون کے ساتھ نماز پڑھی اس سے پہلے بھی ۱۹۶۱ء میں میرا یہاں جماعت کے ساتھ آنا ہوا تھا. اس وقت چھپ کر نماز پڑھی تھی. اس مرتبہ سارے قافلہ نے کھل کر نماز پڑھی. میں نے حضرت جی دامت برکاتہم نے عرض کیا کہ کس نیت سے یہ مسجد دیکھیں تو ارشاد فرمایا فاعتبروا یا اولی الابصار عبرت حاصل کرنے کی نیت کرو. حضرت جی دامت برکاتہم کے ساتھ ۲۴ آدمیوں کا قافلہ ہے. جو ہوائی جہاز کے اور ریل کے سفر میں ساتھ ہے جس میں قاضی صاحب، مفتی صاحب، بھائی عبدالوہاب صاحب، مولانا سعید احمد خاں صاحب، بھائی ابراہیم عبدالجبار صاحب، افضل صاحب، حق نواز صاحب، حاجی شفیع گھڑی والے اور حافظ عبدالعزیز صاحب اور ہمارے ساتھی ہیں. ۳۲، احباب فرانس سے بذریعہ ریل مراکش روانہ ہوکر ہم سے پہلے پہونچ چکے، ہم قرطبہ سے دوپہر پونے تین بجے ریل میں سوار ہوکر شام کو ۸ بجے الجزیرہ پہونچے جو اسپین کا آخری مقام ہے. یہاں ڈھائی گھنٹہ کا پانی کے چھوٹے جہاز کا سفر کرکے طنجہ پہونچے. طنجہ یہ مراکش کا ابتدائی شہر ہے سامنے جبل طارق ہے جسے آج جبرالٹر کہتے ہیں. ۶ راگست کا دن گذار کر رات پوری الجزیرہ میں گذری.

۷ راگست پیر کو صبح نو بجے والے جہاز سے روانہ ہوکر ۱۱ بجکر پچاس منٹ پر طنجہ اترے. قافلے میں بھائی بشیر صاحب، حاجی یوسف رنگ والے، فضل عظیم

صاحب مکی/ملک عبد الحق صاحب بھی ہیں. بندرگاہ سے باہر نکلتے ہی شیخ حمدون نے
خبر دی کہ وزارۃ الاوقاف کی اجازت کے بغیر اجتماع کرنا ہر جگہ منع ہے اس لیے
یہاں سے پہلے قصر کبیر چل کر مشورہ کرلیں. سارا قافلہ کاروں سے روانہ ہو کر
قصر کبیر پہونچا، دو تین کاریں خواص کی آگے رباط بھیجیں تاکہ اجازت وغیرہ کا
معاملہ حل ہو. ۸/اگست کو صبح فون آیا کہ اجازت کا مسئلہ حل ہوگیا لہٰذا ہم
پونے دو بجے قصر کبیر سے نکلے، عصر کی نماز راستے میں رباط مقام پر پڑھی.
سات بجے کے بعد دار بیضا، پہونچے، مراکش کا دارالحکومت رباط ہے اور تجارتی
بڑا شہر بمبئی کی طرح دار بیضا ہے. تین جگہ اجتماعات ہیں. دار بیضا، رباط، اور
قصر کبیر، دار بیضا میں مغرب کے بعد بندہ کی بات ہو رہی تھی کہ درمیان میں
خبر ملی کہ ابھی تک اجازت کی خبر یہاں کے ذمہ دار کو نہیں پہونچی، اس لیے کل صبح
سے کام شروع کریں تو بندہ نے بیان روک کر مجمع کو ذکر و تلاوت میں لگا دیا، رات
کو اجازت نامہ ذمہ دار کو دکھایا، اس نے اجازت دے دی. صبح کی نماز کے بعد
۹/اگست کو مولانا اسلم صاحب کا بیان ہوا، ۹ بجے سے تعلیم کے حلقے لگے اسی
میں تشکیل ہوئی. اس کے بعد تین تین آدمی مختلف مساجد میں گئے اور ظہر
کے بعد کی دعوت دی. عصر کے بعد بندہ کا بیان ہوا، حضرت جی دامت برکاتہم
کے بیان پر تشکیل ہوئی، مغرب کے بعد مولانا محمد احمد صاحب کا بیان ہوا مزید
نام آئے، ۱۰/اگست کو فجر کی نماز کے بعد مولانا اسلم صاحب نے خلافت کے
موضوع پر مجمع سے بات کی. ۹ بجے مختصر سی تعلیم کے بعد مولانا سعید احمد خاں
صاحب نے خوب جم کر دیر تک بیان کیا، ظہر، عصر کے بیچ میں کھانا و آرام ہوتا
ہے. عصر مغرب کے بعد بیچ میں پونے تین گھنٹے کے قریب وقت ہوتا ہے
عصر کے بعد بندہ نے جماعتوں کی روانگی کے اصول آداب بیان کیے پھر حضرت
جی دامت برکاتہم کا بیان ہوا بندہ نے ترجمہ کیا، دعا کے بعد جماعتیں روانہ
ہوئیں. مصافحہ حضرت جی دامت برکاتہم نے اور قاضی عبد القادر صاحب اور

شیخ ناصر کتانی نے کیا۔ شیخ ناصر نے حضرت جی دامت برکاتہم کی رفاقت کا نام لکھایا اور ہر جگہ کے ٹکٹ بھی ریزرو کرالیے، جب ان کی جماعت کا پرچہ پکارا گیا تو وہ بھی جن سے سب مصافحہ کر رہے تھے، کرسی سے اتر کر اپنی جماعت کے ساتھ حضرت جی دامت برکاتہم سے مصافحہ کر کے جماعت کے ساتھ ہی روانہ ہوئے۔ مجمع نے زور سے اللہ اکبر کہا، بڑے عالم اور پروفیسر متواضع المزاج ہیں۔

یہ ساری دار بیضا، کی کارگزاری ہوئی۔ مغرب کے بعد دار بیضار سے بذریعہ کار روانہ ہو کر رباط میں آکر اپنی عشا، کی نماز پڑھی۔ رباط یہ مراکش کا دوسرا پڑاؤ ہے دار بیضا، میں ہزار ڈیڑھ ہزار کا مجمع ہمارے نزدیک تو بہت تھا خوب زور لگاتے تھے تب آواز پہونچتی تھی، لیکن یہاں والوں کا یہ کہنا ہے کہ شروع میں جو رکاوٹ آئی اس لیے بہت آدمی واپس چلے گئے تقریبًا پانچ سو آدمیوں کے واپس جانے کا اندازہ بتایا اور شہر کے بھی کافی لوگ نہ آسکے۔ اگر سب آتے تو شاید مسجد ناکافی ہوتی لیکن جو ہوا اس میں اللہ خیر فرمادیں۔ رباط میں گیارہ اگست جمعہ کو فجر کی نماز کے بعد مولانا سعید احمد خاں صاحب نے بیان فرمایا، ناشتہ اور تعلیم کے حلقوں کے بعد جماعتیں مختلف مساجد میں جمعہ پڑھنے بھیجیں، عصر کے بعد بندہ کا بیان ہوا مغرب کے بعد مولانا اسلم صاحب کا بیان ہوا،

۱۲ر اگست سنیچر کو پرانوں میں بھائی عبد الوہاب صاحب کا بیان ہوا۔۔۔۔ دار بیضا، میں مسجد عین الشق میں اجتماع ہوا اور رباط میں جامع یوسف میں ہوا، رباط کا مجمع دار بیضار سے تھوڑا تھا۔ عصر کے بعد بندہ نے بیان کیا پھر حضرت جی دامت برکاتہم کا بیان ہوا، ترجمہ بھی ہوا ۱۳ر اگست اتوار کو فجر کی نماز کے بعد چھٹی رکھی، ساڑھے نو بجے صبح جماعتوں کی روانگی کے اصول وآداب بندہ نے بیان کیے۔ پھر حضرت جی دامت برکاتہم نے بیان فرمایا، دعا، کے بعد جماعتوں کا مصافحہ حضرت جی دامت برکاتہم کا ہوا، جس سے ظہر تک فارغ ہوئے۔ عصر کی نماز کے بعد بذریعہ کار روانہ ہو کر عشاء سے پہلے قصر کبیر پہونچ گئے۔ شیخ عبد الرزاق

مصری اور بھائی فضل عظیم صاحب کی جماعت نے پہلے سے یہاں پہونچ کر بیانات شروع کر دیئے تھے، دار بیضاء سے گیارہ جماعتیں چلے کی اور ایک جماعت تین چلے کی، اور رباط سے بارہ جماعتیں چلے کی اور پانچ جماعتیں کم وقت کی نکلیں۔ ۱۴؍ اگست کو قصرکبیر میں تعلیم کے بعد جماعتیں گشت میں بھیجیں مغرب کے بعد جماعتوں کی روانگی حضرت جی دامت برکاتہم کی ہوکر دعا کے بعد عشاء سے پہلے جماعتیں روانہ ہوگئیں۔ ۱۵؍ اگست کو ہمارا سفر ہے۔ اب اسپین میں میڈریڈ اور اٹلی اور روم ہوتے ہوئے ان شاء اللہ ۱۷؍ اگست کو استنبول پہونچیں گے۔“[1]

حضرت مولانا رباط میں پانچ روز قیام کے بعد پندرہ اگست منگل میں قصرکبیر پہونچ کر وہاں سے بذریعہ کار طنجہ اور یہاں سے بحری جہاز سے الجزیرہ اور یہاں سے بذریعہ ریل میڈریڈ کے لیے روانہ ہوکر ۵؍ رجب ۱۶؍ اگست صبح سوا دس بجے میڈریڈ پہونچے۔ سامان باہر لاکر ٹیکسیاں کرایہ پر لے کر مطار پر پہونچے، شام کو نو بجے کے جہاز سے سیٹ تھی یہاں سے اٹلی کے دارالخلافہ روم پہونچے، مطار پر بڑی جماعت کے ساتھ اذان دے کر نماز ظہر پڑھی اور فوراً ترکی ایرلائن میں سوار ہوکر بذریعہ طیارہ استنبول کے لیے روانہ ہوگئے۔

مولانا محمد عمر صاحب اپنے تفصیلی مکتوب میں استنبول کی سرگذشت اس طرح تحریر کرتے ہیں :

”استنبول پر جہاز ٹھیک ۸ بجے اترا، اترتے ہی مغرب کی نماز پڑھی۔

کاروں میں قیام گاہ تک پہنچے، یہاں پر مراکش سے بھی زیادہ سختی ہے، دین کی نسبت کا اجتماع یا نقل وحرکت کو قانوناً منع کیا جاتا ہے ۱۶؍ اگست بدھ کو رات کو استنبول اترے، جمعرات کو کام شروع کیا، پہلے سے جماعتیں تھوڑا تھوڑا کام کر رہی تھیں، تعلیم کے بعد جماعتیں شہر میں بھیجیں کہ ہر جماعت ظہر اور عصر میں دو دو

---

[1] مکتوب محررہ ۶؍ رجب ۱۳۹۲ھ ۱۵؍ اگست ۱۹۷۲ء از قصرکبیر۔

مسجدوں میں کام کرے، اعلان نہ کرے، چہرہ اور لباس دیکھ کر ہی لوگ ملنے آتے ہیں، انھیں کو بیٹھا کر بات چیت کی جائے اور کہا جائے کہ ہسکولی کی مسجد میں ہمارے دوسرے ساتھی ہیں، مغرب میں آکر ان سے ملیں تو اس طرح ہر جماعت نے کام کیا۔ مولوی محمد سلمان جھانجھی جن مسجدوں میں گئے تھے ظہر میں تو خود امام صاحب نے لوگوں کو بیٹھایا اور بات کی اور کھانا بھی کھلایا۔ عصر والے امام صاحب نے صراحتًا انکار کر دیا کہ مفتی صاحب کا اجازت نامہ لاؤ بات کرنا منع ہے تو مولوی محمد صاحب نے پچھلی کارگزاری سنائی۔ اس پر امام صاحب نے مولوی صاحب سے کہا کہ تم خود ہی اعلان کر دو کہ فلاں مسجد میں لوگ مغرب پڑھیں۔ امام صاحب نے خود ہی جوش میں ۱۰-۱۵ منٹ تقریر کی اور خصوصی گشت والی ساری بات مجمع کو سنا کر مغرب کا اعلان کیا مجمع ان لوگوں سے ملنے لگا تو انھوں نے دوبارہ مغرب کی دعوت دی، حضرت جی قاضی صاحب اور بندہ وغیرہم نے حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ والی مسجد جا کر ظہر پڑھی وہاں بھی مجمع جمع ہوگیا تو حضرت جی اور بندہ نے باتیں کیں۔ پھر حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ کی قبر کی زیارت کی، وہاں سے ہمارا رہبر واپسی میں ایک مقام پر لے گیا جہاں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب چیزیں تھیں اس میں سب سے زیادہ اہم آپ کا خط مبارک جو مصر کے بادشاہ کے نام تھا کسی چھال یا چمڑے پر لکھا ہوا تھا۔ بعض حروف بہت صاف نظر آرہے تھے، اس کی نقل بھی صاف الفاظ میں قریب میں تھی حضرت جی اور دیگر احباب بہت دیر دیکھتے رہے اور بار بار دیکھا اور ایک ڈبیہ میں آپ کی ڈاڑھی مبارک کا بال بتلایا وہ اندر تھا اور شیشے میں سے بال مبارک صاف نظر آتا تھا، اس کے علاوہ اور چیزیں ڈبیہ میں بند تھیں مثلاً ایک ڈبیہ میں آپ کا دندان مبارک، ایک میں قبر شریف کی مٹی، کئی ڈبیوں میں بال مبارک بند بھی تھا، دو بڑے صندوقچوں میں آپؐ کے جبّے مبارک بند تھے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

اور حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی تلواریں بھی دکھائیں انگریزی اور ترکی زبان میں یہ سب لکھا ہوا تھا۔ حقیقت حال اللہ ہی جانے بیت اللہ شریف کے پرانے میزاب رحمت بھی کئی تھے۔ ایک قرآن ایسا بتایا کہ جس کے پڑھتے ہوئے حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تھے اس کی بعض آیتیں حضرت جی نے پڑھی، یہ زیارت کر کے ہم لوگ قیام گاہ واپس آئے۔ مغرب کی نماز کے بعد حضرت جی کا اردو میں بیان ہوا اور ترکی زبان میں ترجمہ ہوا، کام سے مانوس احباب اور ہندوستان سے آئے ہوئے تو سبھی احباب نظر آئے تشکیل بھی اچھی ہوئی۔ جمعہ کے دن فجر کی نماز کے بعد قاضی صاحب کا بیان ہوا، جمعہ کی بڑی مسجد اور دیگر مساجد میں جماعتوں نے جا کر جمعہ پڑھا اور کل کی طرح بات کی۔ عصر کے بعد تعلیم ہوئی، مغرب کے بعد مفتی صاحب کا ترجمہ کے ساتھ بیان ہوا۔ خوب تشکیل ہوئی۔ ۱۹ر اگست سنیچر کی فجر کی نماز کے بعد مولانا سعید احمد خاں کا بیان ہوا، دن کو جماعتیں حسب معمول گشت کو گئیں، دن کو ترک احباب حضرت جی سے ملتے رہے اور بات ہوتی رہی، عصر کے بعد بندہ کا بیان ہوا، سنیچر کے آدھے دن کی چھٹی کی وجہ سے مقامی احباب کافی تھے تشکیل بھی خوب ہوئی۔ مغرب کے بعد حضرت جی نے یقین اور زہد پر خوب جم کر بیان فرمایا اور صحابہؓ کے واقعات سنائے اور تشکیل فرمائی۔ عشاء کی نماز کے بعد ایک پرانے مفتی صاحب سے حضرت جی نے عربی میں بات کی، پھر قیام گاہ پر ملک کے بڑے مفتی صاحب آئے تھے ان سے خوب اہتمام سے بات کی اور وعدہ لیا، دیر تک یہاں کے علمائے کرام سے بات ہوتی رہی۔ ۲۰ر اگست اتوار کی فجر کی نماز کے بعد مولانا سعید احمد خاں صاحب کا بیان ہوا، یہ دن بیروت کے سفر کا دن ہے شیخ محمود یہاں کے بڑے مشائخ میں سے ہیں، انھوں نے حضرت جی سے ملاقات کی حضرت نے ان سے خوب بات کی اور اپنے مریدین کو جماعت میں بھیجنے کا وعدہ لیا۔ درہ دانیال جو سمندر کا ایک مشہور حصہ ہے جو دو بڑے سمندوں کو جوڑتا ہے

اس کی بھی زیارت ہوئی اور شیخ محمد فاتح استنبول میں کس نصرت الٰہی سے داخل ہوئے یہ یہاں والوں نے بتایا پھر ہم لوگ مسجد میں گئے جہاں پرانوں کو بھائی عبدالوہاب صاحب نے جوڑ رکھا تھا ان سے حضرت جی نے آخری بات فرمائی ظہر کے بعد ۳۰۔ ۳۵ آدمی جو جماعت میں جانے والے تھے ان سے مصافحہ کر کے کھانا کھا کر ہوائی اڈہ پر چلے امریکن جمبو جیٹ طیارہ ۳۷۰ سیٹوں والا تھا وہ ½ گھنٹہ لیٹ ہوا اس لیے عصر کی نماز ہم لوگوں نے ہوائی جہاز کے بالکل قریب جا کر پڑھی۔ حضرت جی نے جہاز کے اندر آکر پڑھی۔ شام پونے پانچ بجے جہاز اڑا، پورا گاؤں تھا جو اڑ رہا تھا۔ حضرت جی پر استنبول کی ہر مجلس میں، میں نے خوب انشراح پایا، امت کے حالات پر کڑھن اب ظاہر میں بھی محسوس ہونے لگی، استنبول کے ہوائی اڈہ پر بھی حضرت جی نے تعلیم کرائی۔ ۶ بجے بیروت اترے، احباب آئے تھے سیدھے مسجد پہونچے ۲۰، ۲۱ اگست بیروت میں پروگرام تھا، ۲۱ اگست کی فجر کی نماز کے بعد مولانا سعید احمد خاں کا بیان ہوا، دس بجے یہاں کے بڑے مفتی صاحب کی ملاقات کے لیے بندہ اور مفتی زین العابدین وغیرہ گئے مفتی صاحب ظہر کی نماز کے بعد حضرت جی سے ملنے آئے۔ مختصر سی مجلس میں بات رہی تعارف ہوا، عصر کی نماز کے بعد مولانا محمد اسلم صاحب کا بیان ہوا مغرب کے بعد بندہ کا بیان ہوا، عشاء کے بعد حضرت جی کا بیان ہوا، علماء کرام حضرت جی سے ملتے رہے اور بات ہوتی رہی۔" [1]

لبنان کے بعد حضرت مولانا ۲۴ اگست جمعرات میں بذریعہ کار ملک شام کے ایک مشہور شہر حماۃ کے قصد سے تشریف لے گئے۔ لیکن حدود مملکت میں داخلہ کی اجازت نہ ملنے پر باڈر سے طرابلس واپس ہو کر بیروت اور دمشق ایک ایک دن قیام کے بعد ۱۹ رجب

---

[1] مکتوب محررہ ۲۴ اگست ۱۹۷۲ء از طرابلس، لبنان۔

میں عمان (اردن) پہونچے۔

مولانا محمد عمر صاحب کے مکتوب سے حماۃ، عمان اور زرقا، اربد وغیرہ مقامات سفر کی تفصیلات پڑھئے۔ لکھتے ہیں۔

"لبنان کے شہر طرابلس سے ملک شام کے شہر حماۃ جانے کے لیے ہم ۲۴ر اگست جمعرات کو چلے لیکن ہمارے پورے قافلہ کو ملک شام کی حدود پر روک لیا گیا اور آگے نہیں جانے دیا، دو بسیں تھیں کئی کاریں تھیں اور یہ رکاوٹ صرف حضرت جی دامت برکاتہم کے اس پورے قافلے کے لیے تھی اور لوگ خوب جارہے تھے، ہمارے لیے خاص ممانعت آئی تھی، ہمارا سارا قافلہ پھر طرابلس واپس آگیا۔ شام کے احباب جو ہمارے ساتھ تھے وہ حماۃ پہونچے وہاں پانچ ہزار کا مجمع منتظر تھا، ان کو ان احباب کے پہونچنے پر پتہ چلا، محمود رواس صاحب فوراً دمشق پہونچ کر کوشش میں لگے، تعجب کی بات یہ ہے کہ اجتماع برابر ہوا اور رخوں سے جماعتیں پہونچی تھیں۔ کچھ عرب بھی تھے اجتماع ہوا، تشکیلیں ہوئیں لیکن ہمارا پورا قافلہ روک دیا گیا حتی کہ جو عرب ہمارے ساتھ تھے وہ بھی روک دیئے گئے۔ حماۃ کا اجتماع ہمارے بغیر پورا ہوا، ملک شام کا سارا وقت لبنان میں گذارنا پڑا، طرابلس سے بیروت آکر۔ ساتھیوں کو مختلف مساجد میں بھیج کر کام کرایا، اخیر تک ملک شام سے تو انکار ہی رہا۔ ۲۹ر اگست منگل کو اللہ پر بھروسہ کرکے بیروت سے دمشق کے لیے روانہ ہوئے۔ اللہ نے خیریت سے پہونچا دیا، حدود پر کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ دمشق میں کام کی شکل بالکل نہ تھی اگرچہ احباب عرب تو کہتے رہے کہ بیان کرو لیکن مشورہ میں یہ طے ہوا کہ بیان نہ ہو۔ الغرض شام کا سارا وقت لبنان میں گذار کر آخری دن پہونچے۔ حضرت بلال رضؓ حضرت صہیبؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت یحییٰؑ اور صلاح الدین ایوبی، ان سب حضرات کی قبروں کی زیارت کی سلام کیا ثواب بھیجا بعض قبریں حجروں میں بند تھیں، باہر سے سلام کیا پھر ۳۰ر اگست بدھ کو خیریت کے

ساتھ دمشق سے بذریعہ موٹر عمان پہونچ گئے فجر کی نماز پڑھ کر چلے اور ظہر کے وقت
عمان پہونچے یہاں پر بھی الیکشن کی وجہ سے رکاوٹ کا خطرہ تھا لیکن الحمدللہ
اجازت مل گئی۔ سیکڑوں کا اجتماع ہوا۔ عصر کے بعد بندہ کا بیان ہوا، مغرب
کے بعد مولانا سعید احمد خاں صاحب کا بیان ہوا، تشکیلیں ہوئیں حضرت جی
دامت برکاتہم سے بھی احباب عرب ملتے رہے اور بات چیت ہوتی رہی۔ دمشق
سے شیخ یوسف رفاعی کویتی صرف حضرت جی دامت برکاتہم سے ملنے بیروت
آئے تھے۔ کافی دیر تک مختلف سوالات کرتے رہے اور حضرت جی دامت برکاتہم
کے جواب سے مطمئن ہوتے رہے۔ بات چیت عربی زبان میں ہوئی۔ یہاں عمان
کی فضا الحمدللہ اچھی ہے۔ ملک شام میں ہم لوگ تو نہ جاسکے لیکن فرید عراقی
اور یونس تونس پیرس والے اور مکی مسجد کے وہ احباب جو مراکش سے روانہ ہوئے
تھے وہ سب پہونچ گئے اور اجتماع بہت اچھی طرح ہوا۔ خوب بیانات تشکیلیں
سب کچھ ہوا، ہندوستان کے لیے جماعت بنی، اردن اور لبنان کے لیے بنی
اندرون ملک کے لیے بنی، اصول وآداب کے ساتھ جماعتیں روانہ ہوئیں۔

عمان کے اجتماع کے دوسرے دن تعلیم کے بعد ۲۵ مسجدوں میں جماعتیں
بھیجیں، ظہر کی نماز مختلف مساجد میں پڑھیں۔ عصر میں سب آگئے عصر کے بعد
شیخ عبدالرزاق مصری کا بیان ہوا، تشکیل ہوئی، مغرب کے بعد بندہ کا بیان ہوا
کافی مجمع تھا، عشاء کی نماز بھی مؤخر ہوئی۔ نئے نئے کافی نام چار چار ماہ کے
آئے، عربوں میں عجیب جذبات ہیں فجر کی نماز کے بعد ایک عرب صاحب کا
بیان ہوا، جمعہ میں بھی جماعتیں بھیجیں، عصر کی نماز کے بعد بندہ نے جماعتوں
کی روانگی کے اصول وآداب بیان کیے، پھر حضرت جی دامت برکاتہم کا بیان
ترجمہ کے ساتھ ہوا، دعا کے بعد جماعتیں الحمدللہ روانہ ہوئیں۔

دو ستمبر سنیچر کو عمان سے زرقا بذریعہ موٹر روانہ ہوئے یہ تیس کلومیٹر ہے۔
ظہر کی نماز کے بعد ایک عرب صاحب نے تعارفی بیان کیا، پھر کھانے سے فارغ ہوکر

جماعتیں چودہ مساجد میں روانہ ہوئیں، ہر جگہ عصر کے بعد بیان ہوا، قیام گاہ والی مسجد میں عصر کے بعد مولانا سعید احمد خاں صاحب کا بیان ہوا، مکہ مکرمہ سے برمی حضرات کی جماعت ساتھ ہے، ان کی کوشش سے برما کے کافی احباب عصر کے بعد جمع ہوئے، بھائی زکریا برمی کی برمی زبان میں بات ہوئی۔ پھر سب حضرت جی دامت برکاتہم سے ملنے آئے تو حضرت جی نے بھی بات کی، تشکیل شروع ہوئی اور اذان مغرب ہوگئی مغرب کے بعد دوبارہ برمیوں کو الگ جمع کیا اور تشکیل ہوئی۔ عشاء کے بعد فضل عظیم صاحب نے تشکیل شدہ احباب کی ترتیب دی، فجر کی نماز کے بعد مولوی شاہد ابن بھائی امین مکی مسجد والوں کا عربی میں بیان ہوا وہ لیبیا سے جماعت کے ساتھ آئے تھے عربی بہت اچھی تھی اور دعوت کا انداز اچھا تھا۔ قصیدہ بردہ کے کچھ اشعار بھی پڑھے پھر ناشتے کے بعد اربد روانہ ہوئے سو کیلو میٹر کے قریب ہے وہاں ظہر سے پہلے پہونچ گئے ظہر کے بعد عرب صاحب کا تعارفی بیان ہوا، عصر کے پہلے دس مسجدوں میں جماعتیں گئیں۔ عصر کے بعد شیخ عبدالرزاق مصری نے جم کر دعوت دی اچھی تشکیل ہوئی، مغرب کے بعد بندہ کا بیان ہوا، تشکیل ہوئی، عشاء کے بعد شیخ احمد مقبول نے بیان کیا۔ عرب حضرات حضرت جی دامت برکاتہم سے اپنے حالات پیش کر کے مشورے لیتے رہے، صبح کی نماز کے بعد اربد سے عمان واپسی ہوئی، راستے میں ہرقل کے محل دیکھے جو کھنڈرات ہو چکے تھے، عمان میں عصر کے بعد پرانوں کو جمع کیا گیا حضرت جی دامت برکاتہم اس مجلس میں تشریف لائے، عرب حضرات کام کی باتیں پوچھتے رہے حضرت جی دامت برکاتہم جواب دیتے رہے۔ مغرب کے بعد بھی تقریباً یہی سلسلہ رہا۔[1]

مولانا محمد عمر صاحب کے مفصل گرامی نامہ کے بعد حضرت مولانا کا مختصر گرامی نامہ بھی ملاحظہ کر لیا جائے

---

[1] مکتوب محررہ ۲۴ رجب ۱۳۹۲ھ ۲ ستمبر ۱۹۷۲ء از عمان

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کو عمان سے تحریر فرماتے ہیں،
"ہم لوگ ۲۰ر اگست کو بیروت پہونچ گئے تھے لیکن لبنان کے بعد شام میں ہم داخل نہیں ہو سکے، ۲۴ر اگست کو طرابلس سے شام کے اجتماع میں شرکت کے لیے حماۃ روانہ ہوئے، لبنان حدود سے خارج ہو کر شامی حدود پر پہونچے تو معلوم ہوا کہ ہماری جماعت کا داخلہ ممنوع ہے، ہمارے ہمراہ مختلف ممالک کے حضرات تھے انکو بھی داخل نہیں کیا گیا۔ وہاں سے واپس ہوتے ہوئے ایک مسجد میں ٹھہرے اپنے بقیہ رفقاء کے انتظار میں، معلوم ہوا کہ اس مسجد کے قریب حضرت شرجیل رض کی قبر ہے۔ قریب ہی میں ایک چھوٹا سا قریہ ہے جس کا نام قریہ سیدنا عیاش ہے، تمام رفقاء کے واپس ہونے پر واپس طرابلس پہونچ گئے۔ ایک شب طرابلس ٹھہر کر پھر واپس بیروت آگئے اور چار روز قیام رہا لیکن قانونی کوئی اجازت نہیں ملی بلکہ ممانعت میں تاکید ہوتی چلی گئی۔ اردن کے لیے سوائے شام سے گذرنے کے کوئی راستہ نہیں۔ ہوائی جہاز کا راستہ ہے وہ صرف ہفتہ میں ایک ہے جو روسی ہے وہ بھی جمعہ کی شب میں آدھی رات کو تھا۔ افراد کو بھیجنا شروع کیا وہ الحمد للہ گذرتے رہے۔ ہم بھی ایک ٹیکسی لے کر متوکلاً علی اللہ روانہ ہو گئے تمام حدود پر بندہ کا نام پہونچا دیا گیا تھا راستہ میں سورہ یٰسین کا ختم کیا الحمد للہ بغیر کسی سوال و جواب اور بغیر کسی جھجک کے ویزا مل گیا اور ہم عصر کے بعد دمشق پہونچ گئے۔ مغرب کی نماز جامع اموی میں پڑھی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام پر سلام پڑھا، حضرت والا کی طرف سے بھی سلام پہونچا دیا گیا پھر صلاح الدین ایوبی کے مزار پر گئے مقفل تھا باہر ہی سے فاتحہ پڑھی، راستہ میں جہاں قیام تھا اس پر حاضری ہوئی اور پھر حضرت صہیب رض کے مزار پر حاضری ہوئی سلام پڑھا، حضرت والا کی طرف سے بھی سلام پہونچا دیا گیا، صبح کو حضرت بلال رض کے مزار پر حاضری ہوئی وہ بھی مقفل تھا باہر ہی سے سلام پڑھا، مقام پر آکر ناشتہ کیا اور پھر اردن کے لیے روانہ ہو گئے، حدود شامی میں خروج کا فکر تھا لیکن

الحمدللہ بخیریت خارج ہوگئے اور اردن کا ویزا حدود سے لے کر الحمدللہ ظہر کے وقت عمان پہونچ گئے۔ اللہ جل شانہ آسان فرمائیں۔ اب منگل کے روز ۵ ستمبر کو مدینہ منورہ کا سفر ہے اللہ جل شانہ قبول فرمائے اور آداب بجالانے کی توفیق نصیب فرمائے[1]

اردن کے سفر سے فراغ پر حضرت مولانا (۵ ستمبر) میں اپنے تمام قافلہ کے ساتھ تبوک (سعودیہ) پہونچے اور فوراً ہی دوسرا طیارہ بدل کر مدینۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے روانہ ہو گئے، احباب کا ایک بڑا مجمع مطار پر موجود تھا یہاں مطار پر نماز عصر کی ادائیگی اور دعا کے بعد شیخ عبدالعلام کی گاڑی میں مسجد نور تشریف لائے، اس کے بعد ضروریات اور وضو سے فارغ ہوکر مولانا عبدالحفیظ مکی کی گاڑی میں حرم نبوی شریف روانہ ہو گئے۔

۹ رشعبان (۱۸ ستمبر) پیر میں مدینہ منورہ سے بذریعہ طیارہ روانہ ہوکر براہ جدہ مکہ مکرمہ تشریف آوری ہوئی۔

مکہ مکرمہ میں ۱۲ دن قیام کے بعد ۲۰ رشعبان (۲۹ ستمبر) جمعہ میں ظہران دبئی ہوتے ہوئے بمبئی تشریف لائے اور دو دن یہاں قیام کے بعد ۲۳ رشعبان (۲ اکتوبر) پیر میں بخیروعافیت دہلی واپسی ہوئی۔

حضرت مولانا کی حرمین شریفین میں اس آمد کی تفصیلات اس کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۲۶۴ پر زیر عنوان "دوسرا عمرہ" پڑھی جائیں۔

(۴)

سفر سری لنکا

۱۳۹۳ھ ۱۹۷۳ء

حضرت مولانا کا سری لنکا کا دوسرا دعوتی سفر مرکز دہلی سے ۳ رجب ۱۳۹۳ھ (۳۱ اگست ۱۹۷۳ء) میں ہوا۔

آغاز سفر سے قبل کا وہ مکتوب آپ نے حضرت شیخ کو مدینہ منورہ تحریر فرمایا اس میں

---

[1] مکتوب محررہ یکم ستمبر ۱۹۷۲ء از عمان۔

تحریر ہے کہ:

"بندہ کا سفر ۲؍اگست کو برائے سیلون شروع ہو رہا ہے دو روز راستہ میں حیدرآباد ٹھہرنا ہے اور تین روز مدراس کولمبو جانا ہے، عزیزان ہارون و زبیر سفر میں ہمراہ ہوں گے۔ اہل شوریٰ کی سب کی رائے یہ ہے کہ ساتھ ہی لے جایا جائے۔ درخواست دعا و صلوٰۃ وسلام کی گذارش ہے، عزیز شاہد کی بیماری سے فکر ہے۔"[1]

دہلی سے آپ روانہ ہو کر حیدرآباد و مدراس ہوتے ہوئے ۹؍اگست کو کولمبو (سری لنکا) پہونچے، رفقاء سفر یہ حضرات تھے مولانا محمد ہارون، مولانا زبیر الحسن، مولانا محمد عمر، مولانا احمد لاٹ مولانا محمد بن سلیمان، مولانا عبدالعزیز کھلنوی (بنگلہ دیش) جناب قاری محمد ظہیر صاحب کولمبو مطار پر نماز عصر ادا کر کے دعا ہوئی، اور پھر بذریعہ کار اجتماع گاہ ظاہرہ کالج روانہ ہو گئے، پاکستان کے حضرات بھائی بشیر صاحب، بھائی عبدالوہاب صاحب، بھائی ابراہیم عبدالجبار وغیرہ بھی ایک یوم بعد کولمبو میں اس قافلے کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔

حضرت مولانا کا یہ سفر ۱۱، ۱۲؍رجب مطابق ۱۱، ۱۲؍اگست میں ہونے والے سہ روزہ اجتماع کے لیے تھا اس اجتماع میں تمام طبقات نے خوب ذوق و شوق سے شرکت کی۔ جماعتوں کی محنت و کارکردگی میں بھی نمایاں اضافہ ہوا، اس موقع پر ایک سو بارہ جماعتیں اطراف عالم کے لیے روانہ ہوئیں۔

اجتماع سے فراغ پر دو دن آپ نے اجتماع گاہ میں قیام فرمایا اور اصحاب شوریٰ۔ اور کارکنانِ تبلیغ کو دعوتی امور میں نصائح و ہدایات فرمائیں، بعد ازاں سری لنکا کا طویل دورہ شروع ہوا۔ آپ سب سے پہلے کولمبو سے بذریعہ کار نگمبو تشریف لائے یہاں شاہ الحمید صاحب کے مکان پر قیام ہوا، پھر نگمبو سے آپ کا قافلہ مختلف کاروں کے ذریعہ پتلم وغیرہ مختلف مقامات پر اجتماعات اور جماعتوں کے نکالنے کے بعد ۲۷؍رجب (۲۷؍اگست) میں کولمبو واپس پہونچا آج

---

[1] مکتوب محررہ ۳۱؍جولائی ۱۹۷۳ء از دہلی۔

کا تمام دن سری لنکا میں کام کرنے والے پرانے احباب کے لیے مخصوص تھا چنانچہ ان تمام حضرات نے حضرت مولانا سے کام کی ترتیب و نہج اور اصول و ہدایات پر مذاکرات ۔۔۔ اور مختلف مشورے ۔۔۔ کیے، اسی مذکورہ تاریخ میں کولمبو سے تری وینڈرم پہونچ کر یہاں سہ روزہ قیام کے بعد بنگلور، مدراس ہوتے ہوئے ۸ر شعبان مطابق ۶ر ستمبر میں دہلی واپس تشریف لائے۔

(۵) سفر دبئی، شارجہ، سعودی عرب
۱۳۹۳ھ　　۱۹۷۳ء

۶ر ذی قعدہ ۱۳۹۳ھ (۲ر دسمبر ۱۹۷۳ء) میں آپ دہلی ہوائی اڈہ سے مختصر بیان و دعا کے بعد بمبئی کے لیے روانہ ہوئے۔ مولانا محمد عمر، مولانا محمد بن سلیمان، مولانا صالح جی افریقی وغیرہ نو افراد کا قافلہ آپ کی معیت میں تھا۔ بمبئی میں الحاج عبد الکریم ماہم کے مکان پر آپ کا قیام ہوا، یہاں کے دو روزہ قیام میں متعدد جگہ بیانات و اجتماعات ہوئے اور پھر حضرت مولانا ۸ر ذی قعدہ (۴ر دسمبر) منگل میں بمبئی سے روانہ ہوکر دبئی تشریف لائے یہاں سے ۷ر دسمبر میں شارجہ آمد ہوئی، مسجد سیدنا علی ابن ابی طالب آپ کی قیام گاہ بنی۔ یہاں پہلے سے ایک تبلیغی اجتماع متعین تھا جس میں مختلف عرب ممالک کے دعوتی احباب کے علاوہ عرب امارات کے کام کرنے والے اہل تعلق بڑی تعداد میں جمع تھے۔ ۸ر دسمبر میں شارجہ سے ابوظبی آکر مسجد درویش بن کرم میں ہونے والے اجتماع میں شرکت فرما کر اگلے دن جدہ روانہ ہوگئے اور حج و زیارت سے فارغ ہوکر ۳ر صفر (۲۶ر فروری) منگل ۔۔۔ کو ہندوستان واپسی کے ارادہ سے جدہ سے روانہ ہوکر ظہران اور بمبئی میں چند روزہ قیام کے بعد ۱۱ر صفر ۶ر مارچ میں بخیر و عافیت نظام الدین تشریف لائے۔

(۶) سفر افریقہ لینیشیا، موزمبیق، رہوڈیشیا، ملاوی، زمبیا، تنزانیہ، کینیا سعودی عرب
۱۳۹۵ھ　　۱۹۷۵ء

یکم ربیع الاول ۱۳۹۵ھ (۱۵ر مارچ ۱۹۷۵ء) بروز شنبہ حضرت مولانا مع رفقاء دہلی سے

روانہ ہوکر بمبئی پہونچے یہاں کے سہ روزہ قیام میں کھارا ور بیگ محمد باغ میں مستورات کے دو اجتماع اور باندرہ و جامع مسجد بمبئی اور کھوکا بازار میں ہونے والے تین اجتماعات میں شرکت فرماکر بڑی تعداد میں جماعتوں کی روانگی کے بعد ۴ ربیع الاول (۱۸ مارچ) سہ شنبہ میں ایر انڈیا سے روانہ ہوکر ہندوستانی وقت کے مطابق شام ۵ بجے مارشیش پہونچے۔ اگلے دن کاسنجاب مقام پر دو روزہ اجتماع میں شرکت فرماکر پورٹ لوئس آمد ہوئی۔ یہاں حاجی محمود لوکھاٹ کے مکان پر قیام اور مسجد لاری ڈی فورس میں اجتماع ہوا۔

۷ ربیع الاول (۲۱ مارچ) میں پورٹ لوئس سے بذریعہ طیارہ سینٹ ڈینس پہونچنا ہوا اس مقام پر مسجد نورالاسلام میں ایک سہ روزہ اجتماع بھی تھا اس سے فارغ ہوکر بذریعہ ہوائی جہاز جوہانس برگ تشریف لائے۔ راستہ میں یہ جہاز ایک گھنٹہ ڈربن بھی رکا۔ احباب کا مجمع یہاں ملاقات کے لیے آیا ہوا تھا حضرت مولانا نے کچھ کلمات فرماکر دعا کی مصافحے کیے۔ جوہانس برگ کے مطار پر مجمع کی کثرت اور ان کے شوق واشتیاق کی کیفیت مولانا زبیر الحسن صاحب اپنے مکتوب میں اس طرح لکھتے ہیں:

"یہاں اس قدر مجمع تھا اور لوگوں کا اس قدر ریلہ آتا تھا کہ بجائے خود قدم اٹھانے کے بے اختیار آگے کی منزل خود بخود طے ہو جاتی تھی اور اگر پیچھے آنے کی ضرورت پیش آتی تو بڑی مشکل اور دھکا کی سے آنا پڑتا تھا، بڑی مشکل سے مجمع کو قابو میں کیا گیا سب کو بٹھایا، پھر حضرت جی مدظلہ کی دعا ہوئی"[1]

جوہانس برگ میں قاری عبدالحمید صاحب کے مکان پر قیام اور جامع مسجد میں اجتماع ہوا۔ بعد ازاں ایک شب روڈی پورٹ جناب الحاج موسیٰ بڈھانیا کے مکان پر ٹھہرتے ہوئے ۱۱ ربیع الاول (۲۵ مارچ) میں میاں کے فارم پر تشریف لائے یہاں چوبیس گھنٹہ کا ایک اجتماع ہوا حضرت مولانا نے اس میں اخلاص واستخلاص مجاہدات وقربانی اور سنتوں کی پابندی پر ایک جامع اور مؤثر بیان فرمایا۔

---

[1] مکتوب مولانا موصوف بنام والدہ محترمہ مرحومہ محررہ ۷ اپریل ۱۹۷۵ء از ڈربن

اسی موقع پر حضرت مولانا دیگر رفقاء کے ساتھ مولانا ابراہیم، مولانا بایزید، مولانا پانڈور، مولانا احمد صادق (مجاز حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ) مولانا محمود خاں صاحب (مجاز حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی) کے یہاں بھی تشریف لے گئے، ان تمام حضرات کے یہاں طعام یا ناشتہ پر علمائے کرام اور علاقہ کے خواص بھی جمع ہوتے تھے جن میں حضرت مولانا کی یا آپ کے مشورہ سے رفقاء سفر میں سے کسی کی بات ہو کر —— خروج فی سبیل اللہ کی دعوت دی جاتی تھی۔

مولانا سلیمان پانڈور کے مکان پر مدارس و جامعات کے علماء کی ایک اچھی تعداد موجود تھی۔ حضرت مولانا نے ان سے بڑی بشاشت اور دلجمعی کے ساتھ ملاقات فرما کر ان کو دعوت کے اس مبارک عمل کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا،

"مدرسہ میں پڑھاتے ہوئے، تعلیم کو پورا کرتے ہوئے تھوڑا سا وقت اس کام میں بھی لگائیں۔"

یہاں سے حضرت مولانا کی روانگی لوڈیم کے لیے ہوئی۔ جہاں کے میزبان حاجی محمد ڈوکرات تھے، ان کے مکان پر ایک دن قیام ہو کر لینیشیا کا سفر شروع ہوا۔

مولانا محمد عمر صاحبؒ اپنے دو گرامی ناموں میں یہاں تک ہونے والے سفر کی تفصیلات اور ہونے والے اجتماعات کی کارگذاری اس طرح سپرد قلم فرماتے ہیں،

"ہمارے ساتھ چودہ نفر ہیں جن میں پانچ ہم حضرت نظام الدین کے ہیں، انتظامی لائن کے ذمہ دار حاجی علاؤالدین ہیں۔ ظہر کی نماز ہوائی جہاز میں پڑھی دوپہر کا کھانا بھی جہاز میں کھایا۔ جہاز ۱۱½ بجے بمبئی سے اڑا، اور ہندی وقت سے ۵½ بجے مارشیش اترا، مسلسل پونے چھ گھنٹہ اڑتا رہا، ساتھی ذکر و تلاوت میں لگے رہے، مارشیش آئے تو مولانا سعید احمد خاں صاحب، قاضی عبد القادر صاحب، عبد الشکور مدنی صاحب، ملک عبد الحق صاحب اور سلیمان ممایا صاحب اور ان کی جماعت سے سب سے پہلے ملاقات ہوئی۔ عصر کی نماز ہوائی اڈہ پر ہوئی —— حضرت جی کی دعا ہوئی۔ مغرب سے پہلے کاروں کے ذریعہ اجتماع پہونچے مغرب کے بعد مولوی جہانجی نے مجمع جوڑا، بعد میں بندہ کا بیان ہوا تشکیل پر مجلس ختم

ہوئی۔ مجمع کافی تھا۔ فجر کی نماز کے بعد عبدالوہاب صاحب کا بیان ہوا، ناشتہ کے بعد تعلیم کے حلقے ہوئے، سارے ساتھی استعمال ہوئے۔ ظہر کے بعد بھائی عبدالمقیت صاحب کا بیان انگریزی میں ہوا۔ عصر کے بعد قاضی صاحب نے ذکر کے فضائل بیان کیے، مغرب کے بعد کھانا ہوا پھر مولانا سعید احمد خاں صاحب کا بیان ہوا، بیان کے بعد اچھی تشکیل ہوئی۔ مولوی صالح صاحب نے انگریزی میں بیان کا خلاصہ کیا، بدھ کی عصر کی مجلس میں خواص سے حضرت جی نے بات کی صالح جی نے کھڑے ہو کر انگریزی میں ترجمہ کیا، جمعرات کو فجر کی نماز کے بعد میاں جی محراب نے جماعتوں کے بٹھانے پر بات کی۔ ۸½ بجے روانگی کا بیان بندہ نے کیا، حضرت جی کا بیان ہو کر دعا ہوئی، رقت طاری تھی۔ مصافحہ کے فوراً بعد کا بجاب سے چلے کیوں کہ پورٹ لوئس شہر میں لاری ڈی فورس کی مسجد میں پروگرام تھا، ظہر کے بعد مولوی لطف الرحمٰن صاحب کا اردو میں جم کر بیان ہوا، اردو اچھی بول لیتے ہیں۔ عصر کے بعد مسجد میں نکاح پر حضرت جی کی بات ہوئی اور پھر نکاح پڑھایا۔ مجمع کو یہ بات پسند آئی، مختلف مساجد میں جماعتیں بھیجیں جس میں ہمارے سارے رفقاء استعمال ہوئے، حضرت والا نے مجھ سے بار بار کہا کہ میرے ساتھ چلنے والا قافلہ بیکار نہ پھرے بلکہ ان کو کام میں لگاؤ، لہٰذا ان سے کام لیا جاتا ہے۔ جمعرات ۲۰ مارچ میں مغرب بعد کھانا ہوا، عشاء اول وقت ہوئی، عشاء کے بعد بندہ کا بیان ہو کر پھر حضرت جی کا بیان ہوا، پھر تشکیل ہوئی۔ فجر کی نماز کے بعد مولانا سعید احمد خاں صاحب کا بیان ہوا، حضرت جی اور سارے اکابرین بیان میں بیٹھے تھے، مولانا نے اپنے معمول کے مطابق بیان کیا۔ جمعہ کی نماز میں جماعتیں کام کر رہی ہیں، ایک جماعت میں قاضی صاحب بھائی عبدالوہاب صاحب ہیں دوسری میں مولانا سعید احمد خاں صاحب ہیں، مارشش میں فضا نہ تھی جماعت نے کام کیا اچھی فضا بنی۔

مارشش سے ۶½ پرواز ہوئی، ۷ بجے کے بعد ری یونین اترے مغرب

کی نماز ایرپورٹ پر پڑھی، مجمع کافی استقبال کے لیے تھا' حضرت جی مدظلہ نے بات کی مصافحہ کیا پھر قیام گاہ پر حاضری ہوئی، مشورہ ہوا' کھانا ہوا' عشاء کے بعد حضرت جی مدظلہ و مولانا سعید احمد خاں صاحب کا بیان ہوا' ۲۲ مارچ سنیچر کا پورا دن معمولات میں گذرا' حلقے و بیانات ہوئے۔ ایک خاص بات یہ ہوئی کہ یہاں کا سب سے بڑا پادری حضرت جی مدظلہ سے ملاقات کرنے آیا' خود کا اس کا اشتیاق تھا' مسجد کے حلقے دیکھے پھر ملاقات پر حضرت والا نے بات کی جس سے وہ خوش ہوا۔ دوپہر کا کھانا حضرت جی مدظلہ نے عام مجمع کے ساتھ کھایا۔ مجمع کافی متاثر تھا' مسجد میں عمومی طور پر لوگ مصافحہ کرتے رہے لوگوں میں عجیب و اشتیاق و محبت پائی گئی۔ مستورات کے پروگرام بھی ہر جگہ ہو رہے ہیں کافی مقدار میں جمع ہو جاتی ہیں، یہاں کے لوگوں نے سنیچر کے دن ساری دکانیں اجتماع کی وجہ سے بند رکھی اور ہر دکان پر لکھ دیا' اس سے گاہک کے علم میں آیا' اسی وجہ سے پادری کو تعجب ہوا کہ ایسی شخصیت کون ہے کہ جس کی آمد کی خوشی میں پورے شہر کا بازار بند ہے، ری یونین میں فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوتا رہا' اتوار ۲۳ مارچ کو ۱۱ بجے کے بعد روانگی والی دعا کر کے مصافحہ ہوئے، مجمع پر کافی رقت تھی' چیخ و پکار کا بھی منظر تھا' جماعتوں کے بعد عام مجمع کا مصافحہ بھی ہوا' مارشیش[1] سے بیس جماعتیں نکلیں۔

۲۳ مارچ اتوار میں جہاز سے روانہ ہوئے، ساڑھے تین گھنٹہ کا سفر تھا جہاز ڈربن اترا' مطار پر کافی مجمع تھا۔ حضرت جی مدظلہ نے دو مرتبہ دعا کرائی پھر ڈربن سے اسی جہاز سے چل کر جوہانس برگ پہنچے یہاں بھی بڑا مجمع تھا۔ دعا کے بعد قیام گاہ پر آئے اور دو تین دن مختلف مقامات لوڈیم وغیرہ کا نظام بنا[1]

مارشیش اور جوہانس برگ وغیرہ کے دس روزہ سفر سے فارغ ہو کر حضرت مولانا ۱۳ ربیع الاول،

---

[1] مکاتیب محررہ ۲۱ و ۲۳ مارچ ۱۹۷۵ء از مارشیش و ری یونین عطیہ جناب بھائی خالد حسین صاحب صدیقی علیگڑھ۔

(۲۸ مارچ) میں لینیشیا تشریف لائے یہاں ۱۵ تا ۱۷ ربیع الاول (۲۹ تا ۳۱ اگست) ایک بڑا اجتماع منعقد ہوا۔

مولانا محمد عمر صاحب اپنے مکتوب بنام حضرت شیخ میں اس اجتماع کا آنکھوں دیکھا حال اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"۲۸ مارچ کو لینیشیا مقام اجتماع پر عصر کے وقت پہنچے مجمع جمع ہو رہا تھا پورے ملک سے احباب آئے تھے۔ بارہ ہزار کا مجمع تھا مقامی احباب نے بتایا کہ بغیر موسم کے بارش اجتماع سے پہلے آ گئی تھی، ساتھی بہت ہی دعاؤں میں لگے حضرت جی مدظلہ نے بھی خیر کی دعا مانگی اللہ کے فضل سے پورے اجتماع میں ایک قطرہ بارش کا نہیں ہوا۔ جب کہ جمعہ کو اجتماع گاہ سے دو سو قدم پر بارش تھی۔ اور پانی بھرا ہوا تھا لیکن اجتماع گاہ کی اللہ نے حفاظت فرمائی شب میں بھائی عبدالوہاب کا اور سنیچر کی صبح کو بعد نماز فجر مولانا سعید احمد خاں کا بیان تھا پھر تعلیم کے حلقے ہوئے۔ بعد ظہر کرنل امیر الدین صاحب کا انگریزی میں بیان ہوا بعد عصر مولانا زبیر صاحب نے ذکر کی فضیلت پر بیان کیا، جس کا انگریزی ترجمہ مولوی محمد صالح جی کا ہوا مغرب بعد پہلے بندہ کا بعد میں حضرت جی مدظلہ کا بیان ہوا، دوسرے دن بعد نماز ظہر حضرت جی مدظلہ نے پرانوں میں بیان فرمایا۔ نیز تعلیم کے حلقوں میں بھی حضرت جی مدظلہ نے کچھ دیر بات کی اسی طرح علماء کے حلقے میں بھی تشریف لے گئے اور وہاں بھی آپ نے بیان فرمایا۔ ظہر کے بعد بیس سے زیادہ نکاح ہوئے اس میں حضرت جی مدظلہ کا تفصیلی بیان ہوا۔ مجمع خوب تھا۔ اجتماع کے تیسرے دن فجر کے بعد میاں جی محراب اور شریف بھائی نے جماعتیں بٹھائیں، سوا آٹھ بجے سے بندہ نے روانگی کے اصول و آداب بیان کرنے شروع کئے۔ اس کے بعد حضرت جی مدظلہ کا بیان ہوا، حضرت جی مدظلہ کے ترجمان مولانا قاسم سیما تھے، دعا میں سب پر رقت و سنجیدگی طاری تھی مجمع میں عجیب و غریب سکون تھا ہر مجلس میں مجمع منشرح الصدر پایا گیا حضرت جی پر

دعاء میں رقت طاری تھی، بار بار دعاء میں یہ جملہ فرمایا کہ اے اللہ تیرے ہی کرم کا سہارا ہے قبول فرما لے۔

حضرت جی یہاں والوں سے بہت خوش ہیں کیوں کہ یہاں محبت کا عجیب انداز ہے ملنے والوں سے حضرت والا بشاشت سے ملتے ہیں اور دن بھر ملنے والوں سے بات فرماتے رہتے ہیں۔ پیر اور منگل دو دن لینیشیا کی جامع مسجد میں سارے ملک کے پرانوں کو جوڑا گیا اور ان سے بات ہوئی"۔[1]

اس اجتماع سے بانوے جماعتیں نکلیں جو چھ سو اڑتالیس افراد پر مشتمل تھیں ان میں بیرونِ ملک جانے والے جماعتیں ویسٹ انڈیز، امریکہ، برازیل، چلی، ارجنٹائن، انگلینڈ، آسٹریلیا، فرانس وغیرہ گئیں۔

حضرت مولانا اجتماع کے بخیر وخوبی ختم ہونے کی اطلاع دیتے ہوئے حضرت شیخ کو لکھتے ہیں،

"آج دوشنبہ ۳۱ مارچ کو الحمد للہ والمن اللہ اجتماع بخیر وخوبی پورا ہوگیا۔ اکیانوے جماعتیں قریب وبعید بیرون واندرون پیدل سواری کی روانہ ہوئیں۔ اجتماع میں تمام طبقات کے افراد نے شرکت فرمائی۔ اور الحمد للہ سب پر بہت اچھا اثر رہا۔ اللہ جل شانہ قبول فرمائے۔ اللہ جل شانہ کی کھلی مدد بھی سب کے سامنے آئی کہ بارشیں ہو رہی تھیں اور جمعہ کے روز تک خوب تھیں جائے اجتماع پر بھی روزانہ ہو رہی تھی۔ خیمہ کئی مرتبہ ٹھیک کیا گیا، بیٹھنے کی جگہ سے پانی کو نکالنے اور خشک کرنے کی کوشش کی گئی۔ ہم لوگوں نے جمعہ کی نماز جائے اجتماع پہونچکر پڑھی لیکن الحمد للہ اس وقت سے اب تک اس جگہ بارش نہیں ہوئی۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ جائے اجتماع سے جمعہ کے روز دو سو گز کے فاصلے پر خوب بارش ہوئی۔ لیکن وہاں پر ایک بوند بھی نہیں پڑی"۔[2]

مولانا محمد یوسف صاحب تلی (افریقہ) جو اس پورے دورہ میں حضرت مولانا کے ساتھ تھے

---

[1] مکتوب محررہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ ۷ اپریل ۱۹۷۵ء از ڈربن [2] مکتوب محررہ ۳۱ مارچ ۱۹۷۵ء از لینیشیا۔

حضرت شیخ رح کے نام ایک مکتوب میں اس سفر پر اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت جی دامت برکاتہم کا دورہ بہت ہی کامیاب ہو رہا ہے، ہر جگہ لوگوں میں استقبال ہے اور مجمع بھی اچھا ہوتا ہے نام بھی لکھاتے ہیں، اجتماع کے ایام میں سیکڑوں کی تعداد میں بیعت بھی ہوئے جہاں جانا ہوتا ہے مغرب کے بعد بیعت بھی فرماتے ہیں، احقر اور حاجی پاڈیا صاحب حضرت جی کے ساتھ پورے ملک میں ساتھ ہیں۔ یہ سب حضرت اقدس کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور بار بار ایسے مواقع نصیب فرمائے شکرانہ کی نفلیں بھی ادا کی جارہی ہیں۔" [1]

ذیل میں حضرت مولانا کا ایک اور طویل مکتوب (جس میں آپ نے بمبئی سے لینیشیا تک ہونے والے سفر اور مقاماتِ سفر اثنائے راہ کے چھوٹے بڑے متعدد اجتماعات ابتداء سفر کی ایک دشواری اور پھر اللہ جل شانہ کی طرف سے ملنے والی مدد اور نصرت نیز ری یونین کے ایک عیسائی عالم (پادری) کی آمد اور اس کے تاثرات و خیالات تحریر فرمائے ہیں) پیش کیا جاتا ہے یہ مکتوب سات اپریل ۱۹۷۵ء میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو ڈربن سے مدینہ منورہ تحریر کیا گیا تھا،

" مخدوم مکرم معظم محترم مدظلکم العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ بمبئی ۱۵؍ مارچ کو بخیریت پہنچ گئے تھے جس کی تفصیل اور کیفیت عزیزان سے معلوم ہو گئی ہوگی ۱۸؍ مارچ کی صبح کو ۶ بجے عزیزان ظہران کے لیے بادیہا ہوئے اور بندہ ۱۱ بجے مارشیش کے لیے روانہ ہوا، جنوبی افریقہ کا اندراج بمبئی میں نہ ہو سکا اہل بمبئی کا اصرار تھا کہ بمبئی ہی میں ٹھہرا جائے اور یہاں پر مزید کوشش کی جائے قاطبۃً سب کی رائے یہی تھی۔ بندہ کی رائے یہ تھی کہ یا تو سفر ملتوی کر دیا جائے اور یا حسب قرارداد سفر شروع کر دیا جائے جہاں کی اجازت نہیں، اس جگہ کو چھوڑ دیا

---

[1] مکتوب محررہ ۱۴؍ اپریل ۱۹۷۵ء از اسٹینگر۔

جائے اور بقیہ سفر کو قرار داد کے موافق پورا کیا جائے اور ہر جگہ اندراج کی کوشش کی جائے، البتہ سفر کی کسی کی رائے نہیں، اللہ کے نام پر سفر شروع کر دیا ۱۱½ بجے بمبئی سے پرواز شروع ہوئی اور ۵½ پر مسلسل پرواز کے بعد مارشش پہونچے مطار پر عصر کی نماز پڑھی اور مغرب سے پہلے اپنے مستقر پر پہونچ گئے یہاں پہونچ کر پاسپورٹ میں اندراج کی کوشش کی گئی جس پر یہ جواب ملا کہ دہلی تار کیا ہے، وہاں سے جواب آنے پر بتا دیا جائے گا۔ مارشش سے بمبئی فون کیا کہ دہلی کرامت اور نعمت کو فون پر کہدیں کہ وہ دہلی میں کوشش کریں۔ الحمد للہ پہلے ہی مقام پر اجازت ہوگئی اور سفر حسب قرار داد ہو رہا ہے۔ مولوی اظہار کے خط سے معلوم ہوا کہ دہلی میں بھی انکار کا فیصلہ ہوگیا تھا لیکن کرامت اور نعمت کی کوشش سے اللہ جل شانہ نے اجازت دلوادی یہ دلوں دہلی میں بندہ سے بار بار کہتے رہے، اطمینان دلاتے رہے لیکن پیر کی شام کو ناکامی بتائی گئی جس پر اہل بمبئی کا اصرار تھا کہ تین روز اور ٹھہریں اس میں ایک کوشش اور کرلی جائے جس میں مولوی محمد عمر بھی ان کے ہمنوا تھے لیکن بندہ کی رائے تھی کہ یا تو بالکل سفر ملتوی کر دیا جائے کیوں کہ اصل سفر جنوبی افریقہ ہی کے لیے تھا جب وہ نہیں تو سفر ملتوی کر دیا جائے اور اگر سفر ملتوی نہیں کیا جاتا تو مقررہ تاریخ پر سفر شروع کر دیا جائے اور پاسپورٹ میں اندراج کی کوشش ہر جگہ کی جاوے اگر اجازت ہو جائے۔ تو جنوبی افریقہ کا سفر بھی کر لیا جائے اگر اجازت نہ ملے تو جس جس جگہ کی اجازت ہے وہاں پر اُن ہی تاریخوں میں جو پہلے سے مقرر ہیں سفر کر لیا جائے، لوگوں کے ناخواستہ دلوں کے ساتھ سفر شروع ہوگیا اور الحمد للہ ثم الحمد للہ پہلے ہی مقام پر اللہ جل شانہ نے اندراج کرا دیا۔ بدھ، جمعرات، جمعہ مارشش میں رہے۔ جمعہ ۱۶ ۱۲ مارچ کو شام کو مغرب کے وقت مارشش سے روانہ ہو کر ری یونین پہنچے مغرب کی نماز ری یونین کے ہوائی اڈہ پر پڑھی، کثیر مجمع مطار پر تھا کچھ بات کی پھر قیامگاہ آکر عشاء کے بعد بندہ کا بیان ہوا ری یونین کے تمام تاجروں نے ہفتہ انوار کو

اپنی دکانیں بند رکھی، جس کا اثر حکومت پر اور دیگر لوگوں پر بھی ہوا کہ یہ دو دن چھٹی کے ہیں اور ان دو دنوں میں بازار خوب ہوتا ہے۔

ری یونین کا پادری جس کا درجہ گورنر کے بعد ہے اس نے ملنے کی خواہش کی، بندہ نے کہا کہ ضرور ملیں گے، وہ گیارہ بجے آیا، بندہ نے بات شروع کی لیکن اس کا لانے والا جو تھا اس کو تقاضا پادری کے اٹھانے کا ہوا، وہ مضطرب تھا پادری تو اور بیٹھنا چاہتا تھا لیکن اس ساتھی نے بیٹھنے نہ دیا، پادری بہت خوش تھا چلتے ہوئے کہنے لگا کہ میرے لئے اور میری قوم کے لیے دعا کرنا بندہ نے کہا ضرور کروں گا، بندہ نے اس کے لیے اور اس کی قوم کے لیے ہدایت کی دعا کی ہے حضرت والا سے بھی اُن کی ہدایت کے لیے دعا کی درخواست ہے۔ پورے جزیرہ یونین میں عجیب سا شوق و ذوق تھا اور ایک عام گرویدگی تھی ہر کام بہت شوق و رغبت خوشی سے کرنے کے لیے ہمہ وقت کمربستہ تھے ان کی ایک جماعت فرانس روانہ ہوگئی یہ لوگ فرانسیسی بولتے ہیں، اتوار کی شام کو عصر کی نماز مطار پر پڑھی کثیر مجمع تھا یورپین فرانسیسی حیرت سے دیکھ رہے تھے، دو ہی روز اس چھوٹے سے ملک کے بنے ملے، اتوار ۲۳ رمارچ کی شام کو جنوبی افریقہ جوہانسبرگ کے لیے طیارہ میں جگہ محفوظ تھی، اور طیارہ بھی ہر روز نہیں بلکہ ہفتہ میں ایک یا دو ہی ہیں اس بنا پر وہاں سے روانگی ہوئی۔ ذمہ داروں کے ذوق و شوق و رغبت مزید قیام کی متقاضی تھی وہاں کے لوگوں نے کہا بھی کہ اب تو جاتے ہوئے ضمناً ٹھہرنا ہوا۔ اگلی مرتبہ خاص ری یونین ہی کے لیے بلاویں گے۔ سوا چھ بجے طیارہ نے پرواز شروع کی، مغرب کی نماز طیارہ ہی میں تین تین نفر نے جماعت کے ساتھ ادا کی۔ ساڑھے تین گھنٹہ کی پرواز کے بعد جہاز ڈربن اترا، تھوڑی دیر وہاں ٹھہر کر پچاس منٹ میں جوہانسبرگ پہنچا جوہانسبرگ میں اور اطراف میں ایک ایک شب کے لیے جانا ہوتا رہا۔ ۲۸ رمارچ جمعہ کو لینیشیا مقام اجتماع پہونچے الحمدللہ حضرت والا کی دعاؤں کی برکت سے اجتماع کی ظاہری صورت بہت اچھی رہی مجمع خوب تھا

اور خوب جم کر ستا تھا۔ ۹۲ جماعتیں الحمدللہ تین چلہ اور چلہ وکم وبیش کی تھی، تیس دیگر ممالک کے لیے اور ۳۲ ہند وپاک کے لیے اور تیس اندرون ملک کے لیے دو دن جماعات کی روانگی کے بعد شہر کی جامع مسجد میں تمام پرانوں کو جمع کر کے مختلف اوقات میں باتیں ہوتی رہیں پھر روزانہ صبح کو سفر اور ظہر تک مقام پر پہنچ کر کھانا اور آرام اور شام اور رات کو کام یہ نظام اب تک چل رہا ہے ـــــ اللہ جل شانہ قبول فرماوے۔ اور پورے براعظم کے ہدایت پر پڑنے کا ذریعہ فرمائیں یہ خط ایک عشرہ پہلے لکھنا شروع کیا تھا مگر اپنے ضعف اور کمزوری کی بنا پر روزانہ بھی تھوڑا تھوڑا نہ لکھا جا سکا۔ آج رات کو عشاء کے بعد بندہ کا بیان نہیں تھا اس وقت لکھنا اور پورا کرنا چاہا مگر نہ ہو سکا، اب صبح کو ختم کیا جا رہا ہے الحمدللہ جنوبی افریقہ میں بھی عمومی فضا لوگ بتاتے ہیں کہ بنتی چلی جا رہی ہے اللہ جل شانہ اپنا فضل فرماویں۔

والسلام

محمد انعام الحسن عفرلہ، ڈربن ، ۷ر اپریل ۸۵ء ؂

لینیشیا کے اجتماع کے بعد حضرت مولانا نے دو اپریل سے سترہ اپریل تک مسلسل مختلف علاقوں اور شہروں کا ایک بھرپور اور نتائج خیز دورہ فرمایا جن جن مقامات پر پہنچ کر دعوتی محنت کی گئی اور جو جو اثرات و نتائج اس کے مرتب ہوئے اس کی تفصیلات روزنامچہ حضرت شیخ رہ نیز مختلف خطوط اور یادداشتوں سے اخذ کر کے یہاں پیش کی جاتی ہیں :

"۱۹ ربیع الاول ۲ اپریل بدھ میں لینیشیا سے ارلو پہونچ کر ایک رات قیام کیا، شب میں بیان وتشکیل ہوئی اور اگلے دن نیو کاسل، لیڈی اسمتھ، صوفی مسجد اور پیٹر میرٹز برگ ایک ایک دن کے لیے جانا ہوا، پیٹر میرٹز میں مولانا احمد صادق (مجاز حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ صاحب) کے مکان پر قیام تھا یہاں مجمع بھی [illegible] بڑی تعداد [illegible] کرام کی تھی۔

۲۳ ربیع الاول ۶ اپریل میں یہاں سے رچمنڈ پہونچ کر بعد عصر مجلس نکاح منعقد کی گئی، جس میں حضرت مولانا نے بیان فرما کر ایجاب وقبول کرائے بعد

نماز عشاء بھی ایک بیان ہوا' اور پھر اسپنگو بیچ میں مولانا احمد صالح کے مکان پر پہونچ کر آرام فرمایا' اگلے دن یہاں سے چاکس ٹرال اور اسٹینگر پہونچ کر دو دن قیام کے بعد ۲۷ ربیع الاول (۱۰ اپریل) کو ڈربن آمد ہوئی۔ یہاں بڑی مسجد میں بعد ظہر اجتماع ہوا' مجمع بہت کافی تھا اور خصوصیت سے ایسے اصحاب یہاں موجود تھے جن کو دعوت تبلیغ سے مختلف اعتبار سے غلط فہمیاں تھیں اس اجتماع کا منظر دیکھ کر اور بیانات سن کر ان کے ذہن صاف ہوئے اور جماعت سے ان کا تعلق قائم ہوا۔

۲۸ ربیع الاول میں ڈربن سے کیپ ٹاؤن آمد ہوئی' یہ سفر مسافت کے اعتبار سے بہت طویل تھا' طیارہ راستے میں ایسٹ لندن اور پورٹ ایلزبتھ پر کچھ دیر کے لیے اتر کر کیپ ٹاون پہونچا تھا یہاں ۲۹، ۳۰ ربیع الاول (۱۲، ۱۳ اپریل) کے دوروزہ قیام میں اس پورے علاقے کی تمام مساجد میں جم کر دین کی محنت کی گئی نیز علماء و مشائخ و مستورات کے دو اہم اجتماعات بھی کیے گئے۔

یکم ربیع الثانی (۱۴ اپریل) میں کیپ ٹاؤن سے یہ دعوتی قافلہ اسٹینگر پہنچا یہاں ایک شب کا اجتماع تھا۔ ۱۶ اپریل کو جوہانس برگ تشریف لائے کہ یہاں بھی ایک اہم اجتماع پہلے سے متعین تھا"

مولانا محمد عمر صاحب کے مکتوب گرامی کے مطابق اس اجتماع میں:

"عام مجمع سے نیوٹاؤن مسجد کھچا کھچ بھری تھی' عشاء کے بعد سارے پرانوں کو الگ جمع کر کے حضرت جی مدظلہ نے بہت مؤثر بات کی اور مشورہ دیا کہ کام کیسے کریں' عام مجمع سے مولانا سعید صاحب بات کر رہے تھے برابر خبر آرہی تھی کہ مجمع حضرت جی کا منتظر ہے' چنانچہ آپ نے پرانوں میں دعا کر کے پھر عام مجمع میں جا کر مختصر بیان' نکاح' تشکیل فرما کر دعا کی' جدائی کا غم سب پر تھا کافی احباب رو رہے تھے پھر مصافحہ جتنے کر سکے کیا' ۱۷ اپریل کو

ایرپورٹ پر کافی مجمع تھا یہاں حضرت جی نے گفتگو فرمائی۔ اور روزانہ ڈھائی گھنٹہ فارغ کرنے کی ترغیب دی لوگوں نے دل کھول کر نام دیئے، آخری ایام میں چلّوں کی پیدل جماعت نکلی جو ہر جگہ سے پیدل جماعتیں نکالے گی۔ اس کے بعد ایرپورٹ پر دعا ہوئی۔ حضرت جی مدظلہ بہت انشراح کے ساتھ یہاں سے دوسرے ملک کے لیے روانہ ہوئے"۔[1]

۴ ربیع الثانی (۱۷ اپریل) میں جوہانس برگ کے اجتماع سے فارغ ہوکر چارٹر بلین سے روانہ ہوکر موزمبیق پہونچ کر نماز مغرب ادا کی اور یہاں کی جامع مسجد میں ہونے والے اجتماع میں شرکت فرماکر بیان و دعا، کے بعد جماعتیں روانہ کیں۔ اس سفر میں طیارہ خطرناک بارش و بجلی کے درمیان ایسا گھرا کہ پتے کی طرح ہلنے لگا۔ تمام رفقاء ذکر و دعا میں مشغول ہوگئے اور پھر اللہ جل شانہ نے منزل پر پہونچایا۔

یہاں سے ۶ ربیع الثانی (۱۹ اپریل) کی صبح روانہ ہوکر رہوڈیشیا میں آمد ہوئی یہاں سالس بری شہر میں دعوتی احباب اور رفقاء جمع تھے اور پہلے سے اجتماع کی ترتیب اور محنت چل رہی تھی، چنانچہ عشاء سے پہلے بیانات ہوئے جن کے ترجمے پرتگیزی زبان میں ہوتے رہے۔ مستورات میں متعدد بیان ہوئے۔ حضرت مولانا کا بعد مغرب عمومی مجلس میں بیان ہوکر بڑی جاندار تشکیل ہوئی۔ اس اجتماع میں مختلف مقامات کے احباب اور نیز علماء اچھی تعداد میں آئے تھے لارنس آف مارک سے بھی ساتھیوں کی بڑی تعداد اجتماع شریک تھی اس اجتماع سے ۱۴ جماعتیں جن میں ایک سو چودہ نفر تھے مختلف ملکوں کے لیے روانہ ہوئیں۔

۸ ربیع الثانی (۲۱ اپریل) میں سالس بری رہوڈیشیا کے مطار پر حضرت مولانا نے کچھ دیر بات فرماکر دعا کی آنے والوں سے مصافحے کئے اور پھر بلنٹائر (ملاوی) کے لیے روانہ ہوگئے یہاں بھی مطار پر دعا سے فارغ ہوکر اجتماع گاہ آمد ہوئی ۲۲ اپریل

---

[1] مکتوب محررہ ۲۱ اپریل ۱۹۷۵ء عطیہ جناب بھائی خالد صاحب صدیقی علیگڑھ۔

سہ شنبہ کو یہاں اجتماع تھا یہاں سے بھی سولہ جماعتیں جو ۱۴۶ نفر پر مشتمل تھیں، اللہ کے راستے میں نکلیں، خصوصیت کے ساتھ افریقی اور ایشیائی لوگوں کی مخلوط جماعتیں بنا کر نکالی گئیں یہاں سے فارغ ہو کر پچاس میل کے فاصلے پر واقع شہر زوبا پہونچے، نماز مغرب کے بعد یہاں بھی اجتماع اور تشکیل ہوئی۔ اگلے دن یہاں سے بذریعہ کار سو میل کے فاصلے پر واقع ایک شہر منگوچی پہنچے، یہاں خصوصیت سے ساتھ افریقی احباب جمع تھے ان میں بہت سیدھا سادہ بیان ہو کر مقامی زبان میں ترجمہ ہو کر تشکیل ہوئی، اور نقد جماعت روانہ کی گئی۔ بعد نماز ظہر کھانا کھا کر مختصر قیلولہ کر کے ڈیڈرا مقام پر صرف ایک رات گذارنے کے لیے پہونچے لیکن یہاں کے احباب نے چاروں طرف محنت کر کے اچھا خاصا اجتماع کر لیا، چنانچہ یہاں بھی بیان اور تشکیل دونوں کام ہوئے۔ رات کا بڑا حصہ اس اجتماع میں نکل گیا لیکن اگلے دن اول وقت نماز فجر پڑھ کر ایک دوسرے مقام لیلونگو آمد ہوئی۔ یہ اس ملک ملاوی کا آخری مقام تھا یہاں مسجد میں مختصر سا اجتماع کر کے بذریعہ کار اس ملک سے روانہ ہو کر دوسرے ملک زامبیا میں داخل ہو گئے۔ باڈر پر شروع میں سخت چیکنگ ہوئی۔ ایک ایک چیز کھول کھول کر دیکھی گئی لیکن اسی موقع پر بعض رفقاء نے افسران سے دعوت کے عنوان پر جب بات شروع کی تو ماحول بدل گیا اور سختی کی جگہ سہولت و آسانی نے لے لی۔

حضرت مولانا اور ان کی معیت میں پچاس نفری قافلہ کی زامبیا میں آمد ۱۱ ربیع الثانی ۲۴ اپریل پنجشنبہ میں ہوئی، یہ پورا دن چپاٹا میں گذرا، اور بعد مغرب اجتماع ہوا۔ اگلے دن چپاٹا سے کاروں کے ذریعہ لوساکا پہونچنا ہوا۔ یہاں مورخہ ۱۲، ۱۳، ۱۴ ربیع الثانی مطابق ۲۵، ۲۶، ۲۷ اپریل میں سہ روزہ اجتماع ہوا، اس اجتماع سے ۱۸ جماعتیں ایک سو تریپن افراد پر مشتمل بن کر نکلیں جن میں گیارہ جماعتیں بیرونی ممالک میں روانہ ہو گئیں۔ بقیہ چھ اندرون زامبیا کے لیے اور ایک جماعت ہندوستان و پاکستان کیلئے نکل گئیں۔

۱۵ ربیع الثانی ۲۸ اپریل کی نماز مغرب لوساکا ائیر پورٹ پر ادا کر کے شب میں دس بجے دارالسلام تنزانیہ پہونچے اور یہاں ۱۶، ۱۷، ۱۸ ربیع الثانی (۲۹، ۳۰ اپریل و یکم مئی) تک کے ہونے والے سہ روزہ اجتماع میں شرکت فرما کر جماعتیں روانہ کیں۔ اس اجتماع

سے ۲۵؍جماعتیں جوایک سو سنتالیس نفر پر مشتمل تھیں اور سب تین تین چلے کی تھیں روانہ ہوئیں۔

۱۸؍ربیع الثانی (یکم مئی) شام سوا تین بجے دارالسلام سے پرواز کر کے ممباسا (کینیا) پہنچے یہاں بھی سہ روزہ اجتماع متعین تھا۔ اس موقع پر بارہ جماعتیں (ستر نفر پر مشتمل) حضرت مولانا سے مصافحہ کر کے اطراف و ممالک میں روانہ ہوئیں اجتماع سے فارغ ہو کر حضرت مولانا چند رفقاء کے ساتھ حاجی ابراہیم اسحاق کے مکان پر ان کی تعزیت کے لیے تشریف لے گئے۔ [1]

یہاں سے اکیس ربیع الثانی (۴؍مئی) یکشنبہ کی صبح میں روانہ ہو کر راستہ میں دو یوم کینیا کے دارالحکومت نیروبی ٹھہرتے ہوئے ۲۳؍ربیع الثانی (۶؍مئی) سہ شنبہ میں جدہ (سعودی عرب) آمد ہوئی۔ چالیس روز حرمین شریفین میں قیام کے بعد پانچ جمادی الثانی سولہ جون دوشنبہ میں بخیر و عافیت دہلی مراجعت فرمائی۔

حرمین شریفین کے اس چالیس روزہ قیام کی تفصیلات پیش نظر کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۳۶۹ پر بعنوان "تیسرا عمرہ" پڑھ لی جائیں

(۷) سفر سری لنکا
۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء

تین جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ (۲؍جون ۱۹۷۶ء) بدھ میں جی ٹی ایکسپریس سے اس سفر کیلئے آپ کی روانگی ہوئی۔ یہ سفر ایسے حالات میں ہوا کہ طبیعت میں بڑا ضعف و اضمحلال تھا۔ چنانچہ دہلی سے عین روانگی کے وقت جو گرامی نامہ آپ نے حضرت شیخ کو بھیجا۔ اس میں لکھتے ہیں:

"بندہ آج ۲؍جون کو بدراس و سیلون کے لیے روانہ ہو رہا ہے اور ایک ہفتہ سے طبیعت زیادہ گڑبڑ ہے صرف دلیا کھایا جا رہا ہے کھڑا نہیں ہوا جاتا

---

[1] ماخوذ از تاریخ کبیر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ از مکتوب مولانا محمد عمر صاحب (عطیہ مکتوب جناب بھائی خالد صاحب علیگڑھ)۔

ہے: اللہ جل شانہٗ ہی آسان فرمائے۔ میوات کے سفر میں تو دلیے کا انتظام ہوگیا تھا اور الحمدللہ سفر بھی ہوگیا لیکن کام کے اعتبار سے بہت کوتاہی اور کمی بلکہ بے عملی بڑھتی جارہی ہے اللہ جل شانہٗ معاف فرمائے۔ امراض کی کثرت اور ضعف کی شدت، دل ودماغ کی بے کاری بڑھتی جارہی ہے۔" [1]

اسی موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی — کو لکھے جانے والے مکتوب کا ایک اقتباس یہ بھی ہے:

"بندہ تقریباً چار ہفتہ کے لیے سیلون کے سفر پر جارہا ہے راستہ میں ٹرین ہی سے یہ عریضہ تحریر کیا جارہا ہے، صحت انتہائی ناساز ہے، ایک ہفتہ سے روٹی نہیں کھائی، دلیا اور شوربا ہی غذا ہے، ضعف بھی خوب ہے، اللہ جل شانہٗ ہی عافیت اور قوت نصیب فرمائیں، دعا کی بھی خصوصی اہتمام کے ساتھ درخواست ہے۔" [2]

حضرت مولانا اپنے نظام کے مطابق دہلی سے دو جون کو روانہ ہوکر چار جون جمعہ کی صبح میں مدراس اور اسی دن شام میں ریل سے دوسری منزل کے لیے روانہ ہوکر شنبہ کی صبح میں ڈنڈیگل اترے، یہاں کے چار روزہ قیام میں ایک بڑا اور اہم سہ روزہ اجتماع ہوا اور پھر ۱۰ جمادی الثانی (۹ جون) بدھ میں بذریعہ طیارہ کولمبو (سری لنکا) تشریف لے گئے۔

سری لنکا میں یہ آمد اس اجتماع کے لیے تھی۔ جو مورخہ ۱۱ تا ۱۴ جمادی الثانی (۱۰ تا ۱۳ جون) میں زاہرہ کالج میں ہوا تھا۔

اجتماع کے ان ایام میں قدماء میں، اہل مشورہ میں، مجلس نکاح اور مغرب کی عمومی مجالس میں متعدد مرتبہ آپ کے بیانات ہوئے۔

اس اجتماع سے فارغ ہوکر پتلم، کینڈی، پانندورائے، اگال وغیرہ مختلف مقامات پر آپ کا سفر ہوا اور ہر جگہ ذیلی اجتماعات ہوکر جماعتیں نکلیں۔

---

[1] مکتوب محررہ ۲ر جون ۱۹۷۶ء از دہلی۔ [2] مکتوب محررہ ۴ر جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ ۲ر جون ۱۹۷۶ء بشکریہ مجلہ احوال آثار کاندھلہ ص ۲۹۔

۲۴؍جمادی الثانی (۲۳؍جون) میں کولمبو سے بنگلور واپسی ہوئی، اور یہیں آپ کو اپنے نواسہ (مولوی محمد صالح سلمہٗ) کے تولد ہونے کی اطلاع ملی۔ حضرت مولانا اس وقت حیات الصحابہ میں حضرت صالح علیہ السلام کے حالات مطالعہ فرمارہے تھے، چنانچہ یہی نام تجویز فرماکر دہلی اطلاع بھیج دی۔

۲۸؍جمادی الثانی (۲۷؍جون) میں اس سفر سے آپ کی دہلی واپسی ہوئی۔

(۸) سفر پاکستان، اردن، انگلینڈ، فرانس، سعودی عرب
۱۳۹۸ھ — ۱۹۷۸ء

یکم شعبان ۱۳۹۸ھ (۸؍جولائی ۱۹۷۸ء) ہفتہ کی صبح میں حضرت مولانا مع اپنے رفقائے سفر جن میں مولانا محمد عمر، مولانا زبیر الحسن، مولانا محمد بن سلیمان جھانجی بھی شامل تھے، دہلی سے کراچی اور ایک دن یہاں قیام کے بعد عمان (اردن) تشریف لے گئے۔ مولانا مفتی زین العابدین، مولانا عبدالعزیز کھلنوی، مولانا سعید احمد خان، جناب بھائی بشیر احمد بھائی عبدالوہاب، بھائی افضل الحاج غلام دستگیر، جنرل حق نواز وغیرہ بھی کراچی سے آپ کے قافلہ میں شامل ہوگئے۔

چھ شعبان (۱۳؍جولائی) جمعرات میں عمان سے پانچ گھنٹہ کی مسلسل پرواز کے بعد لندن آمد ہوئی، یہاں ایک دن حافظ عبدالحی بارڈولی کے مکان پر قیام کے بعد اگلے روز ڈیوزبری پہنچے، جہاں مورخہ ۸، ۹، ۱۰ شعبان (۱۵، ۱۶، ۱۷؍جولائی) بار، اتوار، پیر میں سہ روزہ اجتماع تھا۔ حضرت مولانا اپنی علالت کی وجہ سے اجتماع کے پہلے دن تو بیان نہ فرماسکے تاہم دوسرے روز منعقد ہونے والی مجلس نکاح میں بیان فرماکر چالیس سے زائد نکاح اور ان کے ایجاب وقبول کرائے، آخری دن مولانا محمد عمر صاحب کی ہدایات کے بعد آپ نے بیان کیا اور پھر آدھ گھنٹہ کی طویل اور مؤثر دعا پر یہ اجتماع ختم ہوا، اس موقعہ پر امریکہ و کناڈا سے آئے ہوئے ایک سو پچاس، جنوبی افریقہ سے ایک سو بیس اور مختلف عرب ممالک سے آنے والے ایک سو دس احباب بھی موجود تھے۔ مستقل رہنے والے مجمع کا اندازہ دس بارہ ہزار کا لگایا گیا، شروع میں پولیس کی ایک بڑی تعداد حفاظت اور انتظام کی غرض سے جائے اجتماع پر موجود رہی لیکن

ان کو پہلے ہی دن اندازہ ہوگیا کہ یہاں ہماری ضرورت نہیں اس لیے شام تک چند سپاہی — گاڑی پارکنگ کے لیے ٹھہر کر باقی سب چلے گئے۔

اس موقع پر جماعتوں میں نکلنے والے افراد پانچ سو سے کچھ زائد تھے۔

اس اجتماع کے بعد کسی اہل تعلق نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں انگلینڈ سے مختلف انگریزی اخبارات کی رپورٹوں کے اردو ترجمے بھیجے تھے۔ جن میں اجتماع کے بارے میں مقامی انگریزوں کے تاثرات، پولیس وانتظامیہ کی جانب سے ابتدائی مرحلہ میں فکر وتشویش لیکن اس کے بعد اطمینان کے ساتھ اجتماع کی تفصیلات لکھی گئیں تھیں۔ یہاں ان کو نقل کیا جاتا ہے۔

(۱) ٹیلی گراف اور آران منگل ۸ ار جولائی ۱۹۷۸ء۔

"ہزاروں مسلمانوں کا چار روزہ اجتماع — امن وصلح کا مذہبی پیغام

ہزاروں مسلمان دنیا کے کئی حصوں سے سیویل ٹاؤن ڈیوز بری میں چار دن کے مذہبی اجتماع کے لیے جمع ہوئے۔ یہ "جماعت" کے نام سے موسوم تھا جماعت جمعہ کو شروع ہوئی اور آج ختم ہوئی، منتظمین کا خیال ہے کہ تقریبًا بارہ ہزار لوگ جمع تھے، آدھے سے زیادہ لوگ بریڈ فورڈ، لیڈز اور ڈیوز بری کے علاقہ سے تعلق رکھتے تھے اور چھوٹے بچے بھی خوب شامل تھے باقی لوگ برطانیہ کے دوسرے حصوں سے آئے جن میں تقریبًا دس سفید فام مسلمان نارورچ کے بھی تھے، باقی اور ممالک کے لوگ بھی موجود تھے اور عرب ممالک میں — سعودی عرب سے زیادہ تعداد میں تھے، پاکستان، جنوبی افریقہ، فرانس، بلجیم جرمنی، کنیڈا اور امریکہ سے بھی تھے اور کافی تعداد ان آخری پانچ ممالک میں سے نومسلموں کی تھی۔

جماعت کا قیام تھورن ہل اسٹریٹ کی زمین پر ہوا، جہاں قریب ہی ایک مسجد کی تعمیر کا کام اور پلان جاری ہے، ہزاروں آدمیوں نے ایک بڑے خیمہ

کے اندر نماز پڑھی اور باقی خیموں میں سونے کا اور کھانے کا اور ڈاکٹر کا بندوبست تھا' ڈیوزبری کی مسلمان عورتوں نے کھانا پکایا' جماعت کے دن میں پانچ دفعہ نماز پڑھی' اور ان کے دینی علماء نے وعظ کہے' ان کو بتایا گیا کہ ایمان مضبوط کریں اس پر عمل کریں' اور اس کی دعوت دوسروں کو دیں' ان کو یہ بھی بتایا گیا کہ جس ملک میں رہیں اچھی مثال قائم کریں اور صلح وامن سے رہیں' تقریباً پندرہ سو یا دو ہزار جماعت کے آدمیوں نے اور زیادہ تر انگلینڈ سے اسلام کے داعی بننے کی آمادگی ظاہر کی' اور وہ دنیا کے مختلف حصوں میں جلدی روانہ ہو جائیں گے ایسے اجتماعات باقاعدہ اور جگہ بھی ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شیفلڈ کے مقام پر ۱۹۷۲ء میں ہوا تھا۔ انگلستان میں اس اجتماع کے قیام کے بارے میں اس سال کافی عرصہ پہلے فیصلہ ہو چکا تھا اور ڈیوزبری کو بین الاقوامی مرکز منتخب کیا گیا تھا کیونکہ ایک منتظم کے بیان کے مطابق یہاں بے حد سہولتیں ہیں۔ ایک پولیس کے نمائندے نے کہا کہ یہ ایک بہت بڑا اجتماع ہوا ہے مگر کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ اجتماع سے پہلے سیویل ٹاؤن کے باشندوں نے تشویش کا اظہار کیا تھا' مگر اجتماع کے بعد چیرمین مسٹر لیوس نے کہا کہ کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔"

۱۔ یارک شائر پوسٹ کارسپانڈنٹ' ۱۷ر جولائی۔

"مسلمانوں کے پُرامن اجتماع کی تعریف

پولیس نے اور پڑوسیوں نے کل ایک بڑے مسلم کنونشن (اجتماع) کے بندوبست کرنے والوں کی تعریف کی کہ انہوں نے خوش اسلوبی سے انتظام کیا ساری دنیا کے مسلمان جن میں ایک رولز رائیس والے کویت کے شیخ بھی شامل تھے سیویل ٹاؤن میں جمع ہوئے۔ اور ڈیوزبری میں چار دن قیام رہا' مقامی بستی والے پریشان تھے کہ بہت سے لوگ جمع ہو جائیں گے اس علاقے میں' مگر چیرمین مسٹر میوس نے کہا کہ تقریباً چھ ہزار نفر جمع تھے مگر کوئی تشویش پیدا نہ ہوئی۔

ایک پولیس کے نمائندہ نے کہا" یہ ایک بہت بڑا اجتماع تھا اور کوئی تکلیف یا شرارت واقع نہیں ہوئی۔

مسلمانوں کا دینی جلسہ ختم ہوا

مسلمانوں کا ایک چار دن کا اجتماع جس کا مقصد مغربی اثرات سے دین کی حفاظت کرنا تھا کل ختم ہوا۔

اس کنونشن (اجتماع) میں ڈیوزبری کے مقام پر بارہ ہزار مسلمان ساری دنیا سے اکٹھے ہوئے لیکچر دیئے گئے جس میں اسلامی شریعت پر چلنے پر زور دیا گیا، ایک منتظم نے کہا کہ مسلمانوں کو ان بری باتوں سے اثر نہیں لینا چاہیئے جس کی وجہ سے مادیت نے انسان کو حیوان سے بھی بدتر بنا دیا ہے۔

اجتماع کے منتظمین کی تعریف

دو دن کے مسلمانوں کے مذہبی اجتماع کے بندوبست کرنے والوں نے قابل تعریف کام کیا ہے اور ان کے اچھے انتظام کو سراہا گیا ہے منتظمین نے چھ ہزار مسلمانوں کا بندوبست کیا جنھوں نے ہفتہ اتوار کو مستقل نماز میں۔ سیویل ٹاؤن ڈیوزبری میں گذارا، ڈیوزبری کے پولیس کیمونٹی آفیسر انسپکٹر بل ولویوں نے آج بیان دیا کہ اس اجتماع سے امن میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا" اور ہم بے حد مطمئن ہیں، ان سب کے انتظام اور رویہ سے۔ یہ ایک منظم بندوبست تھا اور کوئی (حادثہ) واقعہ پیش نہیں آیا"

۱۳۔ ڈیوزبری رپورٹر جمعہ ۲۱ جولائی ۱۹۷۸ء

”بڑے مسلم اجتماع کے اختتام پر تعریف

ڈیوزبری کا بڑا مسلمانوں کا اجتماع کل بخیر و عافیت ختم ہوا اور سب نے اس اعلیٰ نظم و ضبط کی تعریف کی۔ اس سے پہلے جو سیول ٹاون کے باشندوں کے تاثرات تھے کہ اجتماع کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکے گا اور پریشانیاں لاحق ہوں گی وہ سب بے بنیاد ثابت ہوئے، ایسوسی ایشن کی صدر مسز ایم ملے جس نے پہلے اس بستی والوں کے شبہات اور پریشانی کا اظہار کیا تھا۔ بہت خوش تھی کہ انتظامات بہت معقول تھے اور کوئی خاص شکایت اس کے سامنے نہیں آئی۔

مسز ملے نے کہا کہ بہت سارے پہرہ دار متعین تھے اور مجمع بہت ہی دوستی والا اور اچھے اخلاق والا تھا جو خطرات لوگ پہلے محسوس کر رہے تھے وہ لاعلمی کی بنا پر تھے، بہرحال اب جو بھی اس بستی والوں کے خیالات ہیں وہ سدھر جائیں گے۔ پولیس نے بھی منتظمین کے انتظام کی تعریف کی۔ انسپکٹر بل ولویون آفیسر نے کہا کہ کوئی مشکلات پیش نہ آئیں اور یہ سارا اجتماع بخیر و خوبی ختم ہوگیا۔ باہر ممالک سے آنے والوں کے لیے خیمے لگا دیئے گئے تھے اور کھانے اور سونے کا مناسب انتظام تھا اس اجتماع کی غرض مسلمانوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کرنا تھا، اور ان کی دینی تربیت تھی۔ ایک منتظم نے اجتماع کے بعد کہا کہ یہ بڑا کامیاب رہا، ان کے خیال میں پانچ ہزار افراد دیگر علاقہ سے آئے اور مقامی لوگ ان کے علاوہ تھے۔“

۱۸ سے ۲۸ جولائی تک حضرت مولانا انگلینڈ میں تشریف فرما رہے۔ اس عرصہ میں افریقہ، امریکہ میں ہونے والے اجتماعات کی تاریخیں متعین ہوئیں۔ مختلف ممالک کے آئے ہوئے رفقاء کے پیش کردہ امور پر غور و خوض ہونے کے ساتھ ایک یوم مولانا محمد یوسف صاحب منالا کے

قائم کردہ دارالعلوم بولٹن میں گذرا، پھر گلاسگو، پرسٹن، بلیک برن، برمنگھم، شیفلڈ، نیٹنی ٹن، باٹلی لیسٹر، ایک ایک دن قیام فرماکر ۲۱ شعبان (۲۸ جولائی) جمعہ میں پیرس (فرانس) کے لیے روانہ ہو گیے۔

ان مقامات سے واپسی پر حضرت مولانا نے جو مکتوب مولانا عبید اللہ صاحب، مولانا اظہار الحسن صاحب اور مولانا یعقوب صاحب کو دہلی مرکز تحریر فرمایا تھا اس کی چند سطور یہ ہیں:

"انیس جولائی بدھ کے روز بولٹن مولوی یوسف متالا کے مدرسہ میں گئے۔ رات کو قیام کیا پنجشنبہ کو گلاسگو گئے۔ جمعہ کو پرسٹن اور شنبہ کو برمنگھم گئے فاصلے دو سو میل اور ڈیڑھ سو میل کے ہیں لیکن یہاں پر یہ کچھ فاصلہ نہیں شمار کیا جاتا ڈھائی گھنٹہ تین گھنٹہ کی مسافت ہوتی ہے بندہ کے استعمال میں شروع سے رولز رائس گاڑی تھی ۸۰۔۹۰ میل کی رفتار سے سفر ہو رہے ہیں آج برمنگھم سے شیفلڈ جانا ہے الحمدللہ موسم بہت خوشگوار تمام سفر میں رہا، آج کچھ بارش ہلکی ہلکی ہو رہی ہے ورنہ جہاں ہم گئے اطراف میں بارشیں رہی اور ہمارے ساتھ فضل خداوندی رہا، دھوپ کھلی رہی پولیس انسپکٹر نے بھی کہا کہ خدا تمہارے ساتھ ہے، الحمدللہ اس مرتبہ پورے انگلینڈ کی فضا بدلی ہوئی محسوس ہو رہی ہے سب حضرات کی خدمات میں سلام مسنون کے بعد فرمادیں کہ تم دوستوں کی دعاؤں سے اب تک سفر بہت اچھا رہا۔ اللہ جل شانہ باقی ماندہ بھی عافیت و سہولت کے ساتھ پورا فرمائے۔"[1]

فرانس میں حضرت مولانا نے ۲۱، ۲۲، ۲۳ شعبان (۲۸، ۲۹، ۳۰ جولائی) میں قیام فرماکر انہی تاریخوں کے سہ روزہ اجتماع میں شرکت فرمائی، اس اجتماع سے انیس جماعتیں بیرون کے لیے اور باقی جماعتیں اندرون کے لیے تیار ہو کر روانہ ہوئیں۔

۲۴ شعبان (۳۱ جولائی) دوشنبہ میں پیرس کے ڈیگال ہوائی اڈہ سے روانہ ہو کر ایتھنز

---

[1] مکتوب محررہ ۲۳ جولائی ۱۹۷۸ء از برمنگھم۔

(گریس یونان) اترے، نماز مغرب مطار پر ادا کی گئی اور پھر یہاں سے دس بجے شب میں پرواز کے بعد ایک بجے جدہ اور وہاں سے مکہ معظمہ پہونچ گئے۔ نو رمضان المبارک (۱۴ اگست) تک آپ کا وقت حرمین شریفین میں گذرا، اور پھر ایک یوم کراچی ٹھہرتے ہوئے گیارہ رمضان (۱۶ اگست) میں دہلی مراجعت فرمائی۔

حرمین شریفین میں اس قیام کی تفصیلات اسی کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۴۷۷ پر — زیر عنوان "چوتھا عمرہ" دیکھی جا سکتی ہیں۔

آغازِ سفر سے اختتام سفر تک حضرت مولانا کی طبیعت بڑی ناساز رہی لیکن اسی ضعف ومرض کی حالت میں پانچ ممالک کا یہ دعوتی سفر پورا فرمایا۔
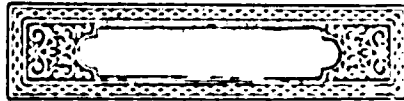
سفر سری لنکا (۹)

۱۳۹۹ھ ——— ۱۹۷۹ء

۱۰ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ ۸ فروری ۱۹۷۹ء جمعرات میں اس سفر کا آغاز دہلی مرکز سے ہوا۔ چوبیس افراد جن میں مولانا محمد عمر، مولانا سعید احمد خاں، مولانا زبیر الحسن، حاجی محمد شفیع دہلی۔ مولانا احمد لاٹ، مولانا محمد بن سلیمان جھانجی، شیخ داؤد ساعاتی، الحاج فضل عظیم شامل ہیں۔ حضرت مولانا کے رفقائے سفر تھے۔

مذکورہ تاریخ میں بعد نماز مغرب جناب الحاج حافظ کرامت اللہ صاحب کی گاڑی میں اسٹیشن کے لیے روانہ ہوکر بارہ ربیع الاول ہفتہ کی صبح کو مدراس پہونچے، بڑا مجمع استقبال والوں کا اسٹیشن پر موجود تھا حضرت مولانا نے طویل اور مؤثر دعا فرمائی اور اجتماع گاہ روانہ ہوگئے۔ یہاں دس اور گیارہ فروری ہفتہ اتوار میں ہونے والے اجتماع میں آپ نے دونوں دن دو بیانات اجتماع گاہ میں اور تیسرا بیان مستورات کی مجلس میں فرماکر بیعت کی۔

اگلے روز ٹریونڈرم پہونچکر جناب عبداللہ سیٹھ کے مکان پر قیام فرمایا، یہاں بھی دعوتی عمل جاری رہا۔

۱۶ ربیع الاول (۱۴ فروری) بدھ میں ٹریونڈرم سے بذریعہ طیارہ کولمبو روانہ ہوئے۔ پاکستان کے احباب یہاں پہلے سے پہونچے ہوئے تھے، کولی پیٹی مرکز کی مسجد میں آپ کا قیام ہوا اور اگلے دن یہاں کے سہ روزہ اجتماع میں شرکت کی غرض سے زاہرہ کالج منتقل ہوگئے۔ گرمی کی شدت کے باوجود اجتماع کے تینوں دن بہت حسن وخوبی کے ساتھ پورے ہوئے، اور حضرت مولانا نے تینوں دن عمومی مجمع میں بیان کے ساتھ ساتھ مختلف حلقوں میں تشریف لے جاکر دعوتی پیغام پہونچایا۔ آپ کی تقاریر اردو میں ہوتیں اور تمل زبان میں ان کی ترجمانی مولانا موسیٰ کاسنجارا اور مولانا خلیل احمد صاحب کرتے تھے، اللہ کے فضل وکرم سے یہ اجتماع بھی سابقہ اجتماعات کی طرح بہت موثر اور جاندار رہا اور اس کے ذریعہ عوام وخواص اور طلبہ کا بھرپور رجوع اس دینی کام کی طرف ہوا، جس کا اندازہ نکلنے والی جماعتوں کے ان اعداد وشمار سے ہوتا ہے۔

• تین چلے کی جماعتیں	۶ عدد
• ایک چلہ کی جماعت	۸۰ "
• بیس دن کی جماعتیں	۱۲ "
• دس دن کی جماعتیں	۵۷ "
• بیرون ملک جانے والی جماعتیں	۴۸ "
کل تعداد	۲۰۳ "

۲۱ ربیع الاوّل (۱۹ فروری) میں حضرت مولانا کی کارکنان کیرالا، کارکنان سری لنکا، اور کارکنان مدراس سے علیحدہ علیحدہ تین مجلسوں میں بات ہوئی، ان مجلسوں میں آپ نے دعوتی کارکنان کو آپس کے اتحاد و اتفاق اور اخلاص و حسن اخلاق پر مؤثر انداز میں متوجہ فرمایا۔ اگلے دن آپ نے دوبارہ سری لنکا کے تمام کام کرنے والے احباب بالخصوص وہاں کے اصحاب شوریٰ سے بڑی مؤثر اور طاقتور بات فرمائی اور مکرر تاکید کرتے ہوئے آپس کے اتحاد و اتفاق اور مل جل کر کام کرنے پر توجہ فرمایا۔

اس مجلس سے فراغ پر فاروق امریکن صاحب کے مکان پر کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کیا اور اسی جگہ مستورات کے ہونے والے اجتماع میں بیان کے بعد بیعت فرمائی اور پھر نئے مرکز کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھ کر دعا کرائی۔

۲۲ فروری سے قرب و جوار کے مختلف مقامات ویلی گاما، پانا دورا، کورناگولم، بیٹی کولا، وغیرہ تشریف لے گئے ہر جگہ آپ کے اور دیگر رفقاء سفر کے بیانات ہوئے، جماعتیں روانہ ہوئیں متعدد جگہ مستورات کے اجتماعات بھی ہوئے۔

یکم ربیع الثانی (یکم مارچ) جمعرات میں قدماء اور وقت لگائے ہوئے احباب کا ایک اجتماع رکھا گیا جس میں حضرت مولانا نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق اخلاص و استخلاص کے ساتھ اصولوں پر جمتے ہوئے کام میں لگے رہنے پر نہایت اہم نصیحتیں فرمائیں اور اسی دن شام کے طیارہ سے روانہ ہو کر مدراس ایرپورٹ اور وہیں سے سیدھے اسٹیشن پہونچ کر اگلی منزل بنگلور کے لیے روانہ ہو گئے۔ بنگلور میں دو، تین، چار، ربیع الثانی (۲، ۳، ۴ مارچ) جمعہ، بار، اتوار

میں ہونیوالے سہ روزہ اجتماع میں شرکت فرمائی، تینوں دن آپ کے مختلف عنوانات پر بیانات ہوئے، دوسرے دن مجلس نکاح میں آپ نے تیس سے زائد نکاح پڑھا کر ایجاب وقبول کرائے، اس اجتماع سے بانوے جماعتیں اندرون ملک کے لیے اور چودہ جماعتیں بیرون ملک کے لیے روانہ ہوئیں۔

۵ ربیع الثانی (۵ مارچ) کی صبح بنگلور سے روانہ ہو کر ڈھائی بجے مدراس واپسی ہوئی۔ یہاں حاجی عبد الشکور صاحب کے مکان پر قیام وطعام ہوا۔ اور پھر شب میں نظام الدین کے لئے روانہ ہو کر ۷ ربیع الثانی (مطابق ۷ مارچ) بدھ کی صبح بخیر وعافیت مرکز نظام الدین تشریف لے آئے۔

(۱۰) سفر مارشیش، ری یونین، ملاوی، زامبیا، سوڈان، سعودیہ ۱۳۹۹ھ — ۱۹۷۹ء

یکم جمادی الاول ۱۳۹۹ھ (۳۰ مارچ ۱۹۷۹ء) بروز جمعہ حضرت مولانا مع دیگر رفقاء دھلی سے بذریعہ طیارہ بمبئی پہنچے یہاں کرلا میں اجتماع تھا۔ پاکستانی احباب بھی بمبئی سے شریک سفر ہوئے، نیز بمبئی سے متعدد احباب الحاج علاؤ الدین صاحب اور شیخ محمد منیار وغیرہ بھی حضرت مولانا کے شریک سفر بنے۔ یکم اپریل اتوار کی صبح میں ایر انڈیا کے طیارہ سے صبح گیارہ بجے روانہ ہو کر شام پانچ بجے مارشیش پہونچے، یہاں کا نجاب مقام پر سہ روزہ اجتماع میں شرکت فرمائی، بعد ازاں قرب وجوار میں دو تین مقامات پورٹ لوئس وغیرہ جانا ہوا۔

۵ اپریل جمعرات میں مارشیش سے روانہ ہو کر جزیرہ ری یونین میں سینٹ ڈینس اترے یہاں ۶، ۷، ۸ اپریل جمعہ، بار، اتوار میں ایک سہ روزہ اجتماع ہوا۔ اس موقع پر اکیس جماعتیں (جو ایک سو اکہتر (۱۷۱) افراد پر مشتمل تھیں) راہ خدا میں نکلیں جو ساحل العاج[1]

---

[1] ساحل العاج سے دعوت وتبلیغ کی نسبت پر پہلی مرتبہ ایک صاحب ۱۹۷۷ء میں مرکز نظام الدین آئے تھے مولانا محمد عمر صاحب نے جب یہ اطلاع حضرت شیخ کو مدینہ منورہ بھیجی تو آپ نے وہاں سے

موری طانیا، کیمرون وغیرہ روانہ ہوئیں۔

مولانا ۸ اپریل اتوار میں جمبو جیٹ طیارہ کے ذریعہ مارشیش پہونچ کر اور اسی وقت دوسرے جہاز سے ڈربن ہوتے ہوئے کیپ ٹاؤن پہونچے ۱۲ اپریل میں اسٹنگر آمد ہوئی ان مقامات پر چند ذیلی اجتماعات اور جماعتوں کی تشکیل کے بعد پھر ڈربن واپس تشریف لائے اس لیے کہ یہاں پندرہ تا ۱۸ جمادی الاولیٰ (۱۳ تا ۱۶ اپریل) میں ایک عظیم الشان اجتماع تھا حضرت مولانا نے متعدد بیانات ان ایام میں فرمائے، بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی روزانہ مستقل طور پر جاری رہا۔ ڈربن کے اس اجتماع سے نوے جماعتیں راہ خدا میں نکلیں۔

۲۳ اپریل میں آپ ملاوی تشریف لائے، ۲۵ تک یہاں قیام رہا، یہاں کے ایک روزہ اجتماع سے دس جماعتیں تیار ہو کر راہِ خدا میں نکلیں پھر اس ملک میں اپنا دعوتی فریضہ پورا فرما کر آپ قریبی ملک زامبیا میں داخل ہو گئے، یہاں چپاٹا شہر میں ستائیس اٹھائیس، انتیس جمادی الاولیٰ (۲۶، ۲۷، ۲۸ اپریل) میں سہ روزہ اجتماع ہوا، اس اجتماع سے ۲۸ جماعتیں جو دو سو اسی افراد پر مشتمل تھیں، دین سیکھنے کے لیے مختلف علاقوں اور ملکوں میں پھیل گئیں۔

حضرت مولانا ۲۹ اپریل اتوار میں یہاں سے روانہ ہو کر سوڈان کے دارالحکومت خرطوم پہونچے اور ۳۰ اپریل یکم و دو مئی پیر منگل، بدھ کے سہ روزہ اجتماع میں شرکت فرمائی اس اجتماع سے ۲۸ جماعتیں روانہ فرمانے کے بعد آپ ۶ جمادی الثانیہ ۳ مئی جمعرات میں خرطوم مطار سے روانہ ہو کر جدہ (سعودی عرب) تشریف لے آئے اور تقریباً ایک ماہ حرمین شریفین میں قیام کے بعد تین رجب مطابق ۳۰ مئی میں بخیر وعافیت دہلی واپس تشریف لے آئے۔ اس عمرہ اور قیام حرمین شریفین کی تفصیلات کے لیے اسی کتاب کی جلد اول کا ص۲۹۲ ملاحظہ فرمائیں جس کا عنوان "پانچواں عمرہ" ہے۔

— جواباً تحریر فرمایا کہ !

"ساحل العاج کا پہلا آدمی آپ کے یہاں پہونچا اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کو وہاں کام کے پھیلنے کا ذریعہ بنائے" (مکتوب محررہ ۱۲ اپریل ۱۹۷۳ء)

(۱۱) سفر انگلینڈ، امریکہ، کناڈا، پاکستان
۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء

اس سفر کے لیے ۳؍شعبان ۱۴۰۰ھ (۱۷؍جون ۱۹۸۰ء) منگل کا دن گذار کر شب میں دو بجے پائن امریکن جہاز سے دہلی سے روانگی ہوئی۔

حضرت مولانا کے شریک سفر احباب یہ تھے مولانا محمد عمر، مولانا زبیر الحسن مولانا احمد لاٹ ــ مولانا محمد بن سلیمان جھانجی، حافظ کرامت اللہ دہلوی، حاجی محمد شفیع دہلوی جناب خالد منیار (گجرات) بھائی عبد الحفیظ (دہلی) بھائی نور الحق (بمبئی) بھائی عبد الحفیظ (دہلی) الحاج عماد الدین (مدراس) مولانا محمد یونس پالنپوری۔

بدھ کی نماز فجر بحرین ایرپورٹ پر وہاں کی مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی گئی، ایک گھنٹہ یہاں قیام کے بعد اسی جہاز سے روانہ ہو کر سات گھنٹہ کی پرواز کے بعد آپ کا جہاز مطار جرمنی پر اترا پھر اسی طیارہ نے ایک گھنٹہ یہاں ٹھہر کر لندن کے لیے اڑان کی۔ حضرت مولانا لندن پہونچ کر اسی وقت ڈیوزبری کے لیے روانہ ہو گئے اور ۶؍۷؍۸؍شعبان (۲۰؍۲۱؍۲۲؍جون) جمعہ تا اتوار میں آپ نے ڈیوزبری کے سہ روزہ اجتماع میں شرکت فرمائی اس اجتماع میں ــ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، پرتگال، جرمنی، تھائی لینڈ، بلجیم وغیرہ سولہ ملکوں کے احباب بڑی تعداد میں موجود تھے۔ حضرت مولانا نے تینوں دن متعدد مجامع میں مختلف انداز سے دعوتی بات فرمائی یہاں سے ستر جماعتیں راہ خدا میں نکلیں جو پانچ سو اڑتالیس افراد پر مشتمل تھیں۔

اجتماع کے بعد مزید دو یوم آپ نے یہاں قیام فرما کر یورپ والوں کے امور و مسائل پر توجہ فرماتے ہوئے ان کو مشورے دیئے۔ ۲۵؍جون میں لندن قیام رہا، انگلینڈ والوں کا مشورہ تھا۔ انگلینڈ کے ذمہ دار احباب نے یہاں ہونے والے کام کا ایک جائزہ حضرت مولانا کو پیش کر کے اپنے مسائل میں رہنمائی حاصل کی۔

۱۲؍شعبان (۲۶؍جون) میں پائن امریکن جہاز سے لندن ہیتھرو ہوائی اڈہ سے روانہ ہو کر نیویارک (امریکہ) کے کینیڈی ہوائی اڈہ پر کچھ دیر ٹھہرتے ہوئے اسی طیارہ سے ڈیٹرائٹ پہونچے

اور وہاں سے آپ کا قافلہ کاروں کے ذریعہ ڈیربورن پہونچا جہاں ۱۴، ۱۵، ۱۶ / شعبان (۲۸، ۲۹، ۳۰ / جون) میں ایک بہت اثرانگیز اور دینی و ایمانی فضاؤں سے معمور اجتماع منعقد ہوا۔ اس اجتماع سے ۲۷ جماعتیں (۱۸۸ اشخاص پر مشتمل) بیرون کے لیے اور ایک سو گیارہ جماعتیں (۹۱۲ اشخاص پر مشتمل) اندرون ملک کے لیے نکلیں۔ اعداد و شمار کے مطابق اس اجتماع میں دنیا بھر کے تیس ممالک کے تبلیغی و دعوتی احباب نے شرکت کی تھی۔ اس اجتماع کے شرکاء کا اندازہ آٹھ سے دس ہزار افراد تک کا لگایا گیا تھا۔

اس اجتماع میں اپنے کاندھوں پر بستر اٹھا کر چلنے والوں اور سنت کے مطابق اپنی وضو اور نمازوں کی ادائیگی کے لیے اپنی جیب میں مسواک رکھنے والوں اور بوریہ بستر کے بغیر اللہ کے بچھائے ہوئے فرش زمین پر سونے والوں کے ساتھ ایک عقل کو حیرت میں ڈال دینے والا لیکن دل و دماغ سے مادیت کی بڑائی ختم کر کے اس میں دینی و ایمانی روح و تازگی پیدا کرنے والا، ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ڈیٹرائٹ کے میئر نے اس شہر کی چابیاں اپنی طرف سے انتہائی عزت و احترام ــــ کرتے ہوئے حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کیں۔

جناب کرنل امیر الدین صاحب احقر کی درخواست پر اس پورے واقعہ کو اپنے مکتوب میں اس طرح لکھتے ہیں۔

"بخدمت شریف جناب مولانا شاہد صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آسٹریلیا میں جناب والا نے ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت جی کے خطوط، ہدایات اور مشورے وغیرہ ارسال کیے جائیں چنانچہ وہ ارسال ہیں اس میں میئر کے چابیاں دینے کا واقعہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔

۱۹۸۰ء میں امریکہ کا اجتماع ہوا، ہم لوگوں کو انتظامی امور کے سلسلہ میں ڈیٹرائٹ کے میئر سے رابطہ کرنا پڑا، انہوں نے اجتماع میں تینوں دن بنفس نفیس شرکت کی اور وہاں کے نظم و ضبط اور انتظام سے حد درجہ متاثر ہوئے اور کہا کہ مجھے اتنا ذہنی سکون کبھی میسر نہیں ہوا، جتنا کہ اس اجتماع میں شرکت سے ہوا۔

اجتماع ختم ہونے کے بعد بندہ امیر الدین اور بھائی عبد المقیت (بنگلہ دیش) بھائی عبد الرقیب (نیوجرسی امریکہ) حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی جانب سے ان میئر صاحب کا شکریہ ادا کرنے گئے تو انھوں نے کہا کہ میرا شکریہ ادا کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں ایسے پاکیزہ اجتماع میں شرکت کا موقع ملا۔ اس کے بعد میئر صاحب نے کہا کہ ہمارے شہر کی بہت بڑی عزت ہوگی اور ہم اس کو اپنی بھی انتہائی عزت سمجھیں گے اگر حضرت جی ڈیٹرائٹ شہر کی چابیاں قبول فرمالیں کیوں کہ ہماری نظر میں ان جیسے حضرات اس کے مستحق ہیں۔ چنانچہ ہم نے وہ تینوں نقرئی چابیاں میئر سے لے کر حضرت جی رح کی خدمت میں پیش کر دیں جو انھوں نے قبول فرمالیں۔

امریکہ میں یہ چیز (یعنی چابی پیش کرنا) بہت اہمیت رکھتا ہے کیوں کہ شہر کی کنجیاں بیرونی ممالک کے وزیر اعظم یا اس سطح کی کسی شخصیت کو ہی دی جاتی ہیں۔ میرے پچیس سال اس ملک میں گذر گئے۔ اس طویل عرصہ میں۔ صرف حضرت جی رح ہی ایک ایسی شخصیت ہیں جن کو (میرے اس عرصہ قیام میں) اتنی عزت غیروں کی طرف سے ملی"۔[1]

حضرت مولانا نے اجتماع کی کارگذاری سے متعلق جو مکتوب دہلی مرکز تحریر فرمایا اس کو یہاں پیش کیا جاتا ہے:

"مکرمین و محترمین بندہ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ ثم الحمد للہ ڈیٹرائٹ کا اجتماع بخیر وخوبی گذر گیا اور اللہ جل شانہ نے بہت ہی فضل فرمایا اور روحانیت ونورانیت کا مظاہرہ فرمایا تمام دنیا کے کام کرنے والے جمع ہوگئے جس کی بنا پر شکاگو کا سفر ملتوی کر دیا گیا کہ ان آنے

---

[1] مکتوب کرنل صاحب بنام مصنف کتاب۔

والوں سے ملنا زیادہ اہم ہے اور الحمد للہ ان حضرات کے ساتھ مختلف مجلسیں ہو رہی ہیں، پرسوں چار جولائی کو کنڈا کا سفر ہے ۵-۶ کو ٹورنٹو۔ مونٹریال کا سفر ہے ۷، کو نیویارک آکر شام ہی کو لندن کے لیے روانگی ہے ۸ کی صبح کو انشاء اللہ لندن پہونچ کر ۹، کی صبح کو کراچی کے لیے روانہ ہو کر رات کو کراچی پہنچ کر دس کی صبح فیصل آباد جانا ہے وہاں سے دہلی حاضری کا نظام ہے اللہ جل شانہٗ سہولت و عافیت کے ساتھ پورا فرمائیں دعاؤں کا بہت اہتمام فرمائیں۔ سب دوستوں سے سلام و دعا کی درخواست کریں۔

محمد انعام الحسن غفرلہٗ[1]

جناب احفاظ احمد صاحب (نیویارک امریکہ) اس اجتماع کے متعلق بعض معلومات اور اجتماع سے پیدا ہونے والے اثرات و نتائج کے بارے میں اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں،

"۱۹۸۰ء کا اجتماع ڈیربون ــــــــ کے علاقے میں ہوا تھا، اجتماع کا انتظام ایک بڑے خیمے میں ہوا، اس اجتماع سے پہلے بیرونی ممالک کی جماعتوں نے امریکہ میں کافی محنت کی تھی، چنانچہ افریقہ، انگلینڈ، پاکستان ہندوستان، بنگلہ دیش سے بڑی تعداد میں جماعتیں یہاں آئیں، انفرادی طور پر بھی بہت سے احباب تشریف لائے۔

۱۹۸۰ء کے اوائل میں دعوت و تبلیغ کا کام امریکہ میں بالکل ابتدائی درجہ میں تھا چنانچہ اتنی محنت کے باوجود آٹھ دس ہزار احباب جمع ہوئے تھے جن میں تقریباً دو ہزار افراد دیگر ممالک کی جماعتوں کے تھے لیکن اس اجتماع کی وجہ سے کام کی بنیادیں مضبوط ہوئی اور امریکہ میں دعوت و تبلیغ کے کام کا وسیع تعارف ہوا اور عمومی دینداری کا جذبہ پیدا ہو کر کام کرنے والوں میں حوصلہ بڑھا اور اس ملک کے لوگوں میں اسلام کی صحیح سمجھ پیدا ہوئی جس جگہ

---

[1] مکتوب محررہ یکم جولائی ۱۹۸۰ء از امریکہ۔

یہ اجتماع ہوا، اللہ نے اس جگہ کو یہ قبولیت عطا فرمائی کہ آج اسی جگہ پر ایک مسجد بنی ہوئی ہے جو مسجد ڈیربون کے نام سے مشہور ہے"۔[1]

۲۰؍شعبان (۴؍جولائی) جمعہ میں حضرت مولانا امریکہ سے روانہ ہو کر کنڈا اور دو دن یہاں قیام کے بعد مانٹریال ہوتے ہوئے ۲۳؍شعبان (۷؍جولائی) پیر میں لندن تشریف لائے ۹؍جولائی بدھ میں یہاں سے کراچی ہوتے ہوئے فیصل آباد پہونچے یہاں حضرت شیخ مولانا مفتی زین العابدین صاحب کے مدرسہ میں ماہ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ کا اعتکاف کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا دو دن قیام کے بعد براستہ واگہ، باڈر، امرتسر، امبالہ ہوتے ہوئے سہارنپور پہونچے اور ۲۹؍شعبان ۱۳؍جولائی بروز اتوار سہارنپور سے روانہ ہو کر کچھ دیر کاندھلہ ٹھہرتے ہوئے بخیر و عافیت دہلی پہونچ گئے۔

(۱۲) سفر پاکستان، امارات عربیہ متحدہ و سعودی عرب
۱۴۰۱ھ ——— ۱۹۸۱ء

۱۶؍ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ ۱۶؍ستمبر ۱۹۸۱ء میں حضرت مولانا نے دہلی سے پاکستان پہونچ کر اجتماع رائے ونڈ میں شرکت کی اور اس سے فارغ ہو کر ۲۶؍ذی قعدہ (۲۶؍ستمبر) شنبہ میں کراچی سے دبی تشریف لے گئے۔ یہاں سے العین، مصفی جدید اور ابوظبی کا سفر ہوا، ہر مقام پر دو دو یوم قیام کا نظم تھا، ان چاروں مقامات پر اجتماعات و تشکیلیں ہو کر جماعتیں روانہ کی گئیں جن میں بڑی تعداد عربوں کی تھی۔ یکم اکتوبر جمعرات کا تمام دن دبی میں گذرا اور یہیں سے تین ذی الحجہ مطابق دو اکتوبر جمعہ میں سعودی طیارہ سے روانہ ہو کر جدہ پہنچے، اور حج و زیارت سے فارغ ہو کر ۱۵؍محرم ۱۴۰۲ھ میں دہلی واپسی ہوئی۔

حرمین شریفین کے اس قیام کی تفصیلات پیش نظر کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۴۳۱ پر بعنوان "گیارھواں حج" ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] اقتباس مکتوب جناب بھائی احفاظ احمد صاحب بنام راقم سطور، محررہ ۱۳؍جون ۱۹۹۶ء

سفر انگلینڈ، بلجیم، فرانس، اردن، سعودی عرب

(۱۳)

۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲ء

۱۸ رجب ۱۴۰۲ھ (۱۲ مئی ۱۹۸۲ء) بدھ کی صبح حضرت مولانا مع اپنے رفقاء شدید بارش کی حالت میں نظام الدین دہلی سے روانہ ہوکر اس طویل سفر کی پہلی منزل انگلینڈ پہنچے۔ مرکز سے روانہ ہوتے وقت حضرت مولانا نے جملہ مقیمین واساتذہ کو جمع فرماکر نصائح فرمائیں اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کمی وکوتاہی پر بہت رقت آمیز لب ولہجہ میں معافی چاہی۔

بخت وخوش نصیبی سے ان ممالک کا تفصیلی سفرنامہ حضرت مولانا کے قلم سے لکھا ہوا ہمیں دستیاب ہے جس کو یہاں تاریخ وار پیش کیا جاتا ہے۔ مزید وضاحت اور افادہ کے لیے مولانا محمد عمر صاحب ومولانا زبیر الحسن صاحب کی ڈائریوں سے کیے جانے والے اضافے قوسین (بریکٹ) میں کر دیئے گئے ہیں تاکہ یہ حضرت مولانا کی تحریر سے ممتاز رہیں۔

۱۸ رجب / ۱۲ مئی بدھ:۔ حضرت نظام الدین سے سات بجے روانہ ہوئے مطار پر مجمع تھا، دعا ہوئی مصافحہ ہوا۔ سہولت سے تمام اجراءات سے اللہ جل شانہ نے فارغ فرمایا، ۸ ½ بجے طیارہ پر سوار ہوئے خوب بارش تھی۔ ۹ بجکر دس منٹ پر طیارہ نے حرکت اور ۲۰ منٹ پر پرواز شروع کی۔ ۸ گھنٹہ پانچ منٹ کی پرواز کا روم تک اعلان کیا گیا۔ روم میں پانچ بجکر ۳۲ پر زمین پر اترا اور ۴۹ پر ٹھہرا اتر کر معلوم ہوا کہ جہاز میں خرابی ہے، رات کو ہوٹل میں قیام کرائیں گے صبح کو لندن جانا ہوگا۔ ظہر کی نماز روم کے مطار پر پڑھی، عصر کی بھی، پھر ایتھوپیا کے جہاز سے گیارہ بجے اپنے ساتھیوں کی اللہ جل شانہ نے ترتیب کردی۔ پونے گیارہ پر بوئنگ ۷۲۰ روانہ ہوا۔ مقامی وقت کے اعتبار سے ۸ بجکر چالیس منٹ پر اللہ نے لندن پہونچا دیا، لندن سے دہلی بخیر رسی کا فون کیا۔

۱۹ رجب / ۱۳ مئی جمعرات:۔ لندن سے صبح کو ناشتہ کے بعد ۱۰ ½ بجے کاروں سے ڈیوزبری کیلئے روانہ ہوئے راستہ میں شیفلڈ میں ایک مسجد پر دعا کر کے ساڑھے تین بجے خیریت سے اللہ نے ڈیوزبری پہونچایا، ظہر کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا، آرام کیا، عصر کی نماز کے بعد مولوی محمد عمر

کا بیان ہوا، بندہ کی مختلف ممالک سے آمدہ حضرات سے ملاقات ہوئی۔

- ۲۰ رجب/۱۴ مئی جمعہ:۔ ناشتہ کے بعد تین روزہ اجتماع کا نظام مشورہ سے طے ہوا، پورے قافلہ نے مولانا زبیر الحسن صاحب کی زیر امامت نماز جمعہ ادا کی، عصر کے بعد بندہ کا بیان ہوا، اور ۴ نکاح ہوئے۔ مغرب کے بعد بیعت ہوئی۔
- ۲۱ رجب/۱۵ مئی سنیچر:۔ ظہر سے پہلے ملیشیا کے طلبہ میں بیان ہوا پھر عصر کے بعد دوسرا بیان بندہ کا ہوا مغرب کے بعد بیعت ہوئی۔
- ۲۲ رجب/۱۶ مئی اتوار:۔ (بعد نماز فجر قاضی عبدالقادر صاحب نے بیان کیا، پھر مولانا محمد عمر صاحب نے ہدایات دینی شروع کیں، بعد ازاں حضرت مولانا کا) بیان و دعا و نکاح و تودیع ہوئی، عصر کے بعد ناروے والوں کے مشورے ہوئے مغرب کے بعد مردوں کی بیعت ہوئی (ڈیوزبری کے اس اجتماع سے ایک سو اکتھر جماعتیں نکلیں جن میں ایک سو اکتالیس بیرون کے لیے تھیں جن ممالک میں یہ جماعتیں گئیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

تھائی لینڈ، سنگاپور، برونائی، ویٹنام، بلغاریہ، آئس لینڈ، پرتگال، فن لینڈ، البانیا بیس ممالک کی جماعتوں نے اس اجتماع میں شرکت کی)

- ۲۳ رجب/۱۷ مئی پیر:۔ سیلون اور افریقہ کے احباب کے اور دیگر علاقوں کے مشورے ہوئے مغرب کے بعد مردوں کی بیعت ہوئی۔
- ۲۴ رجب/۱۸ مئی منگل:۔ ملیشیا والوں کے مشورے ہوئے باٹلی میں عورتوں میں بیان ہوا اور بیعت ہوئی، مغرب کے بعد مردوں کی بیعت ہوئی۔
- ۲۵ رجب/۱۹ مئی بدھ:۔ ڈیوزبری کے کام کرنے والوں سے بات ہوئی ڈیوزبری کے پرانے مرکز اور مدرسہ میں جانا ہوا، گفتگو اور دعا ہو کر دوسری مسجد میں جانا ہوا اور دعا ہوئی، جدید مدرسہ اور مرکز کی عمارت دیکھی اور دعا ہوئی ۴½ بجے ڈیوزبری سے روانہ ہوئے، ہولکمب بری اور دار العلوم میں پہونچے بندہ کا بیان ہوا ۷½ بجے روانہ ہو کر پونے آٹھ بجے بلیک برن پہونچے عصر کی نماز پڑھی پھر بندہ کا بیان ہوا۔ (اور دعا

مصافحہ ہو کر جماعتیں رخصت ہوئیں)۔

۲۶ رجب /۲۰ مئی جمعرات :۔ ۷ بجے بلیک برن سے روانہ ہوئے راستہ میں ٹھہر کر دعا ہوئی۔ ۸ ½ بجے مانچسٹر مطار پر پہونچے ۹ ½ بجے طیارہ نے پرواز شروع کی ۳۵ منٹ کی پرواز کا لندن تک اعلان ہوا۔ الحمد للہ ۳۵ منٹ میں لندن ہیتھرو مطار پر پہونچ گئے پونے بارہ بجے بروک سیلس بلجیم کے لیے برٹش ایرویز کے بوئنگ ۷۰۰ پر سوار ہوئے ۱۲ ½ پر پرواز شروع ہوئی ۴۵ منٹ کی پرواز کا اعلان ہوا ــــ اور الحمد للہ ۴۵ منٹ میں بروک سیلس بلجیم پہنچ گئے اور ڈیڑھ گھنٹہ میں جائے اجتماع (شالروال) پر پہونچ گئے۔

۲۷ رجب /۲۱ مئی جمعہ :۔ سہ روزہ اجتماع کا آج آغاز ہوا (بعد نماز جمعہ شیخ ابراہیم عزت کا اور بعد عصر مولانا محمد عمر کا عربی میں بیان ہوا)

۲۸ رجب /۲۲ مئی سنیچر :۔ عصر کے بعد بندہ کا بیان ہوا، مولوی احمد لاٹ نے ترجمہ کیا۔

۲۹ رجب /۲۳ مئی اتوار :۔ ظہر سے پہلے بندہ کا بیان ہوا، مولوی عمر نے ترجمہ کیا، دعا ہوئی، تودیع جماعت ہوئی، عصر کے بعد ناروے والوں کے مشورے ہوئے۔ (اس اجتماع سے تین چلہ کی انیس جماعتیں اور کم وبیش اوقات کے لیے پینتالیس جماعتیں نکلیں اور جرمنی، ہالینڈ، برازیل، سوئزرلینڈ، روس، سینگال، آئرلینڈ، لاکوبار اٹلی وغیرہ پینتیس ۳۵ ممالک میں جانے کے لیے ان جماعتوں نے اپنا رخت سفر باندھا)

۳۰ رجب /۲۴ مئی پیر :۔ مدینہ منورہ میں مقامی توقیت سے ۱ ½ بجے بعد عصر وہ آفتاب عالم تاب (یعنی حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ) جو مدت سے امراض میں گھرا ہوا تھا وہ اس دنیائے فانی کی کشاکش سے عالم بالا کی طرف روانہ ہو گیا

اور بلجیم کے وقت سے ہمیں ۶ بجے اس کا علم ہوا، صبح سے امریکہ والوں کے مشورے ہوئے، عصر کے بعد بھی مشورے ہوئے۔

یکم شعبان /۲۵ مئی منگل :۔ پانچ بجے شام کو شالروال سے روانہ ہوئے

اور پونے چھ بجے بروک سیلس مسجد نور میں الحمدللہ پہونچ گئے۔

۲ر شعبان/۲۶ر مئی بدھ:۔ شام کو پانچ بجے بروکسلیس سے روانہ ہوئے، حدود پر پہونچے، وہاں پر عصر جن کے وضو تھی، انھوں نے ادا کی، ۸ بجے وہاں سے روانہ ہوئے دو کلومیٹر پر بقیہ لوگوں نے وضو نماز ادا کی، وہاں سے روانہ ہوکر پیرس سے ۴۵ کلومیٹر پہلے اول وقت پر مغرب کی نماز ادا کی گئی اور گیارہ بجے سے کچھ پہلے اللہ جل شانہٗ نے پیرس میں مسجد عمر پہونچا دیا، کوچ جو ہمارے سے پون گھنٹہ بعد چلی تھی ڈیڑھ گھنٹہ پہلے پہونچ گئی۔

۳ر شعبان، ۲۷ر مئی جمعرات:۔ (صبح ناشتہ کے بعد پیرس میں کام کرنے والے احباب کے مشورے ہوئے) مغرب کے بعد بندہ کا بیان ہوا تشکیل ہوئی۔

۴ر شعبان/۲۸ر مئی جمعہ:۔ ۸ ½ بجے مسجد سے روانہ ہوکر مطار کے لیے روانہ ہوئے ۹ ½ بجے مطار پہونچے، ایر فرانس کے طیارہ ایربس ۸۱۰ سے دس بجے سوار ہوئے، پونے گیارہ پر پرواز شروع ہوئی۔ ۱۱ بجکر ۲۰ منٹ پر لندن پہونچ گئے۔ لیکن اترنے میں نمبر آنے میں دیر ہوئی، لندن کے اوپر تین چکر لگائے اور پیرس کے وقت سے ساڑھے گیارہ بجے اور لندن کے وقت سے ۱۰ ½ بجے اترے باہر آکر دعا ہوئی اور الحمدللہ لندن کے ۱۲ ½ بجے اپنے مستقر (ایسٹ لندن ماسک مرکزی مسجد میں) پہونچے غسل وغیرہ کرکے جمعہ پڑھا، کھانا کھایا، آرام کیا، عصر کے بعد مولوی عمر کا بیان ہوا، عشاء کے بعد حیات الصحابہ بندہ نے پڑھی۔

۵ر شعبان ر ۲۹ر مئی سنیچر:۔ ناشتہ کے بعد یو کے کے اہل شوری سے بات ہوئی عصر کے بعد اسلامک سینٹر جانا ہوا، پہلے مولوی محمد عمر کا، اس کے بعد بندہ کا بیان ہوا، عصر و مغرب کے درمیان چار گھنٹہ کا فصل تھا ۵ ½ پر عصر کی نماز اور ۹ ½ پر مغرب کی نماز ہوئی، مغرب وعشاء کے درمیان کھانا کھایا ۱۰ ½ پر عشاء ہوئی۔ عشاء کے بعد اپنے مستقر پر آنا ہوا۔

۶ر شعبان ر ۳۰ر مئی اتوار:۔ صبح ناشتہ کے بعد یو کے کے مشورہ والوں سے بات

ہوئی۔ ۱۱ بجے یو کے کے تمام پرانوں سے بات ہوئی، عصر سے پہلے مستورات میں بات اور بیعت ہوئی، عصر کے بعد مشورہ ہوا، مغرب کے بعد بڑے مجمع کی بیعت ہوئی عشاء کے بعد حیاۃ الصحابہ پڑھی اور مصافحہ ہوئے۔

، شعبان / ۲۱ / مئی پیر :۔ آٹھ بجے اپنے مستقر سے روانہ ہوئے پونے نو بجے ہیترو ہوائی اڈہ پہونچے ۹ ½ پر برٹش ایروتھری اسٹار کے ۲۳۵ پر سوار ہوئے، طیارہ نے دس بجکر ۷ پر حرکت شروع کی اور ۱۰ ½ پر پرواز کی۔ ساڑھے تین بجے لندن کے اور ساڑھے چار شام کے اور آٹھ بجے دہلی کے وقت سے دمشق کے مطار پر اللہ نے اتارا، جہاز میں کچھ نقص ہوا جس کی بنا پر بدلنا پڑا، پھر ۲۷ میں دمشق سے ۶ بجکر پچاس منٹ پر روانہ ہوئے۔ آٹھ بجے اللہ جل شانہ نے عمان پہونچا دیا۔

۸ رشعبان / یکم جون منگل :۔ آج عمان میں قیام ہوا (اور سہ روزہ اجتماع کا آغاز ہوا)۔

۹ رشعبان / ۲ / جون بدھ :۔ (بعد فجر مولانا سعید احمد خاں صاحب کا بیان پھر نو بجے سے گیارہ بجے تک تعلیم کے حلقے ہو کر بعد ظہر طعام و آرام ہوا) عصر کے بعد بندہ کا بیان ہوا، مولوی محمد عمر نے ترجمہ کیا، مادہ کے بے قیمت اور انسانیت کی تباہی کا سبب ہونا اور ایمان و اعمال کا قیمتی اور انسانیت کی نجات کا سبب ہونا خدائے پاک نے بیان کرایا، عصر کے بعد لبنان والوں کا مشورہ ہوا۔

۱۰ رشعبان / ۳ / جون جمعرات :۔ عمان میں قیام رہا (حضرت مولانا نے اختتامی بیان کے بعد جماعتوں سے رخصتی مصافحہ فرمایا۔ اس اجتماع سے پچاس جماعتیں جن میں بیس بیرون کی اور تیس اندرون کی تھیں روانہ ہوئیں)۔

۱۱ رشعبان / ۴ / جون جمعہ :۔ عصر کی نماز پڑھ کر مدینۃ الحجاج کی مسجد سے پونے چار بجے روانہ ہو کر مطار عمان پر پہونچے اور چار بجکر ۵۷ منٹ پر جہاز نے حرکت اور پانچ بجکر ۱۵ پر پرواز شروع کی، ۱ ½ گھنٹہ پرواز کا اعلان ہوا۔ عمان کے چھ بج کر ۳۵ منٹ پر اور مدینہ منورہ کے ۷ بجکر ۳۵ منٹ پر اللہ جل شانہ نے مدینہ منورہ کی پاک سرزمین

پر پہونچا دیا۔

حرمین شریفین میں حضرت مولانا کا قیام ۲۵ شعبان (۱۸ جون) تک رہا اور اس کے بعد دہلی مراجعت فرمائی۔ قیام حرمین شریفین کی تفصیلات کے لیے اسی کتاب کی جلد اول صفحہ ۱۴۸ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۴) سفر پاکستان، تھائی لینڈ، ملیشیا، سنگاپور، بنگلہ دیش
۱۴۰۳ھ ۱۹۸۲ء

۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ (۲ نومبر ۱۹۸۲ء) منگل میں حضرت مولانا کی روانگی دہلی سے پاکستان کے لیے ہوئی۔ تاکہ ۵، ۶، ۷ نومبر میں ہونے والے سالانہ اجتماع رائے ونڈ میں شرکت فرمائیں چنانچہ اس سے فارغ ہو کر کراچی اور پھر یہاں سے ۲۴ محرم مطابق ۱۲ نومبر میں پی آئی اے کے طیارہ سے بینکاک (تھائی لینڈ) تشریف لائے، یہاں ۲۵، ۲۶، ۲۷ محرم، ۱۳، ۱۴، ۱۵ نومبر شنبہ، یکشنبہ، دوشنبہ میں مسجد السلام میں سہ روزہ اجتماع منعقد ہوا، حضرت مولانا کے متعدد بیانات اس اجتماع میں ہوئے اور آپ ہی کے آخری بیان و دعا پر یہ اجتماع ختم ہوا، اس موقع پر شرکاء کی تعداد چھ سات ہزار افراد کی تھی ایک سو اکیس جماعتیں اس اجتماع سے اللہ جل شانہ کے کلمے کی سربلندی اور انسانیت کی صلاح و فلاح کی غرض سے تیار کر نکلیں جن میں ایک جماعت ایک سال کی، پانچ جماعتیں تین چلہ کی اور ۔۔ ۴۵ جماعتیں ایک چلہ کی تھیں۔ اجتماع کے بعد دو یوم حاجی یوسف خاں کے مکان پر قیام ہو کر ضروری امور طے کیے گئے۔

۳۰ محرم ۱۸ نومبر میں یہاں سے کوالمپور (ملیشیا) آمد ہوئی۔ ڈاکٹر مصطفےٰ صاحب کے مکان پر قیام ہوا، یکم صفر۔ (۱۹ نومبر) جمعہ میں کوالمپور سے بذریعہ طیارہ ترنگانو پہنچے یہاں بھی مورخہ ۲، ۳، ۴ صفر (۲۰، ۲۱، ۲۲ نومبر) میں سہ روزہ اجتماع تھا اس میں شرکت فرماکر مختلف مقامات پر ہوتے ہوئے ۹ صفر۔ ۲۷ نومبر کو سنگاپور میں داخل ہوئے۔ یہاں بھی

۱۰، ۱۱، ۱۲، صفر (۲۸، ۲۹، ۳۰، نومبر) میں ایک بڑے اجتماع میں شرکت فرمائی۔ اور پھر تھائی ایرلائنز سے بینکاک ہوتے ہوئے ڈھاکہ (بنگلہ دیش) تشریف آوری ہوئی۔ اور تین دن مرکز ٹونگی میں قیام فرماکر ۱۵، صفر (۳، دسمبر) جمعہ میں بخیر وعافیت دہلی مراجعت فرمائی۔

اس سفر کے کچھ حالات حضرت مولانا نے اپنی یادداشت میں بھی تحریر فرما رکھے ہیں، یہاں ان کو پیش کیا جاتا ہے:

۲۴، محرم۔ ۱۲، نومبر ۱۹۸۲ء جمعہ۔ جمعہ کی نماز عزیز زبیر کی اقتدا میں ادا کی گئی، نماز کے بعد کھانا کھایا، کچھ دیر آرام کیا، اول وقت عصر پڑھ کر مطار کے لیے روانہ ہوئے، مغرب سے قبل جہاز پر سوار ہوئے۔ مغرب کی نماز بندہ اور چند ساتھیوں نے جہاز ہی میں ادا کی، بقیہ رفقاء نے نیچے زمین پر ادا کی، ہماری نشست جہاز کی دوسری منزل میں تھی، احمد حسین قادری کیپٹن تھے، اللہ جل شانہ، نے بہت راحت کے ساتھ ۴ گھنٹہ ۱۰ منٹ میں بینکاک پہونچا دیا۔

- ۲۵، محرم۔ ۱۲، نومبر سینچر۔ اجتماع مسجد السلام
- ۲۶، محرم۔ ۱۳، نومبر اتوار۔ اجتماع مسجد السلام
- ۲۷، محرم۔ ۱۴، نومبر پیر۔ بیان نکاح دعا ہوئی، مولوی سعید خاں وعتیق جدہ سے سیدھے بینکاک پہونچے۔
- ۲۸، محرم۔ ۱۵، نومبر منگل۔ آج یوسف خاں کے مکان پر منتقل ہوئے اور پرانوں سے بات ہوئی۔

۳۰، محرم۔ ۱۸، نومبر بدھ۔ کولالمپور کے مطار پر گاڑی میں اکرام واعزاز کے ساتھ امیگریشن کے کمرہ میں آئے یہاں آکر معلوم ہوا کہ فون آیا ہے کہ قافلہ کو اجازت نہ دی جائے۔ مغرب کے بعد اجازت ہوئی، ڈاکٹر مصطفےٰ کے مکان پر قیام ہوا۔

یکم صفر۔ ۱۹، نومبر جمعہ۔ فوکر میں ۹ بجکر ۲۰ منٹ پر کولالمپور سے روانہ ہوئے۔ ۱۰ بجکر ۲۰ منٹ پر بہت راحت وآرام کے ساتھ کولاترنگانو پہنچے ایک گھنٹہ بعد جائے اجتماع پہونچ گئے۔ بنگلہ دیش کے لوگوں نے اپنی ترتیب پر رہائش گاہ بہت راحت

وآرام کی اور خوشنما بنا رکھی تھی۔

۲ر صفر۔ ۲۰ر نومبر سنیچر۔ اجتماع ملیشیا۔

۴ر صفر۔ ۲۲ر نومبر پیر:۔ بندہ کا بیان لارھبانیۃ فی الاسلام پر اور نکاح پر ہوا دعا ہوئی، جماعتیں مولوی سعید احمد خاں نے رخصت کیں۔

۵ر صفر۔ ۲۳ر نومبر منگل:۔ آج صبح ۱۰ بجے مدرسۃ القرآن کا افتتاح کیا۔ عصر کے بعد حاجی موڈا کے مکان پر عورتوں میں بیان ہو کر بیعت ہوئی۔ عشاء کے بعد برطانیہ والوں کا مشورہ ہوا صبح کو ناشتہ کے بعد آسٹریلیا والوں کا مشورہ ہوا۔

۶ر صفر۔ ۲۴ر نومبر بدھ:۔ ۹ بجے قیام گاہ سے مطار کے لیے روانہ ہوئے ۹ بجکر ۲۰ر منٹ پر مطار پہونچے، ۱۰½ بجے طیارہ نے حرکت اور ۱۰ بجکر ۳۸ پر پرواز شروع کی، ۱۱½ پر زمین پر اترا، اور ۳۴ پر ٹھہرا، دعا ہو کر جائے قیام گاہ کے لیے روانہ ہوئے، ۱۲½ پر جائے قیام پر پہونچے، رات کو عشاء سے پہلے بیان اور نکاح اور دعا ہوئی۔

۷ر صفر۔ ۲۵ر نومبر جمعرات:۔ ناشتہ کے بعد ۱۰ بجے پینانتی کے لیے روانہ ہوئے راستہ میں مرکزی مسجد میں بات چیت اور دعا ہوئی۔ مسجد سے روانہ ہو کر پینانتی پونے بارہ بجے پہونچے مولوی سعید خاں کا بیان طلبہ اور علماء میں ہوا، پھر بندہ کا بیان ہوا، مغرب کے بعد کھانا کھا کر اول وقت عشاء پڑھ کر پونے نو بجے اسٹیشن کے لیے روانہ ہوئے ۹½ بجے اسٹیشن پہونچے، ۱۰ بجے گاڑی روانہ ہوئی، ایرکنڈیشن کے کوپہ میں سفر ہوا۔

۸ر صفر۔ ۲۶ر نومبر جمعہ:۔ ۷ بجے کوالالمپور اسٹیشن پہنچے اور دعا ہو کر داتو سٹعیل کے مکان پر پہنچے۔

۹ر صفر۔ ۲۷ر نومبر سنیچر:۔ عصر کے بعد جوہر کے ذمہ دار آئے جن سے بات ہوئی، مغرب کے بعد انڈیا مسجد میں بیان ہوا، بیان کے بعد اسٹیشن آئے اور سنگاپور کے لیے ریل سے روانہ ہوئے ایرکنڈیشن کوپہ میں سفر ہوا۔

۱۰ر صفر۔ ۲۸ر نومبر اتوار۔ صبح کو ساڑھے سات بجے سنگاپور اسٹیشن پر پہنچے، دعا ہو کر یہاں سے روانگی ہوئی۔

۱۱ر صفر۔ ۲۹ر نومبر پیر۔ ناشتہ کے بعد آسٹریلیا والوں کا اور ملیشیا والوں کا۔ مشورہ ہوا' اختر کے مکان پر عصر کے بعد مستورات میں بیان ہوا' اور بیعت ہوئی مغرب کے بعد بیان و دعا ہو کر جماعتیں رخصت ہوئیں، عشاء کے بعد مردوں کی بیعت ہوئی

۱۲ر صفر۔ ۳۰ر نومبر منگل:۔ صبح کو سوا سات بجے قیام گاہ سے مطار کے لیے روانہ ہوئے ۸½ پر ٹی ہاجی ۳۰۲ ایربس نے پرواز شروع کی دو گھنٹہ دس منٹ میں بینکاک پہنچے۔ جدہ جانے والے مولوی سعید معتوق وغیرہ ہما بینکاک تک ساتھ آئے تھے ۱۱½ پر ٹی ہاجی ایربس ۳۰۳ سے روانہ ہوئے، وقت سے ۱۲ بجکر ۳۵ منٹ پر اللہ جل شانہ، نے ڈھاکہ پہونچا دیا۔ مطار پر دعا کر کے جائے قیام پہنچے اور نماز ظہر پڑھ کر کھانا کھایا اور آرام کیا۔

۱۵ر صفر۔ ۳ر دسمبر جمعہ:۔ ۱۱½ بجے مقام سے مطار کے لیے روانہ ہوئے۔ مطار پر ۱۲ بجکر دس منٹ پر عزیز زبیر کی اقتداء میں جمعہ ادا کیا۔ ایک بجے گاڑی میں طیارہ تک گئے ایک بجکر ۲۰ منٹ پر حرکت اور ایک بجکر ۲۷ پر پرواز شروع ہوئی دو گھنٹہ دس منٹ کا اعلان ہوا اور اللہ جل شانہ نے خیریت کے ساتھ دہلی پہنچایا باہر آکر دعا کی، کرامت اللہ کی گاڑی میں چار بجے حضرت نظام الدین دہلی پہنچے سب کو بخیر پایا۔

(۱۵) سفر سری لنکا
۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء

۱۵ر رجب ۱۴۰۳ھ (۲۹ر اپریل ۱۹۸۳ء) میں بعد نماز مغرب حضرت مولانا نے مرکز میں ختم یٰسین شریف کی دعا فرمائی اور پھر نظام الدین ریلوے اسٹیشن سے یہ سفر شروع کیا' مولانا محمد عمر مولانا زبیر الحسن، مولانا احمد لاٹ' مولانا محمد بن سلیمان جھانجی راقم سطور محمد شاہد اور متعدد قدماء

وکام کرنے والے احباب رفقاء سفر تھے۔ نماز عشاء ایک بڑی جماعت کے ساتھ اسٹیشن پر ادا فرما کر حیدرآباد اکسپریس سے روانہ ہو کر بھوپال، حیدرآباد، کرنول، رائے چور اور پھر جنوبی ہند میں بنگلور، کایم کولم، ٹریونڈرم وغیرہ مقامات پر اجتماعات اور جماعتیں رخصت کرتے ہوئے ۲۸ رجب، ۱۲ مئی جمعرات میں حاجی عبدالرشید صاحب ٹریونڈرم کے مکان سے روانہ ہو کر بذریعہ طیارہ کولمبو (سری لنکا) کے لیے ہوئے۔

حضرت مولانا اس سفر کی تفصیلات اپنی ڈائری میں ان الفاظ کے ساتھ درج فرماتے ہیں

۲۸ رجب۔ ۱۲ مئی جمعرات۔ ۴½ بجے عصر کی نماز پڑھ کر مطار کے لیے روانہ ہوئے ۶ بجکر ۳۳ پر طیارہ نے پرواز کی، طیارہ میں مغرب کی نماز پڑھی۔ چالیس منٹ میں اللہ جل شانہ، نے کولمبو مطار پر پہونچا دیا، دعا ہوئی، عشاء کی نماز پڑھی پھر اجتماع گاہ آلوگاما کے لیے روانہ ہوئے جو پینتالیس میل کی مسافت پر تھا اللہ جل شانہ نے دس بجے اجتماع گاہ پہونچا دیا۔

۲۹ رجب۔ ۱۳ مئی جمعہ آج سے سری لنکا کا سہ روزہ اجتماع شروع ہوا۔ بعد مغرب گرین ماسک میں بیعت ہوئی پھر بندہ کا ایمان پر بیان ہوا۔

۳۰ رجب۔ ۱۴ مئی سنیچر:۔ صبح کو علمائے کرام میں اولاً مفتی زین العابدین صاحب کا بعد میں بندہ کا بیان ہوا، عصر کے بعد بندہ کا نکاح پر بیان ہوا، اور بیس کے قریب نکاح ہوئے۔ مغرب کے بعد گرین ماسک میں بیعت ہوئی۔

یکم شعبان۔ ۱۵ مئی اتوار:۔ بیان و دعا و توزیع جماعات ہوئی مغرب کے بعد مختلف شعبوں کے کارکنوں سے ملاقات ہوئی،

۲/ ۱۶/ پیر:۔ صبح کو پنڈال میں مستورات میں بیان ہوا، عصر کے بعد مستورات کی بیعت ہوئی، مغرب کے بعد مختلف شعبوں کے کارکنوں سے ملاقات ہوئی۔

۳/ ۱۷/ منگل:۔ ناشتہ کے بعد آلوگاما جائے اجتماع سے پانڈورہ حاجی نجم الدین کے مکان پر آئے۔ مستورات میں بندہ کا بیان ہو کر بیعت ہوئی۔ بیعت

کے بعد روانہ ہو کر مغرب کے وقت مرکز پہونچے۔

۴/۱۸/ بدھ :- ناشتہ کے بعد سیلون والوں کا مشورہ ہوا عصر کے بعد تنزانیہ والوں کا مذاکرہ ہوا۔ عشاء کے بعد کچھ نوجوان جن کو کچھ شکوے تھے، ان سے بات ہوئی۔

۵/۱۹/ جمعرات آج بھی سیلون والوں کا مشورہ ہوا پھر مستورات میں حاجی فاروق کے مکان پر بیان ہو کر بیعت ہوئی۔ دوپہر کا کھانا بھی انہی کے مکان پر کھایا مغرب سے پہلے واپسی ہوئی، عشاء کے بعد بندہ نے حیات الصحابہ پڑھی۔

۶/۲۰/ جمعہ :- ناشتہ کے بعد مشورہ والوں اور شکوہ والوں کو جوڑ کر بات کی گئی جمعہ کے وقت تک بات ہوئی، جمعہ پڑھ کر ایک مکان پر دعوت کھانے گئے۔ وہاں پر ہی آرام کیا پھر دوسرے مکان پر جا کر مستورات میں بیان کیا اور بیعت ہوئی جس کا انگریزی میں ترجمہ ہوا، مغرب کی نماز وہاں پڑھ کر مرکز واپس ہوئے۔

۷/۲۱/ سنیچر :- صبح کو ناشتہ سے فارغ ہو کر اسٹیشن کے لیے روانہ ہوئے ایک ہفتہ کے سفر کے لیے پوری ریل گاڑی بک کرائی گئی جس میں ۲۷ ڈالر فی آدمی صرفہ آیا، یہ ریل گاڑی سو نفر مسافروں کے لیے ہے۔ نو بجکر ۲۰ منٹ پر اس ریل سے روانہ ہو کر تین بجکر تیس منٹ پر دونیا پہونچے اشرف بھائی کے مکان پر کھانا کھایا عصر پڑھ کر مستورات کے اجتماع میں جانا ہوا، وہاں بندہ کا بیان ہو کر بیعت ہوئی مغرب جلسہ گاہ میں پڑھی، یہاں مغرب کے بعد پہلا بیان مولوی محمد عمر کا اور دوسرا بیان بندہ کا ہوا، پھر اشرف بھائی کے مکان پر آکر آرام کیا۔

۸/۲۲/ اتوار :- صبح ساڑھے ۶ بجے اسٹیشن کے لیے روانہ ہوئے، سات بجے اپنی گاڑی روانہ ہوئی، ۲½ بجے بیلی کولا اسٹیشن پہونچ کر کاروں کے ذریعہ جائے اجتماع جو ۲۸ میل تھی گئے، قیام کاندرہ کے مدرسہ تبلیغیہ میں ہوا، اجتماع ماوڑی پلی میں تھا۔

۹/۲۳/ پیر :- صبح کو بندہ کا علماء کے مجمع میں بیان ہوا، پھر عصر کے بعد مستورات

میں بیان ہوکر بیعت ہوئی پھر مغرب کے بعد عام مجمع میں بیان ہوکر جماعتیں رخصت ہوئیں، اجتماع سے فراغت کے بعد پیٹی کولا سے چل کر شب میں گیارہ بجے مدرسہ الفلاح پہونچے اور رات وہاں بسر کی۔

۲۴/۱۰/منگل: ۶ ½ بجے صبح اپنی ٹرین روانہ ہوئی اور پونے بارہ بجے کورناگلہ پہنچے۔

۲۵/۱۱/بدھ:۔ صبح ۸ ½ بجے کورناگلہ سے اپنی ٹرین روانہ ہوئی بارہ بجے ماتلے پہونچے، ظہر کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا۔ عصر کے بعد عورتوں میں بیان ہوکر بیعت ہوئی، مغرب کے بعد بندہ کا مردوں میں بیان ہوا۔

۲۶/۱۲/جمعرات:۔ صبح ۶ بجکر ۲۰ منٹ پر اپنی ٹرین سے روانہ ہوکر گیارہ بجکر ۲۰ منٹ پر کولمبو پہونچے، عصر کے بعد کارکنوں سے بات ہوئی مغرب کے بعد کھانا کھایا۔ نماز عشاء پڑھی پھر مسجد میں بندہ کا بیان ہوکر دعا ہوئی۔ ۹ ½ بجے یہاں سے روانہ ہوکر ۱۰ ½ بجے نگمبو شاہ الحمید کے گھر پہونچے رات وہاں بسر کی۔

۲۷/۱۳/جمعہ:۔ صبح کی نماز کے بعد کچھ دیر آرام کرکے ناشتہ کیا پھر مسجد میں جاکر بیان کیا، دعا کی، اور ایک سنگ بنیاد رکھا، پھر وہاں سے مطار آئے، وی، آئی، پی لاؤنج میں آکر دعا کے بعد مصافحے کیے اور گاڑی میں طیارہ تک جاکر پھر طیارہ میں سوار ہوئے، دس بجے حرکت شروع ہوئی، گیارہ بجکر ۳ منٹ پر زمین پر اترا۔ سہولت سے تمام مراحل سے فارغ ہوکر پونے بارہ بجے مدراس میں اپنی قیام گاہ پہونچے، غسل کیا کپڑے بدلے اور جائے اجتماع میں عزیز زبیر کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کی گئی مستورات میں مولوی محمد سلیمان کا بیان ہوا۔ اور فضائل ذکر عزیز شاہد نے بیان کیے۔

سری لنکا سے واپس لوٹ کر حضرت مولانا نے چار دن مدراس میں قیام فرمایا اور پھر جی ٹی ایکسپریس سے روانہ ہوکر ۱۹ ارشعبان دو جون جمعرات میں بخیر وعافیت مرکز حضرت نظام الدین دہلی پہونچے۔

سفر بنگلہ دیش، تھائی لینڈ، سنگاپور

(۱۶)

۱۴۰۴ھ — ۱۹۸۴ء

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۸۴ء منگل میں حضرت مولانا نئی دہلی اسٹیشن سے روانہ ہوکر کلکتہ ایک دن قیام کے بعد بذریعہ طیارہ ڈھاکہ کیلئے روانہ ہوئے اور یہاں کے سالانہ اجتماع منعقدہ ۱۶، ۱۷، ۱۸ ربیع الثانی ۲۱، ۲۲، ۲۳ جنوری میں شرکت فرمانے کے بعد ۲۷ ربیع الثانی یکم فروری بدھ میں بنگلہ بیان سے روانہ ہوکر بنکاک (تھائی لینڈ) تشریف لے گئے یہاں جناب یوسف خاں صاحب کے مکان پر قیام کا نظم تھا۔ اگلے دن بنکاک سے بذریعہ ٹرین یالا مقام پر روانگی ہوئی کہ یہاں ۳، ۴، ۵ فروری جمعہ، بار، اتوار میں تھائی لینڈ کا سہ روزہ اجتماع تھا۔

اس موقع پر رفقائے سفر میں احباب نظام الدین کے علاوہ ڈاکٹر فاروق بنگلور، پروفیسر عبدالرحمان مدراس بھی شامل تھے۔

مولانا زبیر الحسن صاحب اپنی یادداشت (ڈائری) میں لکھتے ہیں!

"یالا کے اجتماع میں شرکت کے لیے دو فروری جمعرات کی دوپہر میں ٹرین سے روانہ ہوکر ۳ فروری جمعہ کی صبح گیارہ بجے یالا اسٹیشن پر اتر کر سیدھے اجتماعگاہ پہونچے جمعہ فوجی کیمپ کی چھوٹی مسجد میں پڑھا جس کا خطبہ مقامی امام صاحب نے پڑھا اور نماز کی امامت بندہ نے کی۔ بعد جمعہ مولوی احمد لاٹ کا، بعد عصر مولوی سلیمان کا اور بعد مغرب مولانا محمد عمر کا بیان ہوا، یہ تمام بیانات اردو میں ہوئے اور ملائی و تھائی زبان میں ان کے ترجمے ہوئے۔

اجتماع کے دوسرے دن مفتی زین العابدین صاحب بھائی عبدالوہاب وغیرہ کے بیانات ہوئے۔ تیسرے دن بعد فجر یوسف بھائی پالن پوری نے جماعتیں بٹھائیں، مولانا محمد عمر صاحب نے ہدایات دیں پھر حضرت جی مدظلہ نے ایک گھنٹہ بیان فرماکر اجتماع کی اختتامی دعا فرمائی۔ جماعتوں سے رخصتی مصافحہ

قاضی عبدالقادر صاحب نے کیے۔ شرکائے اجتماع کا اندازہ ساٹھ ستر ہزار کا بتلایا جاتا ہے۔"

اجتماع سے فارغ ہو کر ایک دن یالائیں مزید قیام کے بعد ۷ فروری منگل میں ہاڑیائی پہنچ کر جناب سیف الدین صاحب کے مکان پر قیام ہوا۔ ۲۴ گھنٹے یہاں گذار کر اگلے دن بذریعہ طیارہ سنگاپور روانگی ہوئی۔ یہاں کے دوروزہ قیام میں دعوتی اعمال مردوں کے اجتماعات وتشکیل مستورات کے اجتماعات اور بیعت وغیرہ میں مسلسل مشغول رہی۔

۷ جمادی الاول۔ ۱ فروری جمعہ میں یہاں سے روانہ ہو کر بخیر وعافیت بارہ بجے شب میں مرکز نظام الدین آمد ہوئی۔

(۱۷) سفر جاپان، کیلی فورنیا، امریکہ، فرانس، سعودی عرب
۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء

۷ شوال ۱۴۰۵ھ (۲۶ جون ۱۹۸۵ء) بروز بدھ حضرت مولانا پالم ایرپورٹ سے روانہ ہو کر پانچ گھنٹہ کی پرواز کے بعد ہانگ کانگ ——— پہونچے اور ۲۷ جون جمعرات میں یہاں کے ایک روزہ اجتماع سے فارغ ہو کر اگلے دن بذریعہ طیارہ ٹوکیو کے لیے روانہ ہو گئے یہاں مطار پر نماز ظہر ادا کی اور پھر یہاں سے اسی جہاز سے روانہ ہو کر مسلسل ۹½ گھنٹہ پرواز کے بعد اور پوری رات طیارہ میں گذار کر اگلے دن صبح ۸ بجے لاس انجلیس (کیلی فورنیا) تشریف لائے، یہاں پہونچ کر رفقاء نے اپنی اپنی گھڑیوں کے اوقات آٹھ گھنٹہ آگے بڑھائے۔ حضرت مولانا اور آپ کے جملہ رفقاء کا قیام جناب اقبال بھولات صاحب کے یہاں ہوا، اور وہی آپ کے میزبان رہے۔ یہاں کی مرکزی مسجد جماعت الاسلام میں دوروزہ اجتماع ۲۹، ۳۰ جون بار، اتوار میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع سے ۱۵ جماعتیں راہِ خدا میں بن کر روانہ ہوئیں۔

یکم جولائی پیر میں شکاگو شہر میں آمد ہوئی۔ یہاں بھی ایک اجتماع تھا ۳۲ جماعتیں یہاں سے بھی راہ خدا میں نکلیں۔

۳ر جولائی بدھ میں شکاگو سے روانہ ہو کر ڈیٹرائٹ پہونچے کیوں کہ یہاں بھی مورخہ ۱۶ ر ۱۷ ر ۱۸ رشوال مطابق ۵ / ۶ / ۷ ر جولائی میں ایک سہ روزہ اجتماع متعین تھا۔ معمول کے مطابق اس اجتماع میں بھی حضرت مولانا کے متعدد بیانات ہوئے۔ اور آپ ہی کے اختتامی بیان و دعا پر یہ اجتماع ختم ہوا' اس اجتماع سے نوّے جماعتیں راہِ خدا میں روانہ ہوئیں جن میں اڑسٹھ جماعتیں اندرون ملک کے لیے اور بائیس جماعتیں بیرون ملک کے لیے تھیں۔

شرکاء اجتماع کی تقریبی تعداد بارہ' تیرہ ہزار کے درمیان تھی۔

جناب بھائی احفاظ احمد صاحب (نیویارک' امریکہ) اپنے مکتوب میں اس اجتماع سے متعلق دیگر معلومات اور حضرت مولانا کی اختتامی تقریر کا ایک مختصر اور اہم حصہ اس طرح تحریر کرتے ہیں:

"۱۹۸۵ء کا اجتماع ۴ر ۵/۶ر جولائی کو ڈیٹرائٹ مشی گن میں واقع ہوا۔ اس دفعہ انتظام ایک بڑے ہال میں کیا گیا۔ جس کا نام لوبوہال ہے اجتماع میں تقریباً بارہ' تیرہ ہزار افراد نے شرکت کی۔ دنیا کے اکثر ممالک سے جماعتیں امریکہ میں آئیں۔ جن میں یورپ' افریقہ' عرب ممالک' پاکستان' ہندوستان بنگلہ دیش کی جماعتیں تھیں۔ ایک اندازہ کے مطابق تقریباً دوسو جماعتیں باہر ممالک کی تھیں۔ پاکستان' بنگلہ دیش اور دوسرے ممالک کے اکابر تبلیغ بھی حسب معمول اس اجتماع میں حاضر تھے۔ اجتماع میں شمالی امریکہ کے اکثر علاقوں کے مسلمان تشریف لائے۔ اس اجتماع کے بہت واضح اثرات دیکھنے میں آئے اور جن لوگوں نے اس اجتماع میں شرکت کی انھوں نے دعوت وتبلیغ کے کام پر عزم وارادے فرمائے۔ اسی اجتماع میں حضرت جی نور اللہ مرقدہ نے شمالی امریکہ کے ذمہ داروں کے شوریٰ کی تشکیل نو کی۔ کچھ مقامی امریکیوں نے اس اجتماع میں اسلام بھی قبول کیا۔

اجتماع کے آخری دن حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کا مختصر بیان ہوا' اس کے بعد کچھ نکاح پڑھائے اور دعا کے ساتھ جماعتوں کو رخصت کیا

Sunday, July 7, 1985/THE DETROIT NEWS/3A

Visiting Muslims add sightseeing to religious duty

By George Bullard
News Staff Writer

More than 3,000 Muslims gathered in Cobo Hall this weekend for prayer and fellowship and — for some — a quick visit to the Italian Festival in Hart Plaza.

The inside of Cobo Hall was declared off limits to outsiders and looked a little like a scouting jamboree, with many of the colorfully-dressed participants spending each night on the floor in bedding they had brought along. A kitchen, complete with portable burners and huge vats, was set up outside to prepare food for the faithful.

"Our aim is to lead mankind to a happy life," said one Canadian participant, who attended in the cap and flowing garb of his native Pakistan.

The 3,000 came from around the country and from as far away as Jamaica. Most at the gathering were Sunni Muslims, a branch of Islam separate from the Shiite group to which Iran's Ayatollah Khomeini belongs. It was the Shiites who were involved in the hijacking of the TWA airliner detained in Beirut.

ONE OF THE faithful, Dawood Neki of Toronto, said the three-day gathering "runs 24 hours a day — just like Islam is a 24-hour-a-day faith."

Organizers yesterday turned away reporters and photographers, saying their presence violated the solemnity of the event. Many Muslims do not like having their pictures taken and some believe that a photograph in their home will discourage visits by the angels, explained one participant.

But, as in Christianity and Judaism, there are varying degrees of piety. For example, some of yesterday's participants carried cameras and took advantage of lulls in the program to stroll in small groups though Hart Plaza. One trio was spotted taking turns posing for snapshots in front of Noguchi Fountain. Others cavorted along the riverfront and were glad to talk about the proceedings, as long you didn't use their names.

"There's no controversy here — no politics," said a man from Chicago. "It's all religious discussion."

THE MEETING is restricted to Muslim men. Spouses who accompanied their husbands were meeting in smaller groups away from Cobo, said several men.

A few of the faithful attended the downtown Italian Festival which, despite its name, was selling everything from Hong Kong fans to cheese nachos and Italian corn dogs. A band played a song that sounded very close to a polka. "Italian polka," explained a jeweler displaying his wares in a plywood booth.

The closest the festival came to a Muslim connection was an item in the booth of an aroma merchant: an incense called "Prophet."

The meeting, being held in three convention halls of Cobo Hall, was organized by a group called the Anjuman-E-Ahya-Il-Islam of North America. No one would give details about the group.

Organizers originally had wanted an outdoor gathering in Brownstown Township, but were turned down by that southern Detroit suburb because of fears of traffic congestion, said a spokesman for the group.

حضرت جی نور اللہ مرقدہ نے اپنے بیان میں فرمایا کہ:

جب انسان کا دل بنتا ہے تو پورا بدن بنتا ہے جب دل بگڑتا ہے تو سارا بدن بگڑتا ہے اور جب مسلمان بگڑتا ہے تو ساری دنیا میں بگاڑ آتا ہے اس لیے یہ گوشت کا تھوڑا سا ٹکڑا دار ومدار رکھتا ہے، سارے عالم کے بننے اور بگڑنے پر، انسان کے اندر سے نکلنے والے اعمال پر دنیا کے فیصلے ہوتے ہیں اگر ساری انسانوں کے دل صحیح ہو جائیں تو سارے حالات صحیح ہو جائیں، جس دل کا یقین اللہ کے ساتھ جڑا ہوتا ہے تو اس سے کبھی غلط کام نہیں ہو سکتا، آج ہمارا یقین چیزوں پر بنا ہوا ہے جس کی وجہ سے دنیا میں عمومی پریشانی ہے، اپنے دل کے بنانے میں لگنا یہ صحیح راستہ ہے دوسروں کو صحیح کرنے میں لگ جانا اور اپنے کو بھول جانا، یہ صحیح راستہ نہیں ہے، انسان کے عمل صحیح ہونے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اس کے دل کا یقین درست ہو۔ دنیا میں انسان دھوکہ میں رہ جاتا ہے مگر موت پر دھوکہ ختم ہو جائے گا، اور دل کے یقین پر اس کا فیصلہ ہوگا۔ اللہ نے دنیا میں انسان کو دنیا کی چیزوں کے لیے پیدا نہیں فرمایا بلکہ عبدیت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ جو انسان ضرورتوں کو مقصد بنا لیتا ہے وہ ساری زندگی ضرورتوں کو پورا کرنے میں لگا دیتا ہے اور اپنے مقصد کو بھول جاتا ہے اور کوئی بھی شخص اپنے مقصد کو بھلا کر کوئی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ ساری محنت اس لیے ہے کہ ہم اپنے مقصد کو پہچانیں اگر ہم محنت صحیح طریقہ سے کریں گے تو اللہ دنیا کے نقشے پلٹ دے گا۔[1]

حضرت مولانا مانٹریال، کناڈا، نیویارک، لندن ایک ایک دن ٹھہرتے ہوئے ڈیوزبری پہنچے، ۲۳، ۲۴، ۲۵ رشوال مطابق ۱۲، ۱۳، ۱۴ رجولائی جمعہ، بار، اتوار میں ایک سہ روزہ اجتماع

---

[1] مکتوب جناب بھائی احفاظ احمد نیویارک، بنام راقم سطور۔ محررہ ۱۳ ارجون ۱۹۹۶ء۔

میں شرکت فرمائی۔ دس پندرہ ہزار افراد کے درمیان ہونے والے اس اجتماع سے ۹۶ رجماعتیں (جو نوسو افراد پر مشتمل تھیں) دین حق کی سربلندی کے لیے مختلف ملکوں اور علاقوں میں روانہ ہوئیں۔

انگلینڈ کے اس اجتماع کے بعد حضرت مولانا فرانس کے لیے چل پڑے کیوں کہ وہاں بھی یکم، دو، تین، ذی قعدہ مطابق ۲۰، ۲۱، ۲۲ر جولائی کو ایک سہ روزہ اجتماع لیل میں تھا یہاں سے بھی ۸۸ جماعتیں روانہ فرماکر ۲۴ر جولائی میں لندن واپس تشریف لائے اور ایک ہفتہ قیام کے بعد ۱۱ر ذی قعدہ ۳۰ر جولائی پیر میں لندن ایرپورٹ سے روانہ ہوکر جدّہ اور پھر فوراً ہی مکہ مکرمہ حاضر ہوگئے۔ اس موقع پر حرمین شریفین میں آپ کا قیام چالیس روز رہا مناسک حج سے فارغ ہوکر بیس ذی الحجہ (۶ر ستمبر) میں آپ نے دہلی مراجعت فرمائی۔

اس سفر حج کی تفصیلات اسی کتاب کی جلد اول (صفحہ ۳۲۴) میں بعنوان "بارہواں حج" ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۸) سفرِ انگلینڈ
۱۴۱۵ھ ۱۹۹۴ء

اس سفر کے لیے حضرت مولانا گیارہ محرم ۱۴۱۵ھ (۲۲ر جون ۱۹۹۴ء) میں ایرانڈیا کے طیارہ سے دہلی سے روانہ ہوکر آٹھ گھنٹے اور چالیس منٹ کی پرواز کے بعد لندن ایرپورٹ اترے، رفقائے سفر میں دیگر افراد کے علاوہ مولانا زبیر الحسن، مولانا محمد عمر، راقم سطور محمد شاہد مولانا محمد سعد، مولانا محمد سلیمان جھانجی، جناب بھائی کرامت اللہ، جناب بھائی شرافت اللہ بھی شامل تھے۔

لندن ایرپورٹ پر بہت بڑا مجمع علماء دعاۃ اور مبلغین اور مختلف ممالک کے دعوتی کام کے ذمہ داروں کا موجود تھا۔ حضرت مولانا احباب سے ملاقات اور دعاء کے بعد ڈیوزبری (تبلیغی مرکز) کے لیے روانہ ہوگئے۔ حضرت مولانا کی طبیعت دہلی ہی سے ناساز تھی۔ چنانچہ اتنے طویل سفر کے بعد ضعف وناطاقتی میں مزید اضافہ ہوگیا اور اگلے ہی روز

دل میں بےچینی اور درد کی شدت ہوگئی، سانس کی آمد ورفت پر بھی اس کا اثر پڑا جس کے دفعیہ کی تدابیر آکسیجن اور انجکشن کے ذریعہ کی گئی۔ حضرت مولانا کا یہ طویل سفر ڈیوزبری (انگلینڈ) میں ۱۳، ۱۴، ۱۵، محرم مطابق ۲۴، ۲۵، ۲۶، جون جمعہ بار اتوار میں منعقد ہونے والے اجتماع میں شرکت کے لیے ہوا تھا۔ اجتماع کا آغاز جمعرات میں نماز عصر سے ہوا۔ شرکائے اجتماع نے نماز جمعہ مولانا زبیر الحسن صاحب کے زیر اقتدار اجتماع گاہ میں ادا کی۔

اجتماع کے دوسرے دن حضرت مولانا نے مجلس نکاح میں پہنچ کر تھوڑی دیر نکاح کی اہمیت پر بیان فرماکر خطبۂ نکاح پڑھا' اور پھر مولانا زبیر الحسن نے ایجاب وقبول کرائے۔ اس ایک مجلس میں ۹۳ افراد کے نکاح ہوئے۔

آخری دن اتوار میں حضرت مولانا نے طویل اختتامی بیان فرمایا۔ اس بیان میں آپ نے ایمان اور پورے عالم میں اس کی کوشش ومحنت پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ،

"ایمان کا سرمایہ بہت اونچا سرمایہ ہے اور ایمان ایسی چیز ہے کہ اللہ نے اپنے نبی پاک علیہ السلام سے اس پر محنت کرائی ہے۔ جو دل ایمان سے خالی ہوگا وہ دل ویران ہے' اللہ کو ایمان کی محنت بہت پیاری ہے بہت خوش ہوتے ہیں' راضی ہوتے ہیں' آج ہم دنیا کی چیزوں پر تو محنت کرتے ہیں لیکن ایمان پر محنت نہیں کرتے ہیں۔ ہم پورے عالم میں محنت کرنے کے ارادے کریں تو اللہ کی مدد شامل حال ہوگی' اللہ ہم کو قبول فرمائے' ہر محنت کرنے والے کی محنت کا ثمرہ اللہ تعالےٰ عطا فرماتے ہیں۔ اور اس کی محنت کو ضائع نہیں کرتے"

اس کے بعد مزید کچھ دیر ایمان واخلاص کی محنت پر متوجہ فرماکر دعا فرمائی اور جماعتوں سے رخصتی مصافحہ کیا' اجتماع کی یہ دعا تقریباً نصف گھنٹہ ہوئی' اس وقت حضرت مولانا پر ایک عجیب کیفیت ورقت طاری تھی اور گریہ کی شدت کی وجہ سے دعا کے حروف والفاظ بھی پورے طور پر ادا نہیں ہورہے تھے مجمع کی بھی یہ کیفیت تھی کہ چیخیں مار مار کر رو رہا تھا؛

اس مجلس سے فارغ ہوکر آپ مختلف ممالک سے آئے ہوئے عربوں سے خصوصی ملاقات کے لیے مسجد کی دوسری منزل پر تشریف لے گئے یہاں بھی آپ نے کچھ دیر بیان فرماکر دعا فرمائی

اجتماع کے تینوں دن دینی اداروں اور جامعات کے اساتذہ وطلبہ بڑی تعداد میں شریک رہے، دارالعلوم ہولکمب بری کے بانی ومہتمم مولانا محمد یوسف متالا بھی نہ صرف اجتماع میں شریک رہے بلکہ ان کے دارالعلوم سے دوسو طلبہ شرکائے اجتماع کی مہمان داری وخدمت گذاری کے لیے تینوں دن اجتماع گاہ میں موجود رہے۔

محترم جناب ابراہیم صدیقی صاحب (لندن) نے اس اجتماع کی تفصیلات اور اثرات و تاثرات پر ایک طویل مضمون مرتب کیا تھا یہاں اس کی تلخیص اور اہم حصے پیش کیے جاتے ہیں موصوف لکھتے ہیں :

"سنہ ۱۹۹۳ء میں جب انگلینڈ کے احباب نظام الدین آئے تھے تو یہ عالمی اجتماع طے ہوا تھا۔

انگلستان میں بہت بڑے بڑے مشہور شہر موجود ہیں مگر معلوم نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو حافظ پٹیل صاحب (اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھیں) کی کونسی ادا پسند آئی تھی کہ ڈیوزبری جیسے ایک چھوٹے شہر کو جہاں وہ مقیم تھے اپنے دین کی اعلیٰ محنت دعوت وتبلیغ کے لیے پسند فرما کر مرکز قائم کرنے کے اسباب پیدا فرما دیئے۔

الحمدللہ وسعت کے اعتبار سے اس وقت پورے انگلستان میں ڈیوزبری کی دعوت وتبلیغ کی یہ مرکزی مسجد سب سے بڑی مسجد سمجھی جاتی ہے اور فن تعمیر کا بھی اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس مسجد کے اوپر کے ہال میں جو بغیر کسی ستونوں کے بنا ہے تقریباً پانچ ہزار آدمی بیٹھ جاتے ہیں مگر اس عالمی عظیم الشان اجتماع کے لیے جس میں زیادہ سے زیادہ پچاس ہزار مسلمانوں کی شرکت متوقع تھی مرکز سے متصل میدان میں دو بہت بڑے اور چار چھوٹے پنڈال لگائے گئے تھے، دونوں پنڈال اجتماع اور نمازوں کے لیے تھے، باقی پنڈال اردو کے علاوہ دوسری زبانوں کے ترجموں تشکیل اور طعام کے لیے تھے اور جو نہایت عمدگی سے موسم کا لحاظ رکھتے ہوئے بنائے گئے تھے۔ مرکز

اور اجتماع گاہ کے اطراف موٹروں کی پارکنگ بالکل ممنوع تھی اسلئے ایک بہت بڑے شاپنگ سینٹر کے پارکنگ میدان کو اجتماع کی موٹروں اور کوچوں کے لیے کرایہ پر لیا گیا تھا جہاں باقاعدہ موٹروں کی حفاظت اور چوکیداری کا انتظام کیا گیا تھا۔

۲۲ / جون ۱۹۹۴ء کو دو بجے دن لندن کے ہوائی اڈہ ہیتھرو پر حضرت جی کا قافلہ جب باہر تشریف لے آیا تو انگلستان کے مختلف شہروں کے ذمہ دار اور عوام نے پُرجوش باوقار بغیر کسی شور وغل اور نعروں کے استقبال کیا فوری اجتماعی دعا ہوئی، تمام حاضرین پر عجیب کیفیت تھی، دعامیں پوری امت اور انسانیت کی ہدایت کے لیے دعا کی گئی، ہوائی اڈہ پر دعا کا یہ منظر تمام غیر مسلموں کے لیے ایک خاموش دعوت و تبلیغ تھی۔

یہاں کے ذمہ داروں نے پہلے یہ سوچا تھا کہ ڈیوزبری جاتے ہوئے آدھے راستہ پر حضرت جی کو چند گھنٹہ آرام کرواکر ڈیوزبری لے جائیں گے مگر بعد میں خود حضرت جی کے مشورہ سے پورا قافلہ راست ڈیوزبری جس کا فاصلہ لندن سے دوسو میل ہے روانہ ہوا، اور الحمدللہ ۲ بجے شام بخیریت سب لوگ ڈیوزبری مرکز پہنچ گئے۔

مغرب کی نماز میں پنڈال تقریباً بھر چکا تھا مغرب کے بعد کھانا کھلایا گیا اور الحمدللہ مجمع نے بغیر کسی شور وغل اطمینان سے کھانے سے فراغت کے بعد نماز عشاء کی تیاری کی۔ اتنے بڑے اجتماع کا لحاظ رکھتے ہوئے وضو طہارت، بیت الخلاء، غسل خانوں کا عارضی بہت معقول انتظام کیا گیا تھا کہ الحمدللہ تین دن کی تمام نمازوں میں لوگ آسانی سے ضروریات سے فارغ ہوکر جماعت سے نمازیں ادا کرتے رہے اور کسی قسم کی شکایت نہیں ہوئی۔ اس عظیم الشان عالمی اجتماع میں پانچ براعظموں کے مسلمانوں نے شرکت کی، یورپ کے پورے ملکوں سے الحمدللہ مسلمانوں نے شرکت

کی حتیٰ کہ یورپ میں جو ملک پہلے کمیونسٹ ملک تھے وہاں کے مسلمانوں نے بھی شرکت کی۔

تبلیغی اجتماعات میں عموماً سیدھے سادھے سنت طریقہ پر نکاحوں کا رواج الحمدللہ پڑگیا ہے۔ اس اجتماع میں بھی تقریباً سو (۱۰۰) نکاح ہوئے۔ حضرت جی مدظلہ، نے مختصر بیان کے بعد خطبہ نکاح پڑھا اور مولانا زبیر صاحب نے ایجاب وقبول کروایا اور دعا بھی کروائی۔ حضرت جی مدظلہ، جس وقت بیان فرمارہے تھے پورے مجمع پر ایک غیر معمولی کیفیت تھی۔ اور بلا کسی انتشار کے صبر وسکون سے چالیس ہزار کا مجمع حضرت جی کے بیان کو سن رہا تھا

آخری دن ۱۱ بجے پروفیشنل حضرات (یعنی ڈاکٹرس، انجینئرس، اکاونٹینس پروفیسرس، ٹیچرس اور سرکاری عہدے دار جو ماشاء اللہ کافی تعداد میں شریک ہوئے تھے) کو علیحدہ ایک پنڈال میں جوڑا گیا تھا، ان میں حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری نے بہت خصوصی پر اثر بیان فرمایا، اسی دوران عربوں میں حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب نے عربی میں بیان فرمایا۔

ظہر سے قبل اجتماع کا آخری کھانا کھلایا گیا۔ ظہر بعد حضرت مولانا پالنپوری نے ہدایات دیں، ادھر مولانا کی ہدایات پوری ہوئیں کہ حضرت جی مدظلہ، تخت پر تشریف لے آئے، اس وقت آخری دعا کے وقت مجمع ضرور پچاس ہزار تھا حضرت جی مدظلہ، نے پہلے مختصر بیان فرمایا اور پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ مجمع میں سے لوگوں کے رونے کی آواز آنے لگی، بیس منٹ کی دعا میں عجیب وغریب کیفیات تھیں جو بیان نہیں کی جاسکتیں۔ خود حضرت جی پر جو رقت کی کیفیت تھی یعنی کہ ایسا معلوم ہورہا تھا کہ حضرت پر اور سارے مجمع پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش ہورہی ہے اور لوگ ہچکیاں مار مار کر رورہے تھے اور دعا مانگ رہے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ سے جو جو مانگا اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں۔ دعا پر یہ بابرکت اجتماع ختم ہوا۔

دعا ختم ہوتے ہی لوگ اپنے اپنے شہروں کو واپس ہونا شروع ہوئے، کئی گھنٹوں تک ڈیوزبری کی تمام سڑکیں عجیب وغریب منظر پیش کررہی تھیں۔

پولیس کا محکمہ معطل ہوگیا تھا۔

محکمہ پولیس نے اپنی تحقیقات کی بنا پر بتلایا کہ جملہ مجمع اسیؔ (۸۰) ہزار کا تھا یہاں کے قانون کے مطابق ایسے عوامی اجتماع میں اجتماع کے اندرونی حصہ میں پولیس کا بھی ایک علیحدہ کیمپ قائم ہوتا ہے اس طرح ہم کو بھی ایک مخصوص پنڈال ان کو دینا پڑا جہاں تین دن تک پولیس موجود تھی جو پولیس گھنٹے کے تمام اعمال دیکھ کر وہ بے حد متاثر ہوئے، پولیس کے ایک بڑے افسر کے یہ تاثرات تھے کہ "واقعی خدا کی ذات آپ لوگوں کے ساتھ ہے کہ تین دن موسم اچھا رہا اور اتنے بڑے مجمع میں کسی دو انسانوں کی نہ لڑائی ہوئی، نہ مار پیٹ، نہ گالی گلوچ، پولیس کے پنڈال کے بازو گری پڑی (PROPERTy.LoST) اشیاء کا کیمپ تھا اس سے بھی پولیس والے بے حد متاثر ہوئے کہ لوگ معمولی اور قیمتی ہر قسم کی چیزیں لالا کر داخل کررہے تھے اور جس کو جو چیز ملی خود لے کر غائب نہیں ہورہا تھا اس ملک والوں کے لیے سچائی اور ایمانداری کا یہ عمومی منظر متاثر کن تھا۔

الحمدللہ پورے اجتماع کے تمام انتظام میں ہر طرح خیر وبرکت رہی۔ اور کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا، جس جس کے ذمہ انفرادی یا اجتماعی ذمہ داری لگائی گئی تھی ہر ایک نے اپنی ذمہ داری کو اہمیت کے ساتھ مستعدی اور فرض شناسی کے ساتھ ادا کیا، اور سب اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضا کے لیے کیا جارہا تھا اجتماع میں ہر طبقہ کے حضرات خواص اور عوام شریک تھے ہر رنگ اور ہر زبان کو بولنے والے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اہل حدیث اس اجتماع میں شریک ہوکر اس بات کا ثبوت دے رہے تھے کہ دین اسلام وہ عالمگیر دین ہے جس میں نہ رنگ ونسل کا کوئی جھگڑا ہے نہ قوم وطن کا کوئی تعصب

حضرت آدم علیہ السلام کی یہ اولاد اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ امت بس ایک رشتہ میں جڑی ہوئی ہے اور وہ رشتہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمادیا ہے کہ تم سب بھائی بھائی ہو۔

یوں تو عمومی طور پر ہزاروں مسلمانوں نے اعمال بد سے توبہ کی اور دینداری کی زندگی اختیار کی، مگر اس اجتماع کے بعد تو غیر معمولی اور گہرے اثرات اگر کسی پر پڑے تو وہ یہاں کے نوجوانوں اور طلبہ پر پڑے، یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ اس اجتماع کے بعد آنے والی بڑی چھٹیوں میں تقریباً ۷ ہزار طلبہ اللہ کے راستہ میں جماعتوں میں نکلے اور جماعتوں سے واپس آنے کے بعد یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ کو اسلامی لباس اور خوبصورت نورانی داڑھیوں کے ساتھ دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ بھی کسی دارالعلوم یا دینی مدرسہ سے تعلق رکھتے ہیں"۔ [1]

اجتماع سے فارغ ہو کر حضرت مولانا نے کارگزاری پر مشتمل جو مکتوب مرکز ڈیوزبری سے مرکز نظام الدین ارسال فرمایا اس کو یہاں پیش کیا جاتا ہے:

از ——— ڈیوزبری انگلینڈ منگل ۲۸ جون ۱۹۹۴ء

مکرم جناب مولانا اظہار الحسن صاحب و دیگر احباب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

الحمد للہ ہمارا سفر بہت اچھا رہا۔ طبیعت بھی الحمد للہ ٹھیک ہے۔ ڈیوزبری کا اجتماع بہت اچھا رہا۔ مجمع ۵۰ ہزار کے قریب تھا۔ اتنا بڑا مجمع یہاں پر کبھی جمع نہیں ہوا۔ پانچوں براعظم کے لوگ موجود تھے' اجتماع سے کل ۲۶۴ جماعتیں روانہ ہوئیں۔ مستورات کے اجتماعات بھی ہوئے توبہ وغیرہ بھی کافی مردوں نے اور عورتوں نے کی، یورپ کے ممالک کے مشورے بھی ہو رہے ہیں۔ انگلینڈ کی

---

[1] سہ ماہی مجلہ احوال وآثار کاندھلہ ص۱۶

۲۵۷ جماعتیں، فرانس والوں کی ۹۰ جماعتیں، عرب ممالک کی ۶۰ جماعتیں امریکہ کنیڈا کی ۵ جماعتیں، جنوبی افریقہ کی ۱۰ جماعتیں، تھائی لینڈ کی ۳ جماعتیں، ملیشیا کی ایک جماعت، کل ۴۲۶ جماعتیں روانہ ہوئیں الحمد للہ۔

انگلینڈ کی بیرونی جماعتیں		انگلینڈ کی اندرون کی جماعتیں	
ایک سال کی	۱ جماعت	۳ چلہ کی	۳ جماعتیں
۳ چلہ کی	۱۳ "	۱ چلہ کی	۱۰۴ "
۲ ماہ کی	۶۰ "	ایام کی	۵ "
کل جماعتیں بیرون کیلئے	۱۴۵	کل جماعتیں اندرون کیلئے	۱۱۲

فرانس کی بیرون کے لیے ۵۳ جماعتیں　اندرون کیلئے ۳۷ جماعتیں۔ کل ۹۰ جماعتیں
عرب ممالک کی " ۱۷ "　" " ۴۳ "　کل ۶۰ "

بدھ کے روز ساتھیوں کا مختلف شہروں کا پروگرام بنے گا۔
جمعرات کو لندن کے لیے روانہ ہو کر جمعرات جمعہ لندن میں ان شاءاللہ رہیں گے۔ اور ہفتہ کو دہلی کے لیے روانگی ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ ساتھیوں کو سلام مسنون　فقط　محمد انعام الحسن

بقلم سلیمان مومایا "

اجتماع کے بعد حضرت مولانا کا مرکز ڈیوزبری میں تین روز قیام رہا اس عرصہ میں مختلف ممالک کے ذمہ دار اصحاب نے اپنے اپنے امور و مسائل پیش کر کے آپ سے مشورے لیے اور دینی دعوتی معاملات میں آپ سے رہنمائی حاصل کی۔ چنانچہ ایک ملک کے احباب نے اپنے یہاں کے سنگین اور سخت احوال بتلا کر کام کا نقشہ اور طریقہ دریافت کیا تو فرمایا کہ،

"بقدر استطاعت کام کرتے رہو حکومت سے تعارض بالکل نہ کرو انفرادی ملاقاتیں کرتے رہو۔ اگر ارباب حکومت شب گذاری کو منع کریں تو اس کو بھی چھوڑ دو"

ایسے ہی ایک اور ملک کے احوال سنکر فرمایا،

" دو تین ماہ میں ایک جگہ جمع ہو جایا کریں لیکن اپنا جوڑ جگہ بدل بدل کر کریں صرف اپنی اپنی مساجد میں کام کریں۔ ایک محلہ کے لوگ دوسرے محلے کی مساجد میں یا ایک مسجد کے مصلی دوسری مسجد کے مصلیان میں کام نہ کریں نیز کام کا اظہار نہ کریں بلکہ خاموشی سے کریں۔ اور نکلنے کی ترتیب یہ رکھیں کہ صرف ایک دن کے لیے نکلیں اور اس میں بھی اگر رکاوٹ ہو تو یہ بھی نہ کریں "

۲۸ جون منگل میں آپ باٹلی تشریف لائے اور وہاں کی بڑی مسجد میں بیان و بیعت اور دعا کے بعد ایک جدید مسجد کا سنگ بنیاد رکھ کر ڈیوزبری واپس آگئے اور یہاں جامعہ اسلامیہ (نوٹنگھم) کے مہتمم مولانا محمد کمال خاں اور ان کے ادارہ کے احباب و اساتذہ کی خواہش پر دورۂ حدیث شریف کا آغاز فرمایا اور بخاری شریف کی پہلی حدیث پڑھ کر اس کا مفہوم و مطلب بیان فرمایا۔ اور نیت و وحی کی تشریح فرمائی۔ ۳۰ جون جمعرات میں آپ کی ڈیوزبری سے لیسٹر آمد ہوئی۔ یہاں بھی ایک ذیلی اجتماع تھا۔ جناب شوکت مالجی صاحب یہاں کے قیام میں حضرت مولانا اور ان کے جملہ رفقاء کے میزبان رہے۔

۲۱ محرم ۱۴۱۵ھ (۲ جولائی ۱۹۹۴ء) شنبہ میں لندن سے براہ راست دہلی واپسی ہوئی۔

دعوت و تبلیغ کی نسبت پر یہ حضرت مولانا کا آخری غیر ملکی سفر تھا۔ اس کے بعد آخری سفر حج فرما کر عالم بالا کے الوداعی سفر پر روانہ ہو گئے۔

پندرھواں باب

دعوت کی بصیرت اور اس کا فہم و ادراک

غوّاصِ محبت کا، اللہ نگہباں ہو
ہر قطرۂ دریا میں، دریا کی ہے گہرائی

دعوت کی بصیرت
اور
اس کا فہم وادراک

دعوت کے تقاضوں اور اس کے نشیب وفراز کو سمجھنے میں حق تعالیٰ شانہ نے حضرت جی ثالث حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کو جس درجہ کا کمال وملکہ عطا فرمایا تھا اسی طرح دور بینی و دور اندیشی اور اصابت رائے بھی اعلیٰ درجہ کی مرحمت فرمائی تھی جب جب آپ کی معاملہ فہمی، دقت نظری اور اصابت فکر اپنی تمام تر قوت روحانی اور نورِ ایمانی کے ساتھ جلوہ گر ہوتی تو اچھے اچھے خرقہ پوش آپ کے چہرہ کے نور کی روشنی میں اپنے چاک داماں کی بخیہ گری کر لیا کرتے تھے۔

مولانا محمد یوسف صاحب کے تمام تذکرہ نگار اور وقائع نویس اس بات پر متفق ہیں کہ اُن کے پورے دورِ امارت میں مولانا محمد انعام الحسن صاحب اس دعوت وتبلیغ کے دماغ بن کر رہے۔

مسائل خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے، اندرونی ہوں یا بیرونی، فرد کا مسئلہ ہو یا افراد کا، اجتماع کا مسئلہ ہو یا اجتماعیت کا، مولانا محمد یوسف صاحب بڑے اہتمام کے ساتھ آپ سے مشورے فرما کر ـــــ آپ کی رائے پر عمل فرماتے تھے۔

دعوت وتبلیغ کے ایک قدیم کارکن محترم بھائی خالد سیف اللہ (دہلی) مولانا محمد یوسف

صاحب کی نگاہ میں آپ کے مشوروں کی اہمیت وافادیت اور آپ کی وجہ ترجیح کا ذکر کرتے ہوئے ایک واقعہ اس طرح سناتے ہیں :

"مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے زمانہ میں ہم لوگ مولانا انعام الحسن صاحب سے بہت ڈرتے تھے چونکہ ان کا رعب بہت پڑتا تھا اس لیے ان سے دور دور رہتے تھے لیکن میں نے متعدد مشورے ایسے دیکھے جن میں ساری شوریٰ کی رائے ایک طرف اور مولانا انعام الحسن صاحب کی رائے ایک طرف تھی، لیکن مولانا محمد یوسف صاحب نے سب کی رائے سے ہٹ کر مولانا انعام الحسن صاحب کی رائے پر فیصلہ دے دیا۔ مشورہ کا یہ منظر دیکھ کر مجھے بہت حیرت ہوتی تھی، ایک مرتبہ میں نے تنہائی میں اس کی وجہ مولانا یوسف صاحب سے پوچھی تو فرمایا کہ بڑے حضرت کی زندگی میں سفر وحضر میں ان کے ساتھ رہ کر دعوت کو مولوی انعام نے پیا ہے، خطوط کے جوابات بھی اکثر وہی لکھتے تھے۔ اس زمانے میں میرا ذوق تو حضرت شیخ والا ذوق تھا، ذکر اور مطالعہ وتصنیف۔ بڑے حضرت جب مجھے حکم دیتے تھے تو جماعت میں چلا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں میرے ذمہ بڑے حضرت نے دعوت کے عنوان سے حیات الصحابہ لکھنا طے فرما دیا میں ان دنوں اوپر کے حجرہ میں رہتا تھا۔ ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ بہت سے ٹیلی فون کے تار میرے حجرہ میں آرہے ہیں اور ہر تار کے ساتھ ایک پرچہ چسپاں ہے جس پر کسی ملک کا نام لکھا ہوا ہے۔ میں خواب سے بیدار ہوا تو بڑا خوش ہوا اور میں نے یہ تعبیر لی کہ میری یہ کتاب حیات الصحابہ ان ملکوں میں جائے گی۔ لیکن جب بڑے حضرت سے یہ خواب سنایا تو خوش ہو کر تعبیر دیتے ہوئے فرمایا کہ انشاء اللہ ان ان ملکوں میں تمہارے ذریعہ دعوت کا کام پہنچے گا، لیکن مجھ پر اس وقت بھی کتاب ومطالعہ کا ایسا ذوق غالب تھا کہ میں نے یہ تعبیر سننے کے باوجود دل میں یہی سوچا تھا کہ نہیں ان ملکوں میں میری کتاب جائے گی"۔

دور یوسفی میں آپ کی مثال اس کمانڈر جیسی تھی جو بڑی خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ کسی محفوظ مقام پر

رہ کر اپنے ماتحت عملہ کو برابر متحرک رکھتا ہو اور وقت وقت پر ضروری اور اہم ہدایات و مشورے دے کر ان کی قوت عمل اور نقل و حرکت کو بڑھاتا رہتا ہو۔

اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب امامت و امارت مرحمت فرمایا اور اس کام کا بار بوجھ تن تنہا آپ پر آگیا تو آپ نے عزیمت وجد وجہد اور سرفروشی و قربانی کی ایک ایسی عظیم الشان تاریخ رقم فرمائی کہ دنیا والے آج بھی اس پر حیران ہیں کہ گوشہ گمنامی او کنج تنہائی میں رہنے والے اس مرد درویش نے اس قدر کامیاب بین الاقوامی قیادت اور عالمی رہنمائی کیسے کر دی۔

چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زاد مجدہٗ آپ کے تیس سالہ دورِ امارت میں ہونے والے عظیم تر اور وسیع تر دعوتی عمل پر اپنے تاثرات و احساسات ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

> "حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی جو مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے رفیق کار اور داعی اول حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے خاص معتمد علیہ اور تربیت یافتہ تھے، امیر منتخب ہوئے تو ان کے زمانہ امارت اور قیادت میں تحریک نے بڑی وسعت و کامیابی حاصل کی اور وہ دور دراز ملکوں میں پھیلی اور اس نے اپنے اثرات دکھائے۔ اس میں مولانا انعام الحسن صاحب کی استقامت، روحِ محافظت اور اس جذبہ کو بہت دخل تھا کہ یہ دعوت اپنے اصلی راستہ اور ابتدائے کار کے معمول بہ نظام اور حدود سے تجاوز نہ کرنے پائے اس لیے انھوں نے (اس تحریک کو) انھیں حدود اور دائرہ کار میں رکھا جو ابتداء میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے اس کے لیے مقرر کر رکھے تھے۔" (تعمیر حیات)

اس استقامت، روحِ محافظت یا بالفاظ دیگر دعوتی بصیرت اور اصابت فکر کی سب سے مضبوط اور پختہ دلیل یہ ہے کہ آپ دین کے کسی ایک ہی شعبہ کے ترجمان اور داعی نہیں تھے بلکہ تمام دینی شعبوں اور گوشوں کی مکمل رعایت اور ان کے حقوق کی ادائیگی

کے ساتھ ساتھ اس دعوت وتبلیغ کے ذریعہ ایک صالح معاشرہ اور اعمال سے مالامال ایک خالص دینی وروحانی ماحول پیدا کرنا چاہتے تھے چنانچہ آپ مختلف مجالس واجتماعات میں بڑے اعتماد ووثوق کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ:

"ہم اس دعوت والے کام کے ذریعہ یہ چاہتے ہیں کہ جس وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے پردہ فرمایا اس وقت جو اس امت کی (دینی وایمانی) حالت تھی اس حالت پر تمام امت آجائے"

اسی طرح آپ کی دعاؤں میں یہ فقرہ کہ " اے اللہ اس نقل وحرکت کے ذریعہ دین کے تمام شعبوں کو زندہ فرما" اس بات کو پورے طور پر واضح کرتا ہے کہ آپ کی نگاہ پورے دین پر تھی اور اس دعوت کے ذریعہ پورے دین کے احیاء کی کوشش آپ کے پیش نظر تھی ۔ موجودہ زمانہ میں دین کی حیات کے جتنے شعبے اور طریقے ہیں خواہ وہ درس وتدریس ہو یا تصنیف وتالیف اور وعظ وارشاد، دینی مدارس اور علمی جامعات ہوں یا سلوک واحسان کی راہ سے تزکیہ وتجلیہ اور بیعت وطریقت ، حضرت مولانا کا ان سب شعبوں سے براہ راست اور بہت قریبی تعلق تھا ۔ آپ نے حکمت وتدبر کے ساتھ ہمیشہ اس کی کوشش فرمائی — کہ دعوت وتبلیغ کی شکل میں چلنے والا یہ عمل نبوت دین کے ان تمام شعبوں کے ساتھ مربوط ہوکر چلتا رہے تاکہ ایک کو دوسرے سے تقویت پہونچے۔

دعوت وتبلیغ کی راہ سے دین کے معاملہ میں آپ کا طرز فکر صرف اسلام کے چند ارکان کو زندہ کرنا نہیں تھا بلکہ روشن ضمیری کے ساتھ اس دینی غیرت اور ایمانی حرارت کو پیدا کرنا تھا جو ایک مسلمان کو ایمان ویقین کی بھرپور دولت عطا کرکے اعمال واخلاق کی لائن سے اس کو —— اتنا مضبوط کردے کہ جلوت وخلوت میں اس کا رابطہ برابر خدا کے ساتھ قائم رہے ۔ نیز دعوت وتبلیغ کی راہ سے آپ کا اصلی ذوق ووجدان یہ تھا کہ امت کو اعمال صالحہ پر کھڑا کیا جائے اور ان میں دین کے بنیادی واساسی اعمال، نماز، ذکر وتلاوت، تسبیحات، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کا شوق پیدا کیا جائے ۔ اسی فکر ونظریہ کے تحت آپ اپنی تقریروں وتحریروں میں اعمال پر خصوصی توجہ صرف فرماتے تھے اور چاہتے تھے کہ امت کے اندر سو فیصد اعمال زندہ ہوجائیں ۔ بالخصوص اسلام کے

بنیادی اور اساسی فرض نماز کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اتنی محنت کی جائے کہ ہر علاقہ میں سو فیصد نمازی بن جائیں۔ ایک موقع پر آپ نے اسی طرز فکر و نظریہ کی وضاحت میں یہ فرمایا تھا کہ ہم تینوں کے زمانہ میں مختلف چیزوں پر زور رہا ہے۔ بڑے حضرت جی (حضرت مولانا الیاس صاحبؒ) کے زمانہ میں آخرت اور جنت وجہنم پر زور تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے زمانہ میں قربانی اور مجاہدات پر زور رہا۔ اور میرے زمانہ میں اعمال پر زور ہے۔

جناب پروفیسر کلیم عاجز صاحب (پٹنہ بہار) دعوت وتبلیغ کی ستر سالہ تاریخ کے آغاز، تقابلی عروج اور عروج، نیز اسکے پہلے، دوسرے اور تیسرے دور کے درمیان باہمی ربط واتصال کے ساتھ ساتھ ایک لطیف فرق و خطِ امتیاز اور حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کی دعوتی بصیرت اور ان کی حقیقت ومعنویت سے بھرپور تقاریر پر اجلی اور صاف ستھری زبان میں اپنا ایک مبنی بر حقیقت تجزیہ ان الفاظ کے ساتھ سپردِ قلم کرتے ہیں:

”قانونِ ارتقاء کے تین منازل ہیں۔ پہلی منزل آغاز، دوسری منزل تقابلی عروج اور تیسری منزل عروج۔ اب یوں سمجھئے کہ کسی بھی چیز کا آغاز اس کی تخلیقی منزل ہے۔ تقابلی عروج اس کا دور نشو ونما ہے۔ اس کے بعد شباب ہے جہاں پہنچ کر نشو ونما رک جاتا ہے اگر فکر سے شباب کو قائم رکھنے کی کوشش ہوئی تو شباب کا ٹھہراؤ قائم رہتا ہے اور شباب کی کوئی معین مدت نہیں ہے۔ یہ ــــ حالات پر قابو پانے کے وسائل پر منحصر ہے ورنہ کمال کے بعد زوال کا دور شروع ہوجاتا ہے۔ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کا دور اس محنت کے آغاز اور اس کے نشو ونما کا تھا۔ حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کا آخری دور اور حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی امارت کا اول دور اس محنت کے شباب اور عروج کا ہے ۱۹۷۰ء کے بعد مجھے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ حضرت جی ثالثؒ کی فکر اس شباب کے ٹھہراؤ کو قائم رکھنے کی طرف بہت مائل ہے ان کی ہر بات اور گفتگو سے یہ حقیقت

مترشح ہوتی تھی کہ اب وہ کام کے پھیلاؤ سے زیادہ کام کرنے والوں میں ان صفات کو پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہیں جن کے ذریعہ اس محنت کے شباب میں ٹھہراؤ اور استحکام پیدا ہو سکتا ہے۔ جماعتوں کی روانگی کی ہدایات میں بس ایک ہی پیغام ان کا نظر آرہا تھا کہ قربانی کے معیار کو تیز کرتے ہوئے خدا کے تعلق کو بڑھاتے ہوئے، اعمال میں اخلاص پیدا کرتے ہوئے تقویٰ کی صفت سے خود کو آراستہ کرتے ہوئے مخلوق خدا میں اس محنت کو عام کرو۔ میرے حافظہ میں اس کے علاوہ اور کوئی مرکزی پیغام حضرت جی رح کے ارشادات اور ہدایات میں نظر نہیں آتا۔

حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی امارت کا بالکل آغاز تھا کہ بجنور میں اجتماع کی تاریخ آگئی، اجتماع کی تیاری زور وشور سے ہو رہی تھی میں بھی قافلہ کے ساتھ بجنور روانہ ہو گیا۔ دوسری صبح سے اجتماع شروع ہوا اس اجتماع میں آخری دن پھر حضرت جی کا مختصر بیان ہو کر دعا ہوئی اس نہایت مختصر بیان نے میرے حافظہ میں یہ بات محفوظ کر دی کہ حضرت جی کا بیان تقریر نہیں ہے بلکہ وہ کام کا خلاصہ بیان فرما دیتے ہیں، سادہ جملے اور گنے چنے چند جملے جن میں حقیقتوں کی روح سمائی ہوئی ہوتی۔ جیسے اردو شاعری میں میر تقی میر کے سادہ اشعار، ان اشعار کی سادگی اور اختصار و ایجاز کا یہ حال ہے کہ غالب کے زمانہ کے چند اساتذہ جن میں صدر الصدور صدر الدین آزردہ، حکیم آغا جان، عیش مومن خاں مومن وغیرہ ایک دن ایک ساتھ میر کے ایک شعر پر غزل یا شعر لکھنے کو بیٹھے اسی دوران ایک مشترک دوست ان حضرات کے پاس آگئے اور پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے تو صدر الدین آزردہ نے کہا کہ قُلْ هُوَ اللّٰہ کا جواب لکھ رہے ہیں اور وہ شعر یہ تھا ؎

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے تار اور گریباں کے تار میں

اس اجتماع میں ظہر کے بعد خواص کا ایک اجتماع ہوا جس میں پرانے کام کرنے والے بھی تھے وہاں میں نے حضرت جی رح کو بالکل قریب سے آمنے سامنے دیکھا ان کی آنکھیں دیکھیں اور بھرپور دیکھیں جنہیں پہلے بھی دور سے دیکھا کرتا تھا۔ نزدیک سے غور سے دیکھا تو ایسا لگا کہ میں ان آنکھوں کے اتھاہ سمندر میں ڈوب جاؤں گا میں ان آنکھوں کے اندر کی وسعت بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے اس کی تعبیر اس وقت یہی لی کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کے زمانہ میں محنت جہاں سے چل کر جہاں تک پہونچی اور اب جو چل رہی ہے وہ سب ان وسیع اور بسیط آنکھوں میں محفوظ ہے جیسے کوئی خزانے کو محفوظ رکھنا چاہے میں نے مولانا یوسف صاحبؒ کی آنکھیں بھی دیکھی ہیں، ایک داعی اور ایک مجاہد کی آنکھیں بے خوف اور بے نیاز جیسے کسی نے دنیا کو تول کر دیکھا اور پھر حقارت سے بے وزن سمجھ کر پھینک دیا جس کی زندگی میں نہ کسی کی اہمیت داخل ہوتی ہے نہ کسی کی قیمت، نہ کوئی خوف نہ خطرہ اُن کی آنکھوں میں مجھے علامہ اقبال کے اس شعر کی تصویر نظر آئی ؎

آئین جوانمردی، حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

اور حضرت جی ثالث رح کی آنکھوں میں مجھے بے اختیار علامہ اقبال کا یہ شعر جھلکتا تھا ؎

باغِ بہشت سے مجھے اذنِ سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

مجھے حضرت جی کی آنکھوں میں یہی کار جہاں دراز ہے کی وسعت اور پنہائی نظر آئی تھی کہ دنیا بھر میں ہونے والا یہ کام اتنا بڑھ گیا ہے اب اس کو کیسے سنبھالا جائے، اسے کس طرح محفوظ رکھا جائے۔ اس درد

وکڑھن نے آپ پر فہم کا اور بصیرت کا دروازہ کھولا۔ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے اس محنت کو فکر کی دولت عطا کی۔ حضرت مولانا یوسف صاحبؒ نے اس محنت کو عجیب وغریب زبان بخشی، اور حضرت جیؒ نے اس محنت کو بصیرت کی پونجی سے نوازا۔ بہت سے نکتے بہت سے معنویت سے لبالب جملے فرماتے رہتے تھے جن کا مفہوم عموماً یہی ہوتا تھا کہ اب کام کو سنبھالنے اور محفوظ رکھنے کی بہت ضرورت ہے۔ حضرت جیؒ کی کم سخنی بلکہ خاموشی اس حقیقت کی دلیل معلوم ہوتی ہے کہ بہت کچھ کہا جا چکا بہت کچھ بولا جا چکا وہ بول محفوظ ہیں کانوں میں بھی اور دلوں میں بھی — اب — الفاظ کی زیادہ ضرورت نہیں، اب نہ زبان کو زیادہ بولنے کی ضرورت، نہ خیمہ وخرگاہ کی ضرورت، نہ مال وسامان کی ضرورت، اب تو آہ نیم شبی اور نالۂ سحر گاہی کی ضرورت ہے۔ دلِ بے نیاز ومستغنی کی ضرورت ہے، خاموش قربانی اور محنت کی ضرورت ہے اب یہی چیزیں روشن ضمیری اور بصیرت پیدا کریں گی اور یہی سامان اس کے استحکام کا ذریعہ بنے گا۔

میں تو بہت غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں اور یہ سمجھا ہوں کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا دور "فکر کا دور" تھا اور حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کا دور جوش کا تھا اور حضرت جیؒ کا پورا دور ہوش پر مبنی تھا اس دعوتی محنت کے معاملہ میں حضرت جی کی بصیرت بڑی قابلِ رشک تھی۔ ہم لوگوں پر کبھی کبھی حیرت واستعجاب اور خوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی جب ہمارے سامنے حضرت جیؒ سے کوئی استفسار کیا جاتا اور حضرت ایک یا دو جملے ایسے فرما دیتے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر جواب ناممکن تھا اور کبھی وہ مختصر وضاحت فرما دیتے تو وہ جواب فراست اور بصیرت کا بہترین مرقع ہوتا۔ مرکز کے بعض احباب اس مختصر وضاحت کو "کھولنے"

کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے کہ حضرت نے پھر اس جملہ کو اس طرح کھولا تو یہ کھولا (لفظ) ایسا ہی لگتا جیسے کہ فراست اور بصیرت کی کوٹھری کا گویا دروازہ کھل گیا

اب کیا بتلائیں کہ اُن کے چلے جانے کے بعد رہ رہ کر یہ خیال آتا ہے کہ — ہم نے حضرت جیؒ سے محبت تو کی ہے لیکن کام کے سلسلہ میں حضرت کی منشار فراست و بصیرت سے کم فائدہ اٹھایا ہے۔ دوسرے معنوں میں یہ کہ ہم نے حضرت جیؒ کی قدر نہیں کی، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے آمین۔

حضرت جیؒ کی دینی و فکری اور دعوتی بصیرت سے استفادہ نہ کرنے کا ایک سبب شاید یہ بھی ہو کہ حضرت جیؒ کی ذات و شخصیت میں جو کشش تھی وہ کبھی کبھی ہمارے ذہن و قوت کارکردگی کو مفلوج کر دیتی تھی۔ اور شخصیت کی اس کشش کے بہت سے واقعات میرے دماغ و حافظہ میں محفوظ ہیں[1]"۔
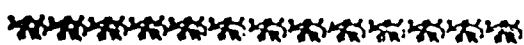
دعوتی ذہن و فکر کی تعمیر و تشکیل، نیز پوری دنیا میں پھیلے ہوئے لاکھوں لاکھ اصحاب دعوت و تبلیغ کے معاملات سمجھنے اور — انکو مشورہ دینے، الجھے ہوئے مسائل میں دنیا بھر کے مراکز تبلیغ اور ان میں متعین و نامزد اصحاب شوریٰ کو اپنی اجتماعیت برقرار رکھنے اور کام کو صحیح نہج پر چلاتے رہنے کے لئے جو زرّیں ہدایات اور قیمتی مشورے آپ عمر بھر دیتے رہے انکا ایک منتخب نمونہ اور جامع مرقع اس باب میں پیش کیا جاتا ہے

ارشادات و فرمودات اور اصول و آداب کی وضاحت میں پیش کی جانے والی یہ تمام تفصیلات (جن سے آپ کی دعوتی فہم و بصیرت بخوبی آشکارا ہوتی ہے) آپ کے مکاتیب و ارشادات و فرمودات اور تقاریر کے اہم اور مفید اقتباسات سے ترتیب دی گئی ہے۔

اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ ان تمام احباب دعوت و اصحاب تبلیغ کو جزائے خیر عطا فرمائے جن کی

---

[1] اقتباس مکتوب پروفیسر صاحب موصوف بنام مصنفِ کتاب۔

ارسال کردہ معلومات سے یہ مضمون مرتب ہوا۔

دعوت و تبلیغ کے چھ نمبر

دعوت و تبلیغ کے چھ نمبر (یعنی کلمہ، نماز، علم و ذکر، اکرام مسلم، اخلاص نیت، اور تفریغ وقت) کے متعلق بعض ناواقف لوگوں کا تاثر یہ ہے کہ دین کو ان ہی چھ باتوں میں محدود و منحصر کر دیا گیا ہے، حضرت مولانا اس کی تردید کرنے کے بعد ان چھ نمبروں کی غرض و غایت اسطرح بیان فرماتے ہیں۔

"ہماری اس دعوت کی غرض جمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زندگیوں میں آجانا ہے وہ ناسمجھ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے دین کو چھ نمبروں میں محدود کر دیا ہے۔ اس دعوت کی غرض یہ ہے کہ حضور پاک علیہ السلام جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ زندگیوں میں آجائے۔ ان چھ نمبروں کی محنت کی غایت بھی یہی ہے۔ احکامات الٰہیہ میں ادنیٰ و اعلیٰ ہونا یہ ایک دوسرے کے اعتبار سے ہے باقی نفس عمل کے اعتبار سے کوئی ادنیٰ نہیں ہے۔ آج کل لوگ کہہ دیتے ہیں کہ میاں سنت ہی تو ہے، ایک عارف کا مقولہ ہے کہ ہاں وہ تو سنت ہے لیکن تمہارا لہجہ کافرانہ ہے۔

ایک موقعہ پر فرمایا کہ یہ چھ نمبر مقرر بنانے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ہیں کہ ان کے ذریعہ خدا کا یقین اور معرفت حاصل کرنے کی فکر پیدا ہو۔ یہ چھ نمبر پورے دین پر چلنے کی استعداد پیدا کرنے کے لئے ہیں۔ ان پر محنت کرنے سے جتنا ایمان بڑھے گا اتنا ہی خدا کے احکامات پر چلنے کی استعداد پیدا ہوگی اور جتنا ایمان میں ضعف آئے گا اتنا ہی خواہشات پر چلنے کا مزاج بنے گا۔

حضرت مولانا اپنی تقریروں اور مجلسوں میں مختصر اور بچے تلے الفاظ میں ان چھ نمبروں کو اس طرح بیان فرمایا کرتے تھے۔

"کلمہ اور نماز کو لے کر علم الٰہی اور ذکر الٰہی کے ساتھ اپنا حق معاف کرتے ہوئے اللہ کی مخلوق کا حق ادا کرتے ہوئے اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے گلی در گلی پھریں گے محلہ در محلہ پھریں گے، گاؤں در گاؤں پھریں گے۔"

حضرت مولانا نے مختلف مواقع پر ان چھ نمبروں کی جو توضیح و تشریح فرمائی ہے اس کو ترتیب وار یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) **کلمہ**

فرمایا: کلمہ ایک زندگی لیے ہوئے ہے۔ اس کے اندر اللہ جل شانہ نے برکات وانوار رکھے ہیں۔ کلمہ والی اور ایمان والی زندگی یہ ہے کہ اللہ کے حکم اور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقے پر عبادت، معاشرت، اخلاق اور معاملات آجائیں۔ ایمان کے اندر قوت اعمال سے آتی ہے اور نافرمانی اور گناہ سے ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔

فرمایا: کلمہ کا ظاہر اس کے الفاظ کا ٹھیک ہونا ہے اور اس کا باطن یہ ہے کہ اسکا مفہوم اور یقین دل میں جم جائے۔ کلمہ جنت کی کنجی ہے۔ اور باقی اعمال اس کے دندانے ہیں۔ تو جب یہ جنت کی کنجی ہے تو بلا محنت کے کیسے حاصل ہوگا۔ آج ہمارا کلمہ کے اوپر یقین اتنا کمزور ہے کہ وہ ہمیں حرام سے بھی نہیں روک پا رہا ہے۔ اس پر محنت کی جائے تاکہ اس میں حقیقت آئے۔

فرمایا: ہمارے کام کی جان قربانی اور اخلاص ہے۔ قربانی ہو اور اللہ کے لئے ہو۔ تعیش، سہولت پسندی اور اعراض نہ ہوں۔ یہ ہمارا کام ہر طبقہ اور ہر ملک کیلئے ہے۔ اور سب کے لئے پہلی سیڑھی کلمہ ہے۔ کلمہ کے درجات لامحدود ہیں، لامعبود الا اللہ سے شروع ہو کر انتہائی ترقی کر کے لاموجود الا اللہ تک پہونچتا ہے۔

(۲) **نماز**

فرمایا: نماز کی لائن سے عبدیت والا تعلق درست ہوتا ہے۔ ذکر تسبیح سے خدا کا دھیان جمتا ہے۔ کلمہ کی دعوت سے یقین صحیح ہوتا ہے۔ اکرام اور خدمت گزاری سے خدا کی مخلوق کے ساتھ معاشرت اور برتاؤ درست ہوتا ہے۔ ذکر و نماز سے خالق کے ساتھ تعلق ٹھیک ہوتا ہے اور اکرام سے مخلوق کے ساتھ کا تعلق ٹھیک ہوتا ہے۔ کلمہ اور یقین سے خالق و مخلوق دونوں کا تعلق ٹھیک ہوتا ہے اور تعلیم کے حلقوں میں بیٹھنے سے اعمال کی قیمت کا پتہ چلتا ہے [۱]

ایک مرتبہ فرمایا: نماز پورے دین پر چلنے کے لئے مثل دروازے کے ہے۔ نماز

---

[۱] ارشاد بموقعہ جوڑ کارکنان ہند، مورخہ ۲۳، ۳، ۱۹۸۷ء

کے فریضہ پر اگر عمل کر لیا جائے تو خدائے پاک بقیہ دین پر عمل کرنے کی توفیق دیں گے۔ نماز کو جی لگا کر پڑھنا اور نماز کو جاندار بنانے کی محنت کرنا بہت ضروری ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا صلوا کما رایتمونی اُصلی، یعنی ظاہر اور اندرون کے اعتبار سے میری طرح نماز پڑھو، نماز عملی کلمہ ہے۔ کلمہ میں اللہ کی عبادت کو آپ کے طریقہ پر کرنے کا اقرار ہے۔ اور نماز اس کی عملی مشق ہے۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ نماز منکرات سے روکنے کا سلبی طریقہ کے بجائے ایجابی طریقہ ہے۔

ایک مرتبہ نماز کی ترغیب پر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تارک صلوٰۃ کے استخفاف کے بجائے اس کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہیئے۔ شفقت و محبت کے ساتھ اس کو اللہ کے اس فریضے پر لانے کی کوشش کرنا ہے۔ نماز اتنی قیمتی چیز ہے کہ اللہ نے دیگر احکامات تو حضرت جبرئیل کے ذریعہ دنیا میں بھیجے لیکن نماز اپنے نبی کو معراج میں اپنا قرب خاص عطا فرما کر مرحمت فرمائی۔

(۳) علم و ذکر

فرمایا! ہر چیز کا ایک ظاہر ہے، ایک باطن۔ ذکر کا ظاہر تسبیح پڑھنا ہے اور اس کا باطن یہ ہے کہ جو پڑھ رہا ہے اس کا دھیان ہو، اسی طرح تعلیم کا ظاہر کتاب پڑھنا ہے اور اس کا باطن یہ ہے کہ ان کیفیات کے ساتھ بیٹھے جو اس کتاب میں بتلائی اور پڑھی جا رہی ہے۔

فرمایا! جتنا فضائل کا علم آتا جائے گا اتنا ہی ان عملوں پر چلے گا جن سے خدا تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔ بارش کا پتھر پر اثر نہیں ہوتا، زمین پر ہوتا ہے۔ دل کی سختی پتھر سے زیادہ سخت ہے۔ دل نرم ہوگا تو بات اثر کرے گی۔ اللہ کا نام لینے سے دل نرم ہوں گے۔ تو جنت و دوزخ کی بات دل میں اثر کرے گی۔ دل میں نرمی لانے کے لئے اللہ پاک کا نام لینا ہے، تسبیحات کی پابندی کرنی ہے۔

(دل کے اعتبار سے نفس اثبات یعنی اللہ سے ہونے کا اور مخلوق سے نہ ہونے کا یقین سیکھنا ضروری ہے)۔

فرمایا۔ تعلیم سے دل میں نور اترنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور مجاہدات سے

وہ نور راسخ ہوجاتا ہے۔ تعلیم دعوت کا نور ہے۔ تعیش وآرام طلبی سے استعداد نہیں بنتی۔ بلکہ مجاہدہ سے استعداد پیدا ہوتی ہے۔

فرمایا۔ فضائل علم کا تعلق ایمانیات سے ہے۔ آج ہمیں اس کی قیمت کا پتہ نہیں ہے ہر چیز کی قیمت معلوم ہے لیکن دینی عمل کی قیمت کا پتہ نہیں ہے۔ ذکر میں سب سے اونچی چیز لاالٰہ الا اللہ ہے لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ اس پر خدا کے یہاں سے کیا ملتا ہے۔ ساری دنیا کو سونے سے بھر دیا جائے تو اس سے آدمی دوزخ سے نہیں بچ سکتا۔ لیکن اس کلمہ کو سچے دل سے کہنے پر وہ دوزخ سے بچ جائے گا۔

فرمایا۔ اجتماعی وانفرادی اعمال اللہ جل شانہ کے ذکر کے ساتھ اور اللہ کے وعدوں پر یقین کے ساتھ اگر کئے جائیں تو اس سے ہمارے اندر نور کی کیفیت پیدا ہوگی۔[1]

فرمایا۔ ذکر کا اہتمام کیا جائے۔ جتنا ذکر اہتمام سے کیا جائے گا اتنا دھیان پیدا ہوگا اور جتنا دھیان پیدا ہوگا اتنا ہی خدا کا حکم پورا کرنے کی فکر ہوگی، اور جتنی فکر ہوگی اتنا ہی صحیح کرنے کا خیال ہوگا۔

(۴) اکرام مسلم

فرمایا۔ اکرام کے معنیٰ یہ ہیں کہ حقوق سے زیادہ دے تب تو اکرام کہلایا جائے گا۔ ورنہ حق کی ادائیگی، تو واجب کی ادائیگی ہوتی ہے اور اکرام واجب سے آگے کی چیز ہے۔ اکرام کی مشق ہو تو حقوق کی ادائیگی آسان ہوجاتی ہے، آج تو ہم لوگوں سے حق ہی کی ادائیگی نہیں ہوتی۔ پھر بھلا اکرام جو اس سے آگے کی چیز ہے وہ کیسے ہوگا؟

فرمایا۔ اکرام کا ظاہری پہلو یہ ہے کہ مخلوق پر شفقت اور ترس کھائے۔ اور دنیاوی تکلیفوں سے اس کو بچا کر اس کو سہولت پہونچائے۔ اور اکرام کا باطن یہ ہے کہ اس کو آخرت کی مصیبت سے بچانے کی فکر کرے۔ یہ ساری چلت پھرت ظاہر اکرام اور باطن اکرام کو دل میں اتارنے کے لئے ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ ظاہر میں پابند شریعت بنے اور باطن میں اس کے اتارنے

---

[1] ملفوظ بموقعہ آمد کارکنانِ امریکہ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۵ء، بحوالہ ملفوظات واقتباسات از مفتی روشن صاحب

کی فکر کرے، یعنی ظاہر سے شروع کرکے باطن تک پہونچے ۔

فرمایا ۔ اخلاق کی درستگی سے غیروں کے لئے اسلام کا دروازہ کھلے گا۔ اور آپس کے اختلافات دور ہوں گے ۔ اس لئے اخلاق کی درستگی اور حقوق کی ادائیگی کی فکر کرو۔

فرمایا۔ اکرام کا مسئلہ بڑا نازک ہے ۔ ذرا سی بے اکرامی سے اعمال کا ثواب دوسروں کو مل جاتا ہے ۔ قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائے گا جس کے ساتھ صدقات خیرات، نماز، روزہ سب کچھ ہوگا ۔ لیکن کسی کو گالی دی ہوگی، کسی کا حق دبایا ہوگا، تو وہاں اس کے یہ اعمال ان لوگوں پر تقسیم کر دیئے جائیں گے اور یہ نیکیوں والا خالی ہاتھ کھڑا رہ جائے گا ۔ اس لئے اپنے اعمال کی حفاظت کے لئے بھی اکرام کی مشق ضروری ہے۔ کسی کے ساتھ بے توقیری اور بے اکرامی نہ کی جائے بلکہ اکرام کے ساتھ اس کو دعوت دی جائے ۔

(۵) اخلاص نیت

فرمایا ۔ اخلاص یہ ہے کہ خدائے پاک کو راضی کرنے کیلئے اعمال کئے جائیں اور اخلاص دعوی کی چیز نہیں ہے، بلکہ حاصل کرنے کی چیز ہے ۔ اللہ نے اخلاص کے بارے میں فیصلے کا کسی کو اختیار نہیں دیا۔ قیامت کے دن اللہ ہی اس کا فیصلہ کریں گے ۔ اخلاص کے بارے میں ہر ایک کو فکرمند ہونا ہے ۔ اور موت سے پہلے پہلے اس کو حاصل کرنا ہے ۔

فرمایا ۔ اخلاص نیت آسان بھی ہے اور نازک بھی ہے، اس کی نزاکت کا ہر وقت فکر کرتے رہنا چاہیئے ۔ ذرا سی بے پرواہی سے بات جاتی رہتی ہے ۔ اپنی کوتاہیوں کو سامنے رکھ کر دعائیں مانگتے رہیں ۔ اور اپنی بساط بھر کوشش کرتے رہیں موت تک بھی اگر نیت صحیح ہوجائے اور قبولیت حاصل ہوجائے تو ہم کامیاب ہیں ۔ بس لگے رہنا ہے اور صحیح عمل اور صحیح نیت کی کوشش کرتے رہنا ہے ۔ اللہ پاک سے امید ہے کہ وہ قبول فرمالیں گے ۔

ایک مرتبہ امریکہ کے کام کرنے والے احباب کا مرکز میں جوڑ تھا ۔ اس میں نیت کی درستگی

اور تواضع پر متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

" اگر تمہارے اندر نیت صرف دوسروں کی اصلاح کی ہوگی تو اپنی اصلاح سے غافل ہو جاؤ گے۔ پھر چاہے کام زیادہ ہوتا ہوا نظر آئے لیکن کام میں جان نہیں ہوگی۔ کام میں جان آتی ہے کام کرنے والے کے تواضع کرنے سے اور اپنے آپ کو محتاج سمجھنے سے" [1]

۔ ایک موقعہ پر جب کہ پوری دنیا کے کارکن بنگلہ دیش دکرائل مرکز میں جمع تھے، اخلاص کی اہمیت ضرورت پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"سب سے پہلی چیز اخلاص ہے۔ اس کو ٹٹولتے رہنا ہے، اس کی فکر اور کوشش میں لگے رہنا ہے۔ اور یہ اخلاص ایسی چیز ہے کہ کسی بھی وقت میں جا کر اس سے مطمئن نہ ہونا بلکہ موت تک اس کی فکر اور اس کی کوشش کرتے رہنا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس بات سے ہمیشہ ڈرتے تھے کہ کہیں ہم منافق تو نہیں ہیں۔ ابن ابی ملیکہ ایک تابعی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ لقد ادرکت ثلاثین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلھم یخاف النفاق علی نفسہا، یعنی میں تیس صحابہؓ سے ملا ہوں لیکن وہ سب کے سب اپنے اوپر نفاق سے ڈرتے تھے"۔ لہذا اپنے بارے میں یہ اطمینان اور اعتماد کر لینا کہ میں تو اخلاص ہی سے کر رہا ہوں اس کا ہمیں حق نہیں ہے۔ یہ فیصلہ تو خدائے پاک فرمائیں گے کہ کون اخلاص والا ہے۔ اور کون اغراض والا ہے۔ بس ہمیں تو ہر آن اسی ٹوہ اور اس فکر میں رہنا ہے کہ ہماری کوئی غرض تو اس میں شامل نہیں ہو گئی۔ اپنے اوپر مطمئن ہو جانا خسارہ کا راستہ ہے۔ فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون، [2]

نیت کی بلندی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا! آدمی محنت تو اتنی کرے جتنی اس کے بس میں ہے لیکن نیت اونچی رکھنی چاہیئے اس لیے کہ اللہ جل شانہٗ نیت کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں جس وقت جس طرف ضرورت ہو اُس وقت اُدھر کی ضرورت پوری کرنا اجر کو بڑھا دیتا ہے۔

---

[1] بموقع آمد کارکنان امریکہ، ۲۵ راکتوبر ۱۹۹۰ء بحوالہ ملفوظات واقتباسات از مفتی محمد روشن صاحب۔ [2] بموقع اجتماع سالانہ بنگلہ دیش ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۵ء۔

ایک موقع پر اخلاص کے ساتھ اس دعوتی عمل میں لگنے سے اپنے اندر پانچ صفات پیدا ہونے کو اس طرح بیان فرمایا :

اخلاص کے ساتھ اگر لگیں رہیں گے تو ہمارے اس دعوت کے کام سے عبادات میں جان پڑے گی، معاملات درست ہوں گے، معاشرت صحیح اور پاکیزہ بنے گی، اخلاق بلند ہوں گے اور ایمانیات میں پختگی آئے گی۔ یہ کام اگر اخلاص کے ساتھ کریں گے تو ان پانچوں اعمال میں طاقت آئے گی، ہمارے معاملات ایسے ہوں کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ تبلیغ والے، یہ دعوت والے ہیں۔ ہر کام کرنے والا اپنے اندر غور کرے کہ یہ پانچوں چیزیں ــــ میرے اندر آرہی ہیں یا نہیں اگر نہیں آرہی ہیں تو اپنے اوپر محنت کر کے ان کو اپنے اندر لانا ہے جو جتنی محنت کرے گا اتنی ہی ترقی کرے گا۔

یہ دعوت والا عمل اندر کی صفات اخلاص اور سچائی کے ساتھ چلے گا چاہے ظاہری اسباب کی کمی ہو، اس راہ میں اپنی کمی پر اور خامی پر نظر کرنا ہی کمال کا ذریعہ ہے جو شخص اپنی کمی پر نظر نہیں کرتا اس میں کمال بھی پیدا نہیں ہوتا۔

ایک مجلس میں جس میں اہل علم بھی موجود تھے اور کارکنان بھی تھے۔ ارشاد فرمایا۔ اس کام کی جان اخلاص اور استخلاص میں ہے، اخلاص کے ساتھ اگر یہ کام کیا جارہا ہو، چاہے وہ تھوڑی ہی ہو تو وہی اصل ہے۔ اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے کیا جارہا ہو اور یہ اخلاص ہر عمل میں آرہا ہو۔ اور دوسری چیز استخلاص ہے وہ یہ ہے کہ یکسوئی کے ساتھ اس کام میں لگے رہیں کسی دوسری طرف نہ جائے اگر کوئی ٹانگ پکڑ کر کھینچے تو بھی نہ جائیں۔

جو اپنے جذبات کو اللہ کے دین کے تقاضوں پر اخلاص کے ساتھ قربان کر دے۔ اللہ کی مدد اس کے ساتھ ہو جائے گی۔ انسان جب طبیعت کے خلاف اللہ کے دین کے ــ تقاضوں پر قدم اٹھاتا ہے تو ظاہر کے خلاف اللہ کی مدد آجاتی ہے، دین کے تقاضوں کو ــ دیکھتے ہوئے چلیں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری ضروریات کا غیب سے تکمیل فرمائے گا اللہ تعالیٰ نے جو زندگی گذارنے کا طریقہ بتایا ہے وہی دین ہے، دین سراسر عمل ہے وہ باتوں کا نام نہیں ہے، کام کا نام ہے۔

(٦) تفریغ وقت

فرمایا مال اور جان کو مسلمان اپنی ملک سمجھ کر خرچ نہ کرے بلکہ جان ومال کو اللہ کی امانت سمجھے اور خدا کے حکم کو سامنے رکھ کر اپنا وقت فارغ کرکے اس کو خرچ کرے۔ جان ومال کا سب سے مقدم خرچ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہے۔ پھر امت کی ضرورتوں اور احوال پر خرچ کرنا ہے۔ یہ چار ماہ اور چلہ اس کی مشق کے لئے ہے کہ پوری جان اور مال اللہ کے حکم پر خرچ کرنا آجائے

دعوت اور داعی

حضرت جیؒ کی زندگی کا اصل مقصد اور نصب العین دعوت تھا۔ چنانچہ آپ کے تمام اعمال واشغال اسی کے گرد گھومتے تھے۔ آپ خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں یہی فکر وجذبہ آپ پر طاری رہتا تھا۔ اور قانون الٰہیہ یہ ہے کہ وہ فکر پر دروازہ کھولتے ہیں۔ چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ اسی فکر اور کڑھن کے صلہ میں آپ پر اللہ جل شانہ نے کیسے کیسے ابواب خیر مفتوح فرمائے۔ اور دعوت کے کیسے کیسے حکیمانہ طور وطریقے آپ پر منکشف فرمائے۔

اس مقام پر دعوت ـــــ اور داعی کے تعلق سے آپ کے ارشادات وفرمودات کا ایک انتخاب پیش کیا جاتا ہے امید ہے کہ دعوت سے وابستہ حضرات ان سے پورا فائدہ اٹھائیں گے۔

ایک موقعہ پر دعوت کی حقیقت اور اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

"دعوت وہ محنت ہے کہ جس کے کرنے سے خدا کے بندوں میں ایمانی زندگی آجائے. ـــــ اِس محنت کے کرنے والوں کو تکلیف اور مشقت جھیلنی پڑتی ہے۔ جیسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جھیلی اور برداشت کی، یہاں تک کہ جان پر بن آئی۔ پھر خدا نے ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ دعوت لقمہ تر نہیں ہے کہ ہر ایک نگل لے، بڑی جھیلنی پڑتی ہے اپنوں کی بھی اور غیروں کی بھی۔ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسی جھیلی کہ فرشتے بھی چلا اٹھے۔ یہاں تک کہ اپنی ضروریاتِ زندگی میں بھی سہنا پڑتا ہے چنانچہ حضور پاک علیہ السلام کے گھر میں دو دو ماہ تک آگ نہیں جلتی تھی۔ جو لوگ اس دعوت والے کام کے ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں ان کو دنیا کے ٹھیکروں میں نہیں الجھنا ہے۔ بلکہ جھیلنا ہے اور آگے بڑھنا ہے

اور یہ محنت اس نیت سے کرنا ہے کہ وہ زندگی عام ہو جائے جس پر پڑ کر انسانیت جنت کے راستے پر چلتی ہے۔

ایک مرتبہ کارکنان ہند کے اجتماع (منعقدہ ۱۲ مارچ ۱۹۸۲ء) میں دعوت کی نزاکت اور اس کو مسموم کرنے والی چیزوں کی وضاحت اس طرح فرمائی۔

دعوت، یہ ایمانی ثمرات حاصل کرنے کے لئے زمین کا تیار کرنا ہے اور اس کی زمین ہمارے قلوب ہیں۔ جتنی زمین ہموار ہوگی، ایمانی پودے اتنی ہی جڑ پکڑیں گے۔ جو زمین جتنی نازک چیز کے لئے تیار کی جاتی ہے اسکی اتنی ہی حفاظت کی جاتی ہے۔ دل کو گندہ اور بدبودار کرنے والی چیز حبِ جاہ اور تکبر ہے، اس دعوت کے ذریعہ دنیا کی حقیر چیزیں کمانا تو کمینگی ہے۔ اس دعوت کو چیزوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے گا، تو اللہ جل شانہٗ اس کو ذلیل فرمادیں گے۔

دعوت کا کام صرف اللہ کے لئے ہوگا اور سادگی کے ساتھ ہوگا، اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"اللہ کو سامنے رکھ کر دعوت کا کام کیا جائے، تعلیم کی جائے اور نماز پڑھی جائے۔ فتنوں کا زمانہ ہے۔ فتنے چاروں طرف سے امنڈ رہے ہیں۔ اس لئے اس کام کو اگر سادگی کے ساتھ کرتے رہیں گے۔ تو اللہ جل شانہ حفاظت فرمائیں گے۔ اور کام کے اندر بھی برکتیں عطا فرمائیں گے ________ سادگی کے ساتھ، یکسوئی کے ساتھ ان عملوں میں لگے رہو اور فتنوں سے اس کام کو بچاتے رہو۔ ورنہ یہ فتنوں میں گھر جائے گا۔ اس کام کو کرنا ہے اور اس میں سادگی کو ملحوظ رکھنا ہے۔ یہ سادگی ہی اس کا جوہر ہے اور اسی سادگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عموم کا دروازہ کھولیں گے، باریکیوں والی چیز عمومی نہیں ہوسکتی۔ یہ دعوت ایک ایسی عمومی چیز ہے کہ ہر ایک ایمان والا اس کو کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ سادگی کے ساتھ ہو اور پابندی کے ساتھ ہو، گشت ناغہ نہ ہو رہا ہو۔ سہ روزہ کا اہتمام ہو رہا ہو۔ اور سال کا چلہ ناغہ نہ ہو رہا ہو اور ان سب کو کر کے اپنی بڑائی نہ سمجھی جا رہی ہو۔ مختصر یہ کہ کام کرنا اور اصول و آداب کیساتھ

کرنا ہے اپنی صفات کو اجاگر کرنا ہے اور کھو کھلا ہونے والی باتوں سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔"[1]

ایک مجلس میں دعوت کا کام کرنے والوں کو دو باتوں پر خاص طور سے اس طرح متوجہ فرماتے ہیں۔

" دعوت کا کام کرنے والے دو باتوں کا خاص خیال رکھیں۔ ایک قربانی کی مقدار کو بڑھاتے رہیں اور دوسرے اپنے کو اور اپنے کئے ہوئے کام کو کمتر سمجھ کر خدا کی بارگاہ میں معافی مانگتے رہیں۔ اپنے کئے کو اگر اپنی ہنرمندی سمجھنے لگے تو خطرہ ہے۔ لہذا غرہ نہ کرو اور اپنی ہنرمندی کا ثمرہ نہ سمجھو۔"

ایک مرتبہ آیت شریفہ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر، تلاوت کرنے کے بعد فرمایا:

" پوری امت کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ وہ اتنے آدمی تیار کرے جو پوری امت کی دعوت کے لئے کافی ہوجائیں۔ فرض کفایہ فرض عین سے بھی زیادہ قابل فکر ہے، کیونکہ فرض عین تو جو ادا نہیں کرے گا وہی گنہگار ہوگا اور فرض کفایہ ادا نہ ہونے کی صورت میں سب گنہگار ہوں گے۔ نیز اس آیت شریفہ میں امر بالمعروف پر یدعون الی الخیر کو مقدم فرمایا جس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا درجہ دعوت کا ہے، جب تک ایسی جماعت نہ بن جائے۔ جو پوری امت کے لئے کافی ہو تو اس وقت تک پوری امت کے ذمہ اس کا فکر ضروری ہے"[2]

اجتماع چاند پور ضلع بجنور (منعقدہ ۱۵ شعبان ۱۳۹۵ھ) میں علماء و خواص کی ایک مجلس میں جس میں حضرت مولانا نسیم احمد صاحب فریدی مرحوم بھی موجود تھے، دعوت، تزکیہ اور تعلیم کے عنوان پر فرمایا:

" اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ، یعنی اللہ پاک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ارشاد بموقعہ جوڑ اہل جنوب مورخہ ۸ اکتوبر ۱۹۸۷ء [2] بموقعہ اجتماع کولمبو سری لنکا بوقت تعلیم۔

کو تین چیزیں دے کر بھیجا ہے ، (۱) دعوت ، (۲) تزکیہ ، (۳) تعلیم ۔ دعوت اصل ہے ۔ اس لئے کہ اس کے کرنے سے بقیہ دونوں وجود میں آئیں گے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دور میں اس دعوت کے ذریعہ سے تعلیم و تزکیہ سب زندہ ہوتے تھے ۔ اس لئے آج بھی اس دعوت کی محنت کی ضرورت ہے ۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم میں پہلے قرن سے مراد دعوت دوسرے قرن سے مراد ذکر اور تیسرے سے تعلیم ہے ۔ تو جو دعوت والا کام کرے گا تو وہ پہلی صف یعنی صحابہ کی صف میں ہوگا خواہ وہ قیامت تک کیوں نہ ہو ۔ دوسرے سے مراد خانقاہ والے ہیں جو کہ قیامت تک اس میں لگیں وہ دوسری صف میں ہوں گے ۔ تیسرے سے مراد تعلیم ہے یعنی جو بھی عالم قیامت تک آئے گا وہ تیسری صف میں ہوگا ۔ اس لئے دعوت اہم ہے ، اگر دعوت کو کرتے رہیں گے تو ساری دنیا میں دین سو فیصد زندہ ہو جائے گا۔[1]

دعوت کے فوائد و منافع کے متعلق فرماتے ہیں :

" دعوت ایک ایسی دولت اور ایک ایسی نعمت ہے کہ اگر اس کو صحیح طریقہ سے کیا جائے تو ایمان میں قوت ، عبادات میں جان ، معاملات میں درستگی ، معاشرت میں پاکیزگی اور اخلاقیات میں حسن پیدا ہوگا ۔

جس قدر اس دعوت والے کام میں آدمی بڑھتا جائے گا ، اس کی اپنی عملی زندگی بنتی چلی جائے گی ۔ اور یہی اس کی نجات کا راستہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ۔

حضرت مولانا فرماتے تھے کہ کسی ایک علاقہ میں اگر کوئی ایک داعی دعوت دے رہا ہے تو وہ پورے عالم میں ہدایت لانے کی محنت میں لگا ہوا ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں ۔

" جو اللہ کا بندہ دنیا کے جس حصہ میں بھی محنت کر رہا ہے ۔ وہ پورے عالم میں ہدایت کی محنت لانے پر لگا ہوا ہے ۔ اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کہ ایک حوض ہے جس میں ہر شخص کی محنت جمع ہو رہی ہے اور سطح بتلانے کا پیمانہ لگا ہوا ہے کہ دعوت کی محنت کہاں تک

---

[1] ماخوذ از بیان مولانا شمیم احمد اعظمی ۔

پہونچی اور اللہ کی طرف سے ایک انداز مقرر ہے کہ محنت کی سطح جب یہاں تک آجائیگی توپھر یہ عالمی فیصلے ہونگے اورجب یہاں تک آجائے گی تو یہ عالمی فیصلے ہونگے توجس شخص کی محنت کاایک قطرہ بھی اس حوض میں پڑگیااس نے گویامحنت کی سطح کوعالمی فیصلےکیطرف بڑھادیا۔

• دعوت کے ان ہی فوائد ومنافع کواپنی ایک دوسری تقریر میں مزید وضاحت اور تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان فرماتے ہیں

"ہمیں اپنی زندگی کو اعمال، معاملات، معاشرت اور اخلاق کے اعتبار سے دیکھنا ہے کہ کیسی گذر رہی ہے۔ اعمال میں جتنی قوت اور جان ہوگی اتنی ہی ان شعبوں میں قوت ہوگی۔ نماز جب جاندار بن جائے تو اس کے بارے میں خدا نے فرمایا کہ اس کا خاصہ برائی سے روکنا ہے۔ایسی نماز پڑھنے کے ہم مامور ہیں۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ایسی نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو"۔ کیسی نماز ؟ اندر سے آواز آتی تھی جیسے ہنڈیا پک رہی ہو۔ یہ گریہ وزاری، یہ خشوع وخضوع والی نماز تھی۔

ہم دعوت دینے والے امت کو بتلانے والے، اقوام عالم کوایمان کی طرف متوجہ کرنے والے ہیں۔ لہذا ہمارے اعمال جاندار ہوں، ہمارے اخلاق درست ہوں، ہمارے معاملات صحیح ہوں، اور معاشرت میں پاکیزگی ہو۔ جب چاروں لائنیں درست ہونگی، تو لوگوں کے دل ایسے کھنچیں گے کہ روکے نہ رکیں گے۔ ایمان واعمال میں اللہ نے کشش رکھی ہے۔ آج مشکل یہ ہے کہ ہماری زندگی میں جو اعمال ہیں وہ ہماری ہی کشش کا ذریعہ نہیں ہیں اور ان کو اس طرح کیا جارہاہے گویا سر سے بوجھ اتارا جارہا ہے کہ نہ ذوق ہے نہ شوق ہے، نہ بشاشت ہے۔

بھائیو! دعوت وہ عمل ہے جو دوسروں کے عمل پر آنے کے لئے ذریعہ بنتی ہے۔

دعوت نبیوں کا کام ہے اور نبی خالی نظریات نہیں رکھتے بلکہ عملی زندگی میں کرکے دکھلاتے اور بتلاتے ہیں۔

فلسفی میں اور نبی میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ فلسفی صرف فکر اور نظریہ رکھتا ہے۔ زندگی سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہوتا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو کچھ پیش کرتے ہیں اس میں

ان کی زندگی خود ایک نمونہ اور شاہراہِ عمل ہوتی ہے۔[1]

دعوت کا فائدہ مدعو کو پہونچے یا نہ پہونچے لیکن داعی کو ضرور پہونچتا ہے۔ اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

"دعوت کا میدان ساری دنیا ہے۔ دعوت مسجد سے باہر بھی ہے اور مسجد کے اندر بھی ہے۔ دنیا کا چپہ چپہ میدان دعوت ہے۔ ایمان کی دعوت دینے سے ایمان کی صفات آتی ہیں، جس شخص کو دعوت دے رہا ہے۔ اگر اُڑد کے دانہ کے برابر بھی اس پر اثر نہیں ہے تو یہ دعوت دینے والا اس کے فائدے سے محروم نہیں رہا، اسے تو فائدہ پہونچ کر رہے گا بشرطیکہ صحیح ترتیب اور صحیح نیت سے دعوت دی جائے۔ ہماری تقریر سے تحریر سے اور تدبیر سے کچھ نہیں ہوتا۔ کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے"۔[2]

دعوت میں نکلے ہوئے امیر اور مامور کے آداب و فرائض ایک مرتبہ اپنی مجلس میں اس طرح بیان فرمائے۔

"دعوت لے کر جن لوگوں کے پاس جائیں ان پر شفقت اور رحم کے جذبہ کے ساتھ جائیں۔ آزاد زندگی کو چھوڑ کر امیر کی مان کر وقت گزارنے کی نیت سے جائیں جس طرح نماز میں امام کی مان کر عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح جماعت میں امیر کی مان کر وقت گذاریں۔ امیر کو یہ سمجھایا جائے کہ امارت ذمہ داری کا نام ہے، یہ کوئی عہدہ نہیں ہے اور مامور کا وقت اور مال امانت ہے۔ امانت سمجھ کر صحیح وقت گذارنے کی فکر کریں۔ آپس میں دو دو کی جوڑی بنا کر سیکھنے سکھانے میں وقت گذاریں، بستی میں داخل ہوں تو خدا کی جناب میں اپنے ضعف کا اظہار اور خدا سے مدد مانگ کر داخل ہوں۔ دینی و دنیاوی لائن کے بڑوں سے ملاقات کریں۔ دینی لائن کے بڑوں سے بات اس طرح کریں جیسے چھوٹے بڑوں سے کرتے ہیں بشاشت دیکھیں تو ان کو کارگزاری سنائیں، اور دعا کے لئے کہیں ورنہ خاموشی کے ساتھ انکی مجلس میں بیٹھ کر یا ملاقات کر کے واپس آجائیں۔

---

[1] بشکریہ جناب حبیب الرحمٰن وانم باڑی۔ [2] بموقعہ جوڑ کارکنانِ ہند مارچ ۱۹۸۲ء

اور دنیاوی لائن کے بڑوں کو ذمہ داری کا احساس دلائیں کہ آپ کے تعاون سے لوگ ہمارے ساتھ جڑیں گے۔ اور اس کا اجر خدا آپ کو دیں گے۔"

ایک موقع پر مدراس اور سری لنکا کے احباب مرکز میں جمع تھے ان کو مخاطب بنا کر فرمایا:

"دعوت کا کام کرنے والوں کو نتائج کبھی نہیں دیکھنا چاہئے۔ بلکہ ہمیشہ تقاضہ کے مطابق قدم اٹھا دینا چاہئے۔ کیونکہ بہت سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قیامت کے دن اس حال میں حاضر ہوں گے کہ ان کے ساتھ صرف ایک مختصر سی جماعت ہوگی۔ بعض کے ساتھ اس سے بھی کم ہونگے۔ اور بعض ایسے ہوں گے جن کے ساتھ کوئی بھی نہ ہوگا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ناکام ہیں بلکہ وہ تو اپنی ذات کے اعتبار سے سو فیصد کامیاب ہیں۔ اس لئے انسان کے ذمہ اپنے کو قربان کرنا ہے اور نتائج کو اللہ کے حوالہ کر دینا چاہئے۔

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ جس شخص کو دعوت دی جائے اس کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے۔ حدیث شریف میں رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق آتا ہے کہ لا یحقر احدا یبلغ رسالات اللہ، جس شخص کو بھی آپ اللہ کا پیغام پہونچاتے تھے اس کو ذلیل نہیں سمجھتے تھے۔"

ایک مرتبہ بڑے زور و قوت کے ساتھ اس دعوت کے ذریعہ دنیا کمانے اور اپنی جاہ میں اضافہ کرنے کو بڑی کمینگی کے ساتھ تعبیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"جس طرح خدا نے فرمایا ہے اسی طرح کام کریں گے تو فائدہ حاصل ہوگا، ہماری تقریروں سے نہیں بلکہ عمل کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اس واسطے کام کرنے والوں کو اخلاص اور استخلاص کے ساتھ لگنا ہے۔ اس کام کو اگر دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا جائے تو یہ بہت بڑی کمینگی ہے۔ اللہ ہمیں استقامت نصیب فرمائے۔ ہم اپنی کوتاہی کی وجہ سے اپنی دولت کو داغدار کر رہے ہیں۔ تکبر ہر نیک عمل کو سڑا دیتا ہے۔ خدا کا قانون ہے کہ جو اس کے لئے اپنے کو پست کرتا ہے اللہ اس کو بلند کرتا ہے اور جو ظاہر میں بڑا بنتا ہے خدا

اس کو ذلیل کرتے ہیں۔

آج کل تو اس پر لڑائی ہوتی ہے کہ اس نے ہماری پوزیشن نہیں پہچانی، خدا ہماری مغفرت فرمائے ہم تو خود ہی اپنے منہ میاں مٹھو بنے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ میں کہتا ہوں کہ ہم جیسا کوئی جانور سے بھی نہیں کہ ہر وقت اپنے ہی خیال میں مبتلا رہتے ہیں۔[1]

ایک مرتبہ اجتماعی دعوت اور انفرادی اعمال میں پیدا ہونے والے ایک نقص کو اس طرح بیان فرمایا:

اگر کوئی آدمی عالمی پیمانہ پر تو دعوت کی فکر کرتا ہے لیکن اپنی ذات میں وہ اعمال نہیں لا رہا ہے تو اس کی دعوت ناقص ہے اور اگر کوئی آدمی اپنے ذاتی اعمال تو خوب کر رہا ہے لیکن اسے دعوت کا فکر نہیں ہے تو اس کا عمل ناقص ہے۔ اس لیے ہمارا کام ان دونوں کو جوڑ کر اور جمع کر کے چلنا ہے اور دونوں کو اکٹھا کرنے میں لامحالہ قربانی بڑھانی ہوگی اور اس کام کو اپنا کام بنانا ہوگا۔ اپنا کام بنانے کا مطلب یہ ہے کہ جب کبھی ہمارے اپنے تقاضے دعوت کے تقاضوں سے ٹکرائیں تو ہم دعوت کے تقاضوں کو مقدم کر دیں اپنے تقاضوں پر، اور اس کام کی کڑھن اور فکر میں ہم امت کو رو رہے ہوں، ہم دین کو رو رہے ہوں اور ہم اقوام عالم کی ہدایت کو رو رہے ہوں۔

داعی کے لیے اس مبارک عمل میں ترقی کا معیار کیا ہے؟ اور اپنی ہدایت کی نیت کس قدر ضروری ہے، اس کے متعلق ایک مجلس میں فرمایا کہ!

دعوت کے اندر ہماری ترقی کا معیار یہ ہے کہ ہم قربانیوں میں آگے بڑھتے چلے جا رہے ہوں، سنتوں کا اہتمام اور نبی پاک علیہ السلام کا اتباع ہماری زندگی میں آتا جا رہا ہو اگر یہ سب چیزیں ہو رہی ہیں تو سمجھ لو کہ یہ داعی دینی وایمانی طور پر ترقی کر رہا ہے ورنہ نہیں۔ اللہ کی طرف سے محنت کرنے والوں کے لیے ہدایت کا وعدہ ہے اس لیے ہمیں جماعتوں میں نکل کر اپنی ہدایت کی نیت کرنی چاہیے، اگر اپنی نیت نہیں کی اور دوسروں کی نیت کر لی تو جس کی نیت کی اس کو تو ہدایت کا کوئی وعدہ نہیں ہے اور جس کی ہدایت کا وعدہ ہے اس کی نیت نہیں کی، لہٰذا نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔

[1] بموقعہ جوڑ کارکنان ہند مورخہ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

اعمال کی اہمیت اور اس کی تاکید

دینی و شرعی اعمال میں اللہ جل شانہ وعم نوالہٗ نے کس قدر برکتیں، راحتیں اور دل و دماغ کا سکون رکھا ہے اور اعمال پر کیسی کیسی کامیابیوں کا یقین دلایا ہے حضرت مولانا اس کو اپنے بھرپور اندرونی ایمان ویقین کی روشنی میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"انسان اگر دنیا پر محنت کرے تو دنیا کے اعتبار سے قیمتی بنے گا۔ اور اگر آخرت پر محنت کرے تو آخرت کے اعتبار سے قیمتی بنے گا۔ آخرت پر محنت کرنے والے کو اس کے عمل کی قیمت پوری ملتی ہے اور کبھی ختم نہیں ہوتی، بخلاف دنیاوی محنت کے کہ نہ اس کی قیمت پوری ملتی ہے اور نہ وہ ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ جس محنت کو لے کر انبیاء علیہم السلام تشریف لائے اسی محنت سے انسان قیمتی بنتا ہے بشرطیکہ محنت والی ترتیب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم والی ہو۔ اگر محنت کی ترتیب آپ والی ہو تو پھر اس انسان کی قیمت سوائے رضاء خداوندی کے اور کوئی چیز نہیں بن سکتی۔ اگر ایمانی محنت کو پہلا درجہ دیا تو بقیہ محنتیں سہولت سے صحیح ترتیب پر آجائیں گی۔"

ایک موقع پر دنیا کی بے وقعتی اور اعمال صالحہ کی وقعت واہمیت بتلاتے ہوئے فرمایا کہ مال و دولت، سونا چاندی، عہدہ و منصب اللہ کے انعامات میں سے خصوصی انعام نہیں ہے بلکہ عمومی ہے اور اس کے لیے ایمان بھی شرط نہیں ہے۔ یہ چیزیں ایمان والوں کو بھی دیدیتے ہیں اور بے ایمانوں کو بھی دے دیتے ہیں، اللہ کا خصوصی انعام ایمان ہے اور ایمان بھی وہ جو اعمال صالحہ کے ساتھ ہو، اور پھر ایمان اور اعمال صالحہ والوں میں سے خصوصی انعام ان پر ہے جنھیں اللہ تعالےٰ دین کی محنت اور جدوجہد کیلئے قبول فرمائے اس لیے ہمیں عملوں کا اہتمام کرنا ہے عملوں پر جمنا ہے۔ عمل کی تاثیر دنیا میں بھی ظاہر ہوتی ہے اور آخرت میں بھی۔ اعمال کے لیے دن میں محنت کرنا ہے اور رات میں خدا سے مانگنا ہے۔ شیطان انسان کا دشمن ہے اس لیے وہ کوشش کرتا ہے کہ یہ انسان عملوں پر نہ پڑے کیوں کہ عمل ہی سے دنیا اور آخرت کی زندگی بنتی ہے۔ جتنی ہماری زندگی اعمال پر آجائے گی اتنے ہی ہم بنتے چلے جائیں گے اور جہاں پر بھی ہوں گے بنے ہوئے رہیں گے۔ اس لئے کوشش

کرنی چاہئے کہ عمل کے ذریعہ سے ہم بھلے مانس بن جائیں۔

ایک اجتماع میں سورہ اخلاص تلاوت کرنے کے بعد بڑے جوش و قوت کے ساتھ اعمال کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"اللہ مستغنی اور بے نیاز ہیں، ان کی کسی سے رشتہ داری نہیں، خالق ہیں، خالق پنے کا تعلق ہے۔ اس واسطے کچھ راہیں ایسی بتلا دی ہیں جن سے مخلوق کا تعلق خالق سے جڑ جائے۔ نبیوں کے ساتھ جو معاملہ خدا نے کیا ہے آج بھی وہی خدا ویسا ہی معاملہ فرمائیں گے۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ خدا کا کسی کے ساتھ کوئی رشتہ نسب نہیں ہے۔ عملوں پر جو جتنی محنت کرے گا، اتنی ہی خدا کے یہاں پوچھ ہوگی اور مقام بنے گا۔ اللہ نے اپنے کرم سے یہ ایک شکل جاری فرمائی ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ مشاغل میں سے اپنے اوقات کو فارغ کریں۔ اللہ کے یہاں قیمت عمل کی ہے۔ بشرطیکہ وہ عمل خدا کی رضاء کی نیت سے کیا ہو، رضا والا چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی ساری دنیا سے قیمتی ہے"۔[1]

حالات کا بناؤ بگاڑ اعمال پر موقوف ہے۔ اور اعمال کے بقدر زندگی بنتی سنورتی ہے۔ ایک اجتماع میں حضرت مولانا نے اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا۔

"حالات عمل کے تابع ہیں۔ اعمال اگر اچھے ہوں گے، اللہ تعالیٰ دنیا کے حالات بھی اچھے بنائیں گے۔ اعمال کی کوشش کے بقدر ہمارے دین و دنیا کے حالات درست ہوں گے۔ اس لئے ہمیں اعمال کی مشق کرنی ہے۔ اور اعمال میں اپنے آپ کو لگائے رکھنا ہے۔ اصل مسئلہ آخرت کا ہے دنیا کا ہر مسئلہ تو ختم ہونے کے لئے ہے۔ لیکن آخرت کا بگڑنا بڑی پریشانی کی بات ہے۔ اعمال انسان کی فکر کے تابع ہوتے ہیں۔ اگر انسان کو دنیا کی فکر ہوگی تو دنیا کے اعمال کرے گا اور آخرت کی فکر ہوگی تو آخرت کے اعمال کرے گا"۔

دین و عمل کو چھوڑ کر بے دینی و بے عملی کی زندگی گزارنے والے کے متعلق فرماتے ہیں!

---

[1] بموقع اجتماع سایرنی ضلع سہارنپور، مورخہ ۶ر شوال ۱۳۸۶ھ ۱۸ر جنوری ۱۹۶۷ء

"اگر دنیا میں خدا کے احکامات سے آزاد مرا تو آخرت کی آزادی سلب ہو جائیگی اور اگر دنیا میں احکامات کی پابندی کی تو آخرت میں آزادی ملے گی۔ دنیا آخرت کی سوتن ہے اور دنیا خواہشات کے پورا ہونے کی جگہ ہے ہی نہیں چاہے امریکہ کا صدر ہی کیوں نہ ہو۔

دنیا کی زندگی کے بعد ایک مقام راحت کا ہے اور دوسرا مقام تکلیف کا ہے۔ اگر انسان جانوروں جیسی زندگی گذارے گا تو موت پر مارا جائے گا۔ اور اگر انسانیت والی زندگی گذارے گا تو وہ نواز دیا جائے گا۔ جس نے زندگی کا مقصد کھانا کمانا نہیں بنایا بلکہ اپنے پیدا کرنے والے کے کہنے کے مطابق عمل کیا تو وہ موت کے بعد راحت والی جگہ پہونچ جائے گا۔ انسان کا جو سانس چلتا ہے۔ اس کی اتنی ہی عمر کم ہوتی ہے۔ چاہے وہ سو رہا ہو یا کام کر رہا ہو، سانس چلتا ہی رہتا ہے اور برف کی سلی کی طرح عمر پگھلتی جاتی ہے۔ پوری زندگی خواب کی زندگی ہے اگر اسی کو بنیاد قرار دے دیا تو آنکھ کھلنے کے بعد پچھتانا پڑے گا۔ ایک آدمی پر قرضہ تھا خواب میں دیکھا کہ کوئی اس کی بکری تیس روپے میں خریدنا چاہتا ہے۔ بکری والے نے کہا کہ چالیس روپیہ میں دوں گا اتنے میں آنکھ کھل گئی۔ تو دیکھا کہ وہاں نہ کوئی تیس روپیہ میں خریدنے والا ہے اور نہ کوئی چالیس روپیہ میں۔ تو اس شخص نے جلدی سے اپنی دونوں آنکھیں بند کر کے کہا کہ اچھا تیس ہی روپیہ دیدو۔ یہ زندگی بالکل اسی خواب کی طرح ہے۔ آج بننے یا بگڑنے کا وقت ہے۔ موت کے بعد بننے یا بگڑنے کا زمانہ ختم ہے۔ اب اگر بنا تو ہمیشہ کے لئے بن گیا، اور اگر بگڑا تو ہمیشہ کے لئے بگڑ گیا۔ اور اگلی زندگی اسی بناؤ بگاڑ کے مطابق ہوگی۔ اگر انسان اللہ کے ہاتھ میں اپنے نفع اور نقصان کو جانتا ہے تو اس کی منشاء، مرضی اور حکم کو دیکھ کر اپنے آپ کو استعمال کرتا ہے۔ اور اگر اپنے آپ ہی کو نفع اور نقصان کا مالک سمجھے تو پھر یہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ نہیں سمجھے گا۔ بلکہ نفس کا بندہ ہو کر رہ جائیگا۔ جس کے نتیجے میں منہ کی کھائے گا۔"

حضرت جیؒ اجتماعی اعمال کے ساتھ ساتھ انفرادی اعمال پر بھی بہت زور دیتے

تھے ۔ چنانچہ ایک موقعہ پر انفرادی اعمال کی اہمیت ان الفاظ میں بیان فرمائی ۔

"جہاں اجتماعی عمل کئے جائیں وہیں انفرادی اعمال بھی کئے جائیں ۔ اور ذکر اور دعا کا اہتمام کیا جائے ۔ ہم جتنے خدا کے حکموں پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر چلیں گے ۔ اتنا ہی اللہ برکت دیں گے ، مدد فرمائیں گے ۔ انفرادی اعمال سے ظاہری اعمال میں برکت آتی ہے ۔ برکت خدا کے قبضہ میں ہے ۔ وہ عمل کرنے سے آتی ہے ۔ دن میں اجتماعی اعمال پر محنت کی جائے اور رات میں انفرادی اعمال کے ساتھ دعائیں مانگی جائیں ۔ جتنی محنت کی جائے گی اتنی ہی انفرادی اعمال میں ترقی ہوگی اور جتنا انفرادی اعمال کا اہتمام کیا جائیگا اتنی ہی دیگر اعمال میں برکت آئے گی ۔ اگر انفرادی شخصی زندگی سے بے پرواہی برتی تو ظاہری اعمال بھی بے جان ہوں گے ۔ یاد رکھو ظاہری اعمال سے انفرادی اعمال میں ترقی ہوگی اور انفرادی اعمال سے ظاہری اعمال میں جان پڑے گی "۔

اسی طرح ایک موقعہ پر دن کی اجتماعی محنت اور رات کی انفرادی محنت کو اس طرح ارشاد فرمایا :

" دوستو اور بزرگو ! ہمیں دو محنتیں کرنی ہے ایک دن میں اللہ کے بندوں پر محنت کرنی ہے ۔ دوسری محنت راتوں کو اٹھ کر اللہ کے سامنے رونا ہے ، گڑگڑانا ہے ۔ دن کی محنت خوب جم کر کی جارہی ہو یہاں تک کہ ہم تھک جائیں ، اور راتوں کو اٹھ کر پھر اللہ کے سامنے دعائیں مانگی جارہی ہوں ۔ یہ دو کام کرنے کے ہیں ۔ اگر ایک کام کیا اور دوسرا نہیں کیا تو ہمارا کام ادھورا رہ جائے گا ۔ دن کی کوشش اور راتوں کی دعا پر اللہ جل شانہ اپنا فضل فرمائیں گے ۔ اور خدا کے فضل سے ہی گاڑی چلے گی اور خدا کا فضل اُتنا ہوگا جتنی ہماری دین کی کوشش اور دعاؤں کی کثرت ہوگی "۔

آخرت کی کامیابی اعمال سے ہے

اعمال سے آدمی بنتا ہے یا بگڑتا ہے کس عمل کی اللہ کے یہاں کیا قیمت ہے کون سا عمل جنت والا ہے اور کون سا جہنم والا ۔ کس عمل سے انسان کو دونوں جہان کی کامیابی یا ناکامی ملتی ہے ۔ اس کو حضرت مولانا اپنی تقریروں میں خوب کھول کھول کر بیان

فرماتے تھے ۔ اس موضوع پر آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک ایک جملہ ایمان و
ایقان اور اخلاص کی کسوٹی پہ پورا اترتا تھا۔ اور ہر سننے والا کھلے طور پہ محسوس کرلیتا
تھا کہ کہنے والے کا ایک ایک جملہ قال سے بہت بلند تر ہو کر اس کا اپنا حال بن چکا ہے۔
ایک موقعہ پر بھلے اور برے اعمال کے درمیان فرق و امتیاز کرتے ہوئے فرمایا:
" دنیا میں بھلائی اور برائی صرف انسان ہی کے راستے سے آتی ہے اور یہ
براہ راست اور بلا واسطہ دنیا میں نہیں پھیلتی بلکہ انسان کے واسطے سے آتی ہے ۔
جو شخص نیکی اور بھلائی کو اپنا مقصود بنا لیتا ہے وہ دنیا کی آلائشوں سے اپنے آپ کو
بچا لیتا ہے اور پھر دنیا کی وقعت اس کے دل میں نہیں رہتی ۔ انسان کے اندر جو ہوتا ہے
وہی باہر پھیلتا ہے ۔ اگر بھلائی ہو تو بھلائی پھیلتی ہے ۔ اور برائی ہو تو برائی پھیلتی ہے۔
اور پھر یہ بھلائی یا برائی صرف انسانوں میں نہیں بلکہ پورے عالم میں پھیلتی ہے ۔ اور
اللہ جل شانہ نے برائی اور بھلائی کا تعین انسان کے حوالے نہیں کیا ورنہ تو ایک ہی
چیز کو ایک انسان برا کہتا اور دوسرا اسی کو بھلا کہتا ۔ اس لئے بھلائی اور برائی کا میار
صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ہیں اب اگر صرف اللہ اور اس کے رسول کی بات
پر خم ٹھوک کر جم جائیں ۔ کسی کی پرواہ نہ کریں بس یہ طے کرلیں کہ جس کو خدا اور اس کے
رسول نے نیکی بھلائی اور خیر بتلایا وہ تو خیر ہے اور جس کو برائی بتلایا وہ برائی ہے ۔ تو
انسانیت کا مسئلہ حل ہو جائے اور اس میں سدھار آجائے ۔ بھلائیوں میں سب سے اونچی
بھلائی ایمان ہے ۔ لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن
البر من امن باللہ والیوم الاٰخر ۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان محنت
کر کے بھلائی یعنی ایمان اپنے اندر پیدا کرے تاکہ پورے عالم میں بھلائی آجائے ۔"
ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا ۔
" بھلائی اور برائی آدمی کے اندر سے نکلتی ہے ۔ آدمی بھلا ہوتا ہے تو بھلائی
نکلتی ہے اور اگر آدمی برا ہوتا ہے تو برائی نکلتی ہے ۔ اللہ جل شانہ وعم نوالہ بھلے آدمی
کو نوازتا ہے اور برے آدمی سے خفا ہوتا ہے ۔ بھلا آدمی جہاں پر بھی ہوگا بھلا ہوگا۔

اور برا آدمی جہاں پر بھی ہوگا وہ برا ہوگا۔ چاہے وہ اپنے گھر پر یا اپنے کھیت پر یا اپنی دوکان پر یا اپنی بستی کے اندر ہو۔"

حضرت مولانا کہنے کے مقابلہ میں ہمیشہ کرنے کو ترجیح دیتے۔ اور اسی کی ترغیب کام کرنے والے احباب کو بھی دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ عمل ہمیشہ قول کے مقابلہ میں موثر اور وزنی رہا ہے۔ ایک مرتبہ دوران تقریر ارشاد فرمایا۔

"عملی تعلیم قولی تعلیم سے زیادہ قوی ہے۔ ایسی ہی عملی تشکیل قولی تشکیل سے زیادہ قوی ہے۔ اثر پیدا کرنا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ بغیر عمل کا قول آخرت میں پکڑ وادیگا قول کے مطابق اگر عمل نہ ہو اور فکر نہ ہو تو یہ نقصان کا سبب ہے۔"

تقریر تو ہم خوب کرلیں۔ واہ واہ فرشتے بھی جھوم رہے ہوں۔ لیکن جب منبر سے اتر کر آئیں تو عمل کے اعتبار سے ہم کورے ہوں یہ بڑے خسارے کی بات ہے۔ کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون۔ عمل کی محنت کرتے ہوئے تھوڑا کہنا کارگر ہوسکتا ہے بہ نسبت اس کے کہ بہت کہیں اور پھر لوگوں کی غیبت میں لگ جائیں۔ شریعت کے اعمال میں ذاتی حسن وکشش ہے۔ یہ سمجھ لینا کہ ہماری تقریر سے اعمال میں کشش پیدا ہوتی ہے۔ یہ خطرناک بات ہے۔ لچھے دار تقریریں کرنے والے کی تباہی کا زیادہ خطرہ ہے کیونکہ وہ اپنے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہوگا اور مارا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کی آنکھیں کھول دے۔ اصل تو یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے کو ضرورتمند جانے تو بہت آسان ہے۔ ورنہ بہت مشکل ہے۔

ماحول کا سدھار اور دینی زندگی

دعوت و تبلیغ کے ذریعہ اپنے گھر اپنے علاقہ بلکہ عالم گیر ماحول کو سدھارنے اور ان میں دینی و ایمانی روح پیدا کرنے کی جو محنت وکوشش ہورہی ہے اس کی اہمیت وضرورت کو حضرت مولانا اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

"دین کا کام کرنا یہ ہمارا اصلی کام ہے اسے ہم نے بھلا دیا۔ نکلنے کے زمانے میں اس کی کوشش کرنی ہے کہ ہم دین کے کام کو شوق سے کرنے والے بن جائیں کیونکہ

آدمی وہی کام کرتا ہے جس کا اس کو شوق ہوتا ہے۔ جس کو دوکان کا شوق ہوگا وہ دوکان کا کام کرے گا۔ اور جس کو دین کا شوق ہوگا وہ دین کا کام کرے گا بس اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا شوق عطا فرمادے۔"

دین سیکھنے کے لئے وقت لگانے کا مطلب کیا ہے؟ نیز دین کے نام پر رہبانیت اور تجرد اختیار کرلینا اور بیوی بچوں کو چھوڑ دینا یہ بے دینی ہے۔ دین نہیں ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے ایک موقعہ پر فرمایا!

"دین کا سیکھنا ہر انسان کے ذمہ ضروری ہے اور دین سے بے فکر ہوجانا یہ بہت خطرناک چیز ہے۔ دین سیکھنے میں وقت لگانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اپنے گھربار اور بیوی بچوں کو چھوڑ دیں اور ان کی گردنیں مروڑ دیں بلکہ ان کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ دین کے بھی کام کرتے رہیں۔ اور دین کو بھی سیکھتے رہیں۔ جو جتنی کوشش کریگا اس کے اندر اتنا ہی دین آجائے گا۔ نہیں کرے گا تو وقت گذر جائے گا۔ اور گیا ہوا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا جو رات گذر گئی ہے وہ کسی قیمت پر واپس نہیں آئے گی اور جو دن گذر گیا ہے وہ کسی قیمت پر واپس نہیں آئے گا۔"

حضرت مولانا کے نزدیک یہ محنت ماحول کا بگاڑ درست کرنے کے لئے ہے کیونکہ ماحول ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو اچھا یا برا بننے پر مجبور کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

"جیسا ماحول ہوتا ہے ویسا ہی آدمی بن جاتا ہے۔ اگر ماحول دین کا ہوتا ہے تو آدمی کے اندر دین آتا ہے۔ ماحول اگر دنیا کا ہوتا ہے تو دنیا آتی ہے۔ ہمیں اصل محنت ماحول کے بنانے کی کرنی ہے تاکہ ہم دین پر چلنے والے اور دین کی کوشش کرنے والے بن جائیں یہ گشتوں کا کرنا، تعلیم کرنا، تسبیحات پڑھنا اور نمازوں کا اہتمام کے ساتھ پڑھنا یہ چار کام ہیں، ان چار کاموں کو جب اہتمام سے کروگے تو اسی سے ماحول بنتا چلا جائے گا۔ جس جگہ نماز کا ماحول ہو وہاں پر بے نمازی کو اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہوجاتا ہے اور وہ بھی نماز پڑھنے لگتا ہے۔ اگر تسبیح پڑھنے کا ماحول ہے تو تسبیح پڑھنے لگتا ہے۔ اس لئے ہمیں اس بات کی کوشش کرنا چاہئے کہ ہمارا ماحول دینی ماحول بن جائے۔ (تقریر مرکز دہلی، ستمبر ۱۹۸۹ء)

• دین کی محنت کرنا یہ ہمارے ذمہ ہے اور ہدایت دینا یا نہ دینا یہ خدا کے قبضہ میں ہے۔ لیکن خدائے پاک دینی محنت کرنے والے پر رحم فرما کر اس کو ہدایت سے نواز دیتے ہیں۔ حضرت مولانا اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"ہدایت کسی کے قبضہ میں نہیں ہے وہ صرف خدائے پاک کے قبضہ میں ہے۔ اور خدائے پاک ہدایت اس وقت دیتے ہیں جب ہدایت کا سبب اختیار کیا جائے۔ ہر چیز کے لئے اللہ جل شانہٗ نے سبب بنایا ہے جب سبب کو اختیار کیا جاتا ہے تو وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے، چنانچہ پیسہ حاصل کرنے کے لئے دوکان کو، غلہ حاصل کرنے کے لئے کھیتی کو اور اولاد حاصل کرنے کے لئے نکاح کو سبب بنا رکھا ہے۔ اور ان اسباب کے ذریعے سے ان چیزوں کو خدائے پاک وجود مرحمت فرماتے ہیں۔ ایسے ہی ہدایت ہے، ہدایت کا سبب اللہ نے دین کی کوشش کو بنایا ہے جتنی دین کی کوشش کریں گے اتنا ہی اللہ جل شانہٗ ہدایت کے فیصلے فرمائیں گے۔ ہمیں خدا سے ہدایت اتروانے کے لئے دن کو کوشش کرنا ہے اور راتوں کو دعائیں مانگنی ہے۔ خدائے پاک ہمیں ہدایت والا اور ہدایت کی کوشش کرنے والا بنادے"۔ آمین۔

• ماحول کی طرح جذبات بھی انسان کے بننے بگڑنے میں زبردست کردار ادا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ موت سارے جذبات کو ختم کر دیتی ہے تو اچھا یہ ہے کہ انسان جذبات کو اپنی زندگی ہی میں صحیح رخ پر لے آئے۔ تاکہ یہ موت کے بعد کام آئیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا:

"آدمی کے جیسے جذبات ہوتے ہیں ویسے ہی اس کی زندگی گذرتی ہے۔ جس کے جذبات دین کے ہوں گے وہ دین پر چلے گا۔ اور جس کے جذبات دنیا کے ہوں گے وہ دنیا پر چلے گا۔ لیکن سارے جذبات موت پر ختم ہو جاتے ہیں۔ موت آنی ہے اور یہ سارے جذبات چھوٹ جائیں گے۔ دین کا جتنا کام کیا جائے گا وہ موت کے بعد کام آئے گا اور اس کو موت کے بعد کام آنے ہی کیلئے کرنا ہے۔ موت پر کوئی چیز دنیا کی ساتھ نہیں جاتی ــــ ساتھ جانے والے صرف انسان کے اعمال ہیں"۔

ایک مرتبہ آدمیت اور دینی زندگی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا!

"آدمیت نام ہے اللہ کے بندہ بننے کا اور اللہ کی بندگی یہ ہے کہ ہم ہر حال میں اللہ کے احکامات پر چل رہے ہوں۔ اپنے کھیت میں اپنے کاروبار میں، اپنی دکان میں، اپنے مکان میں، اپنی نوکری مزدوری میں جہاں پر بھی ہم ہوں۔ اللہ کی مان کر چلنے والے ہوں اسی کا نام دینداری ہے۔ چند عمل کر لینے سے آدمی دیندار نہیں بنتا بلکہ پوری زندگی اللہ کے حکموں پر جم رہی ہوگی تو اس کو دینداری کہیں گے۔ اب ہمیں یہ ٹھان لینا ہے کہ اپنی زندگی کو دین پر ڈھالنا ہے۔ اگر دین پر نہیں چلیں گے تو یہ زندگی دھوکے میں گذر جائے گی اور پھر آخرت کی زندگی میں بڑی کٹھنائی آئے گی۔

ذات اور شخصیت کے بجائے اصول اور کام پر زور

مولانا اپنے دونوں پیش رو۔۔۔ (مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ) کی طرح اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ کام کی ترقی اور عروج ذات اور شخصیت پر موقوف نہیں ہے بلکہ اخلاص اور استخلاص اور اصولوں پر جمنے میں ہے اور یہ کہ کام سے تعلق رکھنے والوں کے اعمال و اخلاق جس قدر بلند ہوں گے اسی قدر اس دعوتی کام کا معیار بلند ہوگا۔ خود اپنی ذات کے متعلق حضرت مولانا کا تخیل بلکہ اصرار یہ تھا کہ میری موجودگی بھی اجتماعات میں ضروری نہیں ہے۔ کرنے والی ذات صرف خدا کی ہے۔ اس پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے کام کیا جائے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر بنگلہ دیش کے سالانہ اجتماع میں حضرت مولانا کی شرکت نہ ہوسکی تو وہاں کے کام کرنے والے احباب اور ذمہ داروں کو اپنی عدم شرکت کی افادیت کو اس طرح تحریر فرمایا!

"بندہ نے تمام احباب سے بہت ہی زیادہ رائے لی آپ کے یہاں کے لئے، مگر کسی کی بھی رائے نہ ہوئی۔ بندہ گو جسمانی حاضری نہ دے گا۔ لیکن بندہ کی دعا اور دل کی پکار آپ کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کرنے والا ہے، بندہ آئے تب بھی اور نہ آئے تب بھی، بلکہ اپنی عدم حاضری بعض وجوہ سے حاضری سے زیادہ مفید ہے۔ حاضری میں مخلوق پر نظر

آسکتی ہے۔ غیر حاضری میں صرف خالق پر نظر جمنے کا قوی امکان ہے۔ حاضری میں بوجھ اوروں پر ہو سکتا ہے۔ غیر حاضری میں سارا بوجھ آپ سب پر ہوگا جو تمام فتوحاتِ غیب کے لئے مفتاح کا کام دے سکے گا۔"[1]

ایک مرتبہ اپنی ذات پر اعتماد کرنے اور اپنی محنت پر نگاہ رکھنے کا نقصان بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"جب آدمی کی نگاہ اپنی ذات پر ہوتی ہے تو کام نہ ہونے پر مایوسی آتی ہے اور اگر خدا پر نگاہ ہوتی ہے تو کام نہ ہونے پر رجوع الی اللہ بڑھتا ہے، کام کے نہج کے صحیح ہونے کا فکر بڑھتا ہے۔ اور کام ہونے پر اپنے اندر خدا کا شکر پیدا ہوتا ہے۔ خدائے پاک انسان سے یوں چاہتے ہیں کہ محنت تو خوب کرے چاہے کام ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جو شخص خدا کی نگاہوں میں چڑھا ہوا ہوتا ہے اسے خدا اچھے کاموں میں لگاتے ہیں۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جو کسی کی نگاہ میں چڑھا ہوا ہو تو اس کو اچھے اچھے کام بتائے جاتے ہیں۔ اور اگر نہ چڑھا ہوا ہو تو کام ہی نہیں بتایا جاتا کہ جو جی چاہے کر۔ یاد رکھو کہ خواہشات کے مطابق چلنا یہ معصیت کی جڑ ہے۔ اور نفس کا دشمن بننا یہ طاعت کی جڑ ہے۔"

فرمایا کرتے تھے کہ موجودہ دور کے جتنے فتنے ہیں ان سے حفاظت کا سب سے مؤثر ذریعہ یہ ہے کہ اصول پر جمتے ہوئے اس دعوتی کام کو یکسوئی کے ساتھ سیدھے سادے طریقہ پر کرتے رہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ جنوبی ہند سے آنے والے پرانے احباب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"فتنوں کا زمانہ ہے، فتنے چاروں طرف سے امنڈ رہے ہیں۔ سادگی کے ساتھ اپنے کو کام میں جمائے رکھیں گے، تو ہماری بھی فتنوں سے حفاظت ہوگی اور کام کی بھی حفاظت ہوگی۔ فتنوں سے بچتے ہوئے یکسوئی کے ساتھ ان اعمال کو کرتے رہیں گے

---

[1] اقتباس مکتوب بنام اہل شوریٰ بنگلہ دیش، مورخہ ۱۲، ربیع الاول ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۳، مارچ ۱۹۷۶ء۔

تو فتنوں سے بچتے رہیں گے ورنہ تھوڑے سے فتنے کی طرف اگر جھانکیں گے تو فتنہ ہمیں اپنی طرف گھسیٹ لے گا۔ اس لئے میرے بھائیو اور دوستو! سادگی کے ساتھ یکسوئی کے ساتھ اپنے ان عملوں میں لگے رہیں اور فتنوں سے بچتے ہوئے کام کرتے رہیں ورنہ فتنہ اپنی طرف متوجہ کرے گا اللہ جل شانہٗ ہمیں فتنوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین[1]

دعوت کا استقبال اور اپنی ذات پر خوف

کسی بھی دینی و مذہبی قیادت کے لئے اسکا ابتدائی زمانہ سخت جد و جہد اور مشکلات کا ہوتا ہے لیکن پھر آہستہ آہستہ راہ ہموار ہوتی چلی جاتی ہے۔ رکاوٹیں ختم ہوتی چلی جاتی ہیں اور لوگ اس کا نفع اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیتے ہیں تو پھر اس کا استقبال اور عام رجوع کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ یہ دوسرا دور پہلے دور کے مقابلہ میں زیادہ نزاکتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کا دور دعوت کے استقبال اور اس کے عروج کا دور ہے۔ اسی بنا پر آپ اس دعوتی محنت کے تعلق سے حد درجہ فکر مند رہتے ہوئے کام کرنے والوں کی نگرانی اور ان کے محاسبہ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور مختلف انداز و پیرایہ میں ان کو نصیحت و فہمائش فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر استقبال کے زمانہ میں اغراض والوں کی طرف سے پیدا ہونے والے خطرات کی نشاندہی اس طرح فرمائی:

"ہمارے کام کے لئے یہ استقبال کا دور ہے۔ اگر آدمی زینے پر احتیاط سے چڑھے تو چڑھتا چلا جاتا ہے لیکن اگر توازن برقرار نہ رکھ سکے تو گر جاتا ہے۔ اغراض والے.. ظاہری منافع پر نظر رکھتے ہیں اور جہاں ان کو غرض پوری ہوتی نظر آتی ہے وہاں تک ساتھ دیتے ہیں اور جہاں قربانی کا وقت آتا ہے تو کھسک جاتے ہیں یہ بڑے خطرہ کی بات ہے۔ اور اس سے بچنے کی شکل صرف یہ ہے کہ ہم بس کام کی نہج پر جم رہے ہوں اور ظاہر کے منافع سے بچ رہے ہوں۔ بس یہی چیز ہمارے لئے اور کام کے لئے وقایہ ہے۔

---

[1] ارشاد بموقعہ جوڑ مبنوا ہند مورخہ ۸/۱۰/۱۹۸۷ء بشکریہ جناب حبیب الرحمن صاحب دائم بارڈی

ہم بہت نازک دور سے گذر رہے ہیں ذرا پھسلیں گے تو معلوم نہیں کہاں گریں گے ہم بہت پُرخطر دور سے گذر رہے ہیں۔ استقبال کا دور ہے۔ اس میں اغراض والے بہت مل جائیں گے اور جب ان کی کثرت ہو گی تو کام کے ختم ہونے کا خطرہ ہے۔"

بوڑیہ کے اجتماع میں مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے استقبالی دور میں قربانیوں کی مقدار بڑھانے پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"آج کام کا استقبال بڑھ رہا ہے۔ یہ اللہ کا کرم ہے اور احسان ہے۔ یہ اپنی صلاحیت و استعداد اور کارکردگی کی وجہ سے نہیں بڑھ رہا ہے بلکہ صرف اللہ کا کرم ہے ایسے وقت میں کام والوں کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ دنیاوی کاموں میں تو استقبال کے وقت اپنی راحت، سکون و آسائش کی صورتیں نکالی جاتی ہیں لیکن جب دین میں استقبال آئے تو قربانی زیادہ مطلوب ہے، یہی استقامت ہے جس کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ کام کے ذمہ دار قربانی اور خدا کی طرف نسبت کو بڑھائیں۔ تو یہ ترقی کا راستہ ہے۔ دنیا کی لائن میں آدمی اپنی قابلیت سے جانا جاتا ہے لیکن دین کی لائن میں خوب محنت کرنے کے بعد بھی یہی یقین کرے کہ اللہ ہی نے کیا ہے۔ اپنی طرف کی نسبت سے بچا کر محنت کو خوب بڑھائے۔ صحابہ کرامؓ میں یہی استقامت تھی۔ استقامت' دین میں اہم چیز ہے۔ یعنی جس بات کو شروع کیا ہے۔ اس پر جمار ہنا چاہیئے۔ شخصی حالات چاہے جیسے ہوں، لیکن قربانی دیتے رہیں۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما موت تک قدم آگے بڑھاتے رہے لیکن موت کے وقت رو رہے ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ کیا ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے انتقال کے وقت اپنے صاحبزادے سے کہا کہ میری گردن زمین پر رکھ دو۔ اگر اللہ نے عمر کی مغفرت نہ کی تو عمر کے لیئے تباہی و ہلاکت ہے۔ جس عمر سے اسلام کو فروغ ہوا وہ عمر یہ بات کہہ رہے ہیں۔ جتنا اللہ نے کام لے لیا وہ ان کا کرم تھا اور جتنا وجود میں آیا وہ خدا ہی کے کرم سے وجود میں آیا۔"

اپنے عمل کی نمائش، اپنے اندر کی انانیت و نفسانیت، اپنے آپ کو بڑھانا، دوسرے کو گھٹانا اور اس عمل کے ذریعہ اپنی اغراض پوری کرنا، یہ تمام چیزیں اس مبارک عمل میں

لگنے والے کے لئے سم قاتل ہیں۔ حضرت مولانا اپنی مختلف مجالس میں، کام کرنیوالے احباب کو بڑی فکر و کڑھن کے ساتھ ان تمام چیزوں سے بچنے کے لئے اس طرح متوجہ فرماتے ہیں!
"یہ استقبال کا دور ہے اس میں اگرچہ مسرت بھی ہے لیکن خطرات بھی ہیں۔ اور مختلف قسم کے خطرات استقبال میں آتے ہیں، کبھی آدمی اس کو اپنا کارنامہ سمجھنے لگتا ہے۔ کبھی عمل میں نمائش آجاتی ہے۔ اس سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ اس راہ میں انحطاط کی پہچان یہ ہے کہ آدمی اپنے کو کچھ جاننے لگے۔ بس بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انانیت، نفسانیت اور خواہش کو قربان کرکے اپنی سی محنت کرتا رہے۔ جو ہمارے بس میں ہے اس کو ہم کریں نتیجہ ہمارے ذمہ نہیں ہے۔ وہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ مقدار جہد پر ہدایت ملتی ہے۔ استقبال کے وقت کی حقِّ ادائگی یہ ہے کہ اپنی شخصیت اور انفرادیت کو پیچھے کردیں۔ پہلی امتوں میں صرف انفراد تھا اس امت کے لئے انفرادی اجتماعی دونوں محنتیں دی گئیں ہیں غور کرو اس سے امت کی سطح کتنی بلند ہوجاتی ہے۔
آج ہمارے کام کا استقبال چاروں طرف سے ہے۔ اس لئے فتنے بھی چاروں طرف ہیں۔ فتنوں کا علاج توجہ الی اللہ اور انابت الی اللہ ہے۔ جس کے ساتھ جو پیش آتا ہے وہ اس کے اپنے عمل سے پیش آتا ہے۔ حضرت شیخ فرماتے تھے کہ ہمارے احباب میں جس کو بھی ابتلاء پیش آیا، اس کا سبب اپنے آپ کو بڑھانا اور دوسروں کو گھٹانا تھا۔ اللہ جب کسی کی پردہ دری فرماتے ہیں تو کوئی روکنے والا نہیں ہوتا۔ اللہ کے یہاں اسباب و علل ہیں اور اللہ حلیم بھی ہیں لیکن ڈرتے رہنا چاہئے کہ ان اسباب و علل سے ہم محفوظ رہیں۔ من تواضع للہ رفعہ اللہ۔ اپنی ذات سے چھوٹا بنیں اور پھر اللہ جسے بڑا بنادے تو پھر اسے کوئی چھوٹا نہیں بنا سکے گا اور جو مقابلہ پر آئے گا تو منہ کی کھائیگا۔
اس تبلیغی کام کی نوعیت اب اس درجہ پر پہونچ گئی ہے کہ اغراض والے اپنی اغراض پوری کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور فساد والے فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اسلیے منافع حاصل کرنے سے زیادہ مضرتوں سے بچنا ضروری ہے۔ بس کام کرنیوالے اخلاص کے ساتھ، یکسوئی کے ساتھ اور پوری قوت کے ساتھ کام میں لگے رہیں گے تو حفاظت

ہوگی ۔ نہ کسی کی تائید کرنی ہے ۔ اور نہ کسی کی تردید کرنی ہے ۔ استقامت کے ساتھ جم کر کام کرنا ہے ۔ بحث ومباحثہ ذہنوں کو الجھا دیتا ہے ۔ میرے عزیزو دوستو! یہ دعوت کا کام اسی وقت تک دینی کام رہے گا جب تک کہ دین کی حدود میں کیا جائے ۔

بھائیو! اللہ کی ذات بڑی بے نیاز ہے پتہ نہیں کس کو کہاں دھکا لگ جائے ۔ بقول مولوی محمد عمر صاحب کے، پنجہ چھکا، ایر پھیر کو ہم یوں سمجھتے ہیں کہ بڑا کارنامہ ہے ۔ لیکن جس اللہ کے ساتھ معاملہ ہے وہ ایر پھیر میں نہیں آتا ۔ علماء نے لکھا ہے کہ اخلاص کے ساتھ بہت دور تک کی غلطی بھی معاف ہو جاتی ہے ۔ لیکن ایر پھیر کے ساتھ ـــــ بڑے سے بڑا عمل بھی رد ہو جاتا ہے ۔ خدا اندرون تک کو جانتا ہے کہ اس کے اندرون میں کیا ہے" [1]

اپنے کو کچھ نہ سمجھو، اپنے بڑھانے کی فکر نہ کرو، اپنے کو چھوٹا بنائے رکھو، ہم اکیلے نہیں ہیں، ہمارے ساتھ مجمع ہے ۔ اس لئے اگر ہماری بے عنوانی سے لوگوں کے ظنون اور خیالات بگڑ گئے تو پھر ہمارا کہیں ٹھکانا نہیں ہے ۔ اگر اپنے کو کچھ نہ جانیں تو مزے میں رہیں گے ۔ حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ مومن اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اپنے کو کافر فرنگ سے بدتر نہ سمجھے ۔ حضرت تھانویؒ نے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ اعتبار خاتمہ کا ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان کے ساتھ مرے اور ہم خدانخواستہ بے ایمان ہو کر مریں اسلئے اپنی فکر خود کریں ۔ کام اگر اخلاص یعنی خدا کے لئے ہو تو پھر اگر جوتے بھی پڑیں تو مزا آئے گا ۔ ہم اپنے سے بے فکر نہ ہوں ۔ دوسرے کو حقیر و کمتر سمجھنے والے کو خدا دکھا دیتے ہیں ۔ اگر اندر میں اخلاص ہو تو تھوڑی بہت غلطی بھی نبھ جائے گی ۔ لیکن اغراض کے ساتھ صحیح چیز بھی نہیں پنپتی ۔"

کام کا یہ دور جو حضرت مولانا کی نگاہ میں اس کے عروج و استقبال کا دور ہے ۔ خود حضرت مولانا کو اپنی ذات و شخصیت کے بارے میں انتہائی مغموم اور فکرمند رکھتا تھا ۔ وہ ایک بندۂ مومن کی طرح اس تصور سے بھی لرزاں و ترساں رہتے تھے کہ کہیں خدانخواستہ

---

[1] ارشاد بموقعہ جوڑ اہل سنگاپور، فروری ۱۹۸۰ء ۔

ان کی ذات سے کام کو نقصان نہ پہونچ جائے۔ یا یہ کہ نفس وشیطان اس نازک موقع پر ان کے ساتھ کوئی کھیل نہ کھیل جائے۔ وہ خود بھی اسی شیطانی ونفسانی حملہ سے بچاؤ کے لئے بڑے الحاح وتضرع کے ساتھ دعائیں فرماتے اور دیگر اہل تعلق یا معاصر علماء ومشائخ سے بھی دعا کی درخواست کرنے میں نہیں جھکتے تھے۔

چنانچہ پاکستان کے آخری سفر کا واقعہ ہے کہ عشاق اور جاں نثاروں کا ایک مجمع پروانہ وار آرہا تھا۔ ملاقات اور زیارت ومصافحہ کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل رہا تھا کہ اسی اثنا میں جناب الحاج مولانا عبدالجلیل صاحب (خواہر زادہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ) تشریف لے آئے۔ اُن سے بڑی محبت سے مصافحہ کیا اور بھرائی ہوئی آواز میں روتے ہوئے فرمایا کہ: بھائی مجھے اپنی ذات سے بہت خطرہ ہے۔ میرے لئے دعا کرتے رہنا۔"

ذیل میں حضرت مولانا کے دو مکتوب گرامی پیش کئے جاتے ہیں۔ اپنی نفی اور اپنی ذات پر خوف ان مکاتیب سے کس قدر واضح ہے۔ یہ ہر شخص محسوس کر سکتا ہے۔

" المخدوم المکرم المعظم المحترم، متعنا اللہ بفیوضکم السامیہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' والا نامہ نے معزز ومفتخر فرمایا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ خبر بھی پہونچی کہ حضرت والا سفر میں تشریف لے گئے ہیں اس لئے جواب میں قصداً تاخیر کی گئی۔ ورنہ فوراً ہی الطاف نامہ کے جواب میں عریضہ گذارا جاتا۔ اللہ جل شانہ کے فضل اور اپنے اکابر کی توجہات اور ادعیہ سے جماعتوں کی نقل وحرکت اور آمد ورفت اور بیرون کی بھی خبریں اور افراد کی آمد روز افزوں ہے۔ اس وقت بھی چار حضرات عرب مراکش سے اور ایک عرب شام سے اور ایک صاحب بخاری مہاجر مدینہ منورہ سے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ایک صاحب مورشش افریقہ کے آئے ہوئے ہیں۔ جو جماعتوں میں پھر رہے ہیں۔ تین کویت کے عرب، پچھلے ہفتہ واپس گئے ہیں۔ ہماری اپنی نسبت سے جتنا بھی بگاڑ ہو کم ہے۔ بس اپنے اکابر کی دعاؤں ہی کی برکت سے اللہ جل شانہ کے بڑے فضل کی امیدیں ہیں۔ اور اسی سہارے پر اپنی سی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ جل شانہ ہماری گندگیوں سے اس مبارک کام کی حفاظت فرمائیں۔ حضرت والا کے والا نامہ سے

بڑی ہمت افزائی اور تقویت ہوئی۔[1]

دوسرا مکتوب جو حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کو ارسال کیا گیا۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں:

" بندہ دعاؤں کا خواستگار ہے۔ بندہ کے لئے اور اس دعوت والے کام کے لئے دعا فرماتے رہیں کہ اللہ جل شانہ اس بندہ کو رذائل سے محفوظ فرماتے ہوئے عافیت کے ساتھ موت تک لگائے رکھے اور اس ناپاک کی گندگیوں سے اِس مبارک کام کی حفاظت فرمائے۔ فقط والسلام۔

بندہ محمد انعام الحسن عفرلہٗ تاج المساجد بھوپال ۲۵ دسمبر ۱۹۹۲ء

بقلم محمد شاہد سہارنپوری۔ از راقم الحروف سلام مسنون وگذارشِ دعوات

حضرت مولانا اپنی مرجعیت و مرکزیت اور اپنے عالمی استقبال کو دیکھ دیکھ کر بڑے فکرمند رہتے تھے۔ ہر وقت آپ کو یہ غم رہتا تھا کہ نفس و شیطان کوئی دھوکہ نہ دیدے بار بار اپنا محاسبہ فرماتے اور ہر وقت اپنے سے بدگمان رہتے۔

ذیل میں پیش کئے جانے والے ایک مکتوب کا یہ اقتباس بھی حضرتؒ مولانا کی اسی اندرونی کیفیت کی منہ بولتی شہادت ہے۔

" بندہ اپنے لئے بہت دعاؤں کا محتاج ہے۔ کیونکہ بہت پُرخطر وادی سے گزر رہا ہے۔ امید ہے کہ میری گذارش گرانی کا سبب نہ ہوگی۔"

[ایک عالم جلیل اور مربی روحانی کے ذی علم فرزند کے نام بھیجے جانے والے مکتوب مورخہ ۲۵ محرم ۱۴۱۵ھ ۶ جولائی ۱۹۹۴ء سے ایک اقتباس]

طریقۂ اسلاف پر پختگی اور ثبات قدمی

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے کام کا جو نہج اور طریقۂ کار متعین

---

[1] مکتوب الیہ کا نام معلوم نہ ہو سکا تاہم خط کی ابتدائی سطور بالخصوص اس کے القاب و آداب سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی ذی وجاہت شخصیت کو لکھا گیا ہے

فرمایا تھا اس پر آپ بڑی ثبات قدمی اور مضبوطی کے ساتھ قائم رہے اور پوری دنیا کی دعوت و تبلیغ کو ان ہی خطوط اور اصول پر چلاتے رہے۔ ان سے انحراف یا ان میں کسی قسم کا اضافہ یا کوئی نیا تجربہ آپ کو بالکل پسند نہیں تھا۔

جب جب کسی نئے تجربہ یا اضافہ کی بات چلائی گئی تو آپ نے شدت کے ساتھ اس پر نکیر کی۔ اور برجستہ فرمایا کہ ہم تو لکیر کے فقیر ہیں۔ اپنے بڑوں کو جس طرح کرتے دیکھا اسی طرح کریں گے۔ مولانا محمد یوسف صاحب کے دور امارت کا واقعہ ہے کہ حضرت حافظ فخرالدین صاحب نے مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا محمد انعام الحسن صاحب کو یہ مشورہ دیا کہ دعوت و تبلیغ کے ان چھ نمبروں میں اگر مزید دو نمبروں کا اضافہ کر دیا جائے تو یہ نمبر مکمل ہو جائیں مولانا انعام الحسن صاحب فرماتے تھے کہ ان کی یہ بات سنکر مولانا محمد یوسف صاحب تو خاموش رہے لیکن میں نے فوراً یہ جواب دیا کہ ہم تو لکیر کے فقیر ہیں۔ ہم تو مولانا محمد الیاس صاحب کے بتلائے ہوئے انھیں اصولوں پر جم کر کام کریں گے اور انشاءاللہ دوسروں سے کرائیں گے مولانا محمد انعام الحسن صاحب کا یہ مزاج پہلے دن سے آخری دن تک برابر قائم رہا اسی کا اثر اور نتیجہ تھا کہ آپکی آخری حیات میں جب بعض احباب کی جانب سے "مذاکرہ کی جماعت" کے نام سے ایک نئی ترتیب شروع ہوئی تو آپ نے اس کو کلی جماعتی احباب سے مشورہ کے بعد ختم فرما دیا۔ اور وجہ اس کی یہی تبلائی کہ ہمارے بڑے جس نہج سے کام دے کر گئے ہیں وہی ہمارے لئے کافی ہے۔

ایک بزرگ عالم دین اس موقعہ پر اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں۔

۱۱۔۱۲ نومبر ۱۹۹۴ء کو اجتماع رائیونڈ کے بعد اجتماع کی جگہ پر ہی عشاء کے بعد پاکستانی ہندوستانی، بنگلہ دیشی مشورہ والوں کو الگ کر کے حضرت جی مدظلہ نے فرمایا کہ ہمارے پاس ملکوں اور علاقوں سے خطوط آئے ہیں کہ یہ مذاکرہ کی جماعت کیا چیز ہے۔ ہم نے ان سے یہی کہا کہ مشورہ کر کے رائے ونڈ میں جواب دیں گے۔ اس لئے بتلاؤ کیا رائے ہے؟ اس پر احباب نے کہا کہ جو آپ کا فیصلہ ہوگا وہی ہوگا۔ اس پر حضرت جی مدظلہ نے فرمایا، ہمارے یہاں مذاکرہ والی کوئی جماعت نہیں ہے۔ حسبِ سابق مسجد وار جماعت کے طور پر محنت کرو

اسی ضمن میں حضرت مولانا کی طرف سے لکھے جانے والے ایک مکتوب کا اقتباس یہ ہے ۔

(پاکستان میں) مذاکرے کی جماعت کے بارے میں گفتگو ہوئی اور پھر یہ قرار پایا کہ یہ مذاکرے کی جماعت کو روک دیا جائے کہ اس سے ممالک کے اندر دو ذہن بنتے ہیں ۔ اور یہ بڑا نقصان ہے ۔ نیز یہ کہ ہمارا کام جو ہمارے بڑے جس نہج سے تجویز کر گئے ۔ اور اس پر محنت فرما گئے ۔ اسی پر جمنا ہے ۔ اپنی طرف سے کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرنی ہے کیونکہ ہم میں نہ پہلوں جیسا تقویٰ ہے، نہ اخلاص ہے، نہ امت کا درد ہے ۔ اگر ہر فائدہ کی چیز کو شامل کیا جاتا رہے گا تو بہت بڑے فتنے کا اندیشہ ہے

بدعت کی ابتدا ایسے ہی ہوتی ہے کہ کسی چیز کو سود مند فائدہ مند سمجھ کر شروع کر دیا جاتا ہے ۔ پھر وہ چیز رفتہ رفتہ ایک رسم بن جاتی ہے ۔ اللہ جل شانہ ہماری اور ہمارے اس کام کی شش جہت سے حفاظت فرمائے ۔ آپ کی کوشش سے جہاں وہ مذاکرات کی جماعت جس جس جگہ جاری ہوئی ہے ان لوگوں کو بھی اس طرف متوجہ فرمائیں ۔ فقط والسلام

محمد انعام الحسن بقلم محمد غزالی[1]

اسی طرح بلجیم جیسے دور دراز ملک کے احباب نے جب مذاکرہ کی جماعت کے متعلق وضاحت چاہی تو آپ نے اُن کو جواب میں ذیل کا مکتوب تحریر فرمایا ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد انعام الحسن، الی اصحاب بلجیکا، وفقنا اللہ وایاکم لما یحب یرضاہ ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ نحن کلنا بخیر ونرجوان تکونوا بخیر فقد جاء تنا رسالتکم الکریمۃ واخبرنا الاخ مصطفی النوحی ان ھؤلاء الاحباب عشرون نفرا کانوا مشکلین الی دول مختلفۃ ولکنھم منتظرون لفصل المشورۃ فی خروجھم

---

[1] مکتوب بنام الحاج حافظ محمد پٹیل صاحب انگلینڈ ۔ محررہ ۲۳ رجمادی الثانی ۱۴۱۵ھ ، ۲۸ نومبر ۱۹۹۴ء بشکریہ کرنل امیر الدین صاحب ۔

الی باکستان فتشاورنا ونری انہ لیس فی جهدنا جماعۃ باسم جماعۃ المذاکرۃ ولکنہا جماعۃ کل مسجد حسب السابق واعمال جماعۃ المسجد الخروج کل واحد، لثلاثۃ ایام شہریا والقیام بحلقۃ التعلیم فی المسجد وحلقۃ التعلیم فی البیت یومیا والفراغ ساعتین ونصفا یومیا والقیام بالجولتین اسبوعیا والاذکار والتلاوۃ ولیکن البیان حول ست صفات حسب السابق ۔ والسلام علیکم وعلی من لدیکم،
فقط محمد انعام الحسن' (الکاتب' محمد احسان الحق ۔ ۱۵ر نومبر ۱۹۹۴ء ، دادنہ)

اتفاق واتحاد اور اجتماعیت

یہ تینوں چیزیں اپنے اندر جس قدر اہمیت و افادیت رکھتی ہیں ۔ حضرت مولانا ان سے خوب واقف تھے اور سمجھتے تھے کہ دعوت کے اس وسیع اور عالمی کام کے لئے اتفاق و اتحاد اور اجتماعیت کی حیثیت شہ رگ کی سی ہے ۔ چنانچہ کام کرنے والوں کو اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ برابر اس طرف متوجہ رکھتے تھے کہ ہماری کسی بے اصولی یا جذبۂ انانیت سے ہماری صفوں میں انتشار نہ ہونے پائے ۔ بسا اوقات اپنے خدام اور اہل تعلق کی بڑی سے بڑی بے عنوانی کو نظر انداز فرما دیتے ۔ لیکن جہاں کسی رخ سے فتنہ یا انتشار کی بات سامنے آتی، وہاں کسی طرح کی مداہنت یا خاموشی گوارا نہیں تھی ۔

حضرت مولانا گذشتہ کئی سالوں سے مختلف ممالک کے پرانے کارکن اور مختلف مراکز کی اہل شوریٰ کو آپس کے اتفاق و اتحاد اور مشوروں میں اپنی رائے پر ضد اور ہٹ دھرمی سے بچنے پر بڑی قوت کے ساتھ متوجہ فرما رہے تھے ۔ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے اہم اجتماعات کے موقع پر تو آپ اپنا دل کھول کر رکھ دیتے تھے ۔ اپنی نجی مجلسوں میں بار بار فرماتے تھے کہ موجودہ زمانہ کی یہودیت و نصرانیت ہمارے اندر کے اتحاد و اتفاق کو توڑنے پر تلی ہوئی ہے اور دعوت کی اس عظیم و وسیع محنت پر اگر دشمنان اسلام کی طرف سے کوئی کاری زد پڑے گی تو وہ صرف یہ ہو گی کہ آپس میں بے اعتمادی اور انتشار و خلفشار پیدا کرا دیا جائے گا ۔ اسی لئے آپ کسی موقعہ پر بھی اس خطرہ سے آگاہ کئے بغیر نہیں رہتے تھے آپ کے ذہن میں اتحاد و اجتماعیت کا جو عظیم تصور تھا اس کا اندازہ ذیل کے . . .

ارشادات و فرمودات سے لگایا جاسکتا ہے۔

دنیا بھر کے انسانوں میں جوڑ اور اجتماعیت کیسے پیدا ہو؟ اس کی صرف ایک ہی شکل ہے کہ تمام انسان اپنے رب سے جڑ جائیں۔ رنگ و نسل اور قومیت اور علاقائیت کی بنیاد پر انسانی جوڑ ہرگز وجود میں نہیں آسکتا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا

اجتماع قلوب تقریروں اور تدبیروں سے نہیں ہوتا بلکہ یہ تو دوسروں کی خوبیاں دیکھنے اور اپنے عیوب دیکھنے سے ہوتا ہے خوبیاں دیکھنے کے لیے دوسرے کی ذات ہو اور عیوب دیکھنے کے لیے اپنی ذات ہو، جو اس طرح چلے گا وہ ایک دن سراپا خوبی بن جائے گا۔

جس طرح اللہ پاک نے بدن کو مختلف اعضاء سے بنایا ہے اسی طرح انسانوں کو مختلف طبقات میں بنایا ہے۔ کوئی امیر ہے کوئی غریب ہے۔ کوئی کالا ہے، کوئی گورا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور ان سب طبقات کی کامیابی جوڑ میں رکھی ہے۔ اگر انسانوں میں جوڑ ہوگا تو کامیاب ہوں گے۔ اور توڑ ہوگا تو ناکام ہوں گے مگر جوڑ بھی اگر ترتیب کے ساتھ ہو تو کامیاب ہوں گے۔ گھڑی کے پرزے اگر ترتیب کے ساتھ جڑے ہوں گے تو فائدہ ہوگا اور گھڑی چلے گی ورنہ بند رہے گی۔

آج لوگ رنگ نسل اور قومیت کی بنیاد پر جڑے ہوئے ہیں۔ ہر ایک چاہتا ہے کہ جوڑ ہو جائے۔ ہر آدمی اتفاق و اتحاد کو اچھا کہتا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں، امیر غریب میں، ملک ملک میں جوڑ نہیں ہے۔ اور اگر کسی غرض کے تحت لوگ جڑ بھی گئے تو بس اسی وقت تک جڑے رہیں گے جب تک کہ غرض پوری نہ ہو۔ جب غرض پوری ہوگئی تو جوڑ بھی ختم ہو جائیگا اور اگر یہ محسوس ہو کہ غرض پوری نہیں ہوتی تب بھی جوڑ ختم ہو جائے گا۔ تو کیا وجہ ہے کہ جوڑ نہیں ہوتا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک آدمی ایک اسکیم بناتا ہے اور یوں چاہتا ہے کہ سب میرے کہنے پر جڑ جائیں اور یہ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ انسانوں کے مختلف طبقات ہیں اور ان کی مختلف اغراض ہیں۔ اگر امیر امیر جڑ جائیں تو یوں کہیں گے کہ کام زیادہ لو اور تنخواہ کم دو اور اگر غریب غریب جڑ جائیں تو وہ یوں کہیں گے کہ ہم تنخواہ زیادہ لیں گے اور کام کم کریں گے تو اپنے اپنے جذبات پر

چلنے کی وجہ سے جوڑ نہیں ہو سکتا۔"

اس لئے اب جوڑ کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ سب اللہ سے جڑ جائیں۔ انسانوں کا انسانوں پر جڑنا بہت مشکل ہے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک فائدہ لینا چاہتا ہے اور اللہ کو فائدہ کسی سے لینا نہیں۔ اللہ تو سب کو فائدہ پہونچانے والے ہیں۔ اور اللہ سب کے ہیں اور سب کو دینے والے ہیں۔ اور دینے والے پر سب جڑ جائیں گے۔ اللہ اکبر کی صدا لگا کر سب کو مسجد میں لے آؤ اور اللہ پر جوڑ دو۔ اللہ پر سب جڑ جائیں گے۔ اگر انسان کو انسان سے جوڑنا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر لانا پڑیگا اور حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت والی دعوت ہر ایک کو جوڑ دے گی۔"[1]

ایک مرتبہ اجتماع رائے ونڈ کے موقعہ پر ترکی سے آنے والے دعوتی احباب نے وہاں کے حالات مشورہ میں رکھے تو اس پر فرمایا کہ اجتماعی کاموں میں ہر قسم کے آدمی بھلے اور برے سبھی ہوتے ہیں ان کے ساتھ مل کر نبھاتے ہوئے کام کیا جائے۔ حدیث میں ہر بھلے برے کے ساتھ نماز پڑھنے کو کہا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ نماز جماعت سے الگ ہو جائیں۔ جہاد کے لئے بھی ایسا ہی حکم ہے۔ سب سے پہلی ضرورت آپس کے اتحاد و اتفاق کی ہے، ٹھان لو کہ اتفاق رہے گا۔ اختلاف تو ہوتا ہی ہے۔ بڑے بڑے صحابہ کرام میں ہوا لیکن خلاف نہیں ہوا۔

۲۴ مارچ ۱۹۸۷ء میں پرانوں کے جوڑ میں ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کرنے اور اس کے نتیجے میں آپس میں جوڑ پیدا ہونے کو اس طرح سمجھاتے ہیں۔

"نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ آپس میں حسد نہ کرو بھائی بھائی کی طرح رہو، ہر ایک کو اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہئے۔ اور ہر ایک کے حقوق پورے کرنے چاہئیں۔ اگر یہ بات ہم میں ہو گی تو ہم میں آپس میں جوڑ ہوتا چلا جائے گا۔ اور اگر ہم اپنی ذمہ داری پوری نہیں کریں گے تو آپس میں پھٹن ہوتی چلی جائے گی اور یہی اس

---

[1] بموقعہ مشورہ اہل جنوب در مرکز نظام الدین

امت کا عذاب ہے ۔ خدائے پاک بغض سے حسد سے کینے سے ، اور دل کی پھٹن سے ہماری حفاظت فرمائے"۔ آمین ۔

حضرت مولانا کے نزدیک کسی بھی قسم کا انتشار و خلفشار دین کی جڑوں کو کاٹنے کا ذریعہ ہے اور انانیت و خود پسندی اجتماعیت کے لئے سمّ قاتل ہے ۔ اجتماعیت جتنی مضبوط ہوگی اتنا ہی دین مضبوط ہوگا ۔ اس سلسلہ میں ایک مرتبہ کارکنانِ ہند کے اجتماع (منعقدہ ۱۷؍ مارچ ۱۹۸۲ء) میں ارشاد فرمایا :

" ایمان و یقین کی یہ محنت جو آج عالم کے چپہ چپہ پر ہو رہی ہے یہ کوئی اپنے گھر کا کام نہیں ہے اور کوئی دنیا کا کام نہیں ہے ، یہ اللہ کا کام ہے ۔ اور آخرت بنانے کا کام ہے ۔ دین کی جڑیں کاٹنے والی چیز انتشار ہے ۔ میں امیر ہوں ، میری بات چلے ، میں اگرچہ حقیر فقیر ، لیکن میری بات کیوں نہیں مانی گئی ۔ یہ سب انتشار پیدا کرنے والی چیزیں ہیں ۔ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار انتشار اور افتراق ہے ۔ اجتماعیت جتنی ہوگی ۔ کام کی جڑیں اتنی ہی مضبوط ہوں گی ۔

حضرت مولانا اس اتفاق و اتحاد اور اجتماعیت کی اہمیت صرف دعوت و تبلیغ ہی میں نہیں بلکہ امت کے ہر طبقہ میں ——— ضروری محسوس فرماتے تھے ۔ چنانچہ ایک موقعہ پر جب کہ ایک علمی ادارہ میں انتشار و خلفشار سخت خطرناک شکل اختیار کر گیا تھا ، ایک صاحب کو ان کے مکتوب کے جواب میں تحریر فرمایا ۔

" آج امت میں ایسا افتراق ہے کہ ایک دوسرے کی ٹوپی اچھالنے کی فکر میں ہیں ہم امت کے تمام طبقات میں کام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ کسی کی منقبت و مذمت میں زبان نہیں کھولتے ۔ کیونکہ ہر شق میں کسی نہ کسی کی دلجوئی یا دل آزاری ہوتی ہے ۔ اس لئے ہم سکوت ہی کو اپنا وطیرہ بنائے ہوئے ہیں ۔ حق تعالیٰ شانہ امت میں اتفاق و اتحاد اور ایک دوسرے کی قدر دانی نصیب فرمائے ۔ نکتہ چینی اور عیب جوئی سے حفاظت فرمائے ۔

غالباً آپ کے علم میں ہوگا کہ ہمارے اس دینی کام میں ایک مستقل نمبر " اکرام " ہے

اس لئے ہم تو ہر مسلمان کے اکرام کو اہم جانتے ہیں اور خصوصاً وہ حضرات جو دین کا کسی بھی لائن سے کام کر رہے ہوں ۔ وہ تو اور زیادہ قابل اکرام ہیں ۔جس میں کسی بھی فرد کی خصوصیت نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ پوری امت میں اس اکرام کے ذریعہ محبت فرمائے ۔

فقط والسلام بندہ انعام الحسن ۔ بقلم خالد [1]

ناموافق جگہوں میں کام کا طریقہ

موافق اور مساعد ماحول میں کام کرنا اتنی بڑی ہنرمندی نہیں ہے جتنا کہ ناموافق اور مخالفانہ ماحول میں اپنے اصول اور نہج کی حفاظت کرتے ہوئے کام کرنا ہنرمندی ہے ۔ کام کرنے والے کی استعداد اور صلاحیت کا بہترین اندازہ بھی ایسے ہی موقع پر ہوتا ہے ۔ اسی لئے حضرت مولانا اپنی مجالس میں بار بار فرمایا کرتے تھے کہ ماحول کی ناموافقت اور مخالفت سے گھبرانا نہیں چاہئے ۔ اس لئے کہ کرنے والی ذات صرف اللہ جل شانہ کی ہے اور وہ جب کرنے پر آتے ہیں تو اصنام سے بھی توحید ظاہر ہوجاتی ہے ۔ اور باطل کے نقشوں سے حق کی آواز اٹھنے لگتی ہے ۔

مرکز نظام الدین سے اطراف عالم میں جانے والی جماعتوں کو چونکہ ہر جگہ یکساں ماحول نہیں ملتا ۔ کہیں مخالفت ۔۔۔ ہوتی ہے ۔ کہیں مسجد میں قیام کی ممانعت ہوتی ہے اس لیے ایسے ماحول میں اگر کام کرنا پڑجائے تو حضرت مولانا کی اولین نصیحت اور تاکید یہ ہے کہ حتی الامکان نرمی کی جائے ۔ اگر مخاطب اپنے سخت رویہ پر جما رہے تو پھر خاموشی اختیار کر لی جائے ، کیونکہ جوابی طور پر سخت رویہ یا مناظرہ و مباحثہ اس راہ میں نقصان دہ ہے چنانچہ ایک موقع پر فرمایا :

" جماعت میں نکل کر اپنی بات کو نرمی سے سمجھاؤ ۔ بات میں سختی لانے سے بچنا ہے اپنے بھائیوں کو ایسے طریقہ سے اس کام پر لانے کی کوشش کرنا ہے جس سے وہ آجائیں ۔ نرمی سے ان کی خوشامد کریں ۔ یہ نہیں کہ ان کو وحشت ہوجائے اگر وہ سختی کریں تو مجلس کو خوبی کے ساتھ ختم کر دو ۔ یہ نہیں کہ تم بھی سختی پر آجاؤ ۔ خود سختی نہ کرو ، نرمی سے سمجھاؤ ،

---

[1] مکتوب بنام اشفاق الرحمٰن صاحب دہلی

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے نرمی برتنے کا حکم دیا تھا۔"
ایک مرتبہ خود حضرت مولانا نے اپنے مخاطب کا ایسا ہی طرز و رویہ دیکھتے ہوئے اپنی مجلس برخواست کر دی تھی۔ حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھپرولی) یہ واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"ملک شام کی ایک ذی وجاہت سرکاری شخصیت حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے مرکز نظام الدین آئی۔ حضرت کو اطلاع کی گئی۔ حضرت فوراً اپنے حجرہ سے تشریف لائے۔ ان سے ملاقات و مزاج پرسی کے بعد حضرت نے ان کو دعوت دی۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محنتوں اور قربانیوں کا خوب ذکر فرمایا۔ مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی ترجمان تھے۔ حضرت جی اردو میں فرماتے تھے اور مولانا اس کی عربی کر رہے تھے۔ میں بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ لیکن وہ صاحب حضرت جی کی ہر بات کاٹ دیتے، یا اس پر اعتراض کر دیتے۔ یہ رنگ دیکھ کر حضرت جیؒ نے مولانا عبید اللہ صاحب سے فرمایا کہ ان سے یہ پوچھو کہ یہ کام کیسا ہے، جو ہم کر رہے ہیں؟ ان صاحب نے کہا کہ کام تو بہت اچھا ہے۔ اس پر حضرت جی نے مولانا عبید اللہ صاحب سے فرمایا کہ "بس یہیں چھوڑ دو۔ اور یہ جملہ کہہ کر اپنی بات ختم کر دی۔"
دعوت و تبلیغ کی تمام محنت اور ترتیب مسجد سے چلتی ہے۔ اب اگر کسی مسجد کا کوئی ذمہ دار متولی وغیرہ بیان کرنے سے منع کر دے تو ایسے موقع پر کیا کیا جائے۔ حضرت مولانا اس مشکل کا حل اس طرح بیان فرماتے ہیں؛

"اگر کسی مسجد میں متولی بیان کرنے سے منع کرے یا اس کا خطرہ ہو تو بھی ان کو حکمت سے دعوت دی جائے۔ بجائے بیان کی اجازت لینے کے دین کی دعوت دیں اگر وہ اسے قبول کر لے تو ایسے میں اجازت خود بخود ہو گئی۔ اور اگر وہ بالکل روک دے تو پھر ضد نہ کرے، بلکہ دوسرے مسجد میں کام کرے۔"
ریل میں اذان با آواز بلند دینے یا نہ دینے کے متعلق جب حضرت مولانا سے دریافت کیا گیا تو آپ نے موقع و محل کی رعایت کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا کہ؛

ریل میں اذان زور سے دینے کے بارے میں کوئی کلیہ نہیں۔ بعض مرتبہ زور سے اذان دینے سے دینی فضا بنتی ہے تو وہاں زور سے دیں۔ اور بعض مرتبہ صبح کے وقت لوگ اگر نیند میں ہوں تو اس موقعہ پر زور سے اذان دینے سے اغیار کی نیند میں خلل پڑکر وحشت کا سبب بن سکتا ہے تو اس موقعہ پر آہستہ اذان دیں۔ غرض موقع ومحل کو دیکھ زور سے یا آہستہ دے۔[1]

ناموافق جگہوں میں اگر کسی ناجائز کام پر مجبور کر دیا جائے یا کسی عہدہ ومنصب کے قبول کرنے پر اصرار کیا جائے۔ تو ایسے موقعہ کے لئے ایک جامع نصیحت کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:

"ہمارے کام کرنے والے حضرات بجائے متولی یا صدر بننے کے یکسوئی سے اپنی محنت کے کام میں لگے رہیں، یہ زیادہ مفید ہے۔ صدارت وغیرہ کے لئے اور لوگ ہیں۔ ہمیں یکسوئی سے اپنے کام میں لگے رہنا ہے۔

بعض مجمعوں میں اگر کسی ناجائز کام پر مجبور کیا جائے تو ایسے موقعوں پر دو باتوں کا خیال رکھا جائے۔ ایک تو یہ کہ امر الٰہی نہ ٹوٹے، کہ اس کا ٹوٹنا بھی غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی قسم کا فساد یا اختلاف برپا نہ ہو۔ امر الٰہی کے پورا کرنے میں اگر فساد برپا ہو گیا تو بھی یہ غلط ہے اب بیچ کی راہ اس موقعہ پر خوب کڑھن اور فکر سے اللہ تعالیٰ نکالتے ہیں، جو متعین کر کے نہیں بتائی جا سکتی۔"

علم ومطالعہ کا اچھا ذوق رکھنے والے ایک ذی علم (جو متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں) کو اپنے ملک میں دعوتی کام کرنے والے بعض نوجوان ساتھیوں کی کچھ عملی کوتاہیوں اور تقریری خامیوں کا احساس ہوا۔ اور پھر انھوں نے ماحول کی ناموافقت اور عدم مساعدت کی بنا پر تبلیغی اجتماعات میں شرکت سے یکسوئی حاصل کرتے ہوئے اپنے تفصیلی مکتوب کے ذریعہ حضرت مولانا کو اس کی اطلاع بھی کر دی۔ حضرت مولانا نے جو جواب ان کو تحریر فرمایا

---

[1] اقتباس مکتوب بنام مولانا محمد صالح صاحب برما۔

اس کی نقل یہاں پیش کی جاتی ہے۔

کام کرنے والوں میں کمی اور پھر اس کمی کا احساس اور اس کا تدارک، یکسوئی اور گوشۂ تنہائی میں بھی عافیت کا نہ ملنا اور فتنوں کا وہاں تک پہنچ جانا کام کو صحیح نہج پر لانے کی فکر و تدبیر، اپنی نااہلیت کا استحضار اور کسی پُرخطر وادی سے اپنے گذرنے پر فکر و تشویش، یہ سب اس مکتوب کے حکمت اور بصیرت سے بھرپور نکات ہیں اور جن سے صرف اہلِ حکمت اور اہلِ بصیرت ہی محظوظ اور منتفع ہو سکتے ہیں۔ اس مکتوب گرامی کی نقل یہ ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنگلہ والی مسجد ۲۵ محرم ۱۴۱۵ھ، ۶ جولائی ۱۹۹۴ء۔

مکرم و محترم، زادت عنایاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

کل ہی ڈاکٹر خالد صدیقی کے بدست گرامی نامہ نے مشرف فرمایا۔ جو بات آپ نے تحریر فرمائی وہ صحیح ہے۔ اس کا احساس بھی ہے اور اس کے تدارک کی صورتیں بھی اختیار کی جا رہی ہیں۔ اللہ جل شانہ عم نوالہ خیر کی صورتیں پیدا فرما دے۔

اور آپ نے جو اپنے لئے یکسوئی تجویز فرمائی ہے یہ اپنے دیگر مشائخ کا راستہ ہے۔ ہمارے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مشائخ کا یہی اختلاف تھا۔ دیگر مشائخ کا رویہ یہ تھا کہ اب زمانہ اصلاح کا نہیں رہا ہے۔ بس ایک گوشہ کے اندر پڑے رہیں۔ لیکن ہمارے حضرت جی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد عالی یہ تھا کہ اب فتن اتنے کثیر ہیں کہ تنہائی کی کوٹھری میں بھی گھسے چلے جا رہے ہیں اسلئے سینہ سپر ہونے کی اور ہمت سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ تنہائی میں بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ یہی آپ سے عرض ہے کہ گوشہ تنہائی اختیار کرنے میں اگرچہ عافیت نظر آتی ہے لیکن اس میں بھی عافیت دشوار ہے۔ اس لئے ہمت کی بات یہ ہے کہ تمام باتوں کو برداشت کرتے ہوئے صحیح نہج پر لانے کی فکر فرماتے رہیں۔ اللہ جل شانہ وعم نوالہ ہمارے ہاتھوں اس نعمت کو ناکام نہ فرمائے۔ بلکہ اپنے فضل کا معاملہ فرما کر آلائشوں سے اس کی حفاظت فرمائے۔

نیز گذارش یہ ہے کہ الحمد للہ پورے عالم میں اب اس کام کا استقبال ہے اور نوجوان طبقہ

بھی متوجہ ہو رہا ہے جن میں جوش زیادہ ہوتا ہے اور ہوش کم ہوتا ہے۔ اس کیلئے دعا بھی فرمادیں۔ اور جہاں تک ہو سکے معاونت سے دریغ نہ فرمائیں۔ بس اللہ جل شانہٗ ہی کارساز ہیں اور حفاظت فرمانے والے ہیں۔ اور بندہ اپنے لئے بہت ہی دعاؤں کا محتاج ہے۔ کیونکہ بہت پُرخطر وادی سے گذر رہا ہے۔ امید ہے کہ میری گذارش گرانی کا سبب نہ ہوگی۔ فقط والسلام

محمد انعام الحسن

بقلم محمد غزالی [1]

جماعت میں نکلنے والوں کو نصائح و ہدایات

مرکز نظام الدین سے جماعتیں چونکہ روزانہ نکلتی ہیں اور ہر جماعت میں نئے نئے افراد ہوتے ہیں اس لئے اہتمام سے ان کو ہدایات دی جاتی ہیں۔ حضرت مولانا جماعتوں میں جانے والے افراد کو روزانہ ہی ہدایات دے کر اور دعا فرما کر رخصت کیا کرتے تھے۔

ایک موقعہ پر حضرت مولانا کی خدمت میں یہ تمام ہدایات تحریری طور پر مرتب کر کے پیش کی گئیں اور حضرت مولانا نے انھیں ملاحظہ فرما کر ان کی منظوری دی۔ یہاں اسی تحریر کو قدرے اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

جماعتوں کیلئے روانگی کی ہدایات

روانگی یہ ذہن بنایا جائے کہ سیکھنے کے جذبہ سے نکلیں، جن لوگوں میں جائیں ان پر شفقت اور ترحم کے جذبہ کے ساتھ جائیں۔ آزاد زندگی چھوڑ کر امیر کے تابع ہو کر امیر کی مان کر وقت گذارنے کی نیت سے جائیں۔ جس طرح نماز میں امام کی مان کر عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح امیر کی مان کر وقت گزاریں۔ امیر کو یہ سمجھایا جائے کہ ماموریں کا وقت اور مال امانت سمجھ کر صحیح وقت گزروانے کا فکر کریں۔ ترغیب سے کام لیں۔

---

[1] عطیہ مکتوب جناب بھائی محمد خالد صاحب صدیقی علی گڑھ۔

ڈانٹ ڈپٹ نہ کریں ۔ امارت ذمہ داری ہے عہدہ نہیں ۔ سفر میں کس طرح گزاریں، یہ سمجھایا جائے ۔

نگاہ کی حفاظت ہو، اللہ کا ذکر ہو، آپس میں دو، دو کی جوڑی بنا کر سیکھنے سکھانے میں وقت گذاریں ۔

بستی میں داخل ہوں تو خدا کی جناب میں اپنے ضعف کا اظہار اور خدا سے مدد مانگ کر بستی میں داخل ہوں، سنت طریقے سے مسجد میں داخل ہوں ۔ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھیں یہ مسجد کا حق ہے ۔ اگر وقت مکروہ نہ ہو ۔ ساتھیوں کو جوڑ کر مشورہ کریں ۔ اس کا فکر کریں کہ بستی کے ہر مرد و عورت کے لئے اللہ ہمیں خیر کا ذریعہ بنا دے ۔

دینی اور دنیوی لائن کے بڑوں سے ملاقات کریں ۔

دینی لائن کے بڑے

دینی لائن کے بڑوں سے بات اس طرز سے کریں کہ آپ بڑے ہیں ہم چھوٹے ہیں ۔ بشاشت دیکھیں، تو کارگزاری سنائیں، دعا کے لئے کہیں، مقصود متوجہ کرنا ہے ۔

باا ثر یا خواص

کو ذمہ داری کا احساس دلائیں کہ آپ کے تعاون سے لوگ ہمارے ساتھ جڑیں گے ۔ اس کا اجر خدا آپ کو دیں گے، ان کو ذریعہ بنائیں ۔ اپنے کام میں ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کریں ۔

تعلیمی گشت

تعلیم کا حلقہ قائم کریں ۔ تعلیمی گشت کریں، کھانے کا نظم کریں، برتن ساتھ ہوں، صورتِ سوال سے بچیں، کوئی دعوت کرنے آئے تو اس کے جذبہ کی قدر کریں، کام میں جوڑیں، قریب کریں، کام کا نفع دیکھیں، اگر قبول نہ کرنا ہو تو مناسب طریقے سے عذر کر دیں ۔ اپنے اندر اکڑ اور تکبر نہ آئے ۔

ظہر کا وقت

نماز کے بعد مقامی لوگوں کو ٹھہرا کر ساتھ دینے کے لئے آمادہ کریں کہ ٹھہر جائیں ۔ اگر نہیں ٹھہر رہے ہیں تو گشت کا وقت بتلا کر اس وقت آنے پر آمادہ کریں ۔ ان کے سامنے عمومی گشت کا مشورہ بھی ہو ۔ پھر اپنی تعلیم کریں ۔ بستی والے شریک ہو جائیں تو جوڑ لیں ۔ ورنہ عمومی گشت کا وقت بتلا کر

اس وقت آنے پر آمادہ کریں۔

بعد عصر اگر گشت مغرب کے بعد ہے تو عصر کے بعد دو، دو تین، تین مقامیوں کے ساتھ جماعتیں بنا کر گشت کی تیاری کیلئے بھیجیں بقیہ کو ترغیب دیکر ذکر میں بٹھائیں۔

بعد مغرب نماز مغرب کے بعد فکر سے اعلان ہو، گشت کی ترغیب دے کر تیار کیا جائے۔ بہتر ہے کہ اپنے ساتھی پیچھے بیٹھیں اوروں کو آگے بٹھائیں۔ عشاء کے بعد تک وقت دینے کے لئے آمادہ کریں، تیار نہ ہوں تو قربانی پر آمادہ کریں، اس پر بھی تیار نہ ہوں تو جلد اپنے تقاضے پورے کر کے آنے پر آمادہ کریں۔ اور یہ کہیں کہ جو ملے اسے مسجد میں بھیجیں، فکر مند بنائیں، داعی بنا کر بھیجیں، تیار شدہ مجمع سے پہلے عمومی گشت کے لئے جماعتیں بنائیں۔ ضرورت ہو تو بہتر ہے کہ خصوصی گشت کے لئے جماعتیں بنائیں، ان کا حق سمجھ کر مسجد میں لانے کی کوشش کریں، دو تین آدمی ذکر و دعا کے لئے بٹھائیں۔ ایک دو آدمی مسجد میں آنے والوں سے بات کر کے انھیں اعمال میں جڑنے کے لئے آمادہ کریں۔ ایک آدمی دعوت دینے کے لئے بٹھائیں جو بقیہ مجمع کو دعوت کی باتیں سمجھائے۔

گشت ایک آدمی مقامی ہو جو لوگوں کو متوجہ کرے کہ یہ اللہ کے بندے اللہ کے لئے تمھارے پاس آئے ہیں، اپنے کام کو چھوڑ کر ان کی بات سنو

بات اس بنیاد پر کریں کہ ایمان کی دولت بڑی مایا ہے۔ اسی پر دوزخ سے نجات ملے گی۔ جنت حاصل ہو گی۔ مسجد میں اسی کی بات ہو رہی ہے ہم تمھیں لینے آئے ہیں، مسجد میں چل کر بات سن لو۔ دین پر چلنے میں مسلمان کا نفع ہے اور دین پر نہ چلنے میں نقصان ہے۔

گشت، ایمان کی تحریک پیدا کر کے نماز کی تقریب پر اذان سے پہلے ہر بالغ مرد کو مسجد میں جمع کرنے کی محنت ہے۔ مناسب ہو تو کلمہ بھی سنا جاسکتا ہے۔ ایمان کی دولت بڑی مایا ہے۔ آگ کے ذرے کی طرح ہے اسے بھڑکا کر شعلہ بنایا جاسکتا ہے

ایمان کا احساس ہو جائے تو ولی بن سکتا ہے۔

نیت ترحم کے جذبے سے جائیں کہ اللہ کے بندے اللہ کے گھر میں آئیں گے اللہ کے حکموں پر چلیں گے۔ اللہ ان پر رحم کرے گا تو ہم پر بھی رحم کرے گا۔

اعلان: بہتر ہے محلہ کا کوئی با اثر آدمی کرے، ورنہ خود کریں۔

بیان دین پر چلنے میں مسلمان کا نفع ہے۔ دین پر چلنے کا موقع موت سے پہلے ہے، جی چاہی چھوڑ کر رب چاہی زندگی گذارنے کے لئے یہ دین ہے۔ اللہ پاک نے جو پاکیزہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجا ہے۔ اس کی پابندی کر کے زندگی گذارنا یہ دین ہے ـــــــ اللہ کے راستے میں نکلیں گے۔ چھ نمبروں کی مشق کریں گے تو اسکے ذریعہ اللہ پاک پورے دین پر چلنے کی توفیق دیں گے۔ اس سے متأثر نہ ہو کہ لوگ کیسے نکلیں گے تشکیل کرو۔ چلہ تین چلہ کے لئے تیار کرو، رات کو اٹھ کر دعا مانگیں۔ صبح کو موجود ہوں تو آمادہ کرو کہ جلدی سے تیاری کر کے آجائیں اور نکلیں ورنہ گشت کر کے نکالیں۔

تعلیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا احترام ہمیں دوسروں کی طرف متوجہ نہ ہونے دے۔ متوجہ کرنے کے لئے دو چار باتیں کہدی جائیں۔ فضائل کے ذریعے دین کی سچی طلب پیدا ہو جائے۔ طلب صادق عمل پر ڈالدیتی ہے۔ علم اور عمل میں جوڑ پیدا ہو جائے، اس طرح پڑھیں کہ سننے والوں کے دل لے لیں۔ اپنی بات نہ ملائیں۔ اللہ اور رسول کے کلام سے متأثر کرنا ہے۔ اگر کوئی لفظ یا عبارت ایسی آجائے کہ جس کے بارے میں اندازہ ہو کہ مجمع نہیں سمجھا ہے تو اسے آسان الفاظ میں سمجھا سکتے ہیں۔ عبارت کا یاد ہو جانا یہ سمجھنا نہیں ہے۔ حدیث میں امر و نہی ہے۔ سمجھنے کا معیار یہ ہے کہ فضائل سن کر داعیہ پیدا ہو جائے۔ اور وعید سنکر اگر مبتلا ہو تو توبہ کرے اور خدا نے بچا رکھا ہو تو اور پختگی پیدا ہو جائے۔

قرآن کے حلقے عمومی حلقے میں صرف قرآن پاک ہو، ہر لائن کے اختلاف سے بچنا ہے۔ مسلک کے اختلاف سے بچنا ہے۔ سیکھنے کا احساس

دلانا ہے۔ سیکھنے کی ترغیب دینی ہے۔ رہبری کے طور پر ایک دو آیت روزانہ سکھانے
اہتمام کرنا ہے۔ نکلنے کے زمانہ میں۔ دو دو کی جوڑی بنادیں کہ باقی وقت میں سیکھیں۔
علماء سے مسائل معلوم کرنے کی ترغیب دینی ہے۔

واپسی یہ ذہن بنایا جائے کہ اللہ کے راستہ میں نکل کر جو مایا حاصل ہوئی ہے۔ اس کی حفاظت اپنے مقام پر ان عملوں میں لگنے سے ہو گی۔ ورنہ یہ مایا آہستہ آہستہ نکلتی رہے گی۔ حاصل ہونے کے بعد نکل جائے تو پھر اتنی مایا شاید دس گنا محنت سے بھی حاصل نہ ہو۔

ایک یہ ہے کہ چلہ تین چلہ لگاکر فارغ ہو گئے اور ایک یہ کہ موت تک کرتے رہنے کی نیت سے جاؤ اور موت تک کرتے رہنے کی ترتیب یہ ہے کہ اپنے مشغلوں کے ساتھ اسے جوڑ کر، کرنے کی نیت سے جاؤ۔ ترتیب بنائیں گے تو بنا سکیں گے ورنہ موت آجائیگی اور وقت ہاتھ سے جاتا رہے گا اس کی کوشش کریں کہ اللہ کے بندوں کو ہم سے کوئی تکلیف نہ پہونچے۔

کارگذاری کام اونچا اور بہت نازک ہے۔ کتنی ہی احتیاط آدمی کرے مگر چوک ہو جاتی ہے، مذاکرہ اسی لئے ہے تاکہ سب کو نفع ہو، نہ امتحان مقصود ہے نہ غلطی نکالنا مقصود ہے، نہ کسی کو شرمندہ کرنا نہ کارنامہ بتلانا، یہ ذہن بناکر کارگذاری سنی جائے کہ اپنے اوپر محنت اور دوسروں کے اوپر محنت کیلئے گئے تھے۔ خود کیا سیکھا۔ اوروں پر کیا محنت کی، اللہ کا یقین سیکھنے، نمازوں کو جی لگاکر پڑھنے اور جاندار بنانے کی محنت کرنے گئے تھے۔ سفر میں وقت کیسے گذرا۔ بستی میں کس طرح داخل ہوئے۔ گشت کیسے کیا۔ دعوت کیا دی، تعلیم کس طرح کی، نقد جماعت نکالی کہ نہیں، مسجد وار جماعت بنائی یا نہیں؟

ان باتوں کو سن کر، ذہن بناکر کام سمجھایا جائے کہ اس طرح کام کرتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔

تشکیل واپسی والوں کی تشکیل کی جائے کہ (تین دن لگاتے ہوئے جائیں۔ پہلے ہوتا تھا اب کریں یا نہ کریں) اپنی بستی کی مسجد میں جاکر ٹھہریں اور

جماعت نکال کر گھر جانے کی کوشش کریں۔ دوبارہ کب آئیں گے یا کب نکلیں گے۔ مقرر کر کے جائیں۔ [1]

جماعتوں کا قیام چونکہ مساجد میں ہوتا ہے۔ اس لئے مرکز کی جانب سے خصوصی طور پر ان کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ وہ اس پورے عرصہ میں مساجد کے قیام میں درج ذیل امور کا اہتمام اور خصوصی طور پر خیال رکھیں۔

(۱) مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے بائیں پیر کا جوتا نکالیں، پھر داہنے پیر کا۔ لیکن مسجد میں پہلے دایاں پیر داخل کریں، پھر بایاں پیر اور مسجد میں داخلے کی دعا پڑھیں اور اعتکاف کی نیت کریں اپنا سامان بستر وغیرہ اگر خارج مسجد کوئی کمرہ ہو تو اس میں رکھیں ورنہ مسجد کے کسی کونے میں سلیقے اور ترتیب سے رکھیں کہ نمازیوں کو نماز پڑھنے اور آنے جانے میں تکلیف نہ ہو۔

(۲) مسجد کے نظام میں کوئی دخل نہ دیں، نہ امامت میں، نہ اذان میں اور نہ دیگر انتظامی امور میں۔ مسجد کے قرآن پاک پڑھنے کے لئے جہاں رکھے ہوں، پڑھ کر اسی ترتیب سے وہیں رکھ دیں، تسبیحات جہاں ٹنگی ہوں، پڑھ کر وہیں ٹانگ دیں۔

(۳) مسجد کی روشنی اور پنکھے وہاں معمول سے جتنی دیر استعمال ہوتے ہوں اس سے فائدہ اٹھالیں۔ اگر بعد میں روشنی کی ضرورت ہو تو اپنی ٹارچ اور موم بتی کا انتظام رکھیں۔ امام صاحب یا مسجد کے ذمہ داران اگر روشنی اور پنکھوں کے استعمال کی اجازت دیدیں تو بھی حسب ضرورت استعمال کریں۔

(۴) مسجد میں کوئی موٹی چیز بچھائے بغیر آرام نہ کریں تاکہ سر کے تیل وغیرہ یا بدن سے اگر کوئی چیز خارج ہو تو اس سے مسجد کا فرش اور صفیں ملوث نہ ہوں۔ مسجد کی چٹائیوں اور جانمازوں کو تکیہ اور بستر کے طور پر استعمال نہ کریں۔

(۵) مسجد سے متصل اگر کوئی جگہ کمرہ یا سہ دری وغیرہ ہو تو کھانا وہاں کھائیں۔

---

[1] ملاحظہ۔ فرمودہ حضرت مولانا ۲۳ محرم ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۸۶ء۔

حتی الامکان مسجد میں کھانا نہ کھائیں۔ اگر مسجد سے متصل کوئی جگہ نہیں ہے اور مجبوراً مسجد ہی میں کھانا پڑے تو اپنی چادریں بچھاکر ان پر دستر خوان لگاکر احتیاط سے کھائیں کہ مسجد کا فرش ملوث نہ ہو۔

(۶) مسجد سے متصل مسجد کے ماحول یا اس کی چہار دیواری میں جہاں کھانا پکائیں تو صفائی کا پورا خیال رکھیں۔ دیواروں سے لگاکر چولہا اس طرح نہ بنائیں کہ کھانا پکانے سے دیوار سیاہ ہو جائے۔ سلیقے قرینے سے کھانا اس طرح پکائیں کہ کوئی بات نظروں کو بری نہ معلوم ہو۔ اسی طرح برتن وغیرہ دھونے میں مسجد کے غسلخانے اور وضوخانے وغیرہ گندے نہ ہونے پائیں۔ غرض کہ جماعت کے قیام کے زمانے میں اندرون و بیرون مسجد ہر طرح کی صفائی کا خیال رکھیں۔ کبھی کبھی اس میں تھوڑی سی بے احتیاطی اور لاپرواہی سے مقامی مصلیوں اور مسجد کے منتظمین کو اعتراض ہو جاتا ہے۔ اور وہ اتنے بڑے نافع کام سے دور ہو جاتے ہیں۔

(۷) بعض جگہ فلش کے پائخانے ہوتے ہیں، استعمال شدہ ڈھیلے یا کپڑوں کے کترن وغیرہ اس میں ہرگز ہرگز نہ ڈالیں۔ مبادا وہ بند ہو جائیں اور مسجد کے مصلین اور منتظمین کو ان کی صفائی کرانے میں ہماری وجہ سے زحمت ہو۔

(۸) اذان سے پہلے پہلے اپنے بستر وغیرہ اٹھاکر کونے میں رکھ دیں اور نماز کی تیاری کر کے اعمال مسجد میں مشغول ہو جائیں۔

(۹) مسجد کے پینے کا پانی پینے کے لئے اور وضو و غسل کا پانی وضو و غسل کے لئے استعمال کریں۔ پانی کے استعمال میں احتیاط ملحوظ رہے۔ تاکہ مقامی مصلیوں کو کوئی تنگی پیش نہ آئے۔"

• حضرت مولانا ان ہدایات و اصول و ضوابط کے علاوہ نکلنے والوں کو بڑی دلسوزی و فکر مندی سے نصیحتیں بھی فرمایا کرتے تھے۔ یہاں اُن بیش قیمت نصائح کا ایک انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔ فرمایا!

"دین کے کام بالکل آسان اور مزے دار ہیں۔ دنیا کی چیزوں میں کوئی مزہ نہیں ہے لیکن چونکہ مزاج بگڑا ہوا ہے اس لئے اس میں مزہ جانتے ہیں۔ جیسے بیمار آدمی کو کڑوا

میٹھا لگتا ہے اور میٹھا کڑوا معلوم ہوتا ہے۔ کسی مریض کے سالن میں اگر خوب مرچیں ڈال دیں اور پھر بھی اسے محسوس نہ ہوتی ہو تو یہ بے حسی ہے۔ یہی حال اس وقت ہوتا ہے، جب ایمانی مزاج بگڑ جائے۔ اگر ایمانی مزاج بنا ہوا ہوتا ہے تو اعمال بڑے مزیدار لگتے ہیں۔ دینی اعمال کے مزے کے سامنے دنیا کی تکلیفیں بھی ہیچ ہیں۔ محنت کرنے سے ہی انسان کو ملتا ہے مَنْ جَدَّ وَجَدَ۔ آج ہر چیز پر محنت ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ پائخانہ پر محنت ہو رہی ہے اور اعمال پر محنت نہیں ہو رہی ہے۔ چلّہ تین چلّہ دین کی قیمت کے اعتبار سے بہت تھوڑے ہیں۔ لیکن چونکہ ذوق بدل گیا ہے۔ اس لئے شروع میں رخ بدلنے کے لئے تھوڑا وقت مانگا جاتا ہے اور بھائیو! خدا کے یہاں تو کام کرنے والے ہی کی پوچھ ہے۔"

- جماعت میں نکل کر صرف اپنی اصلاح کی فکر کرنی ہے۔ کسی دوسرے کی اصلاح کی نہیں۔ اس کے متعلق فرماتے ہیں؛

"جماعت میں نکل کر دین کے کام کو سیکھنا ہے اور گشت تعلیم وغیرہ جو بھی کیا جا رہا ہو وہ اللہ کے لئے کیا جا رہا ہو۔ اور اصل اپنے آپ کو دیکھنا ہے۔ اپنے آپ کو بنانے کی محنت اور مشق کرنا ہے۔ دوسروں کی خدمت کرنا اور ان کا اکرام کرنا، یہ ہم کہتے تو بہت ہیں لیکن یہ عمل میں آجائے، اس کو سیکھنا ہے۔ آج ہماری زندگی خدا کو ناراض کرنے والی گذر رہی ہے اصل غرض تمام کوششوں کی اللہ کو راضی کرنا ہے اور اسی کے لئے اعمال ہیں۔ ایک تو ہم عمل کرتے نہیں اور اگر کرتے ہیں تو پتہ نہیں کیا کیا اپنے آپ کو سمجھ بیٹھتے ہیں اور اپنے منہ میاں مٹھو بن جاتے ہیں۔"

- اسی طرح رخصت ہونے والی جماعتوں کو حضرت مولانا کی یہ تاکید بھی ہوتی تھی کہ وہ صرف اپنی اصلاح کی نیت لے کر جائیں، دوسروں کی اصلاح کی فکر و نیت لے کر نہ جائیں۔ ورنہ دونوں طرف محرومی رہے گی۔ جناب خالد سیف اللہ صاحب لکھتے ہیں!

"جماعتوں کی روانگی سے پہلے حضرت جی ایک بات بہت اہتمام سے فرمایا کرتے تھے کہ تم اللہ کے راستے میں مجاہدہ کے لئے جا رہے ہو اور اللہ کا وعدہ ہے وَالَّذِيْنَ

جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا - یعنی مجاہدات پر اللہ تعالیٰ اپنے راستہ کی ہدایت مرحمت فرمادیتے ہیں۔ لیکن شیطان یہاں پر ایک چال چلتا ہے۔ وہ یہ کہ اُن لوگوں کی ہدایت کی نیت کرادیتا ہے، جہاں جارہے ہیں۔ اور اپنی ہدایت کی نیت بھلادیتا ہے۔ اب اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہاں والے تو اس لئے محروم رہ گئے کہ وہ مجاہدہ میں نہیں آئے۔ اور جانے والے مجاہدات میں رہنے کے باوجود اس لئے محروم رہ گئے کہ اپنی ہدایت کی نیت نہیں کی۔ اس لئے روزانہ اہتمام سے اپنی ہدایت کی نیت کیا کرو۔ اور اپنی آخرت کے لئے محنت میں لگو تو اللہ کا وعدہ ہے کہ ہدایت کا نزول تم پر ضرور ہوگا اور جب تمہاری دعاؤں سے رحمت کی اور ہدایت کی بارش ہوگی تو وہ خالی تمہارے سر پر نہیں ہوگی بلکہ سب کے سروں پر ہوگی۔ یہ بات دعوت کا بہت اہم نکتہ ہے۔"

• ایک مرتبہ نکلنے والی جماعت کو مخاطب بنا کر سلیقہ اور حسنِ انتظام سے متعلق چند باتیں اس طرح ارشاد فرمائیں۔ کسی کے ساتھ زور وزبردستی کا معاملہ نہ کیا جائے کھانے کا اپنا انتظام کیا جائے کھانے کا ایسا نظم ہو کہ صرف ضرورت پوری ہو جائے۔ سیدھی سادی خوراک سے پیٹ بھرنا ہے۔ جماعت میں نکل کر وقت ایسا گذار کر آؤ کہ جب اپنے گاؤں واپس جاؤ تو وہاں بھی غلط کام نہ کرو۔ معمولات کو پورا کرنا۔ نمازوں میں دل لگانا۔ آپس میں ٹھیک سے رہنا سہنا ضروری ہے۔ آپس میں جب ایثار ہوگا تو دلوں میں الفتیں و محبتیں آئیں گی۔ اللہ کے راستے میں دوسرے کے کام آیا جائے نہ یہ کہ اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالا جائے۔ اگر سارے عمل خدا کے لئے کرنے کی صفت ہمارے اندر آجائے تو پھر کھانا کمانا، ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، یہ سب دین بن جائے گا۔ اگر خدا کا حکم نبی کے طریقے پر کیا جارہا ہوگا تو اس پر ثواب ملے گا۔ لیکن اگر اپنے جی کی ترتیب پر پورا کیا جارہا ہوگا تو اس پر کوئی ثواب نہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ خود پسندی سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔"

• ۲۹ شعبان ۱۴۰۳ھ (۱۲ جون ۱۹۸۳ء) اتوار کی صبح میں جماعتوں کو رخصت کرتے وقت مختصر مختصر جملوں میں جو نصیحتیں یا دوسرے الفاظ میں رہنما اصول ارشاد فرمائے انکو مولانا عبدالسلام صاحب پونوی اس طرح تحریر کرتے ہیں:

فرمایا: دوستو بزرگو بھائیو! یہ سب جانتے ہیں کہ کرنے کا کام کرنے ہی سے ہوتا ہے اور کام کو طریقہ سے کیا جائے تو نفع ہوتا ہے۔ ورنہ نفع والے کام سے بھی بغیر صحیح طریقہ کے نقصان ہوگا۔

"آدمی خود عمل کر رہا ہو اور بے غرض ہو کر دوسروں تک پہونچا رہا ہو۔ دین کا کام کرو تو دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں اور دنیا کے کام میں دوست بھی دشمن ہو جاتے ہیں۔

فرمایا: لوگوں کو نرمی سے سمجھایا جائے اور ان کی سختی کو برداشت کر لیا جائے۔ ایک بھائی متکلم ہو، باقی سب ساتھی متوجہ ہوں اللہ کی طرف۔ اور متکلم صحیح طریقہ سے بول رہا ہو تو اللہ اثر ڈالیں گے۔ متکلم ایسا ہے جماعت کے اندر جیسے بدن میں زبان۔ گشت میں خانہ پری نہ ہو کہ بس ایک دو کے پاس چلے گئے۔ گشت کر کے جس کو لاؤ، اگر اس نے نماز نہ پڑھی ہو تو نماز پڑھاؤ۔ کوئی بھائی دین کی بات مسجد میں سمجھا رہا ہو تو وہ اس کو سنواؤ۔

فرمایا: جب بیان کرنے والا بات پوری کر چکے تو اب سب جماعت کے ساتھی اپنے قریب والوں کو سمجھا دیں کہ دیکھو یہ دنیا عارضی ہے جو آگے کا عمل کیا ہوگا وہ باقی رہنے والی پونجی ہے۔

جو تیار ہو جائیں تو بہت اچھا، اور اب بھی جو نہ مانے تو اپنی کوتاہی سمجھے کہ اے اللہ ہم اس کو اس کی ضرورت نہیں سمجھا سکے ورنہ آدمی ضرورت سمجھتا ہے تو ضرور نکل جاتا ہے۔

فرمایا: بیان کے وقت جو تشکیل ہوگی اس پر اکتفاء نہ کر لو، بلکہ صبح جا کر اس کے گھر والوں کو سمجھاؤ اگر نام لکھانے والا رک جائے اور نہ نکل سکے تو یہ مت سمجھو کہ اس نے جھوٹا وعدہ کیا تھا، اس کو الزام مت دو۔ اس لئے کہ اس نے اس ماحول کے اثر سے واقعۃً وعدہ کیا تھا اب جب وہ دوسرے ماحول میں گیا تو پختگی نہ رہی۔ اب اسکی اعانت کرو، اس کو اور گھر والوں کو سمجھاؤ اور جب اپنی سی کوشش کر لو تو اللہ سے دعا کرو کہ اے اللہ ہماری کوتاہی معاف فرما۔

فرمایا: لڑنا نہیں، یہ شیطان کا ایسا تیر ہے کہ کام سے روک دیتا ہے۔
نئے آدمی کو اپنے پیسوں کی اور چیزوں کی خبر نہ کیجیو۔ معاملہ سب سے صاف رکھو اور چوکنا رہو۔ پیسہ روپیہ اس کے حوالہ نہ کرو۔ نیز روپیہ پیسہ اس انداز سے خرچ کرو کہ ضرورت بھی پوری ہو جائے اور وقت بھی پورا ہو جائے۔ یہ نہیں کہ بے پرواہی سے خرچ کر ڈالو اور پھر وقت سے پہلے واپس جانے لگو۔
فرمایا: ہر ایک اپنے کو چھوٹا سمجھے تو دل جڑیں گے، ورنہ پھوٹ پڑ جائے گی۔ یہ خوبیاں اور صفات سیکھنے کی ہیں۔ اللہ کے یہاں صفات کی قیمت ہے ڈھانچے کی نہیں۔
فرمایا: ہمارے اندر یہ فکر ہو کہ ہر انسان سیدھے راستے پر چلنے والا بن جائے۔ اور اللہ سے خوب مانگو۔ آدمی کرے گا تو اتنا ہی جتنا اس کے بس میں ہے۔ مگر فکر پر ثواب بڑا ملے گا۔
فرمایا: حدیث میں آتا ہے جس کو دوسرے مسلمان بھائی کی فکر نہ ہو تو اس کا ہم سے جوڑ نہیں۔ بتاؤ نبی کے ساتھ جس کا جوڑ نہ ہو تو وہ کیسا؟
فرمایا: جماعت میں نکلنا اپنے آپ کو عمل والا بنانا ہے اور عمل میں سب سے پہلے نماز ہے۔ اور عمل کو ختم کرنے والا عمل دوسرے کے حقوق کو غصب کر لینا ہے۔
فرمایا: آدمی اپنے کو چھوٹا سمجھے اور دوسرے کو بڑا سمجھ کر اس کا حق ادا کرے۔
فرمایا: اسی عمل میں ہمارا وقت لگ رہا ہو۔ اِدھر اُدھر کی باتوں میں نہ لگ رہا ہو۔ انشاء اللہ پھر اعمال کی قیمت دل میں اترے گی اور قیامت کے دن اعمال کی پوٹلی لے کر جاویں گے۔
فرمایا: اصل مسئلہ موت کے بعد کا ہے، ہر ایک کو مرنا ہے، بہت سوں نے یہاں باقی رہنے کی کوشش کی مگر نہ رہ سکے۔
جو وہاں کی تیاری کر لیتے ہیں تو ہنستے ہوئے جاتے ہیں۔ جہاں کمائی ہوتی ہے، وہاں جانے کو دل چاہتا ہے۔
فرمایا: میری تیری بیکار باتوں میں وقت ضائع نہ کیا جائے؛ بیکار باتوں میں اپنے کو

لگانے سے بچاؤ ۔

جو جتنا کرے گا اتنا پاوے گا ۔ ورنہ اپنے منہ میاں مٹھو بنے تو کیا حاصل ہوگا ؟

فرمایا ! شیطان ایسی باتیں دل میں لاتا ہے کہ جماعت بکھر جاتی ہے ۔ یوں سمجھاتا ہے کہ ہم کو ایسا امیر دیدیا ہے یا ایسا علاقہ دیدیا ۔

بس شیطان سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اپنے کو عمل میں لگایا جائے نہ کہ سوتے رہیں ۔ چھ گھنٹہ آرام کرنا ہے ۔ اگر آرام کے وقت آرام نہیں کروگے تو عمل کے وقت نیند آوے گی ۔ آرام بھی آگے کے عملوں میں تیاری کے لئے ہو تو وہ بھی عمل بن جائے گا ۔[1]

• ایک مرتبہ فرمایا کہ جماعتوں میں نکلنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اندر بندگی آجائے اور پھر اس کی تشریح اس طرح فرمائی ۔

" جماعتوں میں نکلنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم بندے بن جائیں اور ہمارے اندر بندگی آجائے اور بندگی یہ ہے کہ مالک کا جو حکم ہے پوری زندگی اس کے مطابق گذاری جائے جماعتوں میں نکل کر خدا کی بات ماننے کی عادت ڈالنا ہے ۔ اس لئے کہ جماعت میں صحبت کا اثر پڑتا ہے ۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے حمام میں خوشبودار مٹی کا دیکھنا اور پھر اس میں پھولوں کی صحبت سے خوشبو کا آجانا بیان فرمایا ہے ۔ آج ہمارے شب و روز کے مشاغل میں شیطانی اثرات ہیں ۔ شیطان کا اثر ہماری طبیعتوں پر پڑا ہوا ہے جس کی وجہ سے خدا کے حکموں پر عمل کرنا ہمارے لئے دشوار ہے ۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہمارا کچھ وقت مساجد میں اور اعمال مساجد میں گذرے تاکہ فرشتوں کی ہم نشینی حاصل ہو ۔ ملکوتی صفات حاصل ہوں ۔ ملائکہ کی ہم نشینی اگر ہمیں ملی تو ہمارے اندر ماننے کی صفت پیدا ہوگی "

• حضرت مولانا کی عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ جماعت میں نکلنے والوں کو خطوط کے ذریعہ بھی متواتر ہدایات و نصائح فرماکر ان کو انفرادی و اجتماعی اعمال اور صحیح طور پر وقت گزارنے

---

[1] ماخوذ از بیاض مولانا عبدالسلام صاحب پونوی

کی بطور رخاص تاکید فرماتے . اس طرح ان مکاتیب کے ذریعہ حضرت مولانا کا ان سے سلسل رابطہ قائم رہتا تھا ۔ ذیل میں ایسے ہی چند مکاتیب پیش کئے جاتے ہیں ۔
پیش نگاہ مکتوب میں عربوں کی اہمیت ادر چوبیس گھنٹے کے اعمال میں ترتیب پر توجہ دلائی گئی ہے ۔

"مکرمین ومحترمین ، وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ آپ کا خط موصول ہوا ۔ دینی سفر بہت ہی مبارک ہے ۔ حق تعالیٰ مثمر وبابرکت فرماکر قبولیت سے نوازیں ۔

محترم دوستو ! اپنے اس سفر کے اوقات کی بہت قدر کرتے ہوئے دعوت و تعلیم ، اذکار ونوافل ، خدمت گذاری وغیرہ امور میں مصروف رکھا جائے ۔ مقامی دوستوں کو بھی ساتھ لیا جائے ۔ اور ان کی جماعتیں بنا بنا کر ماحول میں روانہ کی جائیں جن محلوں میں کچھ احباب اوقات لگا چکے ہیں وہاں جماعت بنا کر مقامی دینی محنت پر آباد کئے جائیں ۔ ہر آدمی سال کا چلہ ، مہینہ کے تین دن ، ہفتہ کے دو گشت کر لیا کرنے اسکی بھی تشکیل کی جائے ۔ عرب حضرات کی عظمت واحترام ہو ۔ اللہ رب العزت نے ان میں جو فطری طور پر جو خوبیاں رکھی ہیں ان کے لینے کی آسان صورت یہی ہے ۔ ۲۴ گھنٹے والے معمولات اصل کام ہیں ، اس سے قلوب متوجہ ہوتے ہیں ۔ دن کی محنت ومساعی میں رات کی دعاؤں سے جان پڑتی ہے ۔ ساتھیوں سے ان کی استعداد کے مطابق کام لیا جائے ۔ آپس میں جوڑ ، محبت وخدمت گذاری ہو ۔ ہم بھی دعا کرتے ہیں ۔ آپ حضرات بھی دعا فرماتے رہیں ۔ احباب کو سلام عرض ہے ۔

بندہ انعام الحسن عفرلہ ، بقلم موسیٰ ۱۲ ، ۸ ، ۱۷ ، ۶

ایک جماعت کو اس مبارک راہ میں عاجزی وانکساری کا شرط اولیں ہونا اپنے ایک مکتوب کے ذریعہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں ؛

"میرے دوستو ! انبیاء علیہم السلام کی دعوت والا یہ عمل اصول وقواعد وشرائط و آداب چاہتا ہے ۔ اس کے بغیر اس کی حقیقت نہیں کھلتی اور اس کی بنیاد اور اساس کا

پتہ نہیں چلتا اور اس کی غرض و غایت معلوم نہیں ہوتی۔ اور قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ کا منشاء اور مقصد معلوم نہیں ہوتا۔ دعوت کی اس عظیم محنت میں چلنے والے بھی اصولوں کی پابندی کے بغیر چلتے ہیں اور اس کے قواعد و شرائط اور آداب کا خیال نہیں رکھتے۔ اتنے عظیم کام کو بھی اور تحریکوں کی طرح ایک تحریک سمجھتے ہیں حالانکہ اس کے لئے بڑی قربانی، جدوجہد، آہ و بکا، عاجزی و انکساری پہلی شرط ہے۔ اس کے بعد امیر کی اطاعت اور بڑوں کی نگرانی ضروری ہے تاکہ خواہش نفس سے حفاظت ہو۔ دشمن کو معاف کرنا، اپنے ساتھ برائی کرنے والے کو معاف کرنا، اغراض دنیا سے اپنے دامن کو چھڑاتے رہنا، مخلوق سے استغناء اور زہد فی الدنیا کو طلب صادق کے ساتھ اختیار کرنا، حکم کی لائن سے بچتے ہوئے ترغیب سے کام کرانا۔" (اس راہ کی اہم شرطیں ہیں)۔

• ایک دور دراز مقام پر گئی ہوئی جماعت کو دین کے فروغ کے اصلی سبب، اور حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی سے تعلق اور اس پر یقین کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں!

"میرے دوستو! جس دین کے سیکھنے کے لئے آپ نے گھروں کو چھوڑا ہے۔ یہ وہی دین ہے۔ جو خاص انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے۔ اور جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اجتماعی اصولوں کے اتباع کے ساتھ چھوڑ گئے۔ انسان بالطبع مخلوق سے متاثر ہے اور وہ اس بارے میں کچھ غلط یقین بے بنیاد علم اور ان کے مطابق غلط عمل پر پڑا ہوا ہے۔ مخلوق کے بارے میں جو بھی یقین و عمل اپنے کو حاصل ہے اس کو اپنے میں سے نکالنے کے لئے اور اس سفلی و فانی یقین کے بدلہ اپنے میں صرف ذات باری کا یقین و علم پیدا کرنے کے لئے جدوجہد کا ایسا جذبہ پیدا ہو کر ان کی صفات و کمالات کا مظہر بن کر ان کی ذات والے انعامات کے عمومی دروازے کھل جانے کا ذریعہ بنے اور اصل اس کا انعام۔۔ باری تعالیٰ کی رضا اور محبت ہم کو ہمیشہ کے لئے حاصل ہو۔ اصل دین حق تعالیٰ شانہ کی مخلوق میں ان کی ذات کا یقین پیدا کرنے کے لئے یقین کے ساتھ اپنی جان کھپانے اور ٹھوکریں کھانے کے طریقے کو سیکھنا ہے جس پر نہ کسی مخلوق کا تأثر اثر انداز ہو سکے، اور نہ بھوک و پیاس، نہ بیماری و کمزوری، نہ گرمی نہ سردی، نہ کوئی عیش و عشرت اور نہ

خوف و ہراس ۔ یہی دین کے فروغ کا اصلی سبب ہے ۔
محنت کی ایسی ترتیب قائم کی جائے کہ احباب نقد نکلیں ، مقامی کام کی ترتیب بنے اور ساتھیوں میں خدا کا تعلق اور دعوت کے مطابق عمل بنتا چلا جائے ۔ فقط

بیرونِ ملک جانیوالوں کو ہدایات

مرکز نظام الدین دہلی سے بہت کثرت کے ساتھ جماعتیں بیرونی ممالک میں جاتی رہتی ہیں ۔ ذیل میں ایسی جماعتوں کے لئے حضرت مولانا کی بتلائی ہوئی پچیس ہدایات پیش کی جاتی ہیں ۔ یہ تمام ہدایات سلیقہ وانتظام اور دعوتی فکر وعمل پر مشتمل ہیں۔

فرمایا:

۱ ۔ کرنسی امانت ہے ، اس کو صحیح استعمال کیا جائے ۔
۲ ۔ ضرورت کی چیزیں اپنے ملک سے لے کر جائیں ۔
۳ ۔ بیرون ملک سے کوئی چیز خرید کر نہ لائیں اور نہ کسی کی امانت لائیں ۔
۴ ۔ بیرون ملک میں کاروبار کی باتیں نہ کریں ۔
۵ ۔ بیرون ملک جاکر اپنا پتہ مرکز نظام الدین کو بتائیں ۔
۶ ۔ اپنے ذاتی خطوط رشتہ داروں کو مختصر لکھیں اور دعوت کی بات سامنے رکھیں مہینہ میں دو دفعہ نظام الدین خط لکھیں ۔
۷ ۔ بیرونِ ملک جاکر کوئی قرضہ نہ لیں ۔
۸ ۔ تمام مسائل میں اللہ پاک سے رجوع کریں ۔
۹ ۔ جماعت کے ساتھ اکٹھا واپس آئیں ۔
۱۰ ۔ کھانے پینے کی اشیاء میں کوئی چیز ہدیہ میں نہ لی جائے ۔
۱۱ ۔ اپنے پاسپورٹ کی زیراکس نکال لیں ۔
۱۲ ۔ واپسی پر کرنسی بینک میں دے کر رسید حاصل کریں ۔
۱۳ ۔ پاسپورٹ ، ٹکٹ اور کرنسی کی حفاظت کی جائے ۔
۱۴ ۔ ہر ملک کے مقامی باشندوں کو اپنی محنت کا مرکز بنایا جائے ۔

۱۵ - جماعت میں جانے والے ساتھیوں پر حج کا غلبہ نہ ہو۔
۱۶ - مسجد وار جماعتیں بنائیں۔ اور چار ماہ کی جماعتیں تیار کر کے نظام الدین روانہ کریں۔
۱۷ - اندرون ملک چار مہینہ ایک ساتھ یا اس سے زیادہ اوقات لگائے ہوئے احباب میں سے بیرون ملک کی جماعت بنائی جائے۔
۱۸ - کم از کم چار ماہ کی جماعت بنائی جائے۔
۱۹ - اگر کسی تقاضہ کے پیش نظر چار ماہ سے کم کی جماعت بنائی ہو تو اس کے وجوہ اور رائے لکھ کر اجازت لی جائے۔
۲۰ - جانے والے احباب ہر سال چلہ لگاتے ہوں۔ اور ہر ماہ مسجد وار جماعت کے ساتھ تین دن لگاتے ہوں۔
۲۱ - اپنی مسجد وار جماعت کے ساتھ اہتمام کے ساتھ مقامی کام میں شریک ہوتے ہوں۔ اور جوڑ کا مزاج رکھتے ہوں۔ اور اپنے امیر اور شوریٰ کے مشورہ سے چلتے ہوں۔
۲۲ - اگر کسی کے تین چلہ کسی عذر کی وجہ سے اندرون ملک نہیں لگ سکے لیکن مندرجہ بالا صفات ان میں موجود ہیں اور وہاں کے ذمہ داروں کی اتفاق رائے ان کے بارے میں یہ ہے کہ انھیں بیرون ملک بھیجنے میں کوئی حرج نہیں تو انھیں جماعت میں جوڑنے یا یہاں جماعت کے ساتھ بھیجنے یا لے کر آنے سے پہلے مندرجہ بالا امور کی روشنی میں ان کے احوال لکھ کر اجازت لی جائے۔ اور یہ بھی لکھا جائے کہ اس کے بارے میں اگر پہلے اندرون ملک چار مہینہ لگانے کا فیصلہ ہو تو وہ بشاشت سے تیار رہے۔ اگر مشورہ سے ان کو اجازت دیدی جائے تو ان کو جماعت میں جوڑا جائے۔
۲۳ - ہر جماعت بیرون میں جانے سے پہلے بنگلہ والی مسجد آئے اور اسی طرح واپسی پر بھی پہلے بنگلہ والی مسجد آئے۔

۲۴۔ حج یا عمرہ کا وعدہ کر کے یا امید دلا کر بیرون کی جماعت کی تشکیل نہ کی جائے۔ اگر کسی مصلحت سے جماعت کے سفر میں حج یا عمرہ کو شامل کرنا ہے تو جانے سے پہلے بنگلہ والی مسجد سے اجازت لی جائے۔ جن پر حج فرض ہو وہ جماعت میں جانے سے پہلے حج ادا کر لیں پھر کسی ملک میں جانے کے لئے نام دیں۔

۲۵۔ جماعت خرچ کے اعتبار سے بنائی جائے اور اپنی رایوں کو لکھ کر رُخ یہاں سے لیا جائے۔ جن کو پہلے سے ملکوں کے رخ دیئے جا چکے ہیں۔ وہ اپنی تمام کاروائیاں مکمل کر کے یہاں تشریف لائیں۔

• ذیل میں کچھ ایسی ——— نصائح بھی درج کی جاتی ہیں جو آپ نے وقتاً فوقتاً جانے والے احباب کو فرمائیں۔

مولانا احمد لاٹ صاحب گجراتی نے ملکِ شام جاتے ہوئے کچھ نصیحت چاہی، تو فرمایا۔ ”فرصت معصیت کا دروازہ ہے۔ اپنے آپ کو مشغول رکھنا، اور اگر کچھ کام نہ ہو تو پڑ کر سو جانا۔“

ایک جماعت سے فرمایا جس وقت ہوائی جہاز اس ملک کی حدود میں داخل ہو جہاں جانا ہے تو ہر ساتھی اپنے دل کو ٹٹولے کہ میں کیوں جا رہا ہوں۔ اگر ایک ساتھی کے دل میں بھی دعوت کے علاوہ کوئی اور جذبہ ہو تو توبہ و استغفار کر کے اپنا جذبہ صحیح کرے ورنہ اس کا اثر اس پورے ملک پر پڑے گا

ایک صاحب سے فرمایا، جذبہ صرف یہ ہونا چاہیئے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔“

واپسی والوں کو نصائح اور ہدایات

مولانا محمد انعام الحسن صاحب رحؒ اور ان سے پہلے مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا معمول ہمیشہ یہ رہا کہ عامۃً صبح گیارہ بارہ بجے کے درمیان آنے والی جماعتوں کا استقبال اور جانے والی جماعتوں سے کچھ ذیرہ کام کے تقاضے اور اس کے اصول و آداب بیان کر کے دعا اور مصافحہ کے بعد جماعتیں رخصت فرما دیتے تھے۔ اس مجلس میں مختصر مختصر جملوں میں بڑی اہم اور مفید باتیں حاضرین کو معلوم ہو جاتی تھیں۔ یہاں ایسی بعض مجلسوں کے کچھ

ارشادات وفرمودات پیش کئے جاتے ہیں ۔

• فرمایا : " اللہ جل شانہ وعم نوالہ کو عمل والی زندگی پسندیدہ ہے ہمارے اندر اعمال زندہ ہوجائیں اور اعمال سے ہم چلنے والے بن جائیں تو ہم اللہ کے پسندیدہ بن جائیں گے ۔ اللہ جل شانہ ملک سے، مال سے اور دولت سے راضی نہیں ہوتے بلکہ اللہ راضی ہوتا ہے عملوں سے ، اور اللہ راضی ہوں گے تو ہم دنیا وآخرت میں کامیاب ہونگے زندگی میں اعمال پر چلنے میں چار باتیں ہیں ۔ انھیں اگر ہم اپنی زندگی میں اتاریں گے تو چلنا آسان ہوجائے گا ۔ اور وہ چار باتیں تعلیم، تسبیح ، جماعتوں کا تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھنا ، اور گشتوں کا کرنا ہے ۔ آج ہماری عملی زندگی ٹوٹی ہوئی ہے ۔ اللہ کے حکموں سے غافل ہونے سے اپنا ہی بگڑتا ہے ۔ خدائے تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا ۔ ہم اگر زندگی بھر اعمال کرتے رہیں تو اللہ کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہونچتا اور اگر ہم ساری زندگی نافرمانی کرتے رہیں تو اس سے بھی اللہ کا کچھ نقصان نہیں ، یہ تو آدمی کا اپنا نفع اور نقصان ہے ۔ اللہ جل شانہ نے ہمیں اس دنیا کے اندر تھوڑے سے وقت کے لئے بھیجا ہے ۔ اگر دوزخ والے راستہ پر چلا ہے تو ٹھکانا دوزخ ہے اور اگر جنت والے راستہ پر چلا ہے تو ٹھکانا جنت ہے "

• فرمایا : " دینداری ایک دو عملوں کے کرنے کا نام نہیں ہے ۔ بلکہ دینداری نام ہے پوری زندگی دین پر چلنے کا اور پوری زندگی کو اللہ کے حکموں پر گذارنے کا ۔ گشت تسبیح' چلہ' اور تین چلہ اور تعلیم' یہ صرف اس واسطے ہیں کہ ہمارے لئے عمل کا راستہ کھلے ، اور ہم اپنی زندگی میں خدا کے حکموں پر چلنے والے بنیں ۔ یہ گشت اور چلہ وغیرہ سارا دین نہیں ہے ۔ البتہ سارے دین پر چلنے کا ذریعہ ہے ۔ ان — چار کاموں میں اپنے آپ کو لگائے رکھنا اور مشغول رکھنا ہے ۔ اور بیکار باتوں سے اپنی حفاظت رکھنی ہے ۔ بیکار باتوں سے بیکار کاموں سے جتنی حفاظت کی جائے گی ۔ اتنا ہی کرنے کے کاموں میں جی لگے گا اور دل لگے گا "

• فرمایا : " اصل جو زندگی ہے وہ آخرت کی زندگی ہے اور دنیا کی زندگی تو آخرت کی زندگی بنانے کے لئے ہے ۔ جتنی آخرت کی زندگی بنائی جائے گی اتنے ہی اللہ کے

یہاں درجے بلند ہونگے۔ یہ دنیا کی زندگی کھیلنے گھومنے کے لئے نہیں ہے۔ غفلت کیلئے نہیں ہے۔ بلکہ اس لئے ہے تاکہ اس میں آخرت کی تیاری کرنے والے، آخرت کی فکر کرنے والے اور اس کا سامان کرنے والے بن جائیں۔ اور اس کے لئے ہیں جماعتوں میں جاکر عملوں کی مشق کرنی ہے اور عملوں کی عادت ڈالنی ہے۔ جب ہم جماعتوں سے واپس آئیں تو اپنے کاروبار اور دھندے کے ساتھ آخرت والی زندگی کے لئے عمل بھی کرتے رہیں۔"

پرانے احباب کو مشورے اور ہدایات

کام میں جڑے ہوئے پرانے احباب کو زیادہ سے زیادہ اصول وضوابط کی پابندی اور کام کی سطح کو زیادہ سے زیادہ بلند کرنے نیز دعوتی و تبلیغی انتساب کی قدر دانی اور اپنے اپنے احوال کی درستی و اصلاح کی طرف بھرپور توجہ کی غرض سے حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے دور امارت میں پرانے کام کرنیوالوں کی مرکز نظام الدین میں سال میں ایک مرتبہ جمع ہونے کی ترتیب قائم کی گئی۔

مرکز دہلی میں اپنی افادیت سے بھرپور اس پہلے جوڑ میں حضرت مولانا نے حاضرین سے بہت کھل کر خطاب فرمایا۔ اور اس جوڑ اور جمع ہونے کا مقصد ان پر واضح کیا۔

تبلیغی کارکنان کے یہ علاقائی اور صوبائی جوڑ اپنی غرض وغایت کے اعتبار سے بہت ہی مفید اور مؤثر ثابت ہوئے۔ اور اس کے بعد ملک کے تمام علاقوں اور صوبوں کے پرانے کام کرنے والے احباب کے درمیان بھی یہ ترتیب قائم ہوتی چلی گئی۔ اب ہر علاقہ وصوبہ کے ذمہ دار احباب اپنی متعین شدہ تاریخوں پر (جوان کو مرکز سے ملتی ہے) آتے ہیں اور تین دن یہاں قیام کے بعد اپنے مسائل اور امور میں مشورے کرتے ہیں اور آئندہ کے لیے بلند عزائم لے کر جاتے ہیں۔

جناب خالد سیف اللہ صاحب (دہلی) کام کرنے والے پرانے احباب کے اس جوڑ کی افادیت کے متعلق لکھتے ہیں :

"میری نگاہ میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے دو کام سب سے اہم ہیں ۔ ایک یہ کہ امت کو اپنی ذات سے جوڑنے کے بجائے کام سے اور محنت سے جوڑا ۔ اور کام سے والہانہ جڑنے کے آثار ہم نے ان کے وصال کے بعد خوب دیکھے ۔

دوسرا بڑا کام ان سے اللہ نے یہ لیا کہ کام کے عالمی پھیلاؤ کے ساتھ مختلف جگہوں پر مختلف طریقوں سے دعوت کا کام ہونے لگا تھا جو یقیناً کام کے لئے بہت بڑا فتنہ بن جاتا حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لئے یہ سلسلہ شروع کیا کہ ہر صوبہ کے پرانے احباب اور کام کرنے والوں کو حکم دیا کہ وہ سال میں ایک مرتبہ تین دن کے لئے یہاں مرکز نظام الدین آئیں اور جو پوچھنا ہو یہاں آکر پوچھیں ۔ اور مختلف جماعتوں سے پوچھنے کے بجائے براہ راست مرکز سے پوچھیں ۔ اس طرح دنیا کے تمام ممالک کی ہر سال یا ایک سال ناغہ کر کے مرکز آنے کی ترتیب بنائی ۔ یہ طریقۂ کار اختیار کرنے سے مشوروں میں اور کام میں ایسی مرکزیت اور اجتماعیت آئی کہ پورے عالم میں ایک بات چلنے لگی اور ایک نہج قائم ہو گیا ۔ اور پوری دنیا میں کام کرنے والے مرکز نظام الدین سے مشورہ کر کے کام کرنے لگے ۔"

حضرت مولانا کی حیات مبارکہ میں اس طرح کے جوڑ اور اجتماعات بہت سی مرتبہ ہوئے ۔ آپ اس موقعہ پر بڑی دلسوزی اور فکر مندی کے ساتھ پند و نصائح فرماتے تھے ۔ کام کی نزاکتیں اور باریکیاں بتلا کر مشکلات اور اہم معاملات میں رجوع الی اللہ کا درس دیتے اپنی ذات کی نفی کے ساتھ اپنے اندر عاجزی و تواضع پیدا کرنے پر زور دیتے ۔ بڑے مضبوط اور پختہ الفاظ میں اس کا احساس دلاتے کہ ہمارا اور تمہارا "پرانا ہونا" یہ کوئی قابل فخر چیز نہیں ہے بلکہ یہ ایک ذمہ داری ہے اور اللہ کی ایک نعمت ہے ۔ اگر اس ذمہ داری اور نعمت کی قدر نہ کی گئی تو سخت خطرات ہیں ۔ کبھی کبھی اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کی صفت بے نیازی سے لرزاں و ترساں ہو کر یہاں تک فرما دیا کرتے تھے کہ نہ معلوم کس مقام سے دھکے دے کر اوندھے منہ گرا دیئے جائیں ۔"

سطور ذیل میں حضرت مولانا کی ایسے ہی اجتماعات میں کی جانے والی تقریروں کے اقتباسات اور مختلف مجالس کے ارشادات و فرمودات پیش کئے جاتے ہیں۔

پرانوں کی تعریف و شناخت تبلاتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا:

"جو کام کا فکر کرے اور لگا رہے اور کام کو اوڑھ لے بس وہ پرانا ہے فکر پر خدا دروازے کھولتے ہیں۔ جیسے اذان کی ابتداء۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، مہاجرین اولین میں سے ہیں، ان کو اس کا فکر ہوا اور اللہ نے ان کی فکر پر دروازہ کھول کر ان سے اذان دلوائی۔ پرانے کام کرنیوالوں کی ذمہ داری کے احساس کی بات یہ ہے کہ اپنی شخصی ذاتی ضرورتیں مؤخر کر دی جائیں اور دین کے تقاضوں کو مقدم کر دیا جائے۔ خوب سمجھ لو کہ اپنی ضروریات کو ترک نہیں کرنا ہے بلکہ مؤخر کرنا ہے۔ اللہ کے ساتھ ہر ایک کا اپنا اپنا معاملہ ہے آج ہم اپنے پر مطمئن ہیں اگر مطمئن نہ ہوتے تو ہماری بے قراری ظاہر ہو جاتی۔ غیر مطمئن آدمی کا تو چہرہ سے پتہ چل جاتا ہے اس کام میں مطمئن ہو جانا اور یہ سمجھ لینا کہ ہم نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے۔ یہ خطرے کا الارم ہے۔

- ایک موقع پر دین میں پرانے ہونے کی تشریح اس طرح فرمائی:

"دین میں پرانے ہونے کے معنی یہ ہیں کہ شروع سے آخر تک بڑھتا چلا جائے۔ دنیا میں تو جو پرانا ہوا بیکار ہو گیا لیکن دین میں جو جتنا پرانا ہوتا ہے صفات کے اعتبار سے اتنی ہی قیمت اس کی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ سابقین وہ ہیں جو شروع سے آخر تک جمے رہے۔ اور بڑھتے رہے۔ سابقین وہ نہیں ہیں کہ شروع میں کیا اور آخر میں چھوڑ دیا اور سستی کر گئے۔ دین میں آدمی جتنا پرانا ہوتا ہے۔ اتنی ہی اس کی مسئولیت بڑھ جاتی ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ آنے والی جماعتوں اور افراد کا وقت صحیح گزرے۔ لوگوں کا وقت امانت ہے۔ اپنی ذات سے محنت کرنا اور دوسروں کے وقت کو صحیح گزروانا یہ ترقی کا ذریعہ ہے۔ خدا کے دشمنوں کے یہاں پرانا آدمی ریٹائر کر کے گھر بھگا دیا جاتا ہے۔ لیکن اللہ کے یہاں پرانوں کی قیمت بڑھتی رہتی ہے۔

ہر پرانی چیز قیمتی نہیں ہوتی ۔ اس طرف توجہ دلاتے ہوئے ایک اجتماع میں یوں فرمایا ۔

"پرانے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو پرانا ہونے پر سڑ جاوے ۔ مثلاً پرانا سالن ، پرانی کار ، پرانا کپڑا ۔ دوسرا پرانا وہ ہے کہ جس قدر وہ پرانا ہو اتنی ہی اس کی قیمت بڑھ جائے ، جیسے پرانا سرکہ ، پرانا چاول ۔ اب بتاؤ تم کون سے پرانے ہو ۔ قیمت بڑھنے والے پرانے ہو یا قیمت گھٹنے والے پرانے ہو ۔"

• حضرت مولانا اپنی مجلسوں — اور خواص میں کی جانے والی اپنی تقریروں میں اس پر بہت زور دیا کرتے تھے کہ یہ دعوت و تبلیغ سے انتساب ایک نعمت ہے اس کی قدر بہت ضروری ہے ۔ ورنہ بڑے خطرات ہیں ۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا ۔

"پرانے اپنے بارے میں زیادہ ڈریں ۔ کیونکہ ایک تو ان کے لئے بچلنے اور پھسلنے کے مواقع زیادہ ہیں ۔ دوسرے یہ کہ جنھیں دیکھ کر لوگ چلتے ہیں اور جن میں مقتدائیت والی بات ہو ان کو بہت سی جائز چیزوں سے بھی بچنا پڑتا ہے ۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارہ میں ہے ۔ یعنی ہر روز ترقی کرتا رہے ۔ پرانے پنے کی صفت میں اگر ترقی نہیں ہوئی تو پھر پستی ہے ۔ ظاہری ترقی یہ ہے کہ قربانی کی مقدار بڑھ رہی ہو اور باطنی ترقی یہ ہے کہ خدا کی طرف کی پیشی کا ... استحضار بڑھ رہا ہو ۔ یہ ہر شخص کے اپنے اور خدا کے بیچ کا معاملہ ہے ۔"

حضرت مولانا کے نزدیک تمام پرانے احباب کے لئے دو کام بہت ضروری ہیں ۔ ایک شکرِ نعمت ، دوسرے قربانی کی مقدار میں اضافہ اور اپنی ذمہ داری کا احساس ۔

چنانچہ فرماتے ہیں :

"جن لوگوں پر کام کا دار و مدار ہے اگر وہ عام لوگوں جیسا معمول رکھیں گے ۔ اور آگے نہیں بڑھیں گے تو ان کی ترقی نہیں ہوگی ۔ حسنات الابرار سیات المقربین ' اگر آدمی قربانی دے کر پیچھے دیکھے کہ کتنی دی ، تو تنزل ہوگا اور آگے کو دیکھے کہ اور کیا کرنا ہے اور اس پر قربانی بڑھائے تو یہ ترقی ہے ۔ دین میں ٹھہراؤ نہیں ہے ۔ اللہ نے ہمیں دولت دی ہے تو اس کی قدر کرنی چاہئے ۔ ناقدری سے نعمت چھین لی جاتی

ہے۔ انسان کو اللہ نے دنیا میں کرنے ہی کے لئے بھیجا ہے۔ اچھے کام اگر نہیں کرے گا تو برے کام مجبوراً کرنے پڑیں گے۔ دنیا دار العمل ہے۔ اس لئے ضروریات میں تو بقدر ضرورت لگیں۔ باقی خدا کی رضا والے کام ہی میں لگے تو برکت ہوگی۔ اور اگر برکت نہ ہوئی تو ہر وقت خطرہ ہے"۔

ایک دوسرے موقع پر اس اجمال کی تفصیل و توضیح اس طرح فرمائی:

"دین کی محنت بڑی نعمت ہے جو اس امت کو ملی ہے۔ نعمت جتنی بڑی ہوتی ہے اس کی ذمہ داری بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے اور جتنی ذمہ داری بڑی ہوتی ہے اتنی ہی اس میں نزاکت ہوتی ہے۔ کوئی شخص خدائے پاک کی دی ہوئی نعمت کو قبول نہ کرے یا قبول کر کے ذمہ داری کا احساس نہ کرے یا نزاکت کا خیال نہ کرے تو وہ خطرے میں ہے۔ اس نعمت پر شکر کے ساتھ ساتھ اس کی ذمہ داری کے لئے بھی متفکر رہیں۔ اور ڈرنا اور خدا سے مانگنا یہ بھی ہمارے ذمہ ضروری ہے۔ نعمت کی ذمہ داری ساری امت پر تھی اور ہے لیکن جو اس نعمت کو اوڑھ لیں وہ سعادت مند ہیں۔ یہ بھی اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ذمہ داری کا احساس دیا۔ یمنون علیك ان اسلموا قل لا تمنوا علیّ اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان ان کنتم صادقین،

اللہ کا احسان ماننا چاہئے۔ اور شکر کرنا چاہئے لیکن شکر خالی زبان سے نہ ہو، شکر کے تین جزء ہیں۔ پہلے یہ کہ دل میں اس نعمت کی عظمت و قدر ہو، دوسرے زبان سے شکر کر رہے ہوں۔ اور تیسرے بدن سے نثار اور قربان ہو رہے ہوں۔ جب نعمت کا پورا شکر ادا کیا جاتا ہے تو اس نعمت میں اللہ زیادتی کرتے ہیں اور اگر اس کی ناقدری ہو رہی ہو تو اس پر گرفت بھی فرماتے ہیں۔ لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید، ہم اس نعمت پر جو اللہ کی طرف سے ہے تینوں اجزاء والا شکر ادا کریں۔ تب شکر ادا ہوگا۔ آج ہم شکر کے صرف ایک جزء زبان والے پر قناعت کر لیتے ہیں۔ ہمیں بقیہ دونوں جزء کے لئے متفکر ہونا اور کوشش کرنا ابھی ہے۔ جب تک پورا بدن قربانی میں آگے نہیں بڑھے گا، دل میں عظمت نہ آئے گی: لہذا کام کرنے والوں

میں شکر کی کیفیت کو بڑھانا ہے جو اس قربانی میں بڑھتا رہے گا۔ اس کی یہ نعمت بھی بڑھتی رہے گی۔"

• اپنے معاملات اور معاشرت کے اعتبار سے پرانے احباب ایک نمونہ اور مثال بنکر رہیں۔ اس پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ نے ایک اعلیٰ نسبت مرحمت فرمائی ہے۔ اور وہ دین کی محنت اور اس کی طرف منسوب ہونا ہے۔ خدا کا کرم ہے۔ اس کا فضل ہے کہ اس نے اس نسبت سے ہمیں نوازا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہماری ذمہ داری بھی بہت بڑھ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم دوسروں کو جو دعوت دے رہے ہیں تو ان کے لئے نمونہ اور کشش کا ذریعہ بھی بن رہے ہوں۔ یہ ہماری اپنی زندگی، شب و روز کے اعمال، ہماری معاشرت، معاملات، ہر چیز دوسروں پر اثر کرتی ہے، ہماری جتنی زندگی، معاشرت اور معاملات کے اعتبار سے اور اخلاق کے اعتبار سے بلند اور صاف ہوگی، اتنی ہی دوسروں کے لئے کشش اور آمد کا سبب بنے گی۔"

• اسی طرح ایک موقع پر فرمایا۔

"دین پر چلنا ہماری زندگی کا اصل مقصد ہے۔ یہ ہر ایک کی اپنی اپنی کوشش اور اپنی اپنی محنت ہے۔ اور ہر ایک کو اپنے آپ کو سوچنا ہے اور اپنے اوپر محنت کرنی ہے، اعمال کے ساتھ ساتھ معاملات اور معاشرت کو بھی درست کرنا ضروری ہے۔ معاملات کے ٹھیک ہونے پر معاشرت کی درستگی ہوتی ہے۔ اگر ہم نے اپنے معاملات کو صحیح نہیں کیا تو اس کا مسئلہ قیامت کے دن بہت اہم ہوگا۔ معاملات کی درستگی کا اپنوں اور بیگانوں پر اثر پڑے گا۔ اگر معاملات بگڑے ہوئے ہوں تو یہ نمازیں اور تسبیحیں قیامت کے دن ان کو دیدی جائیں گی جن کا اپنے اوپر حق ہوگا۔ اس لئے معاملات، معاشرت اور اخلاق کی درستگی اپنی اپنی عبادات کے اجر کو بچانے کے لئے بھی ضروری ہے۔"[1]

---

[1] بموقعہ جوڑ کارکنانِ آسام مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۸۹ء۔

• ایک مرتبہ نقشوں اور اسکیموں والی زندگی سے نکل کر حقیقت والی زندگی پر متوجہ کرنے کے ساتھ ساتھ شیطان کے مکر و فریب اور کید پر ان الفاظ میں متوجہ فرمایا!

"اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے دعوت کے اس عظیم کام کے اثرات دنیا میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ سب جانتے ہیں اور یہ بات ساری دنیا میں مشہور ہو رہی ہے کہ یہ دعوت کا کام امت کی اصلاح کے لئے ہے۔ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم دین مبین کو اجتماعی اصولوں کے ساتھ جس سطح پر چھوڑ کر تشریف لے گئے اس کو زندہ کرنے کے لئے یہ کام ہو رہا ہے۔ لہذا ایسے وقت میں دعوت کی راہ میں چلنے والوں کی... ذمہ داریاں کئی اعتبار سے بڑھ جاتی ہیں۔ مثلاً جان و مال کی قربانیوں میں آگے بڑھنا اور مثلاً مفاد دنیا سے اپنے آپ کو بچانا اور مثلاً دعوت کے مطابق اپنی زندگیوں کو بنانا۔ دعوت کے مطابق اپنی زندگیوں کو بنانے کا مطلب یہ ہے کہ قولی دعوت کے ساتھ عملی دعوت کو بھی اختیار کیا جا رہا ہو۔ صحابہ کرام رض آخرت کی نعمتوں کی امیدوں پر اپنی جان و مال کی قربانی اور جد و جہد کو بڑھاتے رہتے تھے۔

حق تعالیٰ شانہ امید افزا شکلیں دکھلا رہے ہیں تو اگر ہم اس کا پورے طور سے.. استقبال نہ کریں تو یہ دعوت کی اس عظیم محنت کی نا قدری کے مترادف ہے۔ لہذا ایسے وقت میں اپنی محنت کو بڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ حق تعالیٰ کے وعدے کے مطابق زیادہ سے زیادہ آثارِ رحمت ظاہر ہوں مومن کے عزائم ہمیشہ بڑھنے والے ہوتے ہیں اور دعائیں ان عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہوتی ہیں۔ مگر شیطان بغیر عمل کے صرف عزائم پر ہی خوش کر دیتا ہے اور عمل تک نہیں پہونچنے دیتا۔ محض اسکیمیں بنا کر اور نقشے قائم کر کے اسی پر قناعت کرا دیتا ہے اور اس کا رواج بہت سے شعبوں میں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ لہذا اس دھوکے سے نکل کر حقیقت پر اپنی طاقت اور قوت لگانے کی ضرورت ہے۔"

• ایک موقعہ پر آیات شریفہ وما بکم من نعمۃ فمن اللہ اور لئن شکرتم لازیدنکم تلاوت کرنے کے بعد شیطان کی مفسدانہ کوشش اور انسان سے اس کی

عداوت اور حق تعالیٰ کی بے نیازی اور صمدیت کو انتہائی کرب وفکر کے لب ولہجہ میں اس طرح بیان فرمایا؛

"دین اللہ جل شانہ وعم نوالہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور دستورِ خداوندی یہ ہے کہ جب نعمت کی ناقدری کی جاتی ہے تو وہ سلب ہو جاتی ہے۔ خدا پر کوئی.. رکاوٹ ڈالنے والا نہیں ہے۔ جب نعمت سلب ہوتی ہے تو اس سے انسان کی صلاحیت بھی مٹنے لگتی ہے۔ شیطان قسم کھا کر آیا ہے۔ لاغوینھم اجمعین، وہ کوشش میں لگا ہوا ہے۔ جب انسان سے نعمت کی ناقدری ہوتی ہے تو انسان کی.. صلاحیت وقوت ناکردہ چیزوں پر لگواتا ہے۔ یہ دعوت والا عمل اللہ کی نعمت ہے۔ اور پوری امت کے لئے یہی ایک عمومی کام ہے اور یہ قرن اول کا ہیرا ہے۔ خدا نے آہنی دیوار تک بات پہونچا دی ہے۔ اللہ بے نیاز ہیں، صمد ہیں، عبادت وطاعت کی انھیں ضرورت نہیں ہے۔ ہم سراپا احتیاج وفکر اور ضرورت مند ہیں۔ ہمارے بس میں کوئی چیز نہیں ہے۔ عمر تیزی سے گذرتی جارہی ہے۔ اس عمر کی قیمت کو پہچانو اور اس میں خدا کی رضا کو حاصل کرو۔"

• ایک مرتبہ فکری، ذہنی اور عملی بے عنوانی نیز انانیت اور حب جاہ سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے یہاں تک فرما گئے کہ اس طرح کے لوگوں کو خدائے پاک مکھی کی طرح نکالکر پھینک دیں گے۔ فرماتے ہیں۔

"اللہ جل شانہ بہت کریم ہیں اور بہت نوازتے ہیں۔ بندہ اگر صحیح رخ پر چلتا رہے تو اس کو نواز دیتے ہیں۔ اور اگر اس کے اندر انانیت یا جاہ آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیتے ہیں۔ یہ خدا پر احسان نہیں بلکہ خدا کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہمیں کام کی نسبت مرحمت فرمائی۔ اس کی قدر دانی کی جائے۔ جس سے جتنا کام لیا جارہا ہے اس پر اللہ جل شانہٗ کا شکر ادا کرے اور اس سے ڈرتا رہے کہ میری کسی بے عنوانی سے اللہ جل شانہٗ مجھے کام سے محروم نہ فرما دے۔ اور بے عنوانی عملی بھی ہوسکتی ہے اور فکری وذہنی بھی ہوسکتی ہے، فکری وذہنی بے عنوانی یہ کہ

آدمی یہ سمجھے کہ میں تو سمجھا ہوں دوسرا نہیں سمجھا۔ بلکہ ہر ایک کی فکر کا اعتراف کیا جاوے اور اس کی قدر کی جاوے اور اس کے اوپر اپنے آپ کو لانے کی کوشش کی جاوے اپنی رائے اخلاص کے ساتھ دے کر پھر جو کچھ فیصلہ ہو تو اس پر خوشی کے ساتھ قدم اٹھانا چاہیے۔ اپنی رائے پر اصرار کرنا یا اپنی رائے کو وحی سمجھنا یہ نہیں ہونا چاہیے"۔

• علاقوں اور صوبوں میں کام کرنے والے قدماء کو حضرت مولانا جو رہنما اصول دیکر گئے ہیں وہ یہ ہیں ؛

(۱) چار ماہ کی جماعتیں اپنے علاقوں میں پیدل و سواری کی بنائی جائیں اور انکی نصرت و نگرانی کی بھی فکر کی جائے۔

(۲) بیرون کی جو جماعتیں آئیں ان کا مشورہ (یعنی نظام) ان کے سامنے کیا جائے۔

(۳) جماعتوں سے روانگی کی بات کی جائے اور واپسی پر ان کی کارگزاری سنی جائے۔

(۴) دو مہینہ کی ترتیب کے جو احباب بھیجیں تو ان کو آپس کے مشورہ سے پرچہ دے کر بھیجیں۔

(۵) بیان میں کوئی بات بغیر تحقیق نہ کہیں۔ چھ نمبر سے ہٹ کر بیان نہ کریں، کسی پر تنقید یا اعتراض نہ کریں۔

(٦) بیرون جانے والی جماعتیں شرائط کے مطابق مکمل جماعت بنا کر بھیجیں۔ افراد نہ بھیجیں۔ ؎

مرکز میں دو ماہی ترتیب اور اسکا آغاز

حضرت مولانا نے اپنی حیات میں ایک جدید نظم یہ بھی قائم فرمایا تھا کہ مختلف علاقوں میں کام سے وابستہ لوگ اپنے علاقائی ذمہ داروں سے مشورہ و انتخاب کے بعد مرکز نظام الدین آکر دو ماہ قیام کریں اور یہاں کے اعمال انتظام میں جڑ کر اپنی استعداد و صلاحیت کو مزید جلا بخشیں۔ یہاں کے عالمی تقاضوں کو پورا کریں۔ اور پھر اپنے علاقوں میں واپس پہنچ کر مرکز کے دیکھے ہوئے اور سنے ہوئے

؎ ہدایات بموقعہ آمد کارکنانِ ہند مورخہ ۶، ۷، ۸۔ دسمبر ۱۹۹۲ء۔

طریقۂ عمل کو اپنے یہاں جاری کریں۔ حضرت مولانا کا مقصد اس جدید نظم کے قیام سے یہ بھی تھا کہ پورے ملک میں مرکز نظام الدین کے نہج پر کام چلتا رہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ علاقائیت اور قومیت کی بنیاد پر یا اپنے ذہن و دماغ سے تیار کردہ سانچہ کے مطابق کام کا رخ موڑ دیا جائے۔ یہ حضرت مولانا کی فہم و بصیرت ہی تھی کہ اس طرح اس دعوتی کام کی فکری نظریاتی طور پر حفاظت بھی ہو گئی اور مرکز کے زیر تربیت رہ کر علاقوں کے لئے افراد و اشخاص بھی تیار ہونے لگے۔ مرکز میں اس دو ماہی ترتیب کا آغاز ۱۹۸۵ء مطابق ۱۴۰۵ھ میں ہوا تھا۔ اس مقصد کے لیے جو سب سے پہلا بنیادی خط حضرت مولانا کے مشورہ و ہدایت کے مطابق[1] جناب الحاج منشی بشیر احمد صاحب مرحوم نے تیار کیا اور جس کو ملک و بیرون ملک کے مراکز تبلیغ کو بھیجا گیا، یہ ہے۔

"مکرمین و محترمین و دینی محنت میں لگے ہوئے تمام احباب کی خدمت میں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ۔

امید ہے کہ آپ حضرات خیر و عافیت سے ہوں گے۔ اور دینی مسائل میں خوب مشغولیت کے ساتھ عمر عزیز کا قیمتی زمانہ گذار رہے ہوں گے۔ حق تعالیٰ اخلاص کے ساتھ اپنے کام میں موت تک لگے رہنے اور آگے ہی بڑھتے رہنے کے لئے اپنے کرم سے قبول فرمائے۔ اور پورے عالم میں ہدایت کی ہواؤں کے چلنے کا ذریعہ بنائے۔

حضرت جی دامت برکاتہم ۲۶ جون کو امریکہ اور انگلینڈ کے اجتماعات کے لئے مع اپنے رفقاء کے تشریف لے گئے ہیں سفر کی قبولیت، صحت، ہمت، قوت کیلئے دعاؤں کا اہتمام کرنا ہے۔ تقریباً آخری ذی الحجہ تک کا سفر ہے۔ الحمدللہ اندرون و بیرون سے جماعتوں کی آمد بدستور ہے اور بڑھ رہی ہے۔ ان احباب کو کام میں لگانے کے لئے اور کام کی فضاؤں میں عملی مشق کرانے کے لئے کام کو لے کر چلنے والے احباب کی ہر وقت پورے سال یہاں

---

[1] حضرت مولانا، شوال ۱۴۰۵ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۸۵ء میں امریکہ و انگلینڈ وغیرہ کے طویل دورہ پر تشریف لے جاتے ہوئے جناب منشی بشیر احمد صاحب مرحوم کو متعین فرما گئے تھے کہ وہ یہ خط مراکز تبلیغ کو اپنے نام سے ارسال فرما دیں۔

ضرورت ہے۔ الحمدللہ ۱۵ مئی اور ۱۰ جولائی کو ملک کے چند صوبوں سے پرانے احباب کا یہاں دو ماہ کے لئے تشریف لانا ہوا۔ جو بنگلہ والی مسجد کے تقاضوں میں استعمال ہو رہے ہیں۔ اس سے جانبین کو حق تعالیٰ فائدہ پہونچا رہے ہیں۔ نیز حق تعالیٰ نے سال سال کی پندرہ جماعتیں پیدل ملک کی مختلف سمتوں میں کام کرنے کے لئے روانہ فرمائیں۔ جن کی کارگزاریاں بھی آرہی ہیں۔ حق تعالیٰ انھیں استقامت کی دولت سے مالا مال فرمائے اور پورے ملک میں مزید ایسی جماعتوں کے چلنے کی صورت پیدا فرمائے۔ اور ایمان کی ہواؤں کے پورے دنیا میں چلنے کا ذریعہ بنائے۔ آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے ضلع اور ماحول میں جتنے پرانے کام کرنے والے احباب ہیں۔ ان کی باری باری دو دو ماہ کے لئے یہاں پہونچنے کی ترتیب بنائی جائے۔ ہر ماہ کی دس تاریخ کو احباب کے پہونچنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے، تاکہ پہلے سے جو یہاں کام کر رہے تھے بعد میں آنے والے ایک ماہ ان کے ساتھ رہ کر کام کا تجربہ حاصل کر سکیں، پھر یہ بھی بعد میں آنے والوں کے لئے پرانے رہیں گے۔ لہٰذا ۱۰ اگست کو بھی مختلف اضلاع سے احباب پہونچ رہے ہیں۔ آپ حضرات بھی اپنے احباب کو ترغیب دیکر پورے سال کی ترتیب بنائیں، نیز سال سال تین تین چلہ کی جماعتیں اور چلے کی بھی جو زیادہ خرچ کر سکیں یہاں بھیجتے رہیں تاکہ انھیں کام کرنے کی سلسلے کی پوری بات سمجھا کر پورے ملک کے اعتبار سے جہاں زیادہ ضرورت ہو پہلے بھیجا جا سکے۔ نیز بیرونی ممالک میں بھی مسلسل جماعتوں کے بھیجتے رہنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے چار چار ماہ اندرون ملک میں لگائے ہوئے پرانے احباب کا وقت اور خرچہ طے کر کے یہاں بھیجا جائے تاکہ ان کی نوعیت کے اعتبار سے اور تقاضوں کے اعتبار سے اس ملک میں کام کی جو نوعیت ہے پوری طرح سمجھا کر ان کو بھیجا جائے۔

نیز مقامی دعوت کا ماحول بننے کے لئے اور مساجد کی آبادی کے لئے مسجد والی جماعتیں ہر جگہ بنانے کی ضرورت ہے۔ جو فضائل کی تعلیم، اپنے محلے کا گشت، ہر ہفتہ دوسرے محلے کے گشت کے عنوان پر جماعت کی شکل میں دوسری مسجد میں جائے، تاکہ اس مسجد کی جماعت ان امور کے لئے بنائی جا سکے۔ اور ماہانہ تین دن کی عمومی جماعت لیکر اپنی مسجد

سے نکلنا، اپنے گھروں میں نماز تسبیح، تلاوت اور فضائل کی تعلیم پابندی سے کرنا اور اپنی ذات سے ان کاموں کو کرتے ہوئے اپنے محلے اور گاؤں کے سو فیصد ایمان والوں کو ان اعمال میں لگانا تاکہ ہر گھر سے چار چار ماہ باری باری نکلنے کا عام رواج زندہ ہو۔
نیز سال سال والی پیدل جماعتوں کی نصرت کے لئے پرانوں کو ان کے پاس پہونچنا ضروری ہے تاکہ ان کی ہمت افزائی کے ساتھ صحیح نہج پر پورے سال کام کرسکیں۔
ان سب امور کو ہر جگہ کے کام کرنے والے احباب کو سمجھانے کے لئے و عملی شکل و تشکیل کے وجود کے لئے ایک مختصر سی جماعت یہاں کے رفقاء کے ساتھ مختلف علاقوں میں بھیجنا طے پایا ہے۔ اس سلسلہ کی فکر میں ۲۵ر جولائی کو دو ہفتہ کے لئے بہار و کلکتہ کی طرف میاں جی محراب صاحب و بھائی محمد یوسف صاحب کے ساتھ جماعت روانہ ہوئی ہے حق تعالیٰ سب تقاضوں کو خیر و عافیت کے ساتھ پورا ہونے کی غیب سے صورت پیدا فرمائے۔
میرے دوستو! اللہ رب العزت کو اپنا دین محبوب ہے اور دین کی خاطر قربانی دینا محبوب ہے۔ اور اسی کو حالاتِ عالم کے سدھرنے کا ہدایت کی دولت کے ملنے کا اور ان دونوں جہاں میں حقیقی کامیابی دینے کا حق تعالیٰ نے سببِ حقیقی قرار دیا ہے۔
اس لئے ہمت کے ساتھ دعوت کے تقاضوں میں آگے بڑھنے اور کھانے کمانے کو ضمن میں رکھنے (اور ضرورت ہی کا درجہ) دینے کی ضرورت ہے۔ اپنی کوشش و محنت میں لگتے ہوئے تنہائیوں میں آہ و زاری والی دعاؤں کی مقدار کو بڑھایا جائے۔ حق تعالیٰ ہر طرح کرم کا فضل کا نصرت کا معاملہ فرمائے۔ آمین۔ فقط والسلام۔
منشی بشیر احمد، بقلم اخلاق احمد، مطابق یکم اگست ۱۹۸۵ء[1]

سہ ماہی جوڑ اور اس کی غرض و افادیت

علاقائی اور صوبائی یا عالمی اجتماعات کے ساتھ سہ ماہی جوڑ

---

[1] بشکریہ جناب حکیم شبیر احمد صاحب اعظمی۔

بھی کام کی تقویت کا ذریعہ ہیں۔ اسکے ذریعہ کام کرنے والوں کو نئی امنگوں اور حوصلوں کے ساتھ آگے قدم بڑھانے کا موقع ملتا ہے۔ پچھلی کارکردگی سامنے آتی ہے اور آگے کے لئے محنت کی ترتیب بنتی ہے۔ حضرت مولانا کی حیات میں سہ ماہی جوڑ کے لئے یہ اصول اور طریقہ کار مرتب ہوا۔ اور ان ہی کے مطابق کام ہوتا رہا۔

۱۔ ہر حلقہ کے اندر جو اضلاع ہیں ان کے فکر مند کام کرنے والے ہر تین ماہ میں ایک بار چوبیس گھنٹہ کے لئے جڑا کریں۔ یہ جوڑ عمومی بالکل نہ ہو۔

۲۔ یہ جوڑ ضلع بدل بدل کر ہو۔

۳۔ نظام الدین میں جو ارادے اضلاع کے احباب کر کے آئے ہیں ان کی تنفیذ کی ترتیب سوچی جائے۔

۴۔ اس جوڑ میں پچھلے تین مہینہ کے کام کا جائزہ لیا جائے۔

۵۔ اگلے تین مہینے کی محنت کی ترتیب بنائی جائے۔

۶۔ ہر ضلع سے مسجد وار جماعتوں کے بنانے کی کارگزاری سنی جائے اور مزید مسجد وار جماعتیں بنانے کی ترتیب سوچی جائے۔ مسجد وار جماعت بنانے میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جس مسجد کی جماعت میں چند پرانے فکر مند احباب ہوں، وہاں روزانہ اس جماعت کو فکر پر جڑنے کو کہیں۔ البتہ جس مسجد کی جماعت میں بالکل نئے لوگ ہوں، وہاں روزانہ فکر پر جڑنے کے لئے نہ کہا جائے بلکہ اعمال کو اہتمام سے کرنے کی ترغیب دی جائے اور اعمال ہی پر جانے کی فکر رکھی جائے۔

۷۔ جو احباب سال کے لئے یا سات چلے والے علماء یا بیرون کے لئے یا ۲ ماہ بنگلہ والی مسجد کی ترتیب پر وقت لگانے کے لئے تیار ہوں۔ ان سب احباب کو لے کر ضلع والے اس جوڑ میں آئیں۔

۸۔ چلے اور تین چلے کی جماعتیں اپنے اپنے ضلع ہی سے نکالی جائیں۔

۹۔ آئندہ کے لئے سال کی جماعتیں، بیرون کی تشکیلیں، دو ماہ کی ترتیب والے اور سات چلے کے لئے علماء کی تشکیل اور وصولیابی کے لئے اسی جوڑ میں پرانوں کی

جماعتیں بنائی جائیں اور اسی جوڑ میں نظام بھی طے کیا جائے۔ عمومی کام کے ساتھ یہ کام کیا جائے۔

۱۰۔ بیرون کی تشکیل میں حضرت جی دامت برکاتہم کی ہدایات کا پورا خیال رکھا جائے

۱۱۔ کسی ضرورت کی بنا پر کسی ضلع میں کوئی جوڑ رکھنا ضروری ہو تو اس پر بھی اسی حلقہ کے جوڑ میں غور کیا جائے اور ضرورت کے پیش نظر طے کیا جائے۔ اضلاع والے اپنے طور پر کوئی جوڑ طے نہ کریں۔

۱۲۔ ہر جوڑ کی مختصر کارگزاری نظام الدین بھی بھیجی جائے۔

کارکنانِ ہند کے جوڑ اور ان کا آغاز

حضرت مولانا کے اسلوب دعوت اور طریقۂ کار کو جن لوگوں نے دیکھا اور سمجھا ہے وہ اس کا اعتراف کریں گے کہ آپ کے زمانۂ امارت میں کام تمام تر وسعت اور پھیلاؤ کے باوجود اسی نہج اور طرز پر باقی رہا جو آپ کو —— مولانا محمد یوسف صاحب سے ورثہ اور ترکہ میں ملا تھا۔ اسی نہج اور طرز کو قائم رکھنے اور اسکو استحکام دینے کے لئے آپ نے جو دور رس فیصلے فرمائے اور اس کام کو منظم رکھنے کے لئے جو مختلف صورتیں اور متعدد شکلیں اختیار فرمائیں انہی میں ایک یہ "اجتماعِ کارکنان" بھی ہے۔ اس اجتماع کے ذریعہ آپ سال میں ایک مرتبہ پورے ملک کے کام کرنے والے اور وقت لگانے والے ذمہ دار احباب کو مرکز نظام الدین آنے کی دعوت دیکر ان کے تاثرات و احساسات سے براہ راست واقفیت حاصل کرتے۔ ان کے علاقوں میں ہونے والے کام کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لے کر ان کو مشورے دیتے اور یہ آنے والے احباب بھی موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے علاقوں میں کام کی نسبت سے پیدا ہونے والی اونچ نیچ اور مشکلات و رکاوٹوں کو حضرت مولانا کے سامنے رکھ کر رہنمائی اور رہبری حاصل کرتے تھے۔

ان اجتماعات میں حضرت مولانا آخری دن جو بیانات فرماتے ان سے صاف طور پر یہ بات ظاہر ہو جاتی تھی کہ آپ کی توجہ جس قدر کام کو بڑھانے اور لوگوں تک اس دعوت

کو بہو بچانے پر ہے اتنی ہی فکر اور کوشش کام کرنے والوں کی ذاتی تربیت اور ان میں محامد و محاسن اور خصائل و صفات سے آراستہ ہونے پر بھی ہے۔

کارکنان ہند کے ان اجتماعات کا آغاز کب ہوا اور کن مقاصد کے لیے یہ شروع کئے گئے۔ اس کی پوری تفصیل جناب الحاج حبیب نصیر الدین صاحب کی مرسلہ یادداشت میں ملتی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

اپریل ۱۹۸۱ء (جمادی الثانیہ ۱۴۰۱ھ) میں کوٹھا پور کے بعد آنند میں مشورہ کا جوڑ تھا۔ ایک طرف مشورہ اور دوسری طرف اجتماع چل رہا تھا۔ علی گڑھ کے ڈاکٹر خالد صاحب، امریکہ کے بھائی عبدالرقیب، بھائی لقمان، نیز بھائی سلیمان ممایا شریف بھائی اور کرنل امیر الدین صاحب بھی موجود تھے۔ اس موقع پر ڈاکٹر خالد صاحب نے سب احباب کے سامنے یہ بات رکھی کہ حضرت والا سے کوئی وقت لے کر ہندوستان کے پرانوں کو تین روز کے لئے نظام الدین میں جوڑا جائے تاکہ ہر جگہ پر یہ دعوت والا عمل ایک ہی نہج اور ایک ہی طریقہ پر چلتا رہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہر علاقہ والے اپنے اپنے لئے حسب منشاء جدا جدا طریقے اختیار کریں۔ ڈاکٹر خالد صاحب کے اس مشورہ پر متعدد احباب کے درمیان مذاکرہ ہوا۔ مرکز نظام الدین میں اور بھوپال کے سالانہ اجتماع میں بھی اس سلسلہ میں مشورہ کیا گیا جب ہر طرح سے اطمینان ہوگیا تو حضرت والا کے سامنے پوری تفصیل رکھ کر مشورہ کیا گیا اور آپ سے اجازت ملنے پر ۱۹۸۲ء میں پرانوں کا سب سے پہلا جوڑ مرکز نظام الدین میں رکھا گیا۔ اس سے کام کرنے والے احباب کو بہت فائدہ ہوا۔ اس کے بعد دوسرا جوڑ ۱۹۸۳ء میں گودھرا میں، اور تیسرا جوڑ ۱۹۸۴ء میں اررِیہ کوٹ بہار میں اور چوتھا جوڑ ۱۹۸۵ء میں بنگلور میں رکھا گیا۔ پھر ۱۹۸۶ء میں کوئی جوڑ نہ ہو کر ۱۹۸۷ء سے اس کا سلسلہ سال بہ سال مرکز نظام الدین میں شروع کر دیا گیا۔ اور مجمع کی زیادتی کی وجہ سے چونکہ انتظامی امور بھی بہت زیادہ ہوجاتے تھے اس لئے شرکت کرنے والوں کی تعداد مقرر کر کے ہر علاقہ کیلئے کوٹہ مقرر کر دیا گیا لیکن اس کے باوجود بھی مجمع ہر سال مقررہ تعداد سے زیادہ ہوجاتا ہے۔!

ایک قدیم کارکن ۱۹۸۲ء میں ہونے والے جوڑ کے موقع پر حضرت مولانا کی افسردگیٔ مزاج اور گریہ و بکا کا ایک واقعہ اس طرح لکھتے ہیں :

"پہلے جوڑ کے موقعہ پر حضرت مولانا صحت و تندرستی کے اعتبار سے قوی و توانا تھے اس لئے خوب چل پھر کر جائزہ لیتے تھے۔ حتیٰ کہ شب میں بھی ساتھیوں کے احوال کا تفقد فرماتے تھے۔ ابھی جوڑ شروع ہوئے دوسرا ہی دن تھا کہ بھری مجلس میں دریافت فرمایا کہ بھائیو! جوڑ کیسا رہا؟ ساتھیوں نے جواب دیا کہ ماشاء اللہ بہت اچھا رہا۔ فرمایا کچھ کمی تو نہیں رہی؟ عرض کیا گیا، بظاہر تو کچھ کمی نہیں رہی۔ اس پر فرمایا کہ یہ پرانے رات کو سو رہے تھے۔ اٹھنے والوں کی کمی تھی۔ پھر فرمایا کہ رات کو اٹھ کر اللہ جل شانہ' سے مانگنے کا اہتمام کریں۔ یہ فرماتے ہوئے آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور اسی حالت میں فرمایا کہ" میں اللہ کو کیا جواب دوں گا کہ انعام نے اپنے ساتھی سونے والے بنائے ہیں۔ یہ فرما کر خود بھی خوب روئے اور احباب کو بھی خوب رلایا۔"

مسجد وار جماعت کے امور

حضرت مولانا ہر جگہ کے رفقاء تبلیغ کو اس پر متوجہ فرماتے تھے کہ کسی گاؤں اور علاقہ کے مسلمان بے نمازی نہ رہیں اور اس طرح جم کر محنت کی جائے کہ امت کا عمومی رخ مسجد کی طرف ہو جائے اس کے لئے ہر مسجد سے جماعت نکالنے کا فیصلہ بہت اہم اور مؤثر ثابت ہوا۔ اس مسجد وار محنت کی وجہ سے اب ہر مسجد میں وہی کام ہونے لگا جو نظام الدین مرکز میں ہو رہا ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے جہاں پہلے ایک حلقہ سے ایک جماعت نکلتی تھی، وہاں اب ہر مسجد سے ہر ہفتہ ایک سہ روزہ جماعت یا کم از کم مہینہ میں دو سہ روزہ جماعتیں نکلنے لگی ہیں۔ حضرت مولانا کی بنائی ہوئی اس ترتیب سے ہر مسجد میں وہاں کی مسجد وار جماعت ایک متحرک اکائی بنتی جا رہی ہے۔

حضرت مولانا نے اپنی حیات میں مسجد وار جماعت کے جو امور طے فرمائے اس کیلئے جو طریقہ کار وضع فرمایا اس کے متعلق دعوت و تبلیغ کے ایک ذمہ دار رکن اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں،

" نومبر ۱۹۹۴ء (جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ) میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے بعد نماز عشاء

نظام الدین میں مشورہ میں مسجد وار جماعت کے یہ امور متعین فرمائے ۔

(۱) ہفتہ کے دو گشت ۔ (۲) گھر اور مسجد کی روزانہ کی تعلیم ۔ (۳) مہینہ کے تین یوم (۴) روزانہ ڈھائی گھنٹہ کی محنت ۔ (۵) روزانہ مشورہ کے لئے بیٹھنا ، یعنی محلہ میں پاکیزہ اعمال کو زندہ کرنے کی فکر لے کر بیٹھنا ۔

ان پانچوں مجمل نمبرات و اشارات کی تفصیل دوسری مجلس میں جب حضرت مولانا کو لکھ کر پیش کی گئی ۔ تو آپ نے اس کو ملاحظہ فرما کر اس کی تصویب و توثیق فرمائی ۔ وہ تفصیل و تشریح اس طرح سے ہے ۔

مسجد وار جماعت کے امور

۱ : **ہفتہ کے دو گشت** : ہر گشت سے نقد جماعت نکالنے کی کوشش اور دوسرے گشت کے ذریعہ شہر کی تمام مساجد میں مقامی جماعتیں بنا کر کام کو اٹھانے کی کوشش کی جائے ۔

۲ : **روزانہ مسجد اور گھر کی تعلیم** : مسجد کی تعلیم کے علاوہ گھر میں روزانہ تعلیم ہو تاکہ اعمال کا شوق بڑھے اور پھر مستورات اپنے مردوں کے ذریعہ علماء سے مسائل پوچھ کر گھر کی ۲۴ گھنٹہ کی زندگی دین کے مطابق گزارنے کی کوشش کریں ۔

۳ : **مہینہ کے تین دن** : ہر ساتھی مہینہ میں تین دن پابندی کے ساتھ محلہ کے نئے ساتھیوں کو لے کر نکلنے کی کوشش کریں ۔ سہ روزہ سے اپنی بستی کے مضافات کی ہر بستی کی تمام مساجد میں جماعتیں بنا کر کام اٹھانے کی کوشش کی جائے ۔

۴ : **روزانہ ۲½ گھنٹہ کی محنت** : اعمالِ دعوت کو زندہ کرنے کی گھر گھر محنت کرتے ہوئے ان اعمال میں لگنا ۔ ۲½ گھنٹے کم از کم ہیں زیادہ کے لئے بھی کہا جائے اور جو زیادہ دے اسے قبول کیا جائے ، تاکہ مسجد ۲۴ گھنٹے مسجد نبوی کے نہج پر آباد رہے ۔ جس میں ایمان کی دعوت ، فضائل کے حلقے ، جماعتوں کی بیرون ملک اور اندرون ملک روانگی اور آمد ، علم و ذکر ، آنے والوں کی تعلیم و تربیت اور مہمان نوازی سب شامل ہے ۔ جو زیادہ نہ دے ڈھائی گھنٹہ دے اسے

حقیر نہ سمجھا جائے، اس کی قدر کی جائے۔ ساتھیوں کا کھانا اور سونا گھروں میں ہو۔

۵: روزانہ مشورہ کیلئے بیٹھنا محلہ میں پاکیزہ اعمال کو زندہ کرنے کی فکر کے لیے بیٹھنا، سارے عالم میں دعوت، نماز، تلاوت، ذکر و دعا، عبادت اور حسن اخلاق کو سو فیصد زندہ کرنے کی کوشش کی جائے، تاکہ ہر مسلمان کی ۲۴ گھنٹے کی زندگی اللہ کے حکموں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر آجائے، فکر کے لئے یہ جڑنا ایسے وقت میں ہو جو سب کی سہولت کا ہو۔ پچھلے دن کی محنت کی کارگزاری سن لیں، آج کے دن کی محنت کا مشورہ کرلیں، یہ مشورہ زیادہ لمبا نہ ہو،

• ایک موقعہ پر مسجد وار جماعت کے لئے جناب الحاج میاں جی محراب صاحب نے کچھ امور تحریر کر کے حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے ان کو ملاحظہ فرما کر ان کی منظوری دی اور اس کی نقول مختلف علاقوں اور ملکوں کے مراکز کو بھیجنے کی ہدایت فرمائی۔ وہ امور یہ ہیں۔

ہر مسجد میں جماعت بنانا کہ وہ جماعت ایک گشت اپنے محلے میں کرے دوسرا پڑوس کے محلے میں کرے، روزانہ اپنی مسجد میں تعلیم کرے اوروں کو ترغیب دے کر جوڑے۔ تین دن کے لیے آس پاس کی بستیوں میں جائے گھروں میں تعلیم چالو کرے، نماز، ذکر، تلاوت، ان اعمال کے گھروں میں زندہ کرنے کی فکر کرے تاکہ ہمارے گھر ایمانی اعمال سے آباد ہوں۔

روزانہ ڈھائی گھنٹہ فارغ کرکے یہ ڈھائی گھنٹہ مسجد کی آبادی کیلئے دیں دہماری مسجدیں ۲۴ گھنٹے ایمانی اعمال سے آباد ہو رہی ہوں۔

مسجد میں اگر اکیلے ہوں تو ذکر و تلاوت، نماز میں مشغول ہوں، اگر تین چار ہو جائیں تو تعلیم کا حلقہ لگائیں، کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کریں، کوئی جماعت ہو تو اس کی نصرت کریں۔ کسی کو جماعت میں نکالنا ہو تو اس سے ملاقات کریں، ملاقات کے ذریعہ نماز پر اور مقامی اعمال میں جڑنے پر تیار کریں۔

مشورہ کی اہمیّت اور اس کے اصول و آداب

حضرت مولانا کا مزاج خالص شورائی مزاج

تھا اسی لیے تمام معاملات و مسائل شوریٰ میں رکھ کر طے کرنے کے قائل تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شوریٰ سے بالاتر ___ ہوکر فیصلہ فرمادیا ہو یا آمرِ مطلق بن کر شوریٰ کی اہمیت و افادیت کا انکار کر دیا ہو، جس طرح اپنی ذات کو شوریٰ کے ساتھ مربوط رکھتے، اسی طرح چاہتے تھے کہ دنیا بھر کے کام کرنے والے مل جل کر مشورہ سے کام کرتے رہیں۔ اور انفرادیت و خود پسندی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ کر قدم بڑھاتے رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے دنیا بھر کے مراکزِ تبلیغ میں شوریٰ کی جماعتیں قائم فرمائیں اور پھر اس مجلس شوریٰ میں بھی یہ نظم قائم فرمایا کہ اُس مجلس کا ہر فرد حروف تہجی کے اعتبار سے باری باری فیصل بنایا جائے۔ تاکہ سب کی استعداد اور صلاحیتوں میں اضافہ ہو اور وہ اتفاق و اتحاد نیز اجتماعیت و یک جہتی کے ساتھ دعوت والے اعمال میں مصروف و مشغول رہیں۔ ایک موقعہ پر اس شورائی نظام کی ضرورت و اہمیت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"کام اب خود اس کا متقاضی ہے کہ ہر ایک جگہ جماعت ہو جو کام کو سنبھالے مشورہ کی جماعت جب بناؤ تو اس میں سے امیر کا لفظ ہی نکال دو اور صاف صاف کہدو کہ یہ امیر ایسا ہے کہ اس کا کوئی اختیار نہیں ہے، یہ صرف خادم ہے اور قوم کا خدمتگار ہے"

حضرت مولانا اپنے تیئس سالہ دورِ امارت میں جس نہج اور انداز سے شوریٰ کی اہمیت و افادیت دعوتی احباب کو سمجھاتے اور بتلاتے رہے اس کا ایک ہلکا سا نمونہ یہاں اس نیت سے پیش کیا جاتا ہے کہ تمام دعوتی احباب اس کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں۔ فرماتے ہیں:

مشورہ میں کسی کو اپنی رائے پر اصرار نہ ہو، کسی کو اپنی رائے پر یہ نہ ہو کہ یہی ٹھیک ہے۔ بلکہ اپنی رائے پیش کر دے پھر جو فیصلہ ہو جائے اس کے اوپر خوش دلی کے ساتھ قدم اٹھائے، رائے کے اندر اختلاف ہونا تو فطری چیز ہے۔ اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ ہر ایک کی سمجھ الگ الگ ہے کسی کی تھوڑی سمجھ ہے کسی کی بڑی سمجھ ہے، کسی کی بہت اونچی سمجھ ہے، ہر ایک اپنی سمجھ کے مطابق رائے دیتا ہے۔ سب کی رائے آنے سے

سب پہلو کھلتے ہیں تو اس سے بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اس لئے ہر ایک کی رائے کا معلوم ہونا یہ بہت اہم ہے۔ پھر جو فیصلہ ہو جائے اس کے اوپر خوش دلی سے قدم اٹھانا چاہئے۔ اور اپنی رائے کے اوپر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ اس پر ضد نہیں کرنی چاہئے۔ اور اگر اس فیصلہ پر طبیعت نہیں مانتی تو اپنی طبیعت کو سمجھانے کی کوشش کرے اور اس کے خلاف نہ کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس شوریٰ بنائی تھی، خلافت کے طے کرنے کیلئے اور اس میں فرمایا کہ یہ چار دوست جس بات میں ایک طرف ہو جائیں۔ اس کو مان لیجاوے اور اس پر فیصلہ کر دیا جاوے اور جو بات کے خلاف کرے اس کی گردن اڑا دو چاہے جون سا شخص ہو۔ فیصلہ ہونے کے بعد پھر اس کے خلاف کرنا یہ قابل گردن زدنی ہے"۔

• ایک موقع پر اختلاف اور خلاف کے باہمی فرق اور حضرات شیخین (سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کے درمیان ہونے والے اختلافِ رائے کو اس طرح بیان فرمایا:

میرے عزیزو! دوستو، بزرگو، ہم اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے، اپنی کمی کا اعتراف کرتے ہوئے، اللہ کے فضل کی امید رکھتے ہوئے کوشش کرتے رہیں اور چلتے رہیں اور خدا سے مانگتے رہیں، اور خدا سے ڈرتے رہیں کہ وہ ہمیں اس کام سے محروم نہ کرے آپس میں جڑ مل کر ایک دوسرے کی رائے کا احترام کرتے ہوئے فیصلہ پر خوشی سے قدم اٹھاتے ہوئے چلتے رہیں گے تو انشاء اللہ گاڑی چلتی رہے گی اور اگر اختلاف ہوا تو اختلاف کوئی بری چیز نہیں، لیکن خلاف بری چیز ہے۔ فیصلہ ہونے کے بعد اس کے خلاف کرنا یہ بہت بری چیز ہے۔ "الخلاف اشد" خلاف بہت سخت چیز ہے، خلاف نہیں کرنا چاہیے، جو فیصلہ ہو جائے چاہے اپنی رائے کے جتنا خلاف ہو لیکن اس کو خوش دلی سے مان لینا چاہئے، اس پر جمنا چاہئے۔ اور اس کے اوپر قدم اٹھانا چاہئے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خوب اختلاف ہوتا تھا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ

سے یوں ارشاد فرمایا کہ صرف میرے خلاف کی وجہ سے تم نے یہ بات کہی ہے' ما دریت الا خلافی 'کہ تمہارا مقصد ہی میرے خلاف کرنا ہے ۔ یہاں تک نوبت آجاتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اللہ جل شانہ وعم نوالہ نے ان میں آپس میں ایسا جوڑ رکھا تھا اور ایسی محبت رکھی تھی کہ اس خلاف سے اور اختلاف سے کوئی ہار نہیں آتا تھا۔ اور کوئی اسکے اندر کمی نہیں آتی تھی ۔ مشورہ کے اندر خوب کھل کر رائے دو ۔ جو فیصلہ ہو جاوے ' اس کے اوپر سب جم جاویں ۔ مشورہ میں کسی کی رائے کے خلاف ہو گا اور کسی کے موافق' تو موافق والا ڈرتا رہے اس بات سے کہ میری رائے کے اندر بے برکتی نہ آجائے اور جس کی رائے کے خلاف ہوا وہ اس پر خوش ہوتا رہے کہ اللہ کا شکر ہے کہ میری نفسانیت سے یہ بات محفوظ ہو گئی ۔ دونوں کو اپنے آپ کو اس کا پابند بنانا چاہئے ۔ اللہ جل شانہ' صحیح نہج پر جمنے اور صحیح نہج پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے ۔"

• ایک مرتبہ کولمبو (سری لنکا) میں مشورہ والی جماعت کو بڑی تفصیل کے ساتھ مشورہ کے آداب اور مختلف پہلو اس طرح سمجھائے :

"کام کرنے والا اپنے جذبات کو قربان کرتا ہے اور مشورے کے تابع رہے تو چلتا رہے گا ۔ ورنہ خطرہ ہے کہ ہٹ جائے گا ۔ دین کے بارے میں دبنے سے دروازے کھلتے ہیں۔ ایسے موقع پر نفس یوں کہتا ہے کہ ناک نیچی ہو گئی' حالانکہ جو دبتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتے ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ بلند کرتے ہیں اس کو کوئی نیچا نہیں کر سکتا ۔ دین کے کام کرنے والے کو اپنے کو چھوٹا بنانا اور نفس کو دبانا اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا ضروری ہے ۔ سب کام کرنے والے مشورہ میں خیر جانیں' چاہے ظاہر میں دشوار و ناممکن ہو لیکن کھلے دل سے مشورے کے مطابق کام میں لگ جائیں ۔ مشورہ کرنے پر اللہ تعالیٰ راہ دکھاتے ہیں ۔ نامراد و خائب و خاسر نہیں کرتے مشورے سے جو کام کیا جائے اس میں پشیمانی نہیں ہوتی ۔ مشورہ میں سب احباب امانتداری سے مشورہ دیدیں ۔ المستشار مؤتمن ۔ آنکھ دیکھ کر مشورہ نہ دے ۔ امیر سب کی رائے لے کر دیانتداری کے ساتھ فیصلہ کرے اور سب کھلے دماغ سے مانیں ۔ امیر کی بات

ماننے کو حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات کا ماننا جانو من اطاع الامیر فقد اطاعنی.
امیر کے مشورے کے ماتحت چلو اور اپنے جذبات کو کچلو۔ امیر بھی انسان ہے۔ اس سے غلطی ہوسکتی ہے۔ من رأی من امیرہ شیئاً یکرہ فلیصبر۔ اور اس وقت خدا کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ شر میں سے خیر نکال سکتا ہے۔ راستہ آسان ہے لیکن اگر غلط آجائے یا راحت پسندی آجائے تو پھر مشکل ہے۔ اپنے آپ کو مشورے کے مطابق رکھنا ہے، اجتماعیت اور بندھن رہے، توڑ نہ ہو۔ ہمارا کام یہ ہے کہ مان کر چلیں۔ اگر ہر ایک اپنے اپنے ماوجب کو لے کر چلے تو جوڑ ہوگا۔ اگر امیر یوں کہے کہ اس نے میری نہیں مانی، اور مامور یوں کہے کہ مجھے نہیں پوچھا، تو یہیں سے افتراق اور توڑ ہو جائے گا۔ امیر کا حق مامور پر ہے اور مامور کا حق امیر پر ہے۔ اگر ہر شخص اپنے اپنے حق کو ادا کرے اور دوسرے کے ذمہ جو حق ہے اس کو معاف کر دے تو جوڑ ہوگا اور اگر اس کا برعکس ہو کہ اپنا حق وصول کرنے کی تو بات کرے اور دوسرے کا حق ادا نہ کرے تو توڑ ہوگا۔"[1]

ایک موقعہ پر مشورہ میں اختلاف رائے کی وجہ تبلاتے ہوئے فرمایا:

"ایک استشارہ ہے اور ایک استخارہ ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ غرض سب کام کرنے والوں کی ایک ہی ہے لیکن اختلاف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وجوہ مختلف ہوتی ہیں کسی کے سامنے کوئی وجہ ہے اور کسی کے سامنے کوئی وجہ ہے۔ اس لئے اپنی رائے کو ایسا پاک نہ سمجھو کہ وہ وحی ہے، تالیفِ قلب اور کام کے تقاضے، ان دونوں کے درمیان ہم کو چلنا ہے۔"

- ۱۰ رجب ۱۳۹۱ھ (یکم ستمبر ۱۹۷۱ء) میں مشورہ والے احباب جمع تھے، تو ان کو مخاطب کرتے ہوئے مشورہ اور تالیف قلب کے متعلق یہ دو باتیں ارشاد فرمائیں۔

"مشورہ میں جو ذمہ داری دیدی گئی ہے اس کو پورا کرنا چاہیئے۔ اب آدمی

---

[1] ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ ۶۰ دسمبر ۱۹۶۷ء میں کولمبو "سری لنکا" میں مشورہ کے موقعہ پر۔

اپنے کو کمزور ہی سمجھے تو جو طاقت ہے وہ بھی نکل جائے گی۔ ہاں آدمی کمزور ہو اور اپنی طاقت کے بقدر کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد کی جاتی ہے۔

تالیفِ قلب بھی ایک چیز ہے۔ اس کی بھی ایک حیثیت ہے۔ ہم تالیفِ قلب کے اس حد تک مامور ہیں کہ کوئی منکر نہ ہو۔ اور حدودِ شریعت کے اندر رہتے ہوئے ہم تالیف قلب کے کرنے والے بنیں۔

مشورہ میں جو فیصل ہو وہ خدائے پاک کا دھیان کرتے ہوئے فیصلہ کرے کیونکہ جو شخص فیصلہ کرنے والا بنا دیا گیا وہ تو گویا چھری سے ذبح کرنے کے قابل بنا دیا گیا۔

• ایک مرتبہ رائے ونڈ (پاکستان) میں وہاں کے خواص مقیمین کو مشورہ اور آدابِ مشورہ کے بارے میں اس طرح ہدایات ارشاد فرمائیں۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ماخاب من استخار وماندم من استشار۔ جو آدمی استخارہ کرتا ہے وہ نامراد نہیں ہوتا۔ اور جو مشورہ کرتا ہے، وہ نادم نہیں ہوتا۔

اس لئے مشورہ بہت اہم چیز ہے۔ سارے مل کر بیٹھیں، رائے ملائیں، حق تعالیٰ سیدھی راہ مرحمت فرما دیتے ہیں۔ مشورہ میں اہتمام سے بیٹھیں۔ کسی کی رائے کو کاٹنا یا طعنہ دینا یا کسی کی تحقیر کرنا نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی کی رائے پر ہنسنا ہے۔ اللہ پاک ہمیں مشورہ کرنے کی اور اس کے آداب کے رعایت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اپنی رائے پر اَڑنے، ہٹ کرنے، جمنے سے محفوظ فرمائے۔ خیر اللہ پاک کی طرف سے آتی ہے۔ ہمیں اہتمام سے مشورہ کرنا ہے، آداب کو ملحوظ رکھنا ہے۔ پھر اخلاص کے ساتھ اپنی رائے کو بیان کر دینا ہے۔

جو فیصلہ ہو جائے اس پر مطمئن ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ تم دونوں اگر کسی بات پر جمع ہو جاؤ گے تو میں اس کے خلاف نہیں کرونگا۔

اپنی رائے اگر قبول ہو جائے تو ڈرے اور اگر قبول نہ ہو تو اللہ پاک کا شکر ادا

کرے، دونوں حالتوں میں شکر ادا کیا جائے۔ اللہ جل شانہ ہمیں شریعت کے تمام...
اصولوں پر کاربند ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ ہمارے ذمہ کوشش اور فکر کرنا ہے
ہماری رائے کسی غرض کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اللہ کے دین کو اور دینی مصلحت کو سامنے
رکھ کر رائے دیویں۔ اللہ جل شانہ ان آداب سے مؤدب فرمائے۔ شیطان انسان
کا دشمن ہے۔ ہر کام میں اپنی ٹانگ اڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ مشورہ میں بھی اپنی
رائے پر اصرار کرتا ہے، منہ پر ڈالتا ہے، دوسرے کی تحقیر پہ ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
ہمیں مراشد امور کی ہدایت نصیب فرماویں اور صحیح راستہ پر چلنے والا بنا دیں۔ آمین۔

حضرت مولانا کی نگاہ میں اس دعوت کے مزاج اور اسلوب میں یہ بات داخل ہے
کہ اللہ کے راستہ میں نکلنے والے لوگ مشورہ اور کام کی ضرورت کے اعتبار سے اپنی جان
اور اپنا مال خرچ کرنے والے بنیں۔

چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ دعوت والی محنت اپنے وجود، اہمیت اور فضیلت کے اعتبار سے
بہت اونچی محنت ہے اس کو کرتے ہوئے اس کے نہج اور اسلوب کی بھی ـــــ
حفاظت کرنی ہے تاکہ اس میں لگنے والے بھی اور عام مسلمان بھی پوری طرح
مستفید ہو رہے ہوں اس محنت کے بہت سے اصول و آداب میں سے یہ بھی
ہے کہ اس کے لیے اللہ کی راہ میں نکلنے والے مشورہ اور کام کی ضرورت کے
اعتبار سے جان و مال کو خرچ کر رہے ہوں جیسے اسلام کا مزاج ہے کہ مسلمان
اپنے کو اللہ اور اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دے، اور اللہ اور
اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری تابعداری کا ثبوت دے، ایسے
ہی اس دعوت والے کام کا بھی یہی مزاج ہے کہ کام کرنے والے اپنے کو
اس کام کے حوالے اور سپرد کر دیں اور پھر یہ کام جہاں کی ضرورت کا تقاضا
کرے وہاں چلے جاویں۔ اللہ پاک کام کرنے والوں میں اس کی والی صفات
کو زندہ فرما کر ان سے پوری امت کے لیے استفادہ کی صورت پیدا فرمائیں

آپ کے پاس سے ۹ جون ۸۰ء کو یہاں آنے والے احباب ضرور تشریف لادیں، البتہ ان کا یہ ذہن بنا کر بھیجیں کہ جہاں ضرورت ہو وہاں کے لیے اپنی جان ومال کے خرچ کے ساتھ تیار ہوں کہ ہمارے یہاں یہی اصل ہے — اللہ پاک آسان فرمائیں۔[1]

تبلیغی مراکز میں دعوتی فکر پر زور

دعوت و تبلیغ کے ذریعہ ہونے والی اس عالمی محنت کا ظاہری نقشہ اور طریقۂ کار یہ ہے کہ ملکوں اور علاقوں میں جا بجا مراکز قائم ہیں جن کو تبلیغی مرکز کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے اور جہاں مرکز نہیں ہیں وہاں یہ کام مقامی مساجد کے ذریعہ ہوتا ہے ہر مرکز میں پرانے اور دینی مزاج رکھنے والوں کی ایک مختصر سی جماعت ہوتی ہے جس کو "شوریٰ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی شوریٰ والے اپنے علاقہ کے کام کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور اتفاق رائے سے فیصلہ کرتے ہیں۔ کوئی اہم غیر معمولی مسئلہ ہو یا کسی معاملہ میں اتفاق رائے نہ ہوتا ہو تو مرکز نظام الدین سے رجوع کرتے ہیں۔ حضرت مولانا نے ایسے مواقع پر بارہا خطوط کے ذریعہ تفصیلی ہدایات ارسال [illegible]مائیں۔ کبھی احوال یا مقام کی نزاکت کے پیش نظر منتخب و تجربہ کار افراد کو بھی بھیج دیا تاکہ وہ تمام پہلوؤں سے واقف ہو کر صحیح اور مناسب فیصلہ کر دیں اس طرح گویا دنیا بھر کے مراکز تبلیغ، مرکز نظام الدین سے وابستہ اور مربوط رہتے ہیں۔

حضرت مولانا کے دل و دماغ میں مرکز نظام الدین کی دعوتی حیثیت و شناخت کا جس قدر فکر و اہتمام تھا، اسی قدر اُس مرکز کی بھی حفاظت کا فکر و اہتمام تھا، جو دنیا کے آخری ملک میں قائم اور انتہائی سرے پر موجود ہے — اس فکر و اہتمام کی خدا معلوم کتنی شاخیں اور کتنی لائنیں حضرت مولانا کے دل و دماغ میں رہتی تھیں۔

مثلاً مراکز تبلیغ میں مالیات کا بیجا استعمال نہ ہو، وہاں اسراف اور فضول خرچی

---

[1] مکتوب بنام جناب بھائی سعید الدین صاحب نور محل بھوپال۔

نہ ہو، غیر ضروری تعمیرات نہ ہوں اور جس قدر ضروری ہوں وہ اصحاب مشورہ سے رائے اور مرکز نظام الدین سے استصواب کے بغیر نہ ہوں۔ کام کرنے والوں میں کسی قسم کا خلفشار اور انتشار نہ ہو اور کسی بھی قسم کی سیاست کا وہاں کوئی عمل دخل نہ ہو۔ اسباب ظاہریہ کے نقشوں میں وسعت نہ ہو بلکہ ہر چیز بقدر ضرورت ہو اور پھر ضرورتیں بھی بہت محدود ہوں، اغراض والوں کی آمیزش اخلاص والوں کے ساتھ نہ ہو۔ معاملات ٹھیک ہوں، معاشرت صحیح ہو۔ سب کے اخلاق اخلاقِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نمونہ اور عکس ہوں، ظاہر کی درستی کے ساتھ اپنے باطن کی اصلاح اور اجتماعی اعمال کے ساتھ اپنے انفرادی اعمال پر بھی زور ہو، یکسوئی ہو، اخلاص ہو، اور کام کی لگن، فکر اور کڑھن ہو انانیت، کبر، خود پسندی نہ ہو، کسی کو بڑھانا اور کسی کو گھٹانا نہ ہو، عجب وریا اور خود نمائی سے پوری پوری احتیاط ہو، کام کرنے والے احباب اپنی ذات پر مطمئن اور بے نیاز ہو کر نہ بیٹھ رہے ہوں بلکہ قربانیوں میں اور اعمال میں برابر آگے بڑھ رہے ہوں کام چھ نمبر کے دائرہ میں ہو رہا ہو، اس میں کوئی آمیزش اور ملاوٹ نہ ہو رہی ہو۔ اصحاب ثروت اپنے مال و دولت کے بل بوتے اور اعیان حکومت اپنی سیاست کی بنیاد پر اس میں کوئی نقب زنی نہ کر رہے ہوں۔ مرکز دہلی میں رہتے ہوئے آپ اِن تمام جہتوں اور لائنوں سے دنیا بھر کے تمام مراکز دعوت و تبلیغ کی مسلسل نگہداشت و نگرانی فرماتے رہتے تھے اور جب ملک و بیرون ملک کے مراکز تبلیغ میں (جس کا سلسلہ پورے سال ہی چلتا رہتا تھا) تشریف لے جاتے تو بڑے اہتمام سے وہاں کے خواص سے ملاقات فرماتے۔ اہل شوریٰ کو جمع کر کے ان ہی مذکورہ خطوط پر بڑی جامع اور مؤثر ہدایات دیتے۔ کسی شخص سے متعلق کوئی غیر معمولی بات یا کوئی بے اصولی اور بے عنوانی معلوم ہوتی تو تنہائی میں بلا کر اس کو نصیحت و فہمائش فرماتے یا خطاب عام کے ذریعہ اس کی اصلاح فرماتے۔

حضرت مولانا کی طبیعت و ہمت جب تک معمول کے مطابق رہی پابندی کے ساتھ مرکز نظام الدین کے تمام مقیمین اور مدرسہ کاشف العلوم کے اساتذہ و طلبہ کو مہینہ میں ایک مرتبہ بڑے اہتمام کے ساتھ افہام و تفہیم فرماتے تھے۔ یہ مجلس گو مقیمین مرکز اور طلباء کاشف العلوم

کیلئے ہوتی تھی لیکن شرکت وہ تمام خواص بھی کرتے تھے جو باہر سے آئے ہوتے تھے اسلئے
بات سب کو پہونچتی ۔ اور تمام مراکز کے ذمہ دار اس سے نفع اور فائدہ اٹھاتے تھے ۔
یہاں عمومی نفع اور فائدہ کے لیے ایسی ہی چند مجلسوں کے ارشادات پیش کئے جاتے
ہیں ۔ ان ارشادات و فرمودات سے جس طرح دعوتی کام کی نزاکتیں سامنے آتی ہیں اسی
طرح مرکز نظام الدین کی چہار دیواری کی قدر و قیمت اور اس میں کسی بھی ہونے والی
بے اصولی و بے عنوانی پر غیبی پکڑ اور جزاء و سزا کے بھی واضح اشارات ملتے ہیں ۔ اعاذنا اللہ منہ

• ایک مرتبہ کی مجلس میں اپنے جذبات پر قابو رکھنے، لوگوں کی کڑوی کسیلی جھیلنے اور
اپنے اندر تواضع و عاجزی پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرمایا ۔
" اگر ہم جیسے نکموں سے یہ کام بگڑا تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے ۔ صرف جھیلنا ہے اور
اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا ہے اگر جذبات میں رہے یا دوسرے کی نہ جھیلی تو بیڑا غرق
ہو جائے گا ۔ خدا نے ستاری کر رکھی ہے اگر ظاہر فرما دیں تو دنیا و آخرت میں کہیں ٹھکانا
نہ رہے ۔ بڑے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں کا بگڑا ہوا پھر اُس کا کہیں
ٹھکانا نہیں، اپنے بارے میں فیصلے کر و کہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھ کر چھوٹا بن کر رہنا ہے
ہماری نسبت اور قابلیت کچھ نہیں ہے جو اپنے کو قابل جانتا ہے وہ اس کے ناقابل ہونے کی
دلیل ہے اللہ ہر ایک کے دل اور سینے کو دیکھتا ہے، عملی کوتاہی بہت دور تک معاف
ہو جاتی ہے لیکن قلبی چھوٹی سی کوتاہی کو پکڑ لیتے ہیں ۔ حدیث پاک میں وان زنیٰ وان سرق
میں عملی کمزوری پر معافی بتلائی ہے، لیکن دل کے بارے میں ذرا سے کبر والے کو جنت میں
نہ جانا فرمایا ہے ۔ اگر انسان اپنی نگاہ میں بڑا بن جائے تو دوسروں کی نگاہ میں چھوٹا بنجاتا
ہے ۔ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ ہمارے یہاں کے رہنے والے ساتھی اپنے آپ کو محتاج
نہیں جانتے ۔ یہ بڑے خطرے کی بات ہے مستغنی بن جانا اور اپنے اوپر مطمئن ہو جانا، یہ
خطرے کی گھنٹی ہے ۔ اپنی ذات کے مٹانے کی کوشش ہر شخص کے لئے ضروری ہے ۔ اگر ہم صحیح
دستور پر ہے تو خدا بھی دستور پر ہے گا اور اگر ہماری طرف سے کوئی بے عنوانی ہوئی تو اللہ بھی
دستور بدل دیں گے اور اگر غور کر و گے تو سارا معاملہ نیت پر آ کر ٹھہر جائے گا ۔[1]

[1] مجلس منعقدہ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ ۲۱ ۔ فروری ۱۹۷۶ء

• مرکز نظام الدین کی عالمی حیثیت یہاں کے مقیمین وخواص کی امتیازی نوعیت اور پھر اس حیثیت اور نوعیت سے پیدا ہونے والے انتہائی لطیف وباریک اثرات وثمرات کو ایک مرتبہ بڑے مضبوط لب ولہجہ میں اس طرح بیان فرمایا۔

"اللہ نے اپنے فضل وکرم سے کام کی یہ ایک صورت ظاہر فرمائی ہے جس کے اثرات دنیا میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ یہ کام اس جگہ سے چل رہا ہے اور یہ کام کا قلب ہے۔ اس جگہ کو آ آ کر سب دیکھتے ہیں اور جس نے نہیں دیکھا وہ دیکھنے کی تمنا کرتا ہے۔ اور ہم بھی دعوت دیتے ہیں کہ آؤ مرکز دیکھو۔ اگر مرکز صحیح چل رہا ہے تو پورے عالم میں کام صحیح چلے گا۔ ذوات واشخاص کی طرف ہماری دعوت نہیں ہے بلکہ کام کی طرف دعوت ہے۔ ساری دنیا والے اس کام میں اس جگہ کو قلب جانتے ہیں اور تم لوگ بھی اس جگہ میں قلب کا درجہ رکھتے ہو، تمھاری خوبیاں یا عکس وہ سب آنے والے دیکھتے ہیں۔ جن چیزوں کی طرف دعوت دے کر بلایا جا رہا ہے وہ چیزیں آنے والا یہاں خود دیکھے تو اس کو سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آنکھ والا تو خود دیکھ لیتا ہے۔ ظاہری الفاظ اور صورت کا لوگ اتنا اثر نہیں لیتے جتنا آنکھوں دیکھی کا اثر لیتے ہیں۔ ہمارا سدھار یا بگاڑ صرف ہماری ذاتوں سے متعلق نہیں، بلکہ پورے عالم سے متعلق ہے۔ لہٰذا ذمہ داری بہت آتی ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ مقتداء کے لئے بعض مرتبہ جائز چیزیں کرنا بھی مناسب نہیں ہوتا مقتداء کو عموم کو دیکھ کر زندگی بسر کرنی پڑے گی۔ اگر اپنی نفسیات شخصیات ذاتیات کو دیکھے گا تو یہیں سے بگاڑ شروع ہو جائے گا۔ اور پھر دنیا صرف ہم کو نالائق کہے گی۔ لیکن اگر ہماری نالائقی کے ساتھ ساتھ کام پر کوئی حرف آیا تو یہ زیادہ خطرناک ہے۔ حب جاہ صرف کرسی پر بیٹھنا ہی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ہے کہ میری بات اور میری رائے چلی یا نہیں چلی اور میری بات کو کون کتنا مانتا ہے۔ یہ حب جاہ سب سے آخر میں نکلتی ہے اور اس کی جڑیں بہت گہری ہوتی ہیں اور اس کے نکلنے کے بعد ہی فنائیت شروع ہو جاتی ہے۔ اپنائیت نکل کر خدا کی ذات کے ساتھ تعلق قائم ہو جائے بس اسی کا نام نسبت ہے"

آخری دم تک اس حب جاہ سے نجات مل جائے تو کامیاب ہے۔ سارے مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد اگر اپنے اوپر اطمینان ہوگیا تو قدم پھسل جائیں گے۔ بس خاتمے کا اعتبار ہے ۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحؒ نے فرمایا ہے کہ ایمان کا معاملہ آخر میں ہوتا ہے چاہے ساری زندگی اچھی گذری ہو۔ اور بعض بے عنوانیوں پر آخر میں ایمان بھی سلب ہوجاتا ہے ۔ لہذا موت سے پہلے اطمینان نہیں کرنا چاہئے

• ایک مرتبہ مرکز نظام الدین کی عالمی اور بین الاقوامی حیثیت اور اس چہار دیواری میں ہونے والی کسی بھی بے اصولی کی خطرناکی کو اِن الفاظ میں بیان فرمایا ۔

" ہمارے یہاں عالمی نوعیت ہے ۔ اگر اپنی ذات کو قربان کیا تو عالمی ثواب ہے اور اگر صرف اپنی ذات کی وجہ سے کام پر اثر پڑا تو پھر عالمی وبال ہے ۔ یہاں ہر آنے والا دیکھتے ہی جان لے کہ یہ کام ہے ۔ تبلیغ ، تدریس مطبخ میں کھانا پکانے والے سب کے سمجھنے کی یہ بات ہے کہ ہم سب ایک ہی مشین کے پرزے ہیں ۔ یہ سب آپس میں جڑیں تو چل سکتے ہیں ۔ الگ الگ ہوں گے تو نہیں چل سکیں گے اللہ کا کسی سے کوئی رشتہ تعلق یا ذاتی نسبت نہیں ہے ۔ اس کے بنائے ہوئے قوانین وضوابط پر چلنا یہی نسبت ہے عبدیت کی لائن پر اگر چلیں گے تو اللہ بھی کہے گا کہ یہ میرا بندہ ہے ۔

وہ عالِم ما فی الصدور ہے ۔ اگر ہم یہ ٹھان لیں کہ ہماری ذات کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ کام کی نسبت پر ہم یہاں ہیں تو یہ نیت ہم کو اللہ کے یہاں سے بہت کچھ دلوائے گی ۔ یہاں کا رہنا کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے ، اگر ملے گا تو بہت زیادہ ملے گا اور اگر پکڑ ہوگی تو بہت زیادہ ہوگی ۔ ہر بات دورخی ہے ، ایک رخی نہیں ہے ۔ دلوانے والی بھی ہے اور پکڑوانے والی بھی ہے ۔ ہمیں اپنے بارے میں بہت ڈرتے رہنا چاہئے ، دل میں بٹھالو کہ معاملہ خدا کے ساتھ ہے کسی مخلوق کے ساتھ نہیں ہے ۔ وہ سب کو دیکھتا ہے ۔ بے نیاز ہے ۔ جس کو جب چاہتا ہے دھکا دیدیتا ہے ۔ ولا یغرنکم باللہ الغرور ، اللہ کو کسی کی حاجت نہیں ، پڑھنے پڑھانے والے ، کھانا پکانے والے ، انتظام و تبلیغ والے سب مسجد کے کام میں شریک ہوں ، یہی اصل کام ہے ۔ اللہ ہمیں اُن بدبختوں میں نہ

فرمائے کہ جن سے دین میں نفع کے بجائے نقصان پہونچے۔

ایک مرتبہ مرکز نظام الدین کی سالمیت اور اس کی چہار دیواری میں اجتماعیت کی اہمیت پر بھرپور انداز سے زور ڈالتے ہوئے فرمایا!

" ہمارے یہاں ایک کام ہو رہا ہے اور وہ انفرادی اور شخصی نہیں ہے۔ بلکہ اجتماعی ہے اور اجتماعی وانفرادی کاموں میں بہت فرق ہے۔ اجتماعی کام کا فائدہ اجتماعی طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اور انفرادی کام میں اپنا فائدہ ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ میں سہارنپور حضرت شیخ کے یہاں گیا تھا۔ وہاں پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظ سنائے جارہے تھے۔ اوہو! ایسے ایسے حالات کہ لوگ اس میں محو ہو جائیں۔ علی میاں بھی تھے۔ میں نے کہا کہ یہ کوئی بعید بات نہیں ہے۔ انفرادی کام کرنے والوں کو یہ احوال آنے ہی چاہئیں۔ لیکن اجتماعی کام الگ — نوعیت رکھتے ہیں۔ مجھ پر تو ایک زمانہ میں صوفیاء کے احوال اور اس کام کے احوال بہت کھلے اس لئے مجھے تو کوئی اشکال نہیں رہا۔

ہماری فکر اجتماعی ہو اور ہم اپنے آپ کو جوڑ رہے ہوں اور قربانی دے رہے ہوں۔ جو جتنا قربان ہوتا جائے گا۔ اس کا اتنا ہی بیڑا پار ہو گا۔ اور اگر اجتماعی ذمہ داریوں کو پس پشت ڈالکر شخصی بات کو دیکھتا رہا تو ہو سکتا ہے خدا کے یہاں اس کی پوچھ ہو جائے اور اگر بھائی یہاں رہتے ہوئے کسی کے بس کی اجتماعی زندگی نہ ہو تو پھر انفرادی زندگی کہیں اور جاکر گذاریں۔ ورنہ یہ خیانت کی بات ہے۔ یہاں بڑے بڑے تاجر دیکھنے آتے ہیں۔ ایک تاجر کی میرے پاس روایت پہونچی ہے کہ ہم تو خوب پرکھتے ہیں تو یہاں لوگ ایسے ہی نہیں آجاتے آنکھوں پر پٹی باندھ کر، بلکہ پرکھتے ہیں اور خوب پرکھتے ہیں۔

بھائی اللہ نے ایک کام دے رکھا ہے۔ اس کے حقوق بھی ہم پر عائد ہوتے ہیں۔ ہم ذرا ذراسی باتوں میں اجتماعیت کو کھو دیتے ہیں اجتماعیت کا بڑا خیال رکھنا چاہئے۔ بس مَیں نکل جائے تو سب آسان ہو جائے۔ نہیں تو سب بیکار ہے۔ اور جو شخص مَیں پر آجائے تو مَیں کے گلے پر چھری — اور یہ چھری اللہ کی طرف سے چلتی ہے۔ تکبر والا جنت میں نہیں جائے گا۔ جب تک کہ مَیں پر چھری نہ چل جائے۔ اور اگر مَیں مَیں کرتا رہا تو بکرا

بھی یُں یُں کرتا ہے۔ اور اس پر چھری چلتی رہتی ہے۔

ایک مجلس میں فرمائے جانے والے ذیل کے یہ چند جملے عبرت و موعظت اور نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے بہت کافی ہیں۔ فرمایا:

"یہاں والوں کو اجتماعی فکر اور اجتماعی ذمہ داریوں کا احساس رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ بعض وقت اللہ تعالیٰ مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیتے ہیں پھر روتا ہے کہ کیا ہوا۔ ہمارے اجتماعی کام میں جو جتنا جڑے گا اور جتنی اونچی ذمہ داریوں کو اوڑھے گا اتنی ہی اس کی ترقی ہوگی۔ اور جو ہٹے گا اور یکسو ہوتا جائے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو مکھی کی طرح نکال دیں اور یہ اپنے منہ میاں مٹھو تعریف کرتا رہ جائے۔ خدا اسکو وہیں سے گرائے گا۔ چاہے جون سا مقام حاصل کر لیا ہو، خدا کے یہاں ظاہر کو نہیں دیکھا بلکہ اندر کو دیکھا جاتا ہے۔ چاہے ظاہر میں مبلغ اور داعی بنا رہے۔"

ایک مرتبہ پاکستان کا سفر درپیش تھا۔ روانگی سے تھوڑی دیر قبل مقیمینِ مرکز کو جمع فرما کر سنت پر عمل اور اس کی تاکید و اہتمام پر درج ذیل کلمات فرمائے۔

"دیکھو، اللہ کا کسی کے ساتھ نسب نہیں ہے۔ اللہ کے یہاں قیمت ہے قربان ہونے اور نثار ہونے کی، اور وہ بھی ایسے نہیں کہ جس طرح چاہے کرے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہو۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ بڑی سے بڑی چیز حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ والی چھوٹی چیز کے مقابلہ میں بھی کچھ نہیں ہے۔ شیخ شرف الدین اور حضرت ——— مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو چیز نہیں تھی اور اب ہے تو وہ نور نہیں ظلمت ہے۔ اُنھوں نے اس کی مثالیں بھی دی ہیں۔ مگر میں ڈر کے مارے نہیں کہتا کہ پتہ نہیں، لوگ کیا کہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر جو جتنا قربان ہوگا اس کو اتنا ملے گا کہ اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ آج ہماری آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور ہم دیکھنے کو تیار نہیں ہیں۔

میرے عزیزو اور دوستو، یہ دعوت جو دی جا رہی ہے یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ ۲۰ر اگست ۱۹۶۶ء میں سری لنکا روانہ ہونے سے قبل اساتذہ و طلباء و مقیمین مرکز سے خطاب

کے طریقوں پر ڈالنے کے لئے خدا کے ساتھ کا معاملہ ہے وہاں ہم اپنی عیاری اور چالبازی سے کام نہیں نکال سکتے، ہم اگر اپنے بارے میں متفکر رہیں اور اپنے بارے میں... چھان بین کرتے رہیں تو اگر موت تک بھی خدائے پاک ہدایت پر ڈالدے تو کامیاب ہیں[1]

• ایک دوسری مجلس میں نفس کی سرکشی و انانیت، عجب، خود پسندی اور اپنے سے بے فکری کے مہیب خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جب لوگ ہمارے ہاتھ کو بوسہ دیتے ہیں تو یہ ہمارے نفس کے موٹا ہونے کا ذریعہ ہوجاتا ہے۔ بھائیو! اپنے آپ کو سمجھاؤ جو لوگ اس دعوت کے کام میں لگ رہے ہیں وہ اپنے آپ کو بڑا امت سمجھیں بلکہ یہ دیکھیں کہ ہم حضور کا طریقہ سمجھ کر لگ رہے ہیں یا نہیں، ہر وہ عمل جس میں خدا کی نسبت نہیں ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا نظر آئے لیکن خول ہی خول ہے۔ جب طریقہ رسول ؐ سمجھ کر چل رہے ہو تو پھر تکبر اور بڑائی کیسی؟ اللہ نے ہمیں ایک موقع دے رکھا ہے اور وہ زریں موقع ہے۔ اگر ہم نے یہاں (مرکز میں) رہ کر اپنی فکر نہ کی تو یہاں کی شیطنت بھی بڑی ہے۔ راستہ اگر ڈاکوؤں والا ہوتا ہے تو بہت چوکنا رہنا پڑتا ہے، یہ دعوت والا راستہ بہت اونچا ہے لیکن اگر فکر نہ کی، تو چور ڈاکو ہماری مایہ لے اڑیں گے۔ شب و روز اعمال کی ٹوہ میں رہنا ضروری ہے۔ اگر اعمال میں شیطان کی آمیزش رہتی ہے تو وہ اعمال کچھ بھی نہیں ہیں۔ ہم اپنے اوپر بہت مطمئن ہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ خدا سے مانگتے رہنا، ڈرتے رہنا اور ڈرنے کے ساتھ ساتھ چلتے رہنا ضروری ہے۔ یہاں پر پڑھنے والے اور رہنے والے بہت خطرے میں ہیں۔ اگر فکر رکھی تو اللہ کے یہاں سے بہت پائیں گے۔ بس بھائی اپنے کو چھوٹا سمجھو گے تو ٹھیک ہے۔ جب آدمی اپنے آپ کو "ہم چوں من دیگرے نیست" سمجھتا ہے تو پھر وہ "ہم چوں من ڈنگرے نیست" ہوجاتا ہے۔ جو آدمی ظاہر کے اعتبار سے دنیا میں مشغول ہو اور اپنے کو کم سمجھے، تو یہ اس آدمی سے اچھا ہے جو دین میں لگا ہوا ہو مگر اپنے کو کچھ سمجھے۔ خدائے پاک کے یہاں عاجزی

---

[1] ۲ شعبان ۱۳۹۰ھ ۹ اکتوبر ۱۹۷۰ء میں پاکستان روانگی کے وقت خطاب۔

اور سکنت ہی چلتی ہے وہاں" میں پنا" نہیں چلتا!"

• ایسی ہی ایک مجلس کی گفتگو مولانا احمد لاٹ صاحب اس طرح نقل کرتے ہیں:

ایک مرتبہ بنگلہ والی مسجد کے مقیمین کو حضرت جی رح نے جمع کر کے بات شروع فرمائی، اور کہا کہ "بھائی قصور وار تو ہم سب ہیں" یہ کہکر اتنا روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں اور پھر کافی دیر کے بعد یہ فرمایا کہ "ہم میں سے کوئی اس کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ہم تبلیغ کا حق ادا کر رہے ہیں۔ بس اصل یہ ہے کہ کام کرنے والوں کے دل اندر سے جڑے ہوئے ہوں اگر کام کرنے والوں کے دل اندر سے جڑے ہوں گے تو اللہ پاک ہمارے عیبوں پر پردہ ڈالدیں گے۔ اور اگر کام کرنے والوں کے دل اندر سے ــــــ جڑے ہوئے نہیں ہیں تو کام ہورہا ہو صحیح نہج کے ساتھ ہورہا ہو بلکہ اخلاص کے ساتھ بھی ہورہا ہو تب بھی تمھاری محنت نتیجہ خیز نہ ہوگی۔"

چند صفحات قبل یہ لکھا جاچکا ہے کہ حضرت مولانا مرکز دہلی میں رہتے ہوئے دنیا بھر کے مراکز دعوت و تبلیغ کی مسلسل نگہداشت و نگرانی فرماتے تھے اور اگر ضرورت پڑتی، تو خط کے ذریعہ تفصیلی ہدایات ارسال فرماتے تھے۔ ذیل میں حضرت مولانا کے ایسے ہی چند مکاتیب کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں جو آپ نے مختلف ممالک میں قائم مراکز تبلیغ کے ذمہ دار احباب کو ارسال فرمائے، ایک ملک میں کام کے ذمہ دار احباب کو مالیات کی لائن سے ایک جامع اور عمومی نصیحت اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

"اس کام کی بنیاد یہ ہے کہ ہر آدمی جانی ــ و مالی قربانی سے چلے ایک آدمی شروع میں قربانی سے اٹھتا ہے۔ اس میں اخلاص اور توکل کی صفات بڑھتی جارہی ہیں۔ اب اس پر کسی نے مال اس طرح خرچ کرنا شروع کیا کہ اس میں سے یہ صفات نکل کر اشراف اور سوال کی خرابی میں مبتلا ہوگیا۔ جب بھی اس کی تشکیل ہو تو بجائے دعا کے الحاح وزاری کے، لوگوں کی طرف اس کا خیال جانے لگا۔ یہ اس کے یقین واخلاص و توکل کی مایہ تھوڑا سامال دے کر ختم کردی گئی یہ اس کے ساتھ ہمدردی نہ ہوئی۔ (اس طرح) تقریر، تشکیل تعلیم سارے کام بے جان ہوجاتے ہیں اور اس انداز کے آدمی کے ہاتھوں کام بھی

اس غلط یقین کی بنیاد پر اٹھتا ہے تو ہر کام کرنے والے کا ذہن یہی بنتا ہے (جس کی وجہ سے) مالداروں کو ترغیب دینی پڑتی ہے وہ شروع میں خوش دلی سے مال لگاتے ہیں، لیکن جب بار بار یہی معاملہ ہوتا ہے تو غیر محسوس طریقے پر ان کی طبیعت کام سے ہٹنے لگتی ہے، دینے والے اور لینے والے دونوں اپنی نہج سے ہٹ جاتے ہیں۔ کام کی ساخت ایسی ڈالی جائے کہ ہر آدمی اپنے کاروبار اور گھریلو مشاغل سے سالانہ چار ماہ یا کم و بیش وقت فارغ کر کے اپنی جان و مال سے باری باری نکلتا رہے اس میں دقت تو ہوگی، لیکن کام کا نہج صحیح رہے گا۔ اس ذہن کے بننے کے بعد بلا طلب کوئی آدمی خود خود بھی جان لگا رہا ہو، وہ خود ہی اگر کسی مناسب موقع پر مال لگا دے تو اس میں گنجائش نکل سکتی ہے۔ اور اچانک بغیر کسی خیال کے کبھی کبھار کسی کم خرچ والے کو بہت حکمت سے دینے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اس ساری بات سے معلوم ہوا کہ مالیات کا معاملہ بہت نازک ہے جو جانی مالی قربانی کے بغیر قابو میں نہیں آسکتا۔“[1]

ایک دوسرے ملک کے ذمہ دار احباب کے نام لکھے جانے والے مکتوب کا ایک اقتباس:

”جس قدر اصولوں کے مطابق کام کرنے والے اٹھیں گے اور اٹھنے والے... اصول پر پڑیں گے اور نیتوں کی صفائی کے ساتھ اور کام میں یکسوئی کی صفت کے ساتھ اعتدال میں رہ کر منہمک ہوں گے۔ اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمتوں کے شیوع اور ہموم و غموم کے دور ہونے کی صورتیں پیدا ہوں گی اتنی ہی ابواب ہدایت کے کھلنے اور ابواب ضلالت کے بند ہونے کی شکلیں ظاہر ہوں گی۔ درحقیقت یہ مبارک کام آسان بھی ہے اور دشوار بھی ہے، سہل بھی ہے اور نازک بھی ہے۔ معمولی سے معمولی مسلمان کے لیے اس کا کرنا آسان ہے اور بڑے سے بڑے فاضل کے لیے اس میں لگنا مشکل ہے۔ یہ راستہ دعاؤں سے کھلتا ہے، آہ و زاری، دل کی گرمی اور جگر کے سوز اور جان کی کھپت اور مال کے خرچ اور رضا الٰہی کی طلب سے بہت ہی زیادہ قرب الٰہی کا ذریعہ بن جاتا ہے اور لاکھوں انسانوں کی سیدھی راہ دکھانے کا بہت قریبی اور اعلیٰ سبب بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے۔

[1] عطیہ مکتوب جناب بھائی اسلم ناگ پوری۔

ایک دور دراز ملک میں دعوتی احباب اور مجلس شوریٰ کے حضرات کو آپسی اتفاق اور اتحاد کی طرف متوجہ کر کے اپنی خامیوں کوتاہیوں پر نگاہ رکھنے اور مشورہ کے ساتھ صحیح نہج پر مل جل کر چلنے کی ترغیب دیتے ہوئے ذیل کا طویل مکتوب بڑے ناصحانہ و مشفقانہ انداز میں تحریر فرمایا :

" بنگلہ والی مسجد ——— ۵ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ ۲۴ مئی ۱۹۸۵ء

مکرمین و محترمین بندہ احباب شوریٰ !

وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپ حضرات کے خطوط سے احوال و کارگزاری معلوم ہوئی' اللہ جل شانہ دین کی مبارک محنت کی نسبت پر کی جانے والی تمام کوششوں کو اپنے لیے خالص فرمائے۔ صحیح نہج پر اصولوں کے ساتھ اپنے اندر صفاتِ دعوت کو بڑھاتے ہوئے چلتے رہنے کی توفیق نصیب فرمائے اور استقامت کی دولت سے بھی مالامال فرمائے۔

میرے دوستو ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کی کامیابی اور ترقی کے لیے ایک بھیڑ کی بھیڑ ہے جو ہمہ تن اس کے خیالِ خام میں فکرمند نظر آتی ہے اپنی مطلب براری کے لیے کس درجہ خوش اخلاقی سے کام لیا جاتا ہے دوسروں کی خوشامدیں کی جاتی ہیں۔ غرضیکہ جس صورت سے بھی اپنا کام بنتا نظر آئے اس کو کام میں لایا جاتا ہے' دوسروں کے سامنے ذلیل ہونا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہیں ہوتا۔

دوسری طرف کچھ افراد نظر آتے ہیں جو دین کی سرسبزی کے لیے کسی درجہ فکرمند معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس کام کو ایسا نہیں سمجھا جاتا جیسا ایک آدمی اپنی دنیوی غرض کے لیے فکرمند ہوتا ہے۔ شادیوں کے موقع پر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اپنے روٹھے ہوئے عزیزوں کو منانے میں ہر ممکن تدبیر سے

کام لیتے ہیں اور آخر کار اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن دین کی محنت کو اتنا درجہ نہیں دیا جاتا اور اس کے لیے وہ تدابیر اختیار نہیں کی جاتی جس سے روٹھے ہوئے بھائی من جاویں اور قریب ہو جاویں ——— اور مل جل کر دین کی سرسبزی کے لیے فکرمند ہو جاویں۔ کون سا بندہ ایسا ہے جس سے غلطی اور کمی کوتاہی نہیں ہوتی۔ لیکن ہمیں دوسروں کی خوبیوں اور اپنی کمیوں کو سامنے رکھ کر چلنے کی مشق کرنی ہے جو اللہ تعالےٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالےٰ اسے اونچا اٹھا دیتے ہیں۔

دعوت کی اس مبارک و عالی محنت میں لگنا محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضاء کے لیے ہو ——— اپنی بڑائی اور اقتدار کو سامنے نہ رکھا جاوے۔ اگر ان عالی اعمال میں غرض آگئی تو بڑے بڑے عمل بھی باطل اور بے کار ہو جاتے ہیں۔ اصول سے کام کا ہونا نہایت ہی ضروری ہے ——— لیکن اہم اصول یہ ہے کہ کام کرنے والوں میں جوڑ ہو اور محنت بڑھ رہی ہو۔ ایسی جماعت کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی مدد ہوتی ہے اور اگر یہ صفات باقی نہ رہیں تو جماعت میں کھوکھلا پن آجاتا ہے اور اس کی محنت بے جان ہو کر رہ جاتی ہے۔

آدمی اپنی نیت پر مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جائے بلکہ ہر وقت فکرمند رہے کہ اس کے اندر کوئی بگاڑ تو نہیں پیدا ہو رہا ہے ———؟ دین کے کام میں بگاڑ لانے کے لیے شیطان کا بڑا حربہ ہے کہ وہ باہمی اختلاف پیدا کر دے۔

ہمیں یہ کام قومیت کو سامنے رکھ کر نہیں کرنا ہے۔ اپنی قوم و برادری کا آدمی غلط کرتا ہے تو ہمیں اس کی حمایت نہیں کرنی ..... بلکہ حق کا ساتھ دینا ہے خواہ حق دوسری برادری والوں کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو ——— اور اس کی مشق اُس وقت آسان ہے جب اپنے ماحول سے دور رہ کر اچھے ماحول میں ایک معتدبہ وقت لگتا ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ جب کوئی فرد یا فریق

اپنی کمی کا اعتراف کرنے والا بن جاتا ہے تو نفسیاتی طور پر دوسرے پر بھی ندامت آتی ہے اور وہ بھی جڑنے میں ہی کامیابی سمجھنے لگتا ہے۔

باہمی صلاح مشورہ سے کام کرتے رہیں۔ شوریٰ کے احباب اپنے مشوروں میں دعوت کے کام کرنے والے فکرمند ذمہ دار سمجھ دار ساتھیوں کو بھی اپنے ساتھ شریک کرلیا کریں تاکہ کام کرنے والے ساتھیوں کی صلاحیتیں ابھریں، آگے بڑھنے کے جذبات بنیں اور کام کی سمجھ ہر ایک میں پیدا ہو۔ فیصلہ شوریٰ کے حضرات کریں گے۔ اگر کسی بات میں آپس میں رایوں کا اختلاف ہو تو یہاں لکھ کر معلوم کرلیا کریں۔

آپ مٹھی بھر احباب ہیں جن کے اوپر پورے ملک میں کام کے صحیح نہج پر چلانے کی ذمہ داری ہے اگر معمولی معمولی باتوں کی وجہ سے دل پھٹ جاویں گے تو پھر اتنی بڑی ذمہ داری کو کس صورت سے ادا کرسکیں گے؟ ہر مہینہ میں سارے شوریٰ والے مل کر یہاں خط لکھیں کہ کام کس انداز سے ہو رہا ہے مشورہ تو سارے فکرمند احباب سے لیا جائے ہاں البتہ فیصلہ دینے میں ــــ اہل شوریٰ ہوں۔ سب کی رایوں کے بعد فیصلہ آسان ہوتا ہے۔ شوریٰ والے جب فیصلہ کرنے بیٹھیں تو روزمرہ کی باتوں میں زیادہ پریشانی نہیں ہوتی جس کو بھی فیصلہ دینے کے لیے متعین کریں تو اس کے لیے آسان ہے لیکن بعض اہم امور ایسے ہوتے ہیں کہ اس میں بھی اگر سارے اہل شوریٰ متفق ہوں تو اللہ برکت کرے کام کریں لیکن اگر آپس میں رایوں میں اختلاف ہو تو یہاں پر وہ رائے لکھیں۔ صرف اتنا اس میں لکھنا کافی ہوگا کہ بعض کی یہ رائے ہے بعض کی یہ ہے لیکن ہر رائے کے ساتھ وجوہات ضرور ہوں تو یہاں پر سوچ کر طے کرنا آسان ہوگا۔ اللہ بھرپور مدد کرے، دعاؤں کا بھی اہتمام ہو ہم بھی دعا کرتے ہیں فقط والسلام

محمد انعام الحسن غفرلہٗ ــــ بقلم بشیر احمد غفرلہٗ

امریکہ میں دعوتی عمل کا آغاز حضرت مولانا کے دور امارت میں ہوا اور اس میں وسعت اور کشادگی کی راہ اس وقت کھلی جب آپ نے وہاں کے (اور بقولِ خود امریکہ کی کس ہیرس زمین کے) سفر فرمائے ذیل میں آپ کا دعوتی وایمانی قدروں پر مشتمل ایک گرامی نامہ پیش کیا جاتا ہے جس میں کام کا طرز و اصول بھی ہے، ایمان کی دعوت و چاشنی بھی ہے اور وحدت امت کا درس و پیغام بھی ہے۔

" مکرم بندہ عبدالرحمٰن خاں صاحب واحباب فی اللہ. وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب ۲ر جون کا لکھا ہوا موصول ہو کر کاشف احوال ہوا، ٹورنٹو میں احباب کے مشورہ کی نسبت پر جمع ہونے اور امریکہ میں دعوت کی عالی محنت سے متعلق بہت سے امور طے کیے جانے کی خبر باعث مسرت ہوئی جو باتیں اس میں طے ہوئی ہیں، اللہ جل شانہ ان میں برکت فرمائے اور عافیت کے ساتھ عمل کی توفیق بھی نصیب فرمائے۔

کام کرنے والے ذمہ دار فکرمند ساتھیوں کا اکتوبر میں یہاں آنے کا عزم وارادہ معلوم ہو کر بھی خوشی ہوئی۔ اللہ جل شانہ، مبارک فرمائے۔

آنے والے جولائی کے اجتماع کے بارے میں تفصیلی مشورہ اور اجتماع سے پہلے کی محنت کے لیے ابھی سے فکر وسعی اور جماعتوں کی نقل وحرکت کی خبر بھی باعث مسرت ہے۔ اللہ جل شانہ اس اجتماع کو بہت کامیاب فرمائے صفات قبولیت سے نوازے اور ہر جگہ مسجد وار جماعتوں کی ترتیب دعوت کے مقامی اعمال کے قیام واستحکام اور دور و دیر کے لیے زیادہ سے جماعتوں کے راہ خدا میں نکلنے کا ذریعہ فرمائے۔

بھائی افضل صاحب کی جماعت اور انگلینڈ وغیرہ سے آنے والی دیگر جماعتوں کی خبر و کارگزاری سے خوشی ہوئی۔ اللہ جل شانہ، آپ سب حضرات کی مساعی کو قبول فرما کر ان میں برکت بھی نصیب فرمائے۔ بندہ دعا گو ہے۔

احباب شوریٰ کے خطوط ملتے رہے جن سے وقتاً فوقتاً حالات کا علم ہوتا رہا۔ احوال و کارگذاری لکھتے ہیں۔ اللہ پاک تمہاری مدد فرمائے۔

میرے عزیزو! اللہ جل شانہٗ نے آپ حضرات کو دین کی مبارک و عالی محنت کا جو وسیع و عریض میدان امریکہ میں عطا فرما رکھا ہے کم ہی کسی دوسرے ملک والوں کو نصیب ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک و قبائل اور مختلف رنگ و نسل کے لوگ بیک وقت وہاں موجود ہیں دعوت کی یہ مبارک و عالی محنت اپنی صحیح ترتیب پر وہاں چل پڑے تو اللہ جل شانہٗ کی ذات عالی سے امید ہے کہ جن جن ملکوں کے لوگ وہاں آباد ہیں ان میں سے ہر ایک دین کا داعی اور خادم بن کر اپنے اپنے ملک کی نمائندگی کا حق ادا کر سکتا ہے اور اس طرح امریکہ سے پوری دنیا میں آپ حضرات کی محنت کے اثرات عام ہو سکتے ہیں۔

حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل و طبقات کے ایمان لانے والے صحابہ کرام کو جن میں عربوں کے علاوہ روم کے صہیب بھی تھے، فارس کے سلمان رضؓ بھی اور حبشہ کے بلال رضؓ بھی۔ ان سب کو مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے مبارک و نورانی اعمال کے اندر مشغول فرما کر اِن مختلف المزاج والطبائع، مختلف الخیال والعادات افراد کی ایسی تعلیم و تربیت فرمائی تھی کہ یہ اپنے تمام تر جنسی و نسلی اور علاقائی و قبائلی اختلافات کے باوجود ایک وحدتِ امّت بن کر ایسے ابھرے کہ جہاں جہاں بھی ان کی دعوت و محنت کے اثرات پہنچے انسانیت کے مختلف طبقات اپنے اپنے جاہلی تعلقات و روابط کو توڑ توڑ کر ان کے ساتھ آ آ کر جڑتے چلے گئے ——— ان میں عربی بھی تھے، عجمی بھی تھے، گورے بھی تھے اور کالے بھی، ہر ملک و زبان والے تھے مگر سب مل کر یہ ایک امّت تھے جن کے درمیان سوائے تقویٰ کے کوئی اور فرق و امتیاز کرنے والا عامل نہ تھا، یہ آپس میں ایک جسم کے مختلف اعضاء

کی طرح سے تھے کہ اذا اشتکی منھا عضو یتداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمّٰی اور ان کی مثال ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار جیسی تھی کہ جس کی ہر اینٹ آپس میں ایک دوسرے کو تھامے اور جوڑے ہوئے رہتی ہے۔

حضرات صحابۂ کرام کی اس اجتماعیت کی برکت تھی کہ یہ جہاں اور جس طرف بھی نکل گئے قلوب انسانیہ ان کی طرف کھنچتے چلے گئے اور قوموں کی قومیں دین میں داخل ہو کر ایک امت بنتی چلی گئیں۔

حضرات صحابۂ کرامؓ میں امّت پنے کی یہ صفت اور ان کا یہ اجتماعِ قلوب نتیجہ تھا، ان کے اجتماعِ فکر کا، کہ ان میں سے ہر ایک نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم والے فکر کو اپنا فکر بنا لیا تھا اور فکر کی یہ وحدت ان میں پیدا ہوئی تھی۔ مسجد نبوی والے مبارک و نورانی اعمال کے اشتغال و اہتمام سے ——— !

اب دوبارہ یہ امت پھر اپنے اسی مقام پر لوٹ آئے، اس کے لیے ہمیں اپنی مساجد کو اعمال مساجد سے آباد کرتے ہوئے سو فیصد کلمہ گو بھائیوں کو ان اعمال میں مشغول کرانے کی محنت میں جان کھپانا ہے۔

خدا کرے کہ آپ حضرات اس کے لیے اپنے عزائم اور حوصلوں کو بلند رکھتے ہوئے یہ طے کر لیں کہ حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم والے فکر کو اپنا فکر بنا کر اور دین کی مبارک و عالی محنت کو اپنا مقصدِ حیات بنا کر پوری انسانیت میں اس کی کوشش کرنی ہے اور اس پر دنیا والوں سے ہمیں کچھ نہیں لینا ہے بلکہ آخرت میں اس مبارک و عالی انبیائی محنت پر اللہ رب العالمین کی طرف سے جو بے انتہا انعامات و درجات ملنے والے ہیں ان کا پورا پورا یقین دل میں جماتے ہوئے اور اللہ جل شانہ کی ذات عالی سے ان کی پوری امید رکھتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہوں ——— اللہ جل شانہٗ آپ حضرات کی مدد فرمائے، آسان فرمائے۔ بندہ دعاگو ہے۔ محمد انعام الحسن غفرلہٗ

(۲۳ جون ۱۹۸۹ء)

جرمنی میں کام کرنے والے مرکزی احباب کو حضرت مولانا نے جس مشفقانہ و ہمدردانہ انداز میں کچھ رہنما اصول اور بنیادی ہدایات تحریری شکل میں ارسال فرمائیں ان کو بھی یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

"محترمی و مکرمی وفقنا اللہ وایاکم لما یحب و یرضیٰ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
آپ کا خط مورخہ ۱ دسمبر ۱۹۸۶ء ملا۔ جرمنی کی کارگذاری باعث مسرت ہوئی اللہ جل شانہٗ اپنے فضل سے قبول فرمائے اور زیادہ کے لیے توفیق عطا فرمائے اللہ کا بے حد احسان و کرم ہے کہ اس نے فتنہ و فساد کے اس دور میں دعوت کی مبارک و عظیم محنت کو از سر نو زندہ فرما کر امت کے ہر فرد کی اصلاح کی صورتیں عام فرمادیں اسے جتنی درد و فکر و استقامت کے ساتھ کیا جائے گا اتنی ہی اللہ اپنے فضل سے ہدایت عطا فرمائیں گے اور امن چین و سکون عام ہوگا یہ مسجد والے اعمال (دعوت، تعلیم، عبادت و خدمت) جنھیں نورانی اعمال بھی کہتے ہیں بتدریج انفرادی اور اجتماعی حالات کو نورانی بنائیں گے سبھی احباب سے استدعا ہے کہ اپنی قربانیوں کی مقدار بتدریج بڑھائیں اور انتہائی درد و فکر و عاجزی کے ساتھ اپنی ذات سے دعوت کے انفرادی اور اجتماعی اعمال کو اہتمام سے کرتے رہنے کی سعی فرمائیں اور ساتھ ساتھ دعا و استغفار کا بھی اہتمام رہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ سبھی ساتھیوں کو باجماعت نماز، نوافل کا اہتمام، ذکر و تلاوت کا روزانہ اہتمام، مسجد کی فضائل کی تعلیم اور گھر کے فضائل کی تعلیم میں اپنی ذات سے شرکت، روزانہ ڈھائی گھنٹہ فارغ کر کے خصوصی ملاقاتیں، ہر ماہ تین دن نکالنے کا اہتمام اور ہر سال چلہ، تین چلہ نکل کر ملک و بیرون میں محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے مسجد وار جماعتیں بنانے کی بھی فکر ہو کہ ہر مسجد میں ایسی جماعت بن جائے جس کے احباب اس حلقے کے ایک ایک فرد کی فکر کرنے والے ہوں تاکہ کوئی محروم نہ رہے۔ سب کی دنیا کی زندگی اللہ کی رضا کو ملحوظ رکھ کر گذر رہی ہو اللہ آپ لوگوں کو سب کیلئے باعث رحمت فرمائے۔"

ایک ایسے ملک میں جہاں عیسائیت اپنی بھرپور مادی قوت کے ساتھ حملہ آور ہے کام

کرنے والے احباب اور اس ملک کی مرکزی شوریٰ کو ذیل کا گرامی نامہ تحریر فرما کر اتفاق واتحاد سے کام کرنے کی ترغیب اس طرح دیتے ہیں

"مکرمین ومحترمین احباب شوریٰ۔ وفقنی اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

"بھائی محمد اور بھائی یحییٰ سے آپ کے یہاں کے حالات معلوم ہو کر مسرت ہوئی معلوم ہوا کہ آپ سب احباب نے یہ طے کیا ہے کہ سب مجتمع ہو کر مشورہ سے کام کریں گے اللہ جل شانہ اس فیصلہ میں خیر فرمائے۔ برکت فرمائے۔ برکت اجتماع اور اتحاد میں ہے تشتت اور افتراق میں کمزوری آتی ہے اور ہوا اکھڑ جاتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم، اور شیطان کا بہت مؤثر حربہ افتراق اور اختلاف ہے۔ اللہ جل شانہ تمھاری اور ہماری اور پورے عالم میں کام کرنے والوں کی افتراق وانتشار سے حفاظت فرمائے اور اتحاد واجتماع مقدر فرما کر اس دعوت والے کام کو پورے عالم میں فروغ نصیب فرمائے اور اس کے ذریعہ دین کے ہر شعبہ کو زندہ فرمائے۔ اور اخلاص وللہیت نصیب فرمائے اور اغراضِ نفسانیہ سے حفاظت فرمائے سب دوستوں سے سلام مسنون۔ دعاؤں کا اہتمام رکھیں۔ اور آپس میں اکرام واحترام کا بہت لحاظ رکھیں"۔ محمد انعام الحسن غفرلہ' ، بقلم محمد شاہد غفرلہ - ۲۲ جنوری ۱۹۹۴ء

• ایک ملک کے کام کرنے والے احباب میں بعض معاملات میں اختلاف رائے ہوا، نیز اصحاب مشورہ بھی مختلف الرائے ہو گئے۔ حضرت مولانا کے علم میں جب اس کی تفصیلات آئیں تو ذیل کا گرامی نامہ لکھ کر ان کو اخلاص اور اتفاق کی طرف دعوت دی اور مشورہ کا فیصل مقرر کرنے کے لئے حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب قائم فرمائی۔

گرامی نامہ کی نقل یہ ہے،

"مکرمین ومحترمین بندہ، وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ وجعل آخرتنا خیرا من الاولیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپ حضرات کے یہاں کے حالات معلوم ہوتے رہے جس کی بنا پر یہ طے کیا گیا کہ

بنگلہ دیش تشریف لے آویں جس میں رُو در رُو بات ہو جائے۔ ٹیلیفون اور فیکس سے گفت گو ہونا مشکل ہے۔ اللہ جل شانہ نے تم لوگوں سے کام کی ایک داغ بیل ڈالی ہے جو ایک ابتدائی صورت ہے۔ ابتداء میں جس طرح کام کیا جاتا تھا، وہ ہی صورت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ کوئی مستقل فیصل نہ ہو۔ بلکہ کام کرنے والے وہ احباب جو ہفتہ کے دو گشت اور تین دن ماہوار لگا رہے ہوں، جب وہ کسی مشورہ کے لئے بیٹھیں تو وقتی طور پر کسی کو فیصل مقرر کر لیں۔ اور حروف ہجی کے اعتبار سے فیصل بنایا جائے تاکہ سہولت سے فیصل کا تعین ہو جائے۔ فیصل بنانے میں زیادہ وقت خرچ نہ ہو۔ کام جو ہے محنت، اخلاص اور باہمی اتفاق کے ساتھ ہی چل سکتا ہے۔ اگر سب اتفاق و اتحاد کے ساتھ کوشش اور محنت کرتے رہیں گے۔ تو اللہ جل شانہ جو مقلب القلوب ہیں وہ دلوں کو پلٹتے رہیں گے۔ کیا عجب ہے کہ تمھاری محنتیں اور کوششیں اس کا ذریعہ بن جاویں۔ فقط والسلام محمد انعام الحسن غفرلہ ۸ رجنوری ۱۹۹۵ء

علم اور علماء کی اہمیت اور انکا مقام

حضرت مولانا چونکہ خود ایک بڑی علمی درسگاہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے فارغ تھے۔ اور پھر درس و تدریس میں بھی عمر کا ایک بڑا حصہ گزرا۔ اس لئے تمام عمر علماء، طلباء، اور مدارسِ دینیہ سے آپ کا بہت قریبی رابطہ اور رشتہ رہا۔ دین کی جو خدمت مدارس عربیہ کے ذریعہ ہو رہی ہے اس سے آپ نہ صرف واقف بلکہ اس کے معترف اور مداح تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ جیسے جیسے دین کی یہ محنت اور دعوت بڑھے گی مدرسوں اور مکتبوں میں اضافہ ہوگا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب سہارنپوری آپ کا اسی سلسلہ کا ایک ملفوظ اس طرح نقل کرتے ہیں کہ:

"جب اللہ کے دین کی محنت ہوتی ہے تو اللہ دین کے تمام شعبوں کو وجود میں لاتا ہے، مدرسے بڑھیں گے، مکتب بڑھیں گے۔ حالانکہ ہم مدرسہ بنانے کی دعوت نہیں دے رہے ہیں لیکن اس عمل کے ذریعہ تمام شعبوں کو زندگی مل رہی ہے۔"

اس قریبی رابطہ و رشتہ کی بنا پر آپ ہمیشہ کام کرنے والے احباب و رفقاء کو اہل علم

ادب واحترام کی تاکیداوران کے ذریعہ ہونے والی علمی ودینی خدمت کے احترام اور اس کے اعتراف کی تلقین فرمایاکرتے تھے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر مدارس عربیہ کے تعلق سے خواص کے مجمع کواس طرح مشورہ دیاکہ:

"عربی مدارس کا مسئلہ ایک اہم اور نازک مسئلہ ہے وہ ایک دینی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ اگر ہماری طرف متوجہ نہ ہوں تو ہمارے دل میں اگر کوئی بات ان کے خلاف بیٹھ جائے تو یہ بہت سخت بات ہے۔ ایک مرتبہ ایک مفتی صاحب یہاں مرکزمیں آئے۔ ان سے میں نے کہا، یہاں آتے رہاکرو۔ انھوں نے کہا یہاں ہماراکیا کام ہے؟ میں نے کہا کام یہ ہے کہ یہ دیکھتے رہو کہ ہماراکام شریعت کے خلاف تونہیں ہے۔ الحمدللہ مدارس آہستہ آہستہ آرہے ہیں، اگر کوئی بات ان کی طرف سے ہو توجھیلو اور برداشت کرو۔ ان پر زور دینے کا بالکل ارادہ نہ کرو۔ بلکہ اکرام واحترام کا معاملہ ہو۔ سلیقہ کے ساتھ ان سے بات کرو، کیونکہ صحیح بات بھی اگر بے ڈھنگے طریقے سے کی جائے، تو وہی جھگڑے کا سبب بن جاتی ہے۔ ہماراکام تو دعوت دینااور ذہن بنانا ہے۔"

ایک مرتبہ دعوت وتبلیغ اور مدارس عربیہ میں باہم ربط وتعلق اور ایک کو دوسرے سے تقویت ونفع پہونچنے کوان الفاظ میں بیان فرمایا:

"تعلیم دوطرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو خصوصی تعلیم ہے اور ایک عمومی تعلیم ہے خصوصی تعلیم وہ ہے جوکہ مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ جن لوگوں میں دین کے علم کو حاصل کرنے کی طلب ہوتی ہے وہی ان مدرسوں میں آتے ہیں۔ دوسرے وہ تعلیم جوعمومی ہے وہ یہ دعوت وتبلیغ ہے۔ جن کو دین کے علم کو حاصل کرنے کی طلب نہیں ہے ان میں جاکر دین کی محنت کرنا، تاکہ ان کے اندر طلب پیدا ہو۔ یہ عمومی تعلیم اس خصوصی تعلیم سے زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ جب عمومی تعلیم کی فضا بنے گی تو اس کا اثر خصوصی تعلیم پر بھی پڑے گا اور عمومی تعلیم سے خصوصی تعلیم زندہ ہوگی اس لئے مدرسہ والوں کو تعلیم کے ساتھ دعوت کے کام کو بھی اس اہمیت کے ساتھ کرنا چاہئے تاکہ عمومی د

خصوصی دونوں تعلیم زندہ ہوں۔

• اہلِ علم کی مجلس میں ایک مرتبہ علماء کے عوام کے ساتھ ربط وتعلق کی افادیت اور ضرورت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"علماء کا عوام کے ساتھ اگر رابطہ قائم رہا تو یہ امت چلنے والی ہوگی اور علماء کرام اس کو چلانے والے ہوں گے اور اگر چلنے والے نہ ہوں تو علم کا یہ چراغ جل کر ختم ہو جائے گا اور اس کی روشنی سے کسی کو فائدہ نہیں ہوگا۔"

ربیع الاول ۱۴۰۰ھ، فروری ۱۹۸۰ء میں سنگاپور وغیرہ کے کام کرنے والوں کا مرکز دہلی میں جوڑ تھا۔ اس میں طلباء کے تعلیمی اوقات کی رعایت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے، اس تاثر کی تغلیط کی کہ تبلیغ سے تعلیم کو نقصان پہونچتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"طلباء کے لئے کام اسی طرح ہے جس طرح عوام کا کام ہے۔ لیکن چونکہ وہ تعلیم میں مشغول رہتے ہیں اسلئے ان کی رعایت ضروری ہے۔ تبلیغی طلبہ کو اپنی تعلیم میں ان طلباء سے ممتاز ہونا بھی ضروری ہے کہ جو طلبہ تبلیغ میں لگے ہوئے نہ ہوں۔ یہ خیال غلط ہے کہ تبلیغ سے تعلیم میں نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کام کی وجہ سے ذہن کو یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ اوقات کا ضبط حاصل ہوتا ہے جس سے تعلیم میں بھی مدد حاصل ہوتی ہے۔

ہمارے طلبہ کو تعلیم کے اندر امتیازی درجہ حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ فکر کرنا بھی ضروری ہے کہ جب ہم تعلیم سے فارغ ہوکر مختلف شعبوں میں جائیں تو دعوت کی فکر کے ساتھ جائیں۔ اور وہاں بھی دین کی دعوت پہونچائیں۔ اس لئے کہ اس دعوت کا مقصد یہ ہے کہ ہر شعبے والے اپنے کام کے ساتھ دین کی محنت میں لگیں۔ ان سے ان کے شعبے ہرگز ہرگز چھڑانے نہیں ہیں بلکہ ان ہی شعبوں میں رہتے ہوئے دینی اور دعوتی کام کرنا ہے۔"

• مدارس عربیہ دینیہ کے طلباء کی جماعتیں بہت کثرت کے ساتھ تعطیلات میں مرکز نظام الدین جاتی ہیں۔ حضرت مولانا ان کا اہتمام فرماتے ہوئے مستقل طور پر ان کو ملاقات کا وقت دیتے تھے۔ اور حسب گنجائش ان سے بات بھی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ

دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے طلبار مرکز نظام الدین آئے تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"علوم چراغ ہیں اور اعمال تیل بتی ہیں اور اخلاص و خدا کی محبت یہ آگ ہے جب یہ ساری چیزیں جمع ہوں گی تب ہی روشنی ہو گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے العلماء مصباح الھدیٰ۔ چراغ اسی وقت چراغ ہے جب اس میں تیل بتی ہو، اور روشنی بھی دیر پا ہو۔ علمار انبیار کے وارث ہیں، لہٰذا انھیں مناقب و فضائل کے ساتھ ان کی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ علوم دینیہ کے طلبار اور نبوت کے درمیان ایک درجہ کا فرق ہے۔ دعوت میں مشقتوں کو جھیلنا یہ علمار کی خاص ذمہ داری ہے۔ دعوت میں متعدد منزلیں آتی ہیں، ایک منزل آتی ہے اطاعت کی، پھر دوسری منزل آتی ہے استقبال کی، پھر تیسری منزل آتی ہے مالیات کی۔ اگر ان تمام منزلوں سے پار ہو گئے تو پھر آخرت میں سب کچھ ملے گا۔ ابھی تو ہم اس راہ پر پڑے بھی نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے زیادہ اللہ کے محبوب ہیں، پھر بھی ان کو تکلیفیں اٹھانی پڑیں تو معلوم ہوا کہ اس کے بغیر راستہ طے نہیں ہوتا۔ اجوع یوما واشبع یوماً۔ بس اللہ کو یہی ادا پسند ہے۔ اس راہ کی پہلی سیڑھی اپنوں اور پرائوں کی برداشت کرنا ہے۔ اس کیلئے نفس کو کچلنا ہے۔ نفس کو کچلو اس لئے کہ جتنی اس کی مانو گے اس کی فرمائشیں اتنی ہی آگے بڑھیں گی۔"

۱۸ ارشوال ۱۳۸۶ھ (۳۰ ر جنوری ۱۹۶۷ء) میں مدرسہ قاسمیہ عربیہ بلند شہر میں آغاز سال میں درسِ نظامی کی بعض اونچی کتابیں شروع کرائیں تو اس موقع پر علماء طلبار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"انسان کا امتیاز فرشتوں سے علم کے اعتبار سے ہے اور علم سراسر نور ہے۔ امام مالکؒ کا ارشاد ہے العلم نور یقذف اللہ فی قلب من یشاء، حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ علم کسبی نہیں ہے بلکہ اللہ کا عطیہ ہے۔ اللہ سے علم لینے کے کچھ اصول ہیں۔ اگر خدمت کے ساتھ دعا مانگ رہا ہو اور حصولِ علم پر محنت کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ علم دیدیتے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری نے باب من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین،

قائم فرما کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ واقعہ نقل کیا ہے جس میں انھوں نے حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استنجاء کے لئے پانی کا لوٹا بھر کر رکھا تو ان کی اس خدمت سے خوش ہوکر آپ نے ان کو فقہ فی الدین کی دعا دی۔

دنیاوی علوم والے تو آسائش و آرام کے مطالبے کرتے ہیں، اس لئے کہ ان کو تو پیسہ کمانا ہے، ان کے پاس علم ہے ہی نہیں۔ لیکن خدا کی ذات تک پہونچانے والے علم کے لئے محنت کرنا رونا اور مانگنا ہے، پورا لگنے پر علم کا کچھ حصہ ملتا ہے۔ صرف چار گھنٹہ بیٹھنے سے علم نہیں آتا۔ اسی طرح معصیت سے بھی بچنا بہت ضروری ہے، جو شخص معاصی میں مبتلا ہوگا اسکو نہ علم آئے گا اور نہ سبق یاد ہوگا۔ حضرت وکیعؒ نے حضرت امام شافعیؒ کو وصیت و نصیحت فرمائی تھی۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من اللہ ونور اللہ لا یعطی لعاصی

علم کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے جب کوئی حدیث آتی تو اس پر عمل کرتے۔ چاہے اپنے مذہب کے خلاف ہو۔

• شعبان ۱۳۸۷ھ نومبر ۱۹۶۷ء میں مدرسہ کاشف العلوم مرکز نظام الدین دہلی سے فارغ ہونے والے طلباء کو اس طرح نصائح فرمائیں۔

"فارغ ہونے والے طلبہ کے لئے چند چیزوں کا اہتمام ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ اپنے علم پر محنت کریں۔ دوسرے یہ کہ پوری انسانیت کی خدمت کا جذبہ اپنے اندر پیدا کریں۔ تیسرے جماعت میں جانے کا اہتمام کریں۔ جمعرات و جمعہ کو نکل جانا یہ وقت کے اعتبار سے اگرچہ بہت تھوڑا ہے لیکن خدائے پاک کے یہاں سے بہت کچھ دلوائے گا۔ علم اور عمل ایک ہی ہے۔ "شی" کا وجودِ ذہنی علم ہے اور اس کا وجودِ خارجی عمل ہے۔ جب تک ذہن میں موجود ہے تو اس کو علم کہیں گے اور جب وہ بدن میں آجائے اور جسم سے ظاہر ہونے لگے تو عمل ہے۔ عمل میں آنے پر ذہنی چیز کو قوت ملتی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ علم تو ایک نور ہے جو اللہ کی جانب سے

عطا کیا جاتا ہے اب اس نور کو حاصل کرنے کے لئے محنت اور مجاہدہ والا راستہ ہے جس میں جتنی اللہ کے ساتھ نسبت ہو گی اس میں اتنی ہی نورانیت آئے گی۔ یاد رکھو کہ معاصی علم کے سمجھنے میں رکاوٹ ہوتے ہیں۔ کیونکہ علم نور ہے اور یہ نور معصیت سے ختم ہو جاتا ہے۔

• انسانوں کا فرشتوں سے امتیاز صرف علم کی وجہ سے ہے۔ علم صفت الٰہی ہے۔ اور جو علم عمل سے وابستہ نہ ہو وہ پکڑ اور گرفت کا سبب ہے۔ حضرت مولانا اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں۔

" اللہ نے انسان اور کائنات کے بنانے کا جب ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ اس پر فرشتوں نے کہا آپ کیوں خون خرابا والوں کو پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا انی اعلم ما لا تعلمون، فرشتوں نے اپنی وجہ ترجیح ذکر و عبادت کو بتایا۔ لیکن اللہ نے انسان کا فرشتوں پر امتیاز علم سے ہونا بتایا۔ یہاں پہونچ کر فرشتوں کو اپنے عجز و قصور کا اعتراف کرنا پڑا تسبیح و تقدیس پر علم کی فضیلت ظاہر ہے۔ تسبیح و تقدیس مخلوق کی صفت ہے اور علم اللہ کی صفت ہے، اللہ علیم ہے۔ انسان میں خالق والی صفت علم ہے۔ اس لئے یہ انسان ممتاز ہے۔ علم وہی ہے جو خدا کی ذات سے چلا ہو اور جو خدا تک پہونچا دے، کبھی کبھی علم کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے عالم کو جاہل کے درجہ میں اتار دیا جاتا ہے، جس علم پر عمل نہ ہو اس پر گرفت ہوتی ہے۔ دنیا میں اندھیرا ہے۔ لہذا آپ لوگ دنیا میں پھیلیں تاکہ ذکر اور عمل والی کیفیات دنیا میں پھیلیں۔ صرف تقریریں کافی نہیں ہیں۔

• ۲۰ شوال ۱۳۸۶ھ (یکم فروری ۱۹۶۷ء) میں مدرسہ معین الاسلام نوح (میوات) میں بخاری شریف وغیرہ کتب حدیث کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا:

حضرت امام ابو حنیفہؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر بدھ کا دن سال میں ایک مرتبہ بھی آتا تو اسی دن کتاب شروع کرتا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بدھ کے دن خدا نے نور کو پیدا فرمایا ہے اور علم نور ہے اور علم کی دولت اتنی اونچی ہے کہ اللہ نے انسان کی

خلافت کی وجہ اسی علم کو تبلایا ہے۔ علم خالق کی صفت ہے۔ اور اصل علم وہ ہے جس سے خدا کا راستہ نظر آئے اور معرفت ملے۔ "علمے کہ راہِ حق نہ نماید جہالت است"۔

حقیقی علوم وہ ہیں جو خدا کی ذات سے چلے ہوں اور حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے آئے ہوں اور وہ اللہ کی کتاب اور آپ کی سنتوں کا علم ہے۔ باقی علوم میں شرافت ان کے ذریعہ اور سبب ہونے کی وجہ سے ہے۔ علوم الٰہیہ اور علوم نبویہ کے لیے کچھ آداب ہیں۔ پہلی چیز نیت کا خالص ہونا ہے۔ اگر نیت مقابلہ کی جھگڑے کی ہے۔ تو اس کی حدیث میں وعید آئی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس علم کے ساتھ تواضع ہو۔ اپنے اندر تکبر و تعلی نہ ہو ورنہ حقیقی علم نہ آسکے گا۔ اسی کے ساتھ ساتھ علماء و اساتذہ کرام کا ادب اور اکرام و احترام ہو۔ استاذ کی توقیر میں علم نبوی کی عصمت ہے، اگر یہ نہ ہو تو یہ علم نہیں آتا۔ علوم جیسی دولت ملنے کے بعد کسی اور چیز میں لگنا اضاعتِ علم ہے۔ اگر معلوم پر عمل کرو گے تو خدائے پاک غیر معلوم کو معلوم بنا دیں گے"۔

- ۵ محرم ۱۳۸۷ھ (۱۴ اپریل ۱۹۶۷ء) میں مسجد نور مدینہ منورہ کے تعلیمی حلقہ میں علم کے صفت الٰہی ہونے کو اس طرح بیان فرمایا۔

علم خدا کی صفات میں سے ایک صفت ہے یہ صفت انسان کی خلافت کی وجہ سے ہے۔ علم وہ صفت خاص ہے جس کی بنا پر انسان کو خلیفہ ہونے کا تمغہ دیا گیا ہے۔ انسان میں اللہ والی صفت علم ہے۔ اور یہ علم جتنی اونچی چیز ہے اتنی ہی خطرناک بھی ہے۔ یہ علم ایمان کے قیمتی ہونے میں معین ہے۔ بشرطیکہ اس کا مقصد معلومات کا بڑھانا نہ ہو بلکہ عمل کرنا ہو"۔

اسی موقعہ پر علم اور معرفت کے درمیان کا فرق اس طرح واضح کیا۔

"ایک علم ہے ایک معرفت ہے، جاننا اور چیز ہے، پہچاننا اور چیز ہے۔ ہم جاننے کو پہچاننا سمجھ بیٹھے جو جانتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا وہ کامیاب ہوگا۔ وہ کم سے کم اتنا تو جانتا ہے کہ میں نہیں جانتا اور جو یہ جانتا ہے کہ میں جانتا ہوں تو وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ میں نہیں جانتا یہ

شخص دھوکہ میں ہے۔"

۲ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ بدھ بعد نماز عصر مدرسہ کاشف العلوم دہلی کے اساتذہ اور طلباء کے مجمع میں تشریف لے گئے۔ مختلف علاقوں کے خواص اور دہلی کے کام کرنے والوں کا ایک بڑا حلقہ بھی اس وقت موجود تھا۔ اس موقع پر علم و عمل کے باہمی جوڑ پر فرمایا:

بچو! اس دنیا کو اگر کوئی شخص کھیل کود سمجھ کر زندگی گذارتا ہے تو سوائے کھیل کود کے اس کو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ سمجھے کہ آخرت کی کمائی کا راستہ ہے تو بجائے کھیل کود کے آخرت کی تیاری کرے گا۔ انبیائے کرام یہی بتانے آئے تھے کہ کھیل کود سمجھ کر زندگی نہ گزارو بلکہ کچھ تیاری کرلو۔ اگر ہم ارادہ کریں، عمل کریں تو ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ حقیقی عمل والا بنادیں گے۔ آدمی جب کوشش کرتا ہے تو ابتداء میں ٹھوکریں بھی کھانے کو ملتی ہیں۔ طبیعت میں جماؤ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ صحیح کرنے لگتا ہے، اور عمل کے ساتھ مناسبت بھی پیدا ہو جاتی ہے یہ تمہارا نو عمری کا زمانہ ہے۔

یہ تمہارا کرنے کا زمانہ ہے اور کہنے والے بتلانے والے بھی موجود ہیں اگر تم اپنے جذبہ سے کروگے تو اس کی بات ہی کچھ اور ہوگی۔ علم ذریعہ ہے عمل کا۔ علم سے یہی تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کیا کرانا چاہتے ہیں۔ مقصد کا جو درجہ ہے، ذریعہ کا بھی وہی درجہ ہے۔ بشرطیکہ اس کو عمل کا ذریعہ بنایا جائے۔ نہیں تو صرف ذریعہ پر پڑا رہے تو بیکار ہے۔ جیسے وضو ذریعہ ہے نماز کا، لیکن آدمی نماز تو پڑھتا نہیں اور وضو کئے بیٹھا رہے تو بجائے گناہ جھڑنے کے اور گناہ لپٹیں گے۔ حالانکہ حدیث میں ہے کہ وضو کرنے سے ہر عضو سے گناہ نکل جاتے ہیں، لیکن کب؟ جب وضو کو نماز کا ذریعہ بنایا جائے، ایسے ہی علم کو جب عمل کا ذریعہ بنائے تو یہ بہت بڑا عمل ہے، نہیں تو یہ علم بھی وبال بن جاتا ہے بس اللہ مجھے بھی نصیب فرمائے اور تمھیں بھی۔ اللہ دین کی سچی محبت کرنے والا بنادے۔ یہاں اپنے آپ کو لگام لگالو تو پھر آخرت میں منہ چھوٹ ملے گی۔"

• ایک موقعہ پر مدرسہ سبیل الرشاد بنگلور میں یہی مضمون اس طرح بیان فرمایا کہ:
اگر اصول و آداب کی رعایت ہو اور علم عمل سے وابستہ ہو تو علم سے اونچی کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں!

"تسبیح و تقدیس و عبادت مخلوق کی صفت ہے اور علم خالق مالک معبود کی صفت ہے۔ اگر اصول و آداب کی رعایت ہو تو علم سے اونچی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ رعایت یہ ہے کہ علم کے ساتھ عمل جڑا ہوا ہو۔ عمل نفس پر بہت شاق گذرتا ہے اور نفس کا علاج یہ ہے کہ اس کے کہنے پر نہ چلیں نفس کو قابو میں لانے کے لیے اس کے خلاف کرنا یہی مجاہدہ و ریاضت ہے۔ مجاہدہ کرنے سے نفس خدا کے حکموں کے تابع ہو جاتا ہے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کے ارادے فرمائے تو اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں خدا کی دہش کا دستور یہ ہے کہ جو اُن سے رو رو کر مانگتا ہے اس کیلئے دہش میں کمی نہیں فرماتے۔ آداب کی رعایت کے ساتھ دعا ہو تو فقہ فی الدین ملے گا۔ کتابوں میں صرف رسوم و نقوش ہیں اسے تو خدا کا منکر بھی حاصل کر لیتا ہے۔ جب نفسانیت غالب ہوتی ہے تو آدمی قرآن و حدیث کو نفس کی طرف کھینچتا ہے۔ ہمیں تو اپنے آپ کو قرآن و حدیث کی طرف کھینچنا ہے، علم کے خطرات سے بچاؤ کے لئے رو رو کر دعا کرنا اور دعوت کا کام کرتے رہنا ضروری ہے۔

• ۲۷ رجب ۱۳۹۱ھ (۱۸ ستمبر ۱۹۷۱ء) میں مدرسہ معین الاسلام نوح میوات کے فارغین حدیث شریف کی بخاری شریف کا اختتام مرکز نظام الدین میں حضرت مولانا کے ذریعہ ہوا۔ مولانا عبدالسلام صاحب (پونہ والے) اس موقعہ پر موجود تھے۔ موصوف نے اس یادگار اختتامی مجلس کی تفصیلات اپنی یادداشت میں اس طرح قلمبند کی ہیں:

آج عصر کی جماعت سے پہلے تپائیاں مسجد کے اندر والے حصہ میں رکھی جا رہی ہیں اور بخاری شریف کی کئی جلدیں بھی۔ پتہ چل رہا ہے کہ ضرور کوئی خاص بات ہونی ہے۔ تھوڑی دیر بعد مولانا انور محمد صاحب نے اعلان کیا کہ مدرسہ معین الاسلام کے طلبہ کی بخاری شریف کا ختم حضرت جی بعد نماز عصر کرائیں گے اور ایسے مواقع بار بار نہیں ملتے۔ اب عصر کی نماز ہوتے

ہی لوگ ٹوٹ پڑے، جن میں جماعت میں آئے ہوئے مہمان بھی تھے اور طلبہ بھی تھے۔ بہت مشکل سے تپائیاں اور چوکی بچھائی گئی۔ اصل طلبہ کو مشکل سے جگہ ملی۔ اب حضرت جی چوکی پر آکر بیٹھ گئے۔ مولانا محمد عمر صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب سہارنپوری بھی طلباء کی کتاب میں عبارت دیکھ رہے ہیں۔ منشی اللہ دتہ صاحب بھی حضرت جی کے سامنے بیٹھے ہیں۔ ایسے ہی ناگپور کے اسلم بھائی، دلی کے حاجی محمد شفیع اور بہت سے حضرات مجلس میں شریک ہیں۔ حضرت جی عمومی مہمانوں سے فرما رہے ہیں کہ بھائی اگر تم پیچھے نہیں ہٹتے تو ہم ادھر دوسری طرف چلے جائیں گے۔ پھر فرما رہے ہیں۔ مولانا صدیق صاحب اور دیگر اساتذہ کو بلا لاؤ، اصل تو وہی ہیں پڑھانے والے۔ آجاؤ بھائی آجاؤ۔

اب حضرت جی نے عبارت پڑھ کر اس کا مطلب بیان فرمانا شروع کیا اور وزن کی حقیقت، اعمال و اقوال کا تلنا، میزان کی تحقیق و تشریح فرمانے کے بعد دیگر فرقوں کا رد فرمایا اور سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کی توضیح و تشریح فرمائی۔ اور پھر طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ بھائیو! یہ تو موٹی موٹی باتیں تھیں۔ باریک بات یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ بخاری شریف وہ کتاب ہے جس کا درجہ قرآن شریف کے بعد ہے۔ اللہ نے ہمیں اس کے الفاظ پڑھنے کی توفیق دی۔ اب اسکے حقائق کو حاصل کرنے کے لئے وقت لگاؤ۔ توکل، صبر، قناعت، یہ ایسی صفات ہیں کہ اس میں کی ایک صفت ساری مادیت پر غالب آسکتی ہے۔ یہ مادیت کا جھمیلہ ان حقائق کے سامنے ٹک نہیں سکتا۔ حقیقت چاہتی ہے مرمٹنے کو، تفویض کو، ہونا یہ چاہئے کہ صبر کے موقع پر صبر کریں اور توکل کے موقع پر توکل کریں۔ قناعت کے موقع پر قناعت کریں۔

بھائیو! ابھی تو یہ الفاظ پر قربانی دینا ہوا لیکن الفاظ سے حقیقت تک پہونچنا، یہ اصل چیز ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ایک تو یہ ہے کہ جلیبی کے اوپر تقریر کرو کہ وہ یوں بنتی ہے اور ایسے بانٹی نہے اور ایک یہ ہے کہ بنی بنائی جلیبی کسی کے منہ میں ڈالدو، تو تقریر اور حقیقت میں بہت فرق ہے۔ قرآن اور حدیث کے الفاظ تو اس کے منکر بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ اب اگر اس کی حقیقت کو پانا ہے تو جماعت میں وقت

لگاؤ۔ کروگے تو پاؤگے۔ زبردستی کوئی نہیں کرسکتا۔

اب حضرت جی چوکی پر دو زانو بیٹھ گئے۔ اور پہلے عربی میں پھر اردو میں لمبی دعا فرمائی۔ اب دعا کے بعد حجرے کے سامنے مخصوصی مجلس لگی ہوئی ہے۔ لیجئے اب مغرب کا وقت شروع ہو گیا ہے۔ اور ایک ساتھ پانچ جگہ سے بنگلہ والی مسجد میں پانچ آدمی اذانیں دے رہے ہیں۔ عجیب وغریب منظر ہے، جو دلوں میں ایمان کو بڑھا رہا ہے۔[1]

برادرانِ وطن سے گفتگو اور اس کا طرز واُسلوب

دنیا کے جس خطے اور گوشے میں جو بھی مسلمان آباد ہے اس کو اعمال صالحہ پر کھڑا کرنا اور ایمان ویقین والی صفات پر لانا ہر مسلمان کی اپنی ذمہ داری ہے۔ اس دعوت وتبلیغ کی محنت کا مرکز ومحور بھی یہی امت اسلامیہ ہے لیکن اِس محنت کے ذریعہ جہاں مسلمانوں میں دین کی صحیح اور سچی طلب پیدا ہو رہی ہے وہیں غیروں میں بھی ذوقِ جستجو اور شوقِ طلب اُبھر کر سامنے آرہا ہے۔ ہوائی جہازوں میں ریلوں اور گاڑیوں میں جہاں دینی اور دعوتی ماحول سامنے آتا ہے وہ بھی سراپا گوش بن جاتے ہیں۔ ایسے موقعہ پر ان میں صحیح انسانیت کا جذبہ نہ پیدا کرنا اور ان کو بھلا انسان بننے کی دعوت نہ دینا بڑے ظلم کی بات ہے حضرت مولانا کو اپنے طویل دوروں اور سفروں میں جب بھی ایسا موقع ملتا وہ اس کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے ۔ ۔ ۔ اور خوب کھل کر اندھیرے میں رہنے والوں کو روشنی کی طرف بلاتے۔ آپ کی اس دعوت کا طرز واسلوب اتنا مؤثر اور دل نشیں ہوتا تھا کہ سامعین کے چہرے اپنے اندر کے تأثرات اور جذبات سے کھل اٹھتے۔ پوری گفتگو میں نہ ان کی ذات وشخصیت پر کوئی تبصرہ ہوتا اور نہ ان کے عقائد ونظریات پر کوئی حملہ۔ بس سیدھی سادی بات انسانیت کی صلاح وفلاح اور اس کی آخرت سے متعلق ہوتی تھی۔

پیش نظر مضمون میں ایسے ہی کچھ قیمتی لمحات کی روداد پیش کی جاتی ہے۔

---

[1] ماخوذ از بیاض مولانا عبدالسلام پونوی۔

• ایک مرتبہ اجتماع میں جاتے ہوئے گنگا پور اسٹیشن پر ٹرین ٹھہری۔ بہت سے غیر مسلم خواص ملاقات کے لئے آئے تو ان سے خطاب میں یہ طرز اختیار کیا۔

"تم بتاؤ کہ انسان کو خدا نے کیوں پیدا کیا۔ اگر کھانے کمانے کے لئے پیدا فرمایا ہے تو یہ بات تو جانوروں میں بھی ہے اور اگر کھانا شرافت کی دلیل ہے تو بیل سب سے زیادہ کھاتا ہے۔ انسان کی شرافت یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو پہچان کر اس کو راضی کرنے کی فکر کرے، یہ ہے انسانیت۔ اور اس کے علاوہ کے سارے کام تو سارے جانور بھی کرتے ہیں۔ جب انسان جانور بنتا ہے تو پھر یہ جانوروں سے بھی زیادہ بدتر بن کر رہتا ہے۔ بس یہ ایک بات ہے اسے سوچتے رہو۔ جب انسان اللہ کو پہچاننا چھوڑ دے، ماننا چھوڑ دے، مالک کے کہنے پر نہ چلے اور اس کو راضی نہ رکھے تو پھر بارشیں یا تو رک جاتی ہیں یا پھر سیلاب آجاتا ہے۔ یہ سب خواہ مخواہ نہیں ہوتا۔ انسان کے عمل سے انسان کے حالات جڑے ہوئے ہیں۔ آج دنیا میں چیزوں کی جتنی ایجاد ہے اس سے پہلے نہیں تھی لیکن پریشانیاں پھر بھی بڑھتی جارہی ہیں۔ میں اس کی وجہ بتلاتا ہوں۔ اچھے کھانے سے اور اچھا گھر بنانے سے انسان اچھا نہیں بنتا۔ انسان اپنے اندر سے اچھا بنتا ہے انسان کے اندر کے جوہر کی اچھائی انسان کی اچھائی ہے اور انسان کے اندر کے جوہر کی برائی انسان کی برائی ہے۔ آج چیزیں بن رہی ہیں۔ لیکن انسان بگڑ رہا ہے۔ اب چیزیں چاہے جتنی زیادہ ہوجائیں، انسان برابر بگڑتا رہے گا۔ اور پریشان رہے گا۔ اور انسان اگر بن جائے تو چیزیں چاہے جتنی کم ہوجائیں لیکن اس سے انسان کی زندگی بن جائے گی۔

• دوسرے مذاہب کی طرح اسلام کوئی قومی و طبقاتی مذہب نہیں ہے بلکہ سماج کے ہر شخص کے لئے ہر وقت اس میں داخل ہونے کی آزادی اور اجازت ہے۔ بس اتنا ضرور ہے کہ کچھ کام کرنے کے ہیں ان کو کیا جائے اور کچھ کام نہ کرنے کے ہیں، ان سے بچا جائے۔ یہ بات حضرت مولانا نے ایک مجلس کے غیر مسلم حاضرین سے ان الفاظ میں فرمائی۔

"اسلام کوئی قومی یا طبقاتی مذہب نہیں ہے بلکہ کچھ باتیں ہیں، وہ جس میں بھی پیدا ہو جائیں وہ مسلمان ہیں۔ ورنہ غیر مسلم ہے۔ ان میں کچھ باتیں انسان کے قلب سے تعلق رکھتی ہیں انھیں یقینیات اور ایمانیات کہتے ہیں اور کچھ باتیں انسان کے بدن سے متعلق ہیں۔ ان کو عبادات کہتے ہیں۔ پھر تیسری بات یہ ہے کہ تمام انسانوں کے ساتھ اس کا رہن سہن ٹھیک ہو، اور چوتھی بات یہ ہے کہ اس کے معاملات ٹھیک ہوں اور پانچویں بات یہ ہے کہ اخلاق اچھے رکھتا ہو۔ اب اگر اللہ سے انسان کا معاملہ ٹھیک ہے تو مخلوق کے ساتھ بھی ٹھیک ہو گا۔ اور اگر اللہ سے معاملہ غلط ہے تو اس کے بندوں سے بھی غلط ہو گا۔ عبادات خدا سے لینے کے طریقوں کا نام ہے جسے خدا سے لینا نہ آئے گا، اس کا بندوں سے تعلق اچھا نہیں ہو گا۔ دنیا میں جس آدمی کو جس شخص سے تنخواہ ملتی ہے اسی کے کہنے پر چلتا ہے۔ بس یہی بات اگر ہمارے دل میں اتر جائے تو ہمارے بدن سے نکلنے والے اعمال ٹھیک ہو جائیں گے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ دل سارے اعضاء میں بادشاہ ہے اس کا جیسا یقین ہو گا ویسا ہی عمل وجود میں آئے گا۔ دوکان کا یقین ہو تو ساری قوت دوکان پر ہی لگے گی اور اگر دل میں خدا کا یقین ہو تو ساری قوت دل کے درست کرنے پر لگے گی اور ایسا آدمی اپنے مالک کے منشا کے مطابق چلے گا اور وہ دل بڑا قیمتی ہے جو اپنے مالک کی منشا کے مطابق چلے۔

• ایک مرتبہ نگلہ اٹاوڑ (میوات) کے اجتماع میں دعا سے قبل ہونے والے بیان میں مسلمان اور غیر مسلم مخلوط تھے اور بڑی مقدار میں تھے۔ حضرت مولانا کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے دونوں کی رعایت فرماتے ہوئے اس طرح بیان کیا:

"اللہ نے اس دنیا میں جتنی چیزیں بنائی ہیں وہ انسان کے لئے بنائی ہیں، تمام چیزیں انسان کے لئے ہیں لیکن انسان چیزوں کے لئے نہیں ہے۔ انسان دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔ ایک جسم یعنی شریر، دوسرے روح یعنی آتما۔ اب اگر انسان صرف جسم کی فکر کرے تو روح والے حصہ سے یہ غافل ہو جائے گا اور جسم بغیر روح کے بیکار ہے روح اگر ہو لیکن جسم کا کوئی حصہ کاٹ دیا جائے تو پھر بھی کام چل جاتا ہے لیکن اگر جسم

تندرست وسالم ہو اور اس میں روح نہ ہو تو یہ سارا جسم بیکار ہے۔ اگر محنت صرف بدن کے لئے ہو تو روح سست اور پژمردہ رہتی ہے۔ خالی بدن والی محنت کھانا پینا مکان بنانا، یہ تو جانور بھی کرتا ہے۔ اصلی انسانیت تو روح پر محنت کرنا ہے تاکہ یہ پاکیزہ خوشبودار بن جائے۔ روح کا تقاضا کھانا کپڑا اور مکان نہیں ہے بلکہ اپنے مالک خالق پروردگار بنانے والے اور پیدا کرنے والے کو جاننا پہچاننا اور اس کی بندگی کرنا ہے وہ راضی ہوجائے۔ روح کو سائنس والے نہیں بنا سکتے ہیں وہ تو بس اپنے بنانے والے کے پاس سے ہی آتی ہے۔ روح پر اگر محنت ہو تو یہ پاک صاف روشنی والی بنتی ہے۔ اور اس پر محنت دو طرح سے ہوتی ہے، ایک تو بندگی کرنا ہے۔ یعنی اپنے بندہ پنے کو ظاہر کرنا۔ پہلے یہ جاننا کہ وہ کس کا بندہ ہے تاکہ اسی کی عبادت کرے دوسرے یہ کہ بندوں اور مخلوق کے ساتھ بہترین رہن سہن ہو اور ان کو فائدہ پہونچانے والا ہو۔ اور یہ کام صرف خدا کے لئے بے غرض بن کر کرے اور مخلوق کو فائدہ پہونچائے تب تو یہ اخلاق ہیں اور اگر غرض کے ساتھ کرتا ہے تو وہ تو بیس روپے کا ملازم بھی کرلیتا ہے۔

روح پر محنت نہ ہو تو روح ناکارہ گندی بدبودار اور سیاہ بنتی ہے۔ روح کے تقاضوں کے پورا کرنے کی محنت کے لئے اپنے اپنے اوقات فارغ کرو۔ موت کے وقت پتہ چلے گا کہ روح کے تقاضے زیادہ ضروری تھے[1]

- رام گڈھ (نینی تال) کے ایک تبلیغی اجتماع میں متعدد غیر مسلم چودھری صاحبان ملاقات کے لئے آئے تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"دنیا سے انسان کے ساتھ صرف اس کے اعمال ساتھ جائیں گے موت کو چاہے ہم بھول جائیں لیکن وہ ہمیں نہیں بھولے گی۔ خدا کے لئے دین کے بارے میں اپنی جانوں پر ترس کھاؤ۔ موت آنے پر جب ضرورت آدمی کی سمجھ میں آتی ہے تو وقت نکل جاتا

---

[1] بموقعہ اجتماع نگلہ اٹاوڑ میوات، مورخہ ۱۸ صفر ۱۳۸۷ھ، ۲۹ مئی ۱۹۶۷ء۔

ہے ۔آج لوگوں کے پاس دین سیکھنے کے لئے وقت نہیں ہے سارا دن کارخانے میں لگ جاتا ہے ۔لیکن یہی آدمی جب دوسرے کارخانے کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو اس کو کھول دیتا ہے ۔ خدا جانے اب اس کارخانے کے لئے کہاں سے وقت نکل آیا۔[1]

گھاسیڑہ (میوات) میں اجتماع کے موقع پر بعد عشاء چار سکھ صاحبان ملاقات کیلئے آئے ۔ ان آنے والوں میں ایک معمر اور مرتاض بھی تھے ۔چہرہ مہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ... ریاضت و مجاہدات کئے ہوئے ہیں ۔ انھوں نے سلام کے بعد حضرت جیؒ سے کہا کہ آج میرا قلب صبح سے کہہ رہا تھا کہ آپ سے ملنے چلو ۔لیکن میں ہجوم کی وجہ سے نہیں آسکا تھا ۔ حضرت جیؒ نے ان چاروں صاحبان سے بڑی دیر تک فکر آخرت سے متعلق گفتگو فرمائی اور صحیح زندگی گذارنے پر مرنے کے بعد کی کامیابی کا یقین دلایا ۔اسی مجلس میں شیعہ مسلک کے ایک صاحب بھی آگئے ۔آپ نے ان کو بھی شریک گفتگو فرما کر سب کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی ۔[2]

برادرانِ وطن کے سامنے آپ مذہب اسلام کو کس قدر ہلکے پھلکے اور سادہ انداز میں پیش کرتے تھے اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوگا ۔

جناب الحاج بھائی خالد صاحب صدیقی علی گڈھ بیان کرتے ہیں کہ:

کچھ غیر مسلم حضرات ایک وفد کی شکل میں ہندوستان کے کسی صوبہ سے دہلی آئے ہوئے تھے ۔ وہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مزار پر حاضری کے لئے بھی آئے ۔کسی نے ان کو بنگلے والی مسجد میں بھی غالباً جانے کا مشورہ دیا تو ایسے وقت بنگلہ والی مسجد میں داخل ہوئے کہ حضرت جی نوراللہ مرقدہ جماعتوں کی روانگی کی ہدایات دے رہے تھے ۔استقبال والوں نے انھیں حوض پر بٹھا دیا ، جہاں سے انھوں نے حضرت کی بات سنی جب دعا اور جماعتوں کے مصافحہ سے فارغ ہوکر آپ اپنے حجرہ میں تشریف لائے تو یہ وفد بھی ملاقات کے لئے حجرہ میں آگیا ۔ وفد کے ایک صاحب جو متکلم تھے

---

[1] بموقعہ اجتماع رامسگڑھ مورخہ ۴، ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ ۴، فروری ۱۹۶۸ء [2] بموقعہ اجتماع گھاسیڑہ ۲۱، ستمبر ۱۹۶۳ء

انھوں نے پہلے تو حضرت سے سنی ہوئی باتوں کی تحسین فرمائی ۔ اس کے بعد کہنے لگے ، کہ حضرت یہ باتیں آپ صرف مسلمانوں سے ہی کیوں کہتے ہیں یہ تو سارے انسانوں سے کہنے کی ہیں ۔ اس پر حضرت نے برجستہ جواب دیا کہ مسلمان سن لیتے ہیں ۔ اس لئے ان سے کہہ رہا ہوں ۔ اگر تم سننے لگو تو تم سے بھی کہونگا ۔ اس لئے کہ ہماری بات تو پورے عالم کے انسانوں کے لئے ہے ۔

اس کے بعد انھوں نے کہا کہ مذہب اسلام بڑا اچھا اور خوبیوں والا ہے مگر اس میں جانوروں کی ہتیا (ذبح) کر کے ان کا گوشت کھانے کی جو اجازت ہے وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی ۔ اس پر حضرت نے برجستہ فرمایا کہ بھائی اسلام کی جتنی اچھی اور خوبیوں والی باتیں سمجھ میں آگئی ہیں ان پر تو ہم اور تم دونوں عمل شروع کردیں اور جو سمجھ میں نہیں آتی ہیں ان کو آہستہ آہستہ سمجھتے رہیں ۔ اور ہم لوگ ڈاکٹروں کے کہنے سے بھی تو بہت سے جانور جیسے مچھر مکھی وغیرہ کی ہتیا کرتے ہیں ۔ اب اگر انبیاء کرام کے کہنے سے ایک خاص طریقے سے کچھ مخصوص جانور ذبح کر کے کھالیں تو اس میں کیا حرج ہے ۔ لیکن یہ بات بعد میں سمجھتے رہنا ۔ پھر انھوں نے سوال کیا کہ حضرت اگر کوئی ہمارے ساتھ ظلم کرے تو کیا کریں ؟ اس پر فرمایا کہ اعلیٰ بات تو یہ ہے کہ معاف کردو، ورنہ اتنا بدلہ لے لو جتنا اس نے ظلم کیا ہے۔

وزراء حکام اور اہل سیاست کو دعوت

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اس دعوتی و تبلیغی جدوجہد کا آغاز اُس زمانہ میں فرمایا جب کہ پورے ہندستان میں مختلف اور متعدد سیاسی تحریکیں زور و شور سے چل رہی تھیں ۔ یہاں تک کہ مذہبی عنوان پر اٹھنے والی تنظیمیں اور جماعتیں بھی سیاست کی آلودگیوں سے اپنا دامن بچائے بغیر نہ رہ سکیں اور پھر بعد میں یہ ہوا کہ ان کا دین ان کی سیاست کے تابع ہو کر رہ گیا ۔ ان تمام تنظیموں اور تحریکوں کا مرکز اور محور ہندوستان کا پایۂ تخت (دہلی) تھا ۔ دعوت و تبلیغ کی یہ عالمگیر محنت بھی ہندوستان کے اسی پایۂ تخت دہلی سے اٹھی تھی ۔ لیکن اللہ جل جلالہٗ کی حکمتِ بالغہ اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی دینی بصیرت اور قرآن و سنت پر ان کی گہری اور دور رس نگاہ نے اس بلند مرتبہ کام کو صرف قرنِ اول کا ہیرا بنا کر رکھا اور ہر طرح کی آمیزش اور ملاوٹ سے اسکی حفاظت

فرما کر اس کو کلمہ و نماز، علم و ذکر، اکرام مسلم اور اخلاص نیت تک محدود کر دیا یہاں تک کہ جغرافیائی نقشوں پر ملکوں کے بننے اور ٹوٹنے، حکومتوں کے آنے اور جانے، سیاست اور اہل سیاست کے چڑھاؤ اتار نے بھی اُس حفاظتی حصار اور حد بندی پر کوئی فرق نہیں ڈالا، جو چھ نمبروں کے ذریعہ اس کے چاروں طرف قائم کیا گیا تھا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سیاست سے پہلے دعوت دینے کے قائل تھے۔ اور اس کے خلاف عمل کرنے میں اسلام اور مسلمان دونوں کا نقصان محسوس کرتے تھے فرماتے تھے۔

"اس امت سے صدیوں سے سیاست کی قوت و اہلیت سلب ہو چکی ہے۔ اب مدتوں صبر و ضبط کے ساتھ دعوت کے اصول پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں میں نظم و اطاعت کی قابلیت اور قانون کی پابندی میں کام کرنے کی قوت پیدا ہوگی"

اسی لئے حضرت مولانا کی کوشش یہ رہتی تھی کہ تمام مذہبی و سیاسی تنظیموں و تحریکوں کے افراد اور نمایاں حضرات اس دعوت والے عمل میں جڑیں۔ اور دعوت کے اثر سے متاثر ہو کر اپنے ملی و قومی کاموں میں پختگی لائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نازک اور پر آشوب دور میں بھی آپ نے اپنے رفقاء اور دعوتی احباب کو مسلم لیگ اور مجلس احرار اسلام وغیرہ جیسی جماعتوں میں بھی دعوتی عمل شروع کرنے کی ہدایت فرمائی اور آپ کی طبیعت پر اس کا اتنا غلبہ ہوا کہ جب بعض خواص اہل تعلق نے کچھ اندیشہ محسوس کرتے ہوئے اس میں توقف کی رائے دی تو حضرت مولانا نے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کو پوری صورتحال لکھ کر اس طرف متوجہ فرمایا کہ وہ ان خواص اہل تعلق سے رابطہ قائم کر کے اُن کے ذہنی خلجانات و اشکالات دور کریں اس موقع پر جو گرامی نامہ حضرت مولانا نے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کو تحریر فرمایا تھا وہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ مکتوب حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب علیہ الرحمۃ کے قلم کا تحریر کردہ ہے:

مخدوم مکرم دام ظلکم العالی — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

- - - - - سے اس امر میں سخت اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تبلیغ کسی تحریک کے

(مثلاً لیگی و احراری) لوگوں میں نہ کی جائے کہ اتہام سے اختلاف کا اندیشہ ہے، یہ صحیح ہے لیکن مقصد ہر شخص کو خواہ کسی جماعت سے تعلق رکھے اس میں لگا دینا ہے اگر اس ڈر سے اس کو چھوڑ دیا جائے تو میرے نزدیک یہ کام بند کر دینے کے مرادف ہے۔ اس وہم کے دفعیہ کی صورت یہ ہے کہ ہر تحریک والوں میں مساوی طور سے کام کیا جائے جس سے اشتباہ خصوصیت کا نہ ہو۔ جناب حافظ صاحب کو آپ اس کے جواب سے تسلی و تشفی اور اطمینان فرما دیں۔ (مکتوب محررہ ۲۳ر ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ مطابق ۳ر فروری ۱۹۴۰ء)

بعض قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اس مکتوب کی اہمیت فوری طور سے محسوس فرماتے ہوئے اس طرف بھرپور توجہ فرمائی اور یہ مسئلہ حل کیا۔

اسی طرح حضرت مولانا کا احساس و خیال یہ بھی تھا کہ اسلام کی رفعت و سربلندی کے لئے اقوام مغرب کو دعوت پہونچانا اور ان کو اسلام کی طرف لانا بہت ضروری ہے۔ اس کام کے لئے آپ کی نگاہِ انتخاب مولانا محمد علی جوہر پر پڑی جو اپنی بلند مرتبہ شخصیت کے باوصف انگریزی زبان پر بھی مکمل عبور رکھتے تھے۔ گول میز کانفرنس میں شرکت سے کچھ عرصہ قبل حضرت مولانا نے اس سلسلہ میں اُن کو جو مکتوب تحریر فرمایا وہ ان کی بے پناہ دینی تڑپ کا آئینہ دار اور ان کی روشن حیات کا زریں باب ہے ـــــ یہ مکتوب جو حضرت مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلوی کے قلم سے ہے یہاں پیش کیا جاتا ہے[1]

مخدومی و مکرمی زید مکارمکم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آں مخدوم کی قابلیت اور ذکاوت اور قدرت علی الکلام و ہمدردی اسلام اس

---

[1] اس یادگار مکتوب پر تاریخ درج نہیں ہے لیکن یہ بات معلوم ہے کہ مولانا محمد علی جوہر نے گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے یہ سفر ۱۹۳۱ء میں کیا تھا ـــــ اس طرح اس خط کی تقریبی تاریخ معلوم ہو سکتی ہے۔ اس مکتوب کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ اگرچہ اُس وقت برآمد نہیں ہوا، لیکن دنیا جانتی ہے کہ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کے تیئیس سالہ دورِ امارت میں یورپ اور اقوام مغرب میں دعوت و تبلیغ کی گرم بازاری اور اس کی مقبولیت و قبولیت اسی مکتوب کی صدائے بازگشت ہے۔

خاکسار کے دل پر نہ آج سے سکہ جمائے ہوئے ہے بلکہ کامریڈ کی نیر تابانی کے وقت سے جوہر شناس اور قدر دان ہے۔

اور شیخ الکل یعنی سیدی و مولائی حضرت شیخ الہندؒ کے زمانہ نیازمندی اور آمد و رفت سامی کے برتاؤ نے اس خیال کو اور مضاعف اور مدلل کر دیا تھا۔ ہمیشہ سے اس پر زور انجن کے اسلام کی کوئی بڑی گاڑی کھینچنے کی طرف طبیعت متمنی اور جویا رہی۔ کچھ زمانہ سے خاکسار کے ذہنِ نارسا میں یہ مضمون آرہا ہے کہ کوئی قابل اور اہل شخص خاص اور معتدل طریقہ سے فطری اور اوسط الملل مذہب یعنی اسلام کی طرف اس یورپین قوم کو زور قوت اور پوری توجہ اور کوشش کے ساتھ دعوت الی الحق کرے تو اسکے لئے آپ کے سوائے کسی پر نظر نہیں جمتی۔

اس وقت یہ قوم برسر اقتدار ہے اور ایک مدت سے حکمرانی کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت مع الخلق پر نظر کرتے ہوئے یہ بات خیال میں آتی ہے کہ اہلِ حکومت لوگوں کو دعوت الی الحق کئے جانے پر مدعو دین کی دو راہیں ہوئی ہیں۔ دعوت الی الحق کو قبول کر کے فوز دارین اور دین خداوندی اور مذہب آسمانی کی تر و تازگی اور آب و تابانی اور یا اس دین سے استنکاف اور اعراض کر کے استیصال و بربادی اور ہمیشہ کے لئے خسران و نامرادی، غرض کوئی ایک معاملہ کا ان کے ساتھ متعین ہو جانا اسی دعوت الی الحق کی قبولیت اور اعزاز اور رد و انکار پر مبنی ہے"۔

اسی مدعا کے لئے یہ پہلا خط لکھ رہا ہوں خدا کرے یہ تخم ایک بار آور شجر کا ہو اور اس مراسلت کو مداومت بخشے۔ اس کے واسطے پہلی بات اس طرز و طریق کا متعین کرنا ہے کہ جو اس کے لئے اختیار کیا جائے جس میں چند امور قابل لحاظ سمجھ میں آرہے ہیں۔

اول یہ کہ مناظرے اور صریح کسی پر چوٹ کرنے سے محفوظ ہو۔

دوسرے جو خرابیاں اپنے مذہب کی ان کے ... دلوں میں بیٹھی ہوئی ہیں ان کا شافی جواب لئے ہوئے ہو۔ اور اپنے مذہب کی اصولی چیزوں مثلاً حسنِ تعلیم وغیرہ کی خوبیوں پر روشنی ڈال رہی ہو، باوجود اس کے مختصر ہونے کے بنا پر عام اشاعت کے قابل ہو۔

مختصر چیز کی اشاعت آسان ہوتی ہے ۔ غرضیکہ میں ایک نااہل شخص قابل و یگانہ زمانہ کو کیا متوجہ کروں کہ کن کن امور کی رعایت ضروری ہے ۔ آپ خود مجھ سے اچھا سمجھ سکتے ہیں خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اس کے مالہٗ و ماعلیہ پر کافی نظر کر کے کوئی طریق اول متعین کر لیا جائے اور پھر خدائے پاک وحدہ لاشریک لہٗ کی نصرت قطعیہ کا یقین کر کے خدائے پاک پر بھروسہ کرتے ہوئے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کی سرخروئی اور آخرت کا بہترین ذخیرہ سمجھتے ہوئے اس کام کو تن دہی سے شروع کر دیا جائے ۔ پھر حق تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق حقاً علینا نصر المومنین ، ان تنصر اللہ ینصرکم ، کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ، انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا ۔ کشتی کو کسی کنارہ لگا ہی دیں گے ۔ رائے سامی سے مطلع فرمائیں ۔ والسلام ۔

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم احتشام غفرلہٗ ۔

اسی طرح دعوت و تبلیغ کے بارے میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا نظریہ اور طرز فکر یہ تھا کہ عوامی جدوجہد کے ذریعہ لوگوں کا مزاج دینی و ایمانی بنایا جائے اور اقتدار و حکومت حاصل کرنے یا دیندار طبقے کو کرسئ اقتدار پر بٹھانے کے بجائے اہل اقتدار و حکومت تک دین پہچایا جائے تاکہ ان میں دینی شعور و مذہبی جذبات بیدار ہو جائیں اور وہ آخرت کو سامنے رکھ کر حکومت کریں ۔

لیکن اس تبلیغی جدوجہد کی ستر سالہ تاریخ کی یہ بھی ایک حقیقت اور سچائی ہے کہ ارباب حکومت اور اہل سیاست کو انسانیت یا ایک ملت یا ایک امت ہونے کی بنا پر ان کا بھولا ہوا سبق ہمیشہ یاد دلایا جاتا رہا ۔ عہدوں اور منصبوں کی بے وقعتی ... بے حیثیتی اور اس کے مقابلہ میں انسانیت کی وقعت و حیثیت ہمیشہ پُر زور الفاظ میں ان کے سامنے بیان کی جاتی رہی ، اپنے مالک کو جاننے پہچاننے اور پھر اس کی ماننے کو ہمیشہ مؤثر اور پر زور الفاظ میں سمجھایا جاتا رہا ۔

اس طرز فکر کا یہ اثر اور نتیجہ ہے کہ سربرآوردہ سیاسی شخصیتوں ، کرسی نشینوں اور اعلیٰ عہدہ داروں کو کبھی بھی امتیازی شان کے ساتھ نہیں بلایا گیا اور نہ ہی ان کی شان میں

قصائد پڑھنے کی نوبت آئی اور اگر اُدھر سے کچھ اشارہ بھی ہوا تو مہذب انداز والفاظ میں آداب شاہی اور رموز سلطنت سے اپنی ناواقفیت کا عذر پیش کر دیا گیا۔

اس مسئلہ میں مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی (ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے یہ الفاظ بالکل مبنی بر حقیقت ہیں کہ:

"اس کام کے بانیوں نے اس کام کا مزاج ایسا رکھا کہ وہ اہل حکومت وسیاست کی نظر میں بے ضرر تھا۔ کیونکہ انھوں نے دعوت کے صرف مثبت اور تعمیری پہلو کو اختیار کیا اور وہ بھی انسانوں کی اصلاح اور ان کو اسلام کی اور ایمان وعمل صالح کی تعلیمات سے وابستہ کرنے کا کام، اس طرح اس جماعت کا کسی پارٹی سے یا کسی سیاست سے کوئی تعلق یا ٹکراؤ نہیں ہوا اسی طرح اس سے دلچسپی لینے والوں میں ہر سطح کے اور ہر طبقے کے لوگ شریک ہوئے۔ اس طرح جماعت کی اس غیر جانبداری کے سبب اس کے کام سے کسی کو بدگمانی یا مخالفت نہیں پیدا ہوئی۔"[1]

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے قائم کردہ ان نقوش قدم پر چلتے ہوئے مولانا محمد یوسف صاحب اور — مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ بھی تمام عمر سیاست سے اپنا دامن بچا کر اصحاب سیاست اور اعیانِ حکومت کو دین واحیائے دین کی دعوت دیتے رہے اور خداشناسی وحق پرستی کی طرف بلاتے رہے۔

دین حق کی حفاظت وحمایت اور اس کی سربلندی کے لئے جد وجہد میں ان تینوں حضرات کا یہ طرز فکر اور سوچنے سمجھنے کا انداز وہی ہے جو حضرت مجدد الف ثانی نوراللہ مرقدہٗ کا تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ خود اس کی وضاحت اپنے ایک ملفوظ میں اس طرح فرماتے ہیں۔

"دین کا کام ایک تو ہے شاہ اسماعیل صاحب شہیدؒ کے طرز کا، لیکن اس میں دیکھو کہ ان کے ساتھ جو مجمع تھا وہ اولیاء کی صفات سے بھی آگے بڑھا ہوا تھا۔ صحابہ کرامؓ سے

---

[1] ماہنامہ البنوریہ کراچی حضرت جی نمبر صفحہ ۱۷۶

مشابہت پائی جاتی تھی اور پھر ابتداء ہوئی بدعات اور فسق وفجور کے خلاف کوشش سے اور انتہاء کی سکھوں کے خلاف جہاد سے ۔ آج اس وقت امت میں اس طرز کے کام کی استعداد نہیں ہے ۔

دوسرا کام ہے دین کا حضرت مجدد الف ثانی کے طرز پر کہ نیچے سے اصلاح کرتے آؤ ۔ اور اگر نیچے اصلاح ہوجائے توکم ازکم درجہ یہ ہوگا کہ اوپر والوں کا شر انہیں میں محدود ہوجائے گا ۔ اور آخر میں وہ بھی ترکِ شر پر مجبور ہوں گے ۔ اگر حکومت سے شر آیا ہے تو عوام میں جن میں کوشش کرسکتے ہو، ان کو شر سے خیر پر ڈال دو تو حکومت کا شر بھی ختم ہوجائے گا، جس طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ نے حکومت کے علاوہ اس کے نیچے کو درست کرنا شروع کیا ۔ آخر میں حکومت کا بھی شر ختم ہوگیا اور ان کی کوشش کے طفیل اکبر اور جہانگیر کی اولاد میں عالمگیر جیسے خادم شریعت پیدا ہوئے ۔ ہمارا یہ کارِ تبلیغ حضرت مجددؒ کے طرز پر شر کو روکنا ہے اور خیر کی طرف موڑنا ہے ۔

مذکورہ بالا نظریہ اور طرز فکر کے تناظر میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ذیل کے واقعات ہمیں پڑھنے کے لئے ملتے ہیں ۔

(۱) :- ربیع الاول ۱۳۶۶ھ (فروری ۱۹۴۷ء) میں مسٹر محمد علی جناح سے بعض تبلیغی احباب نے سندھ جاکر ملاقات کی اور اس دعوتی کام کی اہمیت وضرورت ان کو بتلائی مولانا محمد یوسف صاحبؒ اپنے ایک مکتوب میں اس ملاقات کی اطلاع حضرت شیخ کو اس طرح دیتے ہیں ۔

" سندھ کے اس دفعہ کے کام پر جناح سے تبلیغی گفتگو حاجی عبدالحمید کی زبانی وفد کی صورت میں ہوئی، اظہار تاثر کیا اور کہا کہ یہ تو ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کا کام ہے ۔ باقی اس وقت مسلمانوں میں جو معاشی مصائب رائج ہیں، اس کا کیا علاج ہے ۔ اس وقت اِس سے زیادہ گفتگو خلافِ مصلحت سمجھی گئی ۔ دوسری ملاقات پر اسکو ملتوی کیا گیا ۔ اس کے بعد خیال تھا کہ علی میاں قریشی ملک صاحب ڈاکٹر ذاکر، مولانا احتشامؒ تشریف لے جائیں وفد کی صورت میں وہاں کے لیگی ذمہ داروں کو اپنے یہاں دعوتیں

——— دے کر اس کام کی طرف متوجہ کریں اس کے لئے پہلے بھی اس طبقہ میں مختلف جگہ دعوتیں دی جا چکی ہیں "

(۲)۔ ۲۹، ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ (۲۳، مارچ ۱۹۴۷ء) میں دہلی میں ایشیائی ممالک کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں افغانستان چین، سری لنکا، سعودی عرب، مصر، عرب لیگ، انڈونیشیا، ملیشیا وغیرہ ممالک کے مندوبین نے شرکت کی۔ مولانا محمد یوسفؒ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو ایمانی و تبلیغی دعوت پہونچانے کا قصد فرمایا۔ چنانچہ ان مندوبین سے رابطہ قائم کر کے دعوت دی گئی۔ اور ۵ جمادی الاول (۲۹، مارچ ۱۹۴۷ء) شنبہ میں ایک اجتماع جناب الحاج محمد شفیع صاحب قریشی مرحوم کی کوٹھی پر منعقد ہوا۔ جس میں مختلف ممالک کے مندوبین نے شرکت کی۔ مولانا سید ——— ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی نے اس اجتماع سے مشترکہ طور پر خطاب فرمایا

• مولانا محمد یوسف صاحب، مولانا محمد انعام الحسن صاحب اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مکاتیب (بنام حضرت شیخ) میں اس اجتماع کا ذکر تذکرہ اس طرح ملتا ہے۔

"ہم لوگ اپنی سستی اور نااہلی کی بنا پر خطوط کے لکھنے اور فیوض کے حاصل کرنے سے کوتاہ رہے ہیں مگر امید یہ ہے کہ از خود کرم و عنایت کے ماتحت ہمارے لئے اور خصوصاً اس کام کے فروغ کے لئے دعائیں ضرور فرماتے ہوں گے۔

اس وقت ایک جماعت جس میں مولانا علی میاں، مولانا عمران صاحب، اور قریشی صاحب اور ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب وغیرہ حضرات ہیں، کانفرنس میں آنیوالے حضرات غیر ملکی میں کام کر رہی ہے۔ اس وقت میں دعاؤں کی از حد ضرورت ہے۔

(اقتباس مکتوب مولانا محمد یوسف صاحب)

• دھندلا سا ایک یہ خیال بھی دماغ میں چکر لگا رہا ہے کہ انگلینڈ سے جو وزراء آئے ہوئے ہیں اُن سے سیاسی مسائل پر گفتگوئیں ہو رہی ہیں۔ ایک مختصر وفد سیاسی مسائل سے علیحدہ ہو کر اسلامی دعوت لے کر ان سے ملاقات کرنے۔ دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ

اس میں جو صورت بہتر ہو مقدر فرمائے ۔ جناب عالی خصوصیت سے اس طرف متوجہ ہوں اس وقت انگریزی طبقہ کے لوگ کثرت سے آرہے ہیں اور یہ ان آنے والے اور ایسے لوگ جو اہل علم اور اس طبقہ والوں کے درمیان واسطہ ہوتے وہ کم ہوتے چلے جارہے ہیں ۔جس سے بعض اوقات ڈر معلوم ہونے لگتا ہے ۔ اپنے بس میں تو حق تعالیٰ شانہ کے سامنے عرض کرنے کی بھی اہلیت نہیں ۔ فالی اللہ المشتکیٰ ۔

(اقتباس مکتوب مولانا محمد انعام الحسن صاحب)

کل ہفتہ کے روز ۲۹ مارچ کو قریشی صاحب کے یہاں تمام مسلمان نمائندوں کو چائے کی دعوت دی گئی ہے جس میں میرا عربی میں اور ڈاکٹر ذاکر صاحب کا انگریزی میں خطاب کرنا تجویز ہوا ہے ۔ اوقات سخت گھرے ہوئے ہیں ۔ ملاقات کرنیوالوں کا مہمانوں پر سخت ہجوم ہے ۔ کل مصری نمائندہ مصطفیٰ مومن صاحب نظام الدین آئے تھے عشاء کی نماز پڑھی اور مولانا یوسف صاحب کے حجرہ میں مولانا کی تقریر یا ور میری ترجمانی سنی ۔ آج جمعہ پڑھنا بھی وہیں موعود ہے ۔

(اقتباس مکتوب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی محررہ ۲۸ مارچ ۱۹۴۷ء جمعہ از مسجد سکرٹیرٹ دہلی)

(۳) تقسیم ہند کے چند ماہ بعد مولانا محمد یوسف صاحب نے پاکستان کا سفر کیا اور وہاں کے عام مجامع اور مجالس میں ببانگ دہل فرمایا کہ جو عذاب معاصی کی وجہ سے آرہا ہے اس کو تمھاری قواعد پریڈ ، تمھاری توپیں اور بم کے گولے بھی نہیں روک سکیں گے اصل علاج اور تدبیر رجوع الی اللہ ہے ۔ اپنے اندر ایمان پیدا کرو ۔

دہلی واپس تشریف لاکر آپ نے اپنی تقریر کے یہ الفاظ اپنی خصوصی مجلس میں بیان کئے تو ایک اہل تعلق نے کہا کہ اگر آپ راضی ہوں تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کو لے کر پنڈت جواہر لال نہرو سے ملوں اور یہ تقریری جملے خود آپ کی زبان سے ان کو سنواؤں اور اگر آپ نہ جاسکیں تو میں خود جاکر ان کو سناؤں ۔ اس پر فرمایا !

”ہرگز نہیں ، میں نے یہ بات پاکستان والوں سے کہی تھی ۔ آپ اگر پنڈت نہرو سے یا حکومت کے دوسرے ذمہ داروں سے بات کریں تو ان سے یہی کہیں کہ تمھیں اور

ملک کو صرف فوجی تیاریاں نہیں بچا سکیں گی ۔ خدا کو راضی کرنے کی، ظلم کو ختم کرنے کی اور انصاف کو رواج دینے کی کوشش کرو تو تم بھی بچ جاؤ گے اور ملک بھی بچ جائیگا ۔
(سوانح یوسفی لکھنوی ص ۳)

(۴) مولانا حکیم مشتاق احمد صاحب کٹھوری اسی نوع کا دوسرا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ :
" حکیم صاحب آپ کا پنڈت نہرو سے براہ راست تعلق ہے لہذا اس تعلق کا تقاضا ہے کہ ان کو دعوت دی جائے ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت ایک وزیر اعظم اور دنیا کی چند شخصیتوں میں سے ایک ایسی شخصیت کو میں کیسے دعوت دینے کی جرأت کر سکتا ہوں ۔ وہ تو بڑے ہیں اور میں بہت چھوٹا ہوں یہ سن کر فرمانے لگے ۔" حکیم صاحب آپ بحیثیت کلمہ گو اُن سے بہت بڑے ہیں اور دعوت دے سکتے ہیں"۔ (سوانح یوسفی بجنور ص ۱۰۱)

(۵) ایک مرتبہ مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں قیام کے دوران وہاں کے سرکاری اور سیاسی سطح کے بہت سے خواص جمع تھے ۔ ان کو مخاطب بنا کر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں اتنا فرمایا تھا کہ کل بتاؤں گا ۔ اس پر وحی آئی ولا تقولن لشئ انی فاعل ذلك غداً الا ان یشاء اللہ ، اور تمھاری زبان پر ہر وقت یہی رہتا ہے کہ ہم نے یہ کیا ، ہم یہ کر رہے ہیں اور ہم یہ کریں گے ، وہ کریں گے ۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر تم مرنا بھی چاہو تو اپنے ارادے سے مر بھی نہیں سکتے ۔ خلق کی صفت صرف خالق میں ہے ۔ پوری مخلوق اپنی پیدائش ، تربیت اور بقاء میں ہر ہر مرحلہ پر خالق کی محتاج ہے ۔

ایک مجلس میں فرمایا : " تم حضور کے نمونہ پر بننا شروع کر دو ، جتنا بننا ہو گا بن جائیگا ۔ اور جو بننے والا نہیں ہو گا اور بننے والوں کے لئے رکاوٹ بنے گا خدا اسے اس طرح توڑ دے گا جیسے انڈے کے چھلکے کو توڑ دیتا ہے ۔ تم جن کو بڑی طاقتیں کہتے ہو ۔ خدا کے نزدیک ان کی حیثیت مکڑی کے جالے کے برابر بھی نہیں ہے ۔ اس دنیا میں پاکیزہ انسانوں کے نہ ہونے کی وجہ سے مکڑیوں کے بڑے بڑے جالے لگ گئے تھے ۔ جب حضور کی سعی سے

پاکیزہ انسان بن گئے تو خدا نے عذاب کی ایک جھاڑو سے روم و فارس کے جالے صاف کر دیئے تھے۔ بالکل یہی صورت روس اور امریکہ کی ہوگی۔

ایک دفعہ فرمایا ایٹم سے ڈرنا ایسا ہی ہے جیسے مشرکین اپنے پتھر کے بتوں سے ڈرتے اور امید رکھتے تھے۔ ایٹم اور ایٹم والوں کی گردنیں قدرت کے ہاتھ میں ہیں۔ ایٹم سے وہ ہوگا جو خدا چاہے گا۔ فرعون بھی وھذہ الانھار تجری من تحتی، کہا کرتا تھا، مگر خدا نے اسی پانی کو اس کے غرق و بربادی کا سامان بنا دیا۔

دعوت و تبلیغ اور حکومت و سیاست کے تعلق سے مولانا محمد انعام الحسن صاحب کے سوچنے اور سمجھنے کا طرز و انداز بھی بالکل وہی تھا جو آپ کے ہر دو پیش رو (حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ) کا رہ چکا تھا۔ امیر جماعتِ تبلیغ بننے سے پہلے بھی آپ اسی بنیاد پر سوچتے اور سمجھتے تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی حیات میں جب آپ امراء اور وساء کو دعوتی و تبلیغی مکاتیب تحریر فرماتے تو اس میں بھی یہی پہلو سامنے رکھتے ہوئے صرف دعوت و تبلیغ کے دائرہ میں مکاتبت فرماتے تھے۔ چنانچہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں جب ایک طویل مکتوب آپ نے نواب ذوالفقار علی کو تحریر فرمایا تو پہلے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں اس کو تصویب و تصدیق کیلئے بھیجا اور لکھا کہ چار اصول اس خط میں ملحوظ ہیں۔ (۱) ان کی تعظیم۔ (۲) اپنا استغناء۔ (۳) تبلیغی رغبت۔ (۴) اپنا تکبر سے بچنا ـــــ خوش قسمتی سے ہمیں اس موقع پر مولانا محمد انعام الحسن صاحب کی ایسی اہم اور قیمتی تحریر دستیاب ہے جو آپ کے امیر جماعت تبلیغ بننے سے چودہ سال قبل کی ہے اور وہ اسی بلند پایہ فکر و سوچ کی حامل اور آئینہ دار ہے۔

اس تحریر کی مختصر تاریخ اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ مملکت پاکستان کے قیام کے ۳، ۴ سال بعد وہاں کے ایک ذی مرتبت عالم دین نے سو سے زائد علماء و مفتیان کرام سے صلاح و مشورہ کے بعد اپنے ملک میں دینی و مذہبی کام کا نقشہ بنا کر ایک سوالنامہ مرتب کیا اور اس کو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت مبارکہ میں بھیج کر مشورہ طلب کیا۔ آپ نے وہ سوالنامہ مولانا انعام الحسن صاحب کی خدمت میں دہلی بھیجتے ہوئے تحریر فرمایا کہ

ان سوالات کے نمبر وار جوابات لکھ دو۔ چنانچہ آپ نے پورا سوالنامہ بہت غور وفکر کے ساتھ ملاحظہ فرما کر اس کے جوابات نمبر وار مرتب فرمائے اور حضرت شیخ کی خدمت میں ارسال کئے حضرت شیخ رح نے اس مکتوب کو ملاحظہ فرما کر اپنی پسندیدگی ظاہر فرمائی اور اس کے مندرجات کی تائید کی ذیل میں یہ سوالنامہ اور حضرت مولانا کے تحریر کردہ جوابات پیش کئے جاتے ہیں اس سوالنامہ پر ۸ رشوال ۱۳۷۰ھ (۱۳ رجولائی ۱۹۵۱ء) کی تاریخ مرقوم ہے۔

سوالنامہ

(۱) مسلمہ اسلامی فرقوں کے مقتدر علماء کو جمع ہو کر اپنے فروعی اختلافات کی حدود مقرر کر لینا چاہئیں اور ان اختلافات کی وجہ سے باہمی مخالفت کو بالکل ترک کر دینا چاہئے۔ اور اس کا عہد کر لینا چاہئے کہ خاص یا عام مجالس میں ایک دوسرے کی بیجا تغلیط اور سب وشتم نہ کیا جائے گا اگر کسی کی کوئی غلطی معلوم ہو گی تو نرمی اور خیر خواہی کے لہجہ میں اس پر تنہائی میں متنبہ کیا جائیگا۔ اور مخاطب اس کا تہیہ کر کے غور سے سنے کہ اگر غلطی کا علم ہو گیا تو اپنے خیال سے رجوع کر لیا جائے گا۔ اور اگر اختلافی مسائل میں سے کسی مسئلہ کو کوئی حاجتمند دریافت کرے تو اپنا مسلک بیان کر دیا جائے۔ دوسروں پر تنقید نہ کی جائے۔ نہ ایک دوسرے کی مخالفت میں جلسے کئے جائیں۔ اپنے فرقے کے دیگر علماء اور عوام کو سمجھانا اور اس طے شدہ راستہ پر لانا حضرات شرکاء کے ذمہ ہو گا۔

(۲) :۔ فتویٰ دینے کا اختیار ہر مولوی کو نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ سب حضرات علماء مل کر ہر علاقہ کے لئے مفتی کا تعین فرما دیں تاکہ صرف ان ہی صاحب کا فتویٰ معتبر ہو اور ان ہی مفتیوں میں سے ایک جماعت ایسی بنا دی جائے جو کسی اہم مسئلہ کے پیش آجانے کے وقت جمع ہو کر مشورہ سے فتویٰ دے۔ اس جماعت کا ایک شیخ بھی ہو۔ پھر کثرت رائے سے یا شیخ کے قول پر (جو شرعی طریقہ پر مقرر کیا جائے) جو فتویٰ ہو جائے، اسی کے پابند عملاً سب ہوں۔ اس کے خلاف اپنی رائے کا بھی اظہار نہ کیا جائے اور کسی علاقہ کے مفتی کے معذور یا فوت ہو جانے کے بعد یہی کمیٹی مشورہ سے

اس علاقہ کے لئے دوسرا مفتی تجویز کرے۔

(۳) : یہ مسلّم ہے کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا بلکہ بذریعہ اخلاق پھیلا ہے۔ لہٰذا علماء اور مشائخ کو اپنے کو اخلاق محمدی کا نمونہ بن کر دکھلا دینا ضروری ہے۔ تاکہ تمام مسلمانوں کے اخلاق اسی نمونہ کے مطابق ہو جائیں۔ اخلاق میں سے خدمتِ خلق، استغناء، ایثار، قناعت، صبر، شکر، وفائے عہد، حسنِ معاملہ، ادائے حقوق، حب فی اللہ، بغض فی اللہ، توکل وغیرہ اخلاق کو زیادہ نمایاں کیا جائے۔

(۴) : مشورہ سے نصاب تعلیم، اور طرز تعلیم ایسا مقرر کیا جائے کہ ایک فارغ التحصیل طالب علم مدرس، مفتی، خطیب، قاضی، محتسب، سفیر، وزیر، صدر سلطنت بھی ہو سکے۔

(۵) : تبلیغ کے لئے مشورہ سے ایک طریقہ مقرر کر لیا جائے تاکہ ہر جگہ طریق تبلیغ ایک ہی ہو اور ایک ادارہ مبلغین کی تربیت کے لئے قائم کیا جائے۔

(۶) : تبلیغ صرف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہی کی نہ ہو، ان کے ساتھ ہر طبقہ کو اس کے مناسب بھی تبلیغ کی جائے، مثلاً تاجروں کو کم تولنے، مال خراب نہ دینے، مال میں عیب کو ظاہر کر دینے، بلیک مارکیٹ نہ کرنے وغیرہ کی، خریدار کو مسلمان ہی سے خریدنے کی، مزدوروں قلیوں کو خواہ مخواہ زائد مزدوری بتا کر جھگڑا نہ کرنے کی، عام لوگوں کو مزدوری پوری دینے کی، ملازموں اور چھوٹوں کو کام پورا کرنے اور اطاعت کی، آقاؤں اور بڑوں کو شفقت اور رفق کی، فوج، پولیس اہل دفاتر، مہاجر، انصار۔ غرض اسی طرح ہر طبقے کو اس کے مناسب تبلیغ ہو۔

(۷) : تبلیغ کا کام کم از کم ایک سال تک ایک مہم سر کرنے کے طور پر کیا جاوے، اگر دوسرے کام اس کی وجہ سے ایک سال کے لئے مؤخر بھی ہو جائیں تو پرواہ نہیں۔

(۸) : ایک جماعت علماء کی ایسی ہو جو شرعی ضروریات کے علاوہ پبلک کی دنیاوی ضرورت پر بھی نظر رکھے کہ عوام کو ان حضرات تک پہونچنا سہل ہو۔

(۹) : ہر پاکستانی کے ذہن نشین یہ خوب اچھی طرح کر دیا جاوے کہ وہ جس کام میں مشغول ہے

اس کو ملک کا کام سمجھ کر کرے اور اپنے کو شریک سلطنت سمجھے۔ اگر صدر جمہوریہ ہے وہ بھی سلطنت کا کام کر رہا ہے، صناع بھی، تاجر بھی، کاشتکار بھی، حتیٰ کہ ایک گھسیارہ بھی اور لکڑہارہ بھی۔

(۱۰) : مشورہ سے معاشرت کا بھی ایک طریقہ متعین فرما دیا جاوے جو قواعد شرعیہ کے موافق ہو۔ فقط

جوابات از حضرت مولانا محمد انعام الحسن ر

امور مذکورہ مجوزہ بالکل صحیح اور درست ہیں جو اہل پاکستان ہی کیا تمام مسلمین عالم کے لئے موجب فلاح ہیں۔ اسلامی جذبات و اعمال کا جس قدر بھی وجود ہو جائے وہ مخلوقات کے لئے جالب رحمت اور نعمائے خداوندیہ کا دلانیوالا ہے۔ لیکن یہ دور جس میں اسلامیات اور جذبات اسلامیہ سے بُعد روز افزوں ہے، ان امور کی طرف متوجہ ہونے اور ان کی استعداد پیدا ہونے کے لئے ابتداءً اسی عمومی جدوجہد کی ضرورت ہے، جس سے اس طرف میلان اور اس کو اپنی عقبیٰ کی فلاح محسوس کرنے لگیں۔ جس کے لئے کم از کم ارکان اسلام کا صحیح نہج پر اہتمام اور کما حقہ ادا کرنے کا ذوق ایسا عام ہو جائے کہ کوئی کلمہ گو اس سے بے فکر نہ ہو کہ ارکان ہی ہر شعبہ حیات کے ابواب خیر ہیں۔ اور اس عمومی جدوجہد میں اخلاق نبویہ اور اتباع کی پوری کوشش کی جائے تا وقتیکہ جذبات کا عمومی یہ رخ نہ ہو جائے۔ ہر طبقہ کے اسکے مناسب امور کی طرف متوجہ کرنا اشکالات پیدا کرنیوالا ہے۔ چنانچہ !

۱ میں جب تک ان جذبات بالا کی روح موجزن نہ ہو اجتماع کسی حدِ جامع پر دشوار ہے کہ مناظرات و مجادلات اور احقاقِ حق سے اب تک کسی مسئلہ پر بھی اتفاق نہ ہو سکا۔ نیز حقانی طبقات میں باوجود فرقے کے اتحاد کے کسی ایک طرز پر اجتماع نہ ہو سکا۔

۲ : ایسے ہی نمبر ۲ میں طبقات کو چھوڑ کر افراد میں اختلافات کی کثرت باوجودیکہ مفتی ہونے کے لئے شرائط و قوانین مضبوط ہیں، اہل پر اجتماع دشوار ہو رہا ہے۔

۳؎: بہت ضروری ہے۔ اگر کچھ بھی افراد حقیقۃً نمونہ بن جائیں تو اخلاق محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں چونکہ ذاتی کشش ہے۔ وہ خود دوسروں کے لئے جاذب اور باعثِ رغبت ہوں گے۔ لیکن اس کی رہنمائی اور ہر موقع کے اخلاق کی معرفت اور اس کے طرز استعمال میں حقیقت شناسی کے لئے جس بصیرت اور استعداد کی ضرورت ہے وہ بھی کسی استحقاق کی طالب ہے۔

۴؎: اس تعلیم ہی سے پہلے دور میں ان اوصاف کے حامل لوگوں کی پیداوار ہوتی تھی جو حضرت سید شہید اور آپ کی جماعت کے دیگر رفقاء پر نظر کرنے سے بخوبی واضح ہے لیکن اب باوجود کتابوں میں اضافہ ہونے کے کسی وصف کو بھی پیدا کرنے والا اپنے علوم سے نہیں ہوتا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی اور ایسی خامی ہے جو اس کے لئے مانع بنی ہوئی ہے۔ وہ بظاہر عمومی فضاء کا ان جذبات اسلامیہ کے معارض ہونا ہے۔

تاوقتیکہ عمومی فضا اپنی زندگی کے ہر شعبہ کو اسلامی طرز سے کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو جائے۔ علماء کا ان اوصاف کا حامل ہونا بھی عوام سے وابستگی کا مروجہ دنیوی مغربی طریقہ کے بغیر دشوار امر ہے۔

۵؎: ۔آج کل جو دین کا انحطاط ہے وہ اس قدر ہے کہ ہر شعبہ مستقل محنت اور پوری مساعی کا محتاج ہے اور دین کا کام کرنے والے کفایت کے درجہ میں بھی نہیں جو شخص کسی دینی چیز کے احیاء میں ساعی ہے وہ اپنے اپنے درجہ میں ضروری ہے جب تک کسی طرز تبلیغ کو تجربہ سے ایسا نہ پایا جائے جو جذباتِ ایمانیہ، اعمالِ اسلامیہ، اخلاقِ نبویہ کے لئے باعث فروغ ہو، اس وقت تک ان دینی کام کرنے والوں کو پابند نہ کیا جائے۔ مبادا یہ دینی کام کرنے والے جو اقل قلیل ہیں، یکسو ہو کر اور اپنے طرز کو چھوڑ کر اس ٹوٹے پھوٹے کام سے بھی جاتے رہیں۔ اور نیا طرز تجربہ سے کچھ زیادہ کامیاب اور سودمند ثابت نہ ہونے سے وہ بھی رہ جائے۔

۶؎: ۔جب تک عمومی جذبات اپنے ما علیہ کی ادائیگی کے رضاء خداوندیہ کے تحت

ہونے کے نہ ہو جائیں، یہ صورت زیادہ کارگر نہیں محسوس ہوتی۔ لہٰذا اگر ارکان ہی کے صحیح نہج پر پابندی اور اہتمام عمومی ہونے تک محدود رکھا جائے۔ بلکہ اس میں بھی اگر بعض کو اقدم اور اہم سمجھ کر ظاہری و باطنی امور سے وابستگی تک محدود کر لیا جائے۔ تو دیگر ہر شعبہ کے فرائض تدریجی زیادہ کئے جا سکتے ہیں۔

۷:۔ کم از کم ارکان کے عمومی اہتمام و پابندی تک اس مہم کو کیا جانا خواہ ہر کام مؤخر کرنا پڑ جائے۔

اس میں علماء کو اگر دنیوی ضروریات کے لئے دنیوی طرق اختیار کرنا ہے، تو پھر علماء کے بجائے اُن طرق کے جاننے والے ہی انسب ہوں گے۔ اور علماء کو ان سے یکسو ہونا ہی زیبا اور مستحسن سمجھ میں آتا ہے۔

۹:۔ بجائے اس کے اگر ہر شخص کو فرائض سمجھائے جائیں کہ اس کے ذمہ کتنی انواع کے فرائض ہیں اور ان کی ادائیگی بھی منجملہ رضائے الٰہی ہے۔ ان کی رضا کے لئے دیانت و امانت اور کما حقہ ادائیگی ضروری ہے اور یہ بھی سابقہ جذبات و استعداد پر موقوف ہے صرف مناہی اور شریعت کے خلاف سے روکدینے کے علاوہ کسی ایک طرز کو متعین کر دینا سمجھ میں نہیں آتا۔ ان امور کے لئے ایک امام وقت اور امیر شریعت کی ضرورت ہے۔

اللہ جل شانہ اسلام اور مسلمین کے لئے خیر فرمادیں۔ والسلام۔ محمد انعام الحسن نظام الدین دہلی

• یہ بات عالم آشکارا ہے کہ حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کے زمانہ امارت میں دعوت و تبلیغ کا دائرہ مسلسل پھیلتا اور بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کو ایک عالمی وسعت و پذیرائی اور بین الاقوامی شہرت و اہمیت حاصل ہو گئی۔ اعداد و شمار کے مطابق آپ کی حیات میں دنیا کے ایک سو سے زائد ملکوں میں دین کی یہ عظیم الشان محنت اپنے تمام اصول و ضوابط اور بیش قیمت جذبات کے ساتھ مسلسل اور متواتر ہو رہی تھی اور خلق خدا کی زندگی میں اس کے اثرات و نتائج نمایاں طور پر محسوس کیے جا رہے تھے اس عمومی وسعت و شہرت کی بنا پر آپ کو اصحاب مملکت، اعیانِ حکومت، والیانِ ریاست اور اعلیٰ حکام کو انسانیت کی فلاح و بہبود والے طور و طریق اختیار کرنے اور ان کو آخرت والی زندگی کی طرف متوجہ کرنے

کے مواقع بہت زیادہ میسر آئے اور آپ نے اپنی خداداد توفیق وہمت سے کام لیکر کسی خوف وخطر کے بغیر انتہائی ہمدردانہ ومخلصانہ انداز میں دنیا کی چمک دمک پر یقین رکھنے والوں کو آخرت کی فکر، مرنے کے بعد کی زندگی پر یقین اور اس میں حقیقی کامیابی کا ہونا بتلایا اور انکو طریقۂ نبوی پر اعمالِ خداوندیہ میں دل کا سکون اور راحت ملنے کا درس ـــــ دیا۔

آپ کے بتیس سالہ طویل اور وسیع دور میں اس پیغام الٰہی اور اس فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے صدہا روح پرور اور ایمان افروز واقعات پیش آئے۔ نمونہ کے طور یہاں ان میں سے چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) ۲۵ ر اکتوبر ۱۹۶۶ء (۱۰ ر رجب ۱۳۸۶ھ) میں وزیر صحت حکومت ہند کا ایک خط آپ کے نام آیا جس میں ہندوستان میں انسانی آبادی کے اضافہ پر فکر وتشویش ظاہر کر کے ملک کا اقتصادی اعتبار سے کمزور ہونا اور خاندانی منصوبہ بندی اس کا واحد حل ہونا بتلایا گیا تھا۔ حضرت مولانا نے اس خط کے جواب میں اس مسئلہ کا دینی وشرعی پہلو اور انسانیت کی صلاح وفلاح کا طریقہ کار مفصل انداز میں تحریر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمادیا کہ اس مسئلہ کا حل روحانی غذا ہے، جسمانی غذا نہیں ہے۔ یہ مکتوب گرامی یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

بنگلہ والی مسجد بستی حضرت نظام الدین دہلی۔

محترمہ وزیر صحت صاحبہ۔ آپ کا خط پہونچا۔ جس میں پیدائش کے مسئلہ میں تشویش کا تذکرہ تھا اور اس مسئلہ کے حل کے لئے چند تجاویز بھی تحریر کی گئی تھیں لیکن مسئلہ صرف اتنا ہی نہیں ہے بلکہ ہمیں نہایت گہری نظر سے اس کے بارے میں مطالعہ کرنیکی ضرورت ہے۔ جہاں تک دنیا میں انسانوں کی پیدائش کا مسئلہ ہے وہ ایک فیصل شدہ امر ہے۔ جتنے انسانوں کا آنا ہے اتنے اس دنیا میں آکر رہیں گے ہم اس کے کم کرنے کی جتنی بھی کوشش کریں اس میں کمی نہیں ہوسکے گی۔ اس صورت میں ہم اپنے اوپر ایک بوجھ اور بڑھا رہے ہیں جس کا نتیجہ کچھ نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غلہ کی پیداوار......

پیدائش انسان کے لئے کافی ہو، اس کی بھی کوئی گارنٹی نہیں دی جا سکتی، بارش کی قلت یا طوفان کی کثرت سے ایسا ہو سکتا ہے کہ غلہ کی پیداوار بالکل ہی نہ ہو تو اگر کھانے والوں کا کم ہونا ہی اس کا علاج ہے تو ایسی صورت میں جتنے پیدا شدہ ہیں ان کا کیا کیا جائے گا؟ اس لئے اس مشکل کا حل صرف یہ ہے کہ انسان زندگی گذارنے میں سادگی اختیار کریں سادہ زندگی گذارنے میں جہاں عیاشی کی زندگی سے حفاظت ہے وہاں انسان میں کردار کی بلندی بھی پیدا ہوتی ہے۔ اور جب انسان سادہ زندگی چھوڑ کر عیاشی کی زندگی اختیار کرتا ہے تو حیوانی اور بہیمانہ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ بہیمانہ زندگی میں کبھی بھی انسان کی فلاح نہیں ہو سکتی۔ تمام بہیمانہ باتیں، ہمدردی کا فقدان، غمگساری کا عنقا ہونا اور نفع اندوزی اور دوسروں کو نفع رسانی کے جذبات سے متوحش ہونا، یہ باتیں وجود میں آتی رہیں گی اور انسانیت مشکلات میں گھرتی چلی جائے گی۔ اس سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے۔ وہ یہ کہ اپنے اعلیٰ کردار کی کوشش میں لگ کر اور اسی کو محنت کا میدان بنا کر انسانیت کے مقام کو حاصل کریں۔ جب عالم میں انسانیت کا وجود ہو گا تو قدرت کی طرف سے پیداوار میں برکت ہو گی اور قدرت ہی کی طرف سے جب تک انسانیت کے فلاح کی صورتیں پیدا نہ ہو گی، ہماری تمام کوششیں بے سود رہیں گی، غذائی مسئلہ کا ہی نہیں بلکہ تمام مسائل کا حل انسان کے انسان ہی بننے میں ہے۔ انسان دو چیزوں سے ملکر بنا ہے۔ ایک جسم، ایک روح۔ اور ان دونوں چیزوں میں روح اصل ہے۔ اگر انسان جسم کے اعتبار سے بالکل صحیح سالم ہو اور روح نہ ہو تو وہ جسم بیکار ہے۔ اس سے کوئی منفعت حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ غذائی مسئلہ صرف جسم سے متعلق ہے۔ روح کی غذا انسانی کردار ہے۔ اگر انسان اپنی روح کے اعتبار سے قوی ہے تو جسم کے غذا کی قلت زیادہ مضر نہیں اور اگر جسم خوب تنومند ہو اور روح مردہ ہو تو انسان کبھی بھی چین حاصل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اصل مسئلہ جو تمام مسائل کا حل ہے وہ روحانی غذا کا مسئلہ ہے جس کی اس زمانہ میں ہر شخص کو حاجت ہے

اس لائن کی سب سے پہلی کڑی اپنے مالک اور پیدا کرنے والے کو پہچان کر اپنا کردار اس کی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کرنا ہے۔ جب ہم اس کو راضی کرنے میں کامیاب ہوں گے تو وہ بھی خوش ہو کر ہمارے تمام مسائل کو حل کر دے گا۔

بندہ محمد انعام الحسن غفرلہٗ ۳، نومبر ۱۹۶۶ء

(۲) ملک شام کی ایک دینی و دعوتی شخصیت نے سانحہ بیت المقدس سے متأثر ہو کر حضرت مولانا کو ایک خط جس میں کچھ تجویزیں اور اسکیمیں مادیات اور مالیات سے متعلق تھیں، تحریر کیا۔ حضرت مولانا نے اس کا جواب تحریر فرما کر ان کو ظاہر سے حقیقت اور مادیت سے روحانیت کی طرف آنے کی دعوت دی۔ اور سمجھایا کہ یہ ظاہری تدبیریں ہماری مشکلات کا حل نہیں ہیں بلکہ اصل اور صحیح حل رجوع الی اللہ انابت اور نصرت الٰہیہ کو کھینچنے والے اعمال ہیں۔ یہ مکتوب گرامی ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ ظاہر بیں طبقہ کے لئے یہ مکتوب آج بھی سرمۂ بصیرت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ آپ نے جس نکبت و مصیبت خاصہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کون دردمند ایماندار ایسا ہوگا کہ جس کو اس کا درد نہ ہو اور اپنے ایمان کی بقدر اس کو تکلیف نہ پہونچی ہو۔

لیکن ظواہر کو دیکھ کر ظواہر ہی طرف متوجہ ہونا، یہ حقائق سے آنکھیں بند کر لینا ہے۔ غور اگر کیا جائے اور حقیقت کو اگر دیکھا جائے تو اس تمام سانحہ کے جو حقیقی اسباب ہیں جب تک اُن اسباب کا تدارک نہ کیا جائے گا اس وقت تک خطرہ ہے کہ اس سے زیادہ خدا نہ کرے کہ مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ اگر ظواہر ہی کی کوشش میں لگا جائے تو ظاہر بیں لوگوں کے مقابلہ میں ہم ظواہر میں برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ان وجوہ و اسباب میں فکر کرنا ہے جن سے خدا کی تائید اور نصرت شامل حال ہو، اگر خدا کی نصرت شامل ہے تو کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون۔

اس لئے ہماری دردمندانہ درخواست یہ ہے کہ جو حضرات متدینین ہیں اور جنکو حقیقی درد ہے وہ اپنی تمامتر محنتوں اور تمامتر طاقتوں کو خدائی نصرت کے اسباب کے پیدا ہونے والی چیزوں میں صرف کریں۔ یہی اصلی ہمدردی اور حقیقی مدد ہے۔

اور یہ جو ظاہری تدابیر آپ نے تحریر فرمائی ہیں یہ اُن لوگوں کے حوالے کردیں جو حقائق نہیں پہچان سکتے اور جن کی پرواز ظواہر سے اوپر نہیں ہے اور اسی کو وہ حقیقی امداد سمجھتے ہیں۔ فقط بندہ محمد انعام الحسن

(۳) آپ کی امارت کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ پاکستان کا سفر درپیش تھا۔ ویزا کے لئے قانونی مراحل کی تکمیل ہو رہی تھی۔ اسی اثناء میں حکومت ہند کی وزارت داخلہ نے تحریری طور پر آپ سے اس سفر کی وجہ اور اس کا مقصد دریافت کیا۔ آپ نے جواب میں جو گرامی نامہ ارسال فرمایا اس میں ایمان ویقین اور مرنے کے بعد کی زندگی کو بہت حسن وخوبی کے ساتھ تحریر فرماتے ہوئے انسانیت کے بگاڑ وفساد اور اس کام کے ذریعہ اس کے سدھار کی کوششوں کو واضح کیا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے سفر وحضر کا مقصد اس کام کو قرار دیتے ہوئے اس عزم کا اظہار فرمایا کہ ہم جہاں جائیں گے اور جہاں رہیں گے یہی آواز لگاتے رہیں گے۔

اس مکتوب گرامی کی پوری نقل یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چٹھی وصول ہوئی، ہمارے اس سفر کا مقصد اعزہ واحباب سے ملاقات، بعض اعزاء کا بیمار ہونا اور ملاقات کا اشتیاق اور مذہبی اجتماع میں شریک ہونا ہے۔

یہاں بھارت میں بھی چونکہ سفر کی مشکلات اور بار بار آمد ورفت کی سہولت مہیا نہیں ہے اس لئے ایک سفر میں کئی چیزیں اور کئی اسباب جمع ہو جاتے ہیں تو سفر اختیار کیا جاتا ہے۔ نیز دنیا کی زندگی کا وقت بھی بہت تھوڑا ہے۔ ہر انسان کو مرنا ہے۔ موت کے بعد اس دنیا میں جیسا کردار اور جیسے عمل کئے ہوں گے۔ ویسا ہی اس کو بھگتنا ہوگا۔ اس دنیا کی زندگی میں انسان کے ساتھ جو کچھ بھی پیش آتا ہے وہ اس کے

اعمال واخلاق کے مطابق ہی پیش آتا ہے۔

آج پوری دنیا میں جو ایک ہماہمی اور عام اضطراب اور بے چینی اور پریشانی ہے جس سے دنیا کا کوئی خطہ بچا ہوا نہیں ہے۔ خواہ یورپ ہو یا ایشیا، افریقہ ہو یا امریکہ، عرب ہو یا عجم، اور انسان کا کوئی طبقہ، خواہ غریب ہو یا سرمایہ دار، تاجر ہو یا کاشتکار، ہر ایک اس پریشانی میں مبتلا ہے۔ جس کی واحد وجہ انسان کا اپنے اعمال وکردار میں.. مفلس ہو جانا ہے۔ اس کا واحد علاج انسان کے اعمال واخلاق کی درستگی ہے۔ یہ جتنا بھی پورے عالم میں بگاڑ ہے یہ انسان کے بگاڑ کی وجہ سے ہے۔ جب تک انسان میں سدھار نہیں ہوگا دنیا میں سدھار نہیں ہوسکتا۔ پوری دنیا کے انسانوں کو اس طرف متوجہ کرنا اور اسی سبق کو یاد دلانا ہم اپنا انسانی فریضہ سمجھتے ہیں اور ہر انسان جس کے اندر انسانیت کا تھوڑا سا بھی شعور ہے وہ اس وقت میں اس پکار کو وقت کی پکار اور اہم ترین ضرورت محسوس کرے گا اس کیلئے نہ کسی دولت کی ضرورت ہے اور نہ کسی حکومت کی ضرورت ہے بلکہ اس کے لئے صرف ضمیر کی بیداری کی ضرورت ہے۔ اس لئے جہاں تک ہوسکتا ہے اور جہاں تک پہونچایا جاسکتا ہے، ہم اس پکار کو پہونچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی ہمارے سفر وحضر کا وظیفہ ہے۔ جہاں جائیں گے، جہاں رہیں گے یہ آواز لگائیں گے۔ فقط والسلام۔

بندہ انعام الحسن

(۴) ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ (جولائی ۱۹۶۷ء) میں حکومتِ عراق کی جانب سے ایک خصوصی وفد مختلف ممالک کا دورہ کرتے ہوئے دہلی پہونچا اور یہاں کے مختلف اداروں اور جامعات کا معائنہ کیا۔ مرکز نظام الدین آمد پر حضرت مولانا نے اس وفد کا بھرپور اعزاز واکرام فرمایا اور پھر ان کو براہ راست مخاطب بنا کر رحمتِ خداوندیہ کے دنیا میں نزول کی شرائط اور انسان کی کامیابی کے حقیقی اسباب پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اسباب دو قسم کے ہیں ظاہری اور حقیقی۔ ظاہری اسباب جس قدر ہیں ان کے ساتھ اگر حقیقی اسباب مل جائیں تو یہی موجودہ اسباب مسلمانوں کے لئے بہت کافی ہیں کیونکہ حقیقی اسباب رحمت خداوندیہ اور نصرت الٰہیہ کو شامل حال کرنے والے ہیں۔ خدا کی نصرت

کے ساتھ پھر کوئی چیز غالب نہیں ہوسکتی ۔ اور بغیر نصرت خداوندیہ کے تمام ظاہری اسباب بھی کامرانی اور کامیابی کی وجہ نہیں ہوسکتے ۔ امت اسلامیہ کی ظفرمندی وکامیابی صرف دین پر موقوف ہے اور اسباب بقدر ضرورت ہی اختیار کرنے کی چیزیں ہیں "۔

عراقی وفد سے ہونے والی یہ گفتگو حضرت شیخ "کو تحریر فرمانے کے بعد حضرت مولانا نے اپنے گرامی نامہ میں مزید یہ سطور بھی تحریر فرمائی ہیں :

" بندہ نے ان سے کہا کہ وہ واپس اپنے ملک جاکر یہ بات خوب قوت سے کہیں، بظاہر تو بہت متأثر تھے ۔ ابتداء تو انھوں نے اقتصادی، سیاسی، اجتماعی ضرورتوں سے کی تھی، لیکن پھر بندہ کی گفتگو سننے کے بعد وہ حضرات فرمانے لگے کہ اصل حقیقت یہی ہے جو آپ بتلارہے ہیں ۔

(۵) ایک موقعہ پر ہندوستان کا مسلمان جبر وتشدد اور ظلم وبربریت کا زبردست نشانہ بنا ہوا تھا ظلم جب حد سے بڑھا اور جلالِ خداوندی جوش میں آیا تو ظالم کانپ اٹھا ۔ اور کسی نہ کسی طرح حضرت مولانا سے رابطہ کر کے اپنے لئے دعا چاہی اور اس ذلت و ناکامی سے نجات ملنے کا طریقہ دریافت کیا ۔ آپ نے وقت اور موقعہ کی سنگینی اور خطرات کے احساس کے باوجود ایمانی غیرت وحمیت کا حق ادا کرتے ہوئے اس کو صاف لفظوں میں اسلام اور ایمان کی دعوت دی ۔ یہ پوری تفصیل حضرت مولانا اپنے قلم سے حضرت شیخ ؒ کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں :

" سابقہ مساۃ ظالمہ اور ان کا بچہ آج کل بہت پریشان ہیں ۔ میرے پاس پیغام آیا تھا کہ کچھ بتاؤ ۔ بندہ نے کہلوا دیا کہ ظلم کا ساتھی بھی ظالم ہی کے ساتھ قدرت کے انتقام میں آجاتا ہے ۔ اس ظلم کی تاریکی اور مظلومین کی آہیں اتنی بھیانک ہیں کہ اس میں اس کے لئے کہیں روشنی نہیں دکھتی ۔ صرف ایک ہی راستہ ہے کہ کلمہ پڑھ لے ۔ یہی ایک راستہ ہے اور کوئی راستہ نہیں ہے "۔ یہ بات اس تک پہونچ گئی ہے ۔ سن کر خاموش ہوگئی ۔ نہ اقرار کیا نہ انکار کیا ۔ اللہ جل شانہ ہدایت کے دروازے کشادہ فرمائیں ۔

محمد انعام الحسن غفرلہ ۶ اپریل ۱۹۷۷ء

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا قیام اس وقت مدینہ منورہ تھا۔ آپ نے مذکورہ گرامی نامہ ملاحظہ فرماکر اس کا یہ جواب حضرت مولانا کو ارسال فرمایا:

"آپ کا جواب بہت ہی اہم ہے۔ اللہ جل شانہ آپ کو بہت ہی بلند درجہ عطا فرمائے۔ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ میں نے (اپنے آپ کو) بہت ٹٹولا اور بہت ہی ندامت ہوئی کہ میں تو اس جواب کی جرأت نہیں کرسکوں تھا۔ اور میرے خیال میں کوئی بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ میں بھی دعاؤں کا بہت محتاج ہوں۔ محمد زکریا ۷۷/۴/۱۶ مدینہ منورہ۔

(۶) اکتوبر ۱۹۹۳ء میں گیا (بہار) میں عظیم الشان اجتماع تھا۔ انہی تاریخوں میں ... برادرانِ وطن کا بھی مذہبی تہوار اور میلہ تھا۔ اجتماع کے ذمہ دار احباب اور مقامی ساتھیوں کا مشورہ تھا کہ اجتماع کی تاریخ یا کم از کم اس کی جگہ بدل دی جائے۔ مگر حضرت مولانا نے اللہ جل شانہ کی ذاتِ عالی پر اعتماد و یقین کرتے ہوئے اسی تاریخ میں اسی مقام پر اجتماع کا مشورہ دیا۔ چنانچہ بہت زوردار اجتماع ہوا اور اپنے پیچھے بہت گہرے اثرات اور تاثرات چھوڑ گیا۔ مقامی ڈی ایم ایک مسماۃ تھیں۔ اجتماع کے بعد ان کا پیغام آیا کہ ملنا چاہتی ہوں۔ حضرت مولانا نے اجازت دیدی جب آئیں تو سامنے نہیں بٹھایا، بلکہ پشت کی طرف بٹھا کر بات کی۔ سب سے پہلے ان کے حسن انتظام کا شکریہ ادا کیا اور پھر دعوت کا عنوان اسی کے ساتھ جوڑ کر اعمال صالحہ کی اہمیت، مرنے کے بعد کی کامیابی و ناکامی اور آخرت کا یقینی ہونا ان کو سمجھایا۔ موصوفہ نے آخر میں یہ خواہش ظاہر کی کہ میں اس علاقہ کا نام جہاں اجتماع ہوا ہے "حضرت جی نگر" رکھنا چاہتی ہوں اس پر فرمایا کہ نام سے کیا حاصل ہوگا؟ اصل تو کام ہے۔ اس پر انھوں نے جواب دیا کہ کام ہوا ہے اسی وجہ سے تو نام رکھنا چاہتی ہوں۔ فرمایا کہ اگر نام رکھنا ہی ہے تو رحمت نگر یا ہدایت نگر رکھ دیا جائے۔

(۷) ماہ رجب ۱۴۱۴ھ (دسمبر ۱۹۹۳ء) میں ہونے والے اجتماع بھوپال کے موقعہ پر ریاست کے غیر مسلم سربراہ نے آپ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو مولانا حبیب ریحان صاحب

نے حضرت مولانا کے ایماء اور مشورہ سے ملاقات کا وقت متعین فرما کر تین شرطیں بھی لگا دیں۔ اوّل یہ کہ زیادہ لوگ ساتھ نہ آئیں، بس ۲-۴ احباب ہمراہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ کیمرہ فوٹو وغیرہ کچھ نہیں ہوگا۔ تیسرے یہ کہ ملاقات کا جو وقت متعین ہوا اس میں دس پندرہ منٹ آگے پیچھے ہونے میں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن یہ نہ ہو کہ صبح کی ملاقات شام میں ہو۔ حضرت مولانا تینوں شرطیں سن کر مسکرائے۔ اور تصویب فرمائی معزز مہمان نے بھی تینوں شرطوں کا پورا پاس و لحاظ کیا۔

حضرت مولانا نے ان سے ملاقات کے بعد اپنی دعوت پیش کرتے ہوئے۔ اس طرح ان سے خطاب فرمایا:

" یہ عہدہ اور منصب جو اللہ جل شانہ نے آپ کو مرحمت فرمایا ہے یہ خدمتِ خلق کے لئے ہے، اس میں کوشش کرو کہ جس قدر خدمت مخلوق کی ہو جائے آپ کے لئے اِس زندگی میں بھی کام آئے گی اور دوسری زندگی میں بھی، دوسری زندگی مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے اور کبھی ختم نہیں ہوتی۔ وہی اصل زندگی ہے۔ یہ عہدہ و منصب جو اللہ جل شانہ نے آپ کو مرحمت فرمایا ہے، خدمت کے لئے ہے، جتنی خدمتِ خلق ہوگی، اتنی ہی وہاں ــــ کامیابی ملے گی۔ بس اللہ جل شانہ آپ کو ہدایت نصیب فرمائے۔"

اس ملاقات کے ایک دن بعد ۲۷، دسمبر اتوار میں جناب رسول احمد صاحب صدیقی (جو قریبی زمانہ میں ریاستی وزیر رہ چکے تھے) ملاقات کے لئے آئے تو ان سے سلام و دعا کے بعد بڑے جوش اور ولولہ کے ساتھ فرمایا کہ:

" یہ منسٹری اور وزارت مخلوق کی خدمت کے لئے تھی۔ لیکن اب لوگوں نے اس کو جاہ و مال کمانے کا ذریعہ بنا لیا۔ خدمت کو چھوڑ کر جب اغراض پر آئے تو آپس میں لڑائیاں شروع ہوگئیں۔ کوشش کرو کہ اس عہدہ پر رہ کر زیادہ سے زیادہ خدمت ہو تو آخرت میں کام آئے۔

(۸) جنوری ۱۹۹۴ء میں ہونے والے اجتماع بنگلہ دیش میں ملکی سلامتی اور حفاظتی ادارہ سے وابستہ اعلیٰ سطح کے کچھ حضرات ملاقات کے لئے آئے تو دل و دماغ کے پورے یقین اور بلند و بالا کیفیات و داعیانہ جذبات کے ساتھ اُن سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ :

حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بھی فوج کے جرنل تھے لیکن دین کی کوشش میں متواتر مشغول رہتے تھے۔ آپ بھی کوشش کریں کہ آپ کے یہاں دین کی محنت ہو، نمازوں کا اہتمام ہو، مسلمان کی کامیابی ساز و سامان کی کثرت سے نہیں ہے بلکہ اللہ کی مدد سے ہے اور اللہ کی مدد اعمال کے ساتھ ہے اشخاص کے ساتھ نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں ۳۱۳ صحابہ کو لے کر ایک ہزار سے مقابلہ کیا۔ سامان جتنا تھا اسی کو لے کر میدان میں نکلے۔ ان کو صف بنا کر کھڑا کیا اور اپنی چھپریا میں جاکر دعا فرمائی۔ کہ اے اللہ اگر یہ چھوٹی سی جماعت ختم ہوگئی تو پھر دنیا میں آپ کی عبادت نہ ہو سکے گی۔ یہ دعا فرماکر آپ اتنا روئے کہ چادر مبارک بدن سے گر گئی۔

اس گفتگو کے بعد حضرت مولانا کھانے کے لئے اٹھ گئے۔

کھانے کے دوران ایک اور ممتاز شخصیت سے جو حال ہی میں اپنی ملازمت سے سبکدوش کر دیئے گئے تھے، مخاطب ہوکر فرمایا :

" اپنی معزولی کی وجہ سے اپنے کام سے غافل نہ ہونا، دین کی محنت کرتے رہنا، یہ نہیں کہ عہدہ نہیں منصب نہیں تو کام بھی نہیں، یہ عہدہ اور منصب تو آنے جانے والی چیز ہے بلکہ پہلے سے زیادہ کام کرو ــــــ جب جنگ ہو رہی تھی تو مدینہ منورہ سے میدانِ جنگ میں اطلاع آئی کہ ابوبکر صدیقؓ وفات پاگئے اور ان کی جگہ حضرت عمرؓ بنا دیئے گئے اور انھوں نے حضرت خالد کو معزول کر کے حضرت عمرو بن العاص کو فوج کا ــ ذمہ دار بنا دیا تو حضرت خالد فوراً وہ خط لے کر حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس گئے اور کہا کہ میں تو معزول ہو گیا ہوں۔ اب تم ذمہ دار ہو لیکن میں کام پہلے سے بھی زیادہ کر کے دکھاؤں گا"۔

(۹) فروری ۱۹۹۴ء میں سردھنہ ضلع میرٹھ کا سہ روزہ اجتماع تھا، اس میں مختلف اخبارات کے نمائندے اور صحافی حضرت مولانا سے ملاقات کے لئے آگئے۔ آپ نے ان سے خوب جم کر بات کی۔ انسانیت کی پستی اور اس کی زبوں حالی کو خوب کھول کھول کر بیان فرمایا اور پھر صرف دین و آخرت میں اس کا حل ہونا بتلایا۔ اسی زمانہ میں اخبارات اور ذرائع ابلاغ طلاق ثلثہ کے مسئلہ پر اپنی تحقیقات اور گوہر افشانیوں میں مصروف تھے۔ آنے والے صحافیوں اور نمائندوں نے حضرت مولانا سے اس کے متعلق بھی سوال کر کے اس کا حل دریافت کیا تو فرمایا کہ!

"کچھ حقوق شوہروں کے بیویوں پر ہوتے ہیں اور کچھ حقوق بیویوں کے شوہروں پر ہوتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں تو طلاق کی نوبت ہی نہ آئے۔ جب ہر ایک اپنا حق لینا چاہے اور دوسرے کا ادا نہ کرے، تب طلاق کی نوبت آتی ہے۔" حضرت مولانا کی یہ گفتگو اگلے روز تمام ہندی اور اردو اخبارات میں شائع ہوئی۔

(۱۰) اپریل ۱۹۹۴ء میں آسام کا طویل سفر تھا۔ ہوجائی مقام پر سہ روزہ اجتماع سے فراغت پر جب ریاستی سربراہ، اسمبلی کے اسپیکر، نیز وزیر اوقاف، وزیر تعلیم اور وزیر صحت وغیرہ ملاقات کے لئے آئے تو آپ ان سے اس طرح مخاطب ہوئے!

" یہ عہدے اور مناصب دنیاوی منافع اور مادیات کے لئے نہیں ہیں، بلکہ خدمتِ خلق کے لئے ہیں۔ ع " ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد "

پہلے زمانہ میں عہدہ اور منصب اس لئے قبول کیا جاتا تھا کہ اس کے ذریعہ سے مخلوق خدا کو فائدہ پہونچے گا۔ منفعت مدنظر نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عین جہاد کے موقعہ پر فوج کے کمانڈر کو علیحدہ کیا گیا تو انھوں نے فوراً اپنے نئے امیر اور کمانڈر کی اطاعت قبول کر لی۔ اس بات کی کوشش کرو کہ تمہارے ذریعہ خدمت کا ماحول اور سچی انسانیت کا ماحول قائم ہو کہ آخرت میں یہی کام آئے گا۔

(۱۱) حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ نے اپنی خداداد بصیرت اور مذہبی تحریکات

کی عالمی تاریخ کے گہرے مطالعہ کے بعد یہ رائے قائم فرمائی تھی کہ دنیا بھر میں جتنی جماعتیں یا تحریکیں دینی محنت میں سرگرم عمل ہیں ان کو حکومتوں کی حمایت اور مخالفت سے بالکل یکسو ہوکر کام کرنا چاہئے اور کوئی بھی موقعہ ایسا نہ آنے دینا چاہئے جس سے مزاحمت اور ٹکراؤ کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ ایک مجلس میں فرمایا کہ:

مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے شیخ حسن البناؒ کو مشورہ دیا تھا کہ اپنے کام کو سیاست سے بالکل علیحدہ رکھیں۔ حکومت سے بالکل نہ ٹکرائیں۔ مگر انھوں نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا۔ اور میں نے ایک موقعہ پر شیخ ابراہیم عزتؒ کو یہی مشورہ دیتے ہوئے یہ بات بھی کہی تھی کہ ہمیشہ مثبت کام کریں۔ منفی پہلو بالکل سامنے نہ لائیں۔ انھوں نے میرا مشورہ قبول کرکے اس پر عمل بھی کیا۔"

حضرت مولانا نے دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کی بھی اسی نہج پر تربیت فرمائی کہ وہ عملی سیاست سے اپنے آپ کو دور رکھیں اور ان کانٹوں میں اپنا دامن نہ الجھائیں۔

لہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی "کاروانِ زندگی" میں تحریر فرماتے ہیں:

"واقعہ یہ ہے کہ اگر اخوان کچھ عرصہ اور عملی سیاست میں حصہ نہ لیتے (یا اس عملی سیاست میں الجھا نہ لئے جاتے) اور اپنا اصلاحی و دعوتی کام پوری قوت سے جاری رکھتے تو ممالک عربیہ میں ایک اسلامی انقلاب برپا ہو جاتا اور ایک نئی زندگی پیدا ہو جاتی۔ مجھے مستند اور باوثوق و متعدد ذرائع سے معلوم ہوا کہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں شیخ حسن البناؒ کو خود اس کا شدید صدمہ اور قلق تھا کہ انکو قبل از وقت سیاسی میدان میں اترنا پڑا اور ان کا دامن ان کانٹوں سے الجھ گیا۔ ان کو اسکی بڑی تمنا تھی کہ ان کو پھر خالص دعوتی و تربیتی کام کا موقع ملے اور وہ جماعت اور جمہور مسلمین میں وہ استعداد پیدا کرلیں جس کے بعد وہ ہر طرح کی ذمہ داری کو پورا کرسکیں اور ہر امتحان و آزمائش سے گزر سکیں۔

(کاروان زندگی جلد اول ص ۳۸۲)

ٹہ مصر کے ایک ممتاز عالم دین اور دینی حلقوں کے معتمد علیہ بلند پایہ خطیب، شوال سنہ ۱۴۰۳ھ ۱۸ جولائی ۱۹۸۳ء میں مصر سے مکہ مکرمہ (سعودی عرب) آتے ہوئے حالتِ احرام میں انتقال ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

کہ اس سے آپس کی رسہ کشی پیدا ہو کر دعوت کا میدان ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر ناندیڑ (مہاراشٹر) سے کام کرنے والے ایک صاحب نے موجودہ سیاست میں عملی شرکت اور الیکشن میں اپنی کامیابی پر دعوتی کام میں اس سے تقویت ملنے کا تذکرہ کیا تو آپ نے اپنے مکتوب کے ذریعہ ان کے خیالات کی اصلاح فرماتے ہوئے یہ نصیحت تحریر فرمائی۔

" بھائی اس مبارک عمل میں تو آدمی آخرت میں کامیاب ہونے کی نیت سے لگے بنیا د موت کے بعد کی زندگی کا درست ہونا ہے۔ اب اس کے علاوہ کوئی اور نیت کرنے سے تو اس میں کامیابی ہونے کے بجائے آخرت کے بگاڑ کا سخت اندیشہ ہے۔ موجودہ ماحول میں کسی مادی طاقت سے آدمی دیندار نہیں بنتا بلکہ اس کے لئے دعوت اور ترغیب و ترہیب کا عمل زیادہ مؤثر ہے۔ موجودہ سیاست سے یہ عمل الحمدللہ پاک ہے۔ اس لئے ہم تو بچتے رہنے ہی کا مشورہ اپنے احباب کو دیتے رہتے ہیں۔

مستورات میں کام کا طریقہ اور ترتیب

حضرت مولانا نے اپنے حد درجہ محتاط اور دور اندیشانہ مزاج نیز کام کی نزاکتوں کو سامنے رکھ کر مستورات میں اس عالی محنت کے لئے وقتاً فوقتاً جو.. ہدایات و نصائح تحریری یا تقریری طور پر فرمائیں، ان کا ایک جامع مرقعہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

• ایک موقعہ پر تعلیم و تربیت اور دوسرے امور پر زور دیتے ہوئے اپنے مکتوب (محررہ ۲۶ محرم ۱۴۱۱ھ) میں تحریر فرماتے ہیں :

" مستورات میں دین کے کام کا فکر و جذبہ مبارک ہے۔ مستورات میں اصل کام تو انھیں دین کے اعمال پر قائم کرنا اور ترغیب دے کر ہر گھر میں روزانہ تھوڑی دیر فضائل کی تعلیم میں جو مستورات جمع ہوتی ہیں، ان کا ذہن بنا کر اس پر انھیں آمادہ کیا جائے اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت، پردہ کا اہتمام، اپنے بڑوں اور شوہروں کی اطاعت و خدمت اور غیبت چغل خوری وغیرہ سے بچنے کی ترغیب دی جائے۔ عورتوں میں دین کا کام اپنی بستی کے دعوت کے کام کرنے والے ذمہ دار مردوں کے رائے اور مشورہ سے

ہونا چاہیے۔ کبھی کبھی مردوں کے مشورہ سے کسی ذمہ دار سمجھ دار پرانے کام کرنے والے بھائی کی پردہ کے اوٹ سے بات چیت بھی رکھی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نفس اور شیطان کے شرور سے حفاظت فرمائے اور اخلاص وللّٰہیت نصیب فرمائے[1] آمین۔

اسی طرح ایک دوسرے مکتوب میں مستورات میں تعلیم کے مقصد اور اس کی حدود وشرائط کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

خواتین میں دینی ذہن بنانے، آخرت کے اعتبار سے انھیں فکرمند کر کے نماز روزہ، تسبیحات وتلاوت کی پابندی اور روزانہ اپنے گھر میں تھوڑی دیر فضائل کی تعلیم اور اپنے مردوں کو راہ خدا میں نکلنے کے لیے معین ومددگار بننے پر آمادہ کرنیکے لیے کبھی کبھار مردوں کے مشورہ سے کسی پردہ دار مکان میں انھیں جمع کر کے کسی معمر شادی شدہ پرانے سمجھ دار آدمی کی بات کرائی جاسکتی ہے۔ مستورات میں بات کرنے کیلئے ایک اکیلا آدمی نہ جائے بلکہ تین کی جماعت بنا کر جائیں[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت میں جو قیود رکھی ہیں، مستورات کا کام اسی کے ماتحت ہوگا۔ اس کی تصریح کے ساتھ مزید ہدایات دیتے ہوئے ایک بڑے اجتماع میں فرمایا:

"دنیا کی ظاہری حیات مردوں اور عورتوں سے مل کر ہے۔ اللہ پاک نے یہ دنیا مرد وعورت دونوں کو ملا کر بنائی ہے۔ اسی طرح باطنی حیات بھی دونوں سے ملکر ہی ہوگی۔ اگر ایک حصہ میں فساد رہا تو دوسرا باقی نہیں رہ سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ عورتوں میں نماز، تعلیم، ذکر، تلاوت کے اعمال زندہ کئے جائیں اور اس کیلئے مردوں کے مشورے سے ان کو جمع کر کے ترغیب دی جائے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت میں جو قیود رکھی ہے، یہ کام ان ہی قیود کے اندر رہے۔ بعض علاقے والوں نے

---

[1] بشکریہ جناب حبیب الرحمن صاحب، وانمباڑی۔ [2] مکتوب بنام سید الطاف حسین منجو ضلع اکولہ۔

مستورات کے کام کے بارے میں ہم سے چھوٹ اور اجازت چاہی اور دلیل یہ دی کہ عورتیں سینما گھر جاتی ہیں اور نہ جانے کہاں کہاں جاتی ہیں۔ تو میں نے ان سے عرض کیا کہ وہ تو اس سے بھی بڑھ کر کام کرتی ہیں لیکن اگر ہم بھی ڈھیل چھوڑ دیں تو پھر یہ دین کا کام نہیں رہے گا بلکہ دنیا کا کام بن جائے گا۔ فقہاء کا فیصلہ ہے کہ عورتوں کا اجتماع نقصان سے بہت کم خالی ہوتا ہے۔ فکرمند ساتھی اپنے گھروں پر عورتوں کو بلائیں۔ اور یہ باتیں سکھائیں۔ تین میل کے اندر بلکہ ایک میل کے اندر بھی مستورات کی جماعت جائے تو محرم ساتھ ہو، ـــــــــــ مشورے سے محرم کے ساتھ جماعت میں جائیں ایسے محرم جو اُن کے خیالات کی بھی حفاظت کرسکیں اور عادات کی بھی حفاظت کرسکیں اور شریعت کی تمام شرطیں پوری کی جائیں[1]

مستورات میں دعوتی کام مردوں کی زیر امارت ہی ہوگا۔ عورت امیر نہیں بن سکتی۔ اس کی وضاحت حضرت مولانا یوں فرماتے ہیں۔

"مستورات کا کام بہت نازک ہے اور دھیرے دھیرے ہی چلتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عورتیں شیطان کے پھندے ہیں اس لئے ایسا نہ ہو کہ جوش میں آکر ان حدود کو پھاند جائیں کہ جہاں شیطان کو دھوکا دینے کا موقع مل جائے۔ مردوں کے مشورہ سے ہی مستورات کو جوڑ کر بات کی جائے۔ عورت امیر نہیں بن سکتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جو عورت کو اپنا امیر بنائے۔ امارت تو نبوت کی شاخ میں سے ہے، خلافت، امارت اور نبوت یہ سب ایک ہی لائنیں ہیں۔ اس لئے عورتوں کے لئے امارت، خلافت اور نبوت اللہ کی طرف سے ہے ہی نہیں۔

ایک مرتبہ جنوبی افریقہ کی مستورات نے اس خواہش اور ضرورت کا اظہار کیا کہ حضرت مولانا تفصیل کے ساتھ مستورات میں کام کا طریقہ اور اس کا طرز و اسلوب مفصل

---

[1] ڈنڈیگل (مدراس) میں پرانوں کے اجتماع میں بیان۔

طور پر تحریر فرمائیں تاکہ وہ ان کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔ چنانچہ حضرت مولانا نے ذیل کا مفصل مکتوب ان کو ارسال فرمایا؛ یہ مکتوب مولانا محمد عمر صاحب پالنپوریؒ کے قلم سے ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"مستورات کے کام میں یہ ہونا چاہئے کہ مقامی عورتیں اس دینی کام کے کرنیوالی بن جائیں۔ اسی سے مردوں میں بھی کام پھیل سکتا ہے۔ اس میں ایک اہم بات یہ ہے کہ عورتوں کا کام مردوں کی سرپرستی، نگرانی، اور مشورہ سے چلے۔ عورتیں خود ہی ذمہ دار نہ بنیں۔ کام کا طریقہ یہ کہ ہر گھر میں عورتوں میں تعلیم چالو ہو چاہے عورت کتاب پڑھے یا ان کے گھر کا کوئی مرد پڑھے۔ جس میں گھر کے چھوٹے بڑے سب بیٹھیں، تعلیم صرف فضائل کی کتابوں میں سے ہو اس تعلیم کے ذریعہ پنج وقتہ نماز فرض نفلیں بھی جتنی آہستہ آہستہ ہوسکیں وہ کی جائیں۔ قرآن شریف کی تلاوت، چھ تسبیحات یعنی ذکراللہ ہو، اسی تعلیم کو ذریعہ بناکر ہر عورت ملنے والیوں سے دینی بات کرنے والی بن جائے اور اسی سے جذبہ پیدا ہو کر اپنے گھر کے مردوں کو، شوہر، باپ، بیٹا، بھائی کو ترغیب دے کر جماعتوں میں بھیجنے کی کوشش ہو۔ مقامی کام میں شرکت کی ترغیب دیں۔ مستورات میں ان سب باتوں کو چالو کرنے کی ترغیب کے لئے کبھی کبھار عورتیں جمع ہوں اور ان میں مرد —— ان باتوں کو چالو کرنے پر بیان کرے۔ اور اسی میں مردوں کے مشورہ سے عورتیں بھی اس گفتگو کو آپس میں کریں، چھ نمبروں میں رہ کر بات چیت ہو، فروعات کوئی نہ چھیڑی جائے، حرام چیزیں جن میں عورتیں مبتلا ہیں۔ ان پر طعنہ نہ مارا جائے، ورنہ ان کا آنا جانا بند ہو جائے گا۔ بلکہ مجموعی طور پر ان کا یہ ذہن بنایا جائے کہ اللہ کے حکموں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر پورا کرنے میں ہی دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ یوں وہ دھیرے دھیرے احکامات پر آئیں گی۔ دینی محنت تو شرعی اصولوں کی پابندی کے ساتھ کی جائے۔ اور اس کی آواز لگائی جائے۔ اس میں بعض عورتیں ایکدم پابند نہ ہوسکیں تو ان پر سختی نہ کی جائے۔ بلکہ دھیرے دھیرے نرمی سے اصولوں پر لانے کی کوشش کی جائے۔ جب عورتوں کا ذہن بنے گا تو وہ خود ہی گھر کے محرم کو ساتھ

جانے پر تیار کرے گی۔ اور اگر سیر و تفریح اور دینی کام کو ذریعہ بنا کر گھومنے پھرنے کا ذریعہ بنائے گی تو ایسی عورتیں کوشش کریں گی کہ محرم ساتھ نہ ہو۔ اب یہ کام کرنیوالیاں اندازہ لگا کر آنے والیوں کے ساتھ ان کی حالت کے اعتبار سے معاملہ کریں۔ اس قسم کے معاملات میں سر دست پرانے کام کرنے والے مردوں کا مشورہ مفید ہوگا، وہ ان کلیات کی روشنی میں سوچ کر رائے دیں، جہاں مرد بھی فیصلہ نہ کر سکیں تو وہ مرد عورتوں کی طرف سے نمائندگی کر کے نظام الدین لکھ کر پوچھ لیں، مثلاً ایک عورت میں دینی درد و جذبہ ہے، محرم کا ابھی ذہن نہیں بنا ہے ایسی عورت کو محرم کا ذہن بنانے کا موقع دیا جائے۔ ایک دم سے اسے ڈانٹ دو گی تو ایک قیمتی مایہ ہاتھ سے نکل جائے گی۔ یہ بھی بڑے ڈر کی چیز ہے۔ ایک عورت ایسی ہے کہ تبلیغ کے نام سے سیر و سپاٹے کرنا چاہتی ہے۔ تبلیغ تو ایک گھنٹہ کی لیکن اس کا وقت پانچ گھنٹہ لگا، آتی جاتی گھومتی پھرتی رہی، ایک گھنٹہ تبلیغی مجلس میں شریک ہوئی اور آئندہ اس کی آوارگی کا خطرہ ہے تو ایسی عورت کے بارے میں چپ رہنا دین کے کام میں خطرہ ڈالے گا۔ اس لئے ایسی عورت کو حکمت کے ساتھ محرم کو ساتھ لانے پر زور دیا جائے۔ اور سرپرست مردوں کے ذریعہ اس کے مردوں کو بھی ترغیب دلائی جائے کہ ساتھ لائے اور نہ جائے تو اس کام کی حفاظت ہوگی۔

یہ دو مثالیں دی گئیں ہیں، ہر آنے والی کے ساتھ ایک جیسا معاملہ نہ ہوگا بلکہ اس کی حالت کے اعتبار سے معاملہ ہوگا۔ جس جگہ عورتیں موجود ہوں وہ جگہ بند ہو، تاکہ مرد دیکھ نہ سکیں۔ تقریر نہ کریں بلکہ دینی ذہن بنانے کے لئے بات چیت کا انداز ہو اور کتابی تعلیم کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اختلافی مسائل پر بات چیت نہ ہو مسائل تو مردوں کے ذریعہ مفتی صاحبان ہی سے پوچھیں۔ ہماری ساری گفتگو فضائل پر ہو۔ بے پردگی عام ہے، حکمت سے کام کرو گی تو دھیرے دھیرے پردہ آجائیگا کوئی کام ایک دم نہیں ہوا کرتا۔ پہلے ذہن بنانے کی کوشش کرو اور یہ ذہن تعلیم تلاوت ذکر، نماز دینی گفتگو اور دعا سے بنے گا۔ نماز سیکھنے کا ذہن بن جائے تو ہر محلہ میں کسی

پڑھی لکھی عورت کے پاس سیکھنے والیاں سیکھ سکتی ہیں، صحابیات کے واقعات کے ذریعہ سادگی کا ذہن دھیرے دھیرے بنایا جائے، قبر، حشر، جنت، دوزخ اللہ کی عظمت والی بات چیت ہر ایک کے لئے مفید ہے۔ اس سے خود دین کا فکر پیدا ہوگا، عورتوں کے لئے سب سے بڑا اصول دینی محنت کرنے والے مردوں میں کام کرنا ہے، خود عورتیں اپنے طور پر نہ کریں، عورتوں کا کام بہت نازک ہے، لیکن ضرورت بھی ہے۔ نزاکت کے سبب دینی کام چھوڑا بھی نہیں جاسکتا، اور بہت ضروری جان کر بے اصولی برداشت نہیں کی جائے گی۔ بے اصولی کو روکنے کے لئے ایسا ڈنڈا بھی نہ مارو کہ کام ہی سرے سے ختم ہو جائے اور کام ختم ہونے کے ڈر سے ایسی بیباک نہ ہو کہ اصول ٹوٹ جائیں، بیچ کا راستہ اختیار کرو کہ کام بھی ہوتا رہے اور آہستہ آہستہ اصول بھی آتے رہیں۔ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اس کیلئے دن کو تھکا دینے والی محنت کرو اور رات کو تنہائیوں میں اللہ کے سامنے ہچکیاں مار مار کر اور رو کر دعائیں کرو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ عالم میں دین پھیلے گا پھر مرنے کے بعد میٹھی نیند سونا ہے اور بعد میں جنت میں جاکر ہمیشہ ہمیشہ ایسے مزے کرنے ہیں جن کا کبھی خیال بھی نہ گزرا ہوگا۔ مزہ تو جنت میں ہے۔ زیادہ فکر مند عورتیں جو ہوں ان کا کام اپنے ذمہ لے کر ان کی نیند پوری کرائیں، اور ان کی صحت کا خیال کریں یہ صرف زیادہ فکر مند عورتوں کے لئے ہے۔ کیونکہ عام عورتیں خود ہی اپنی نیند کا خیال رکھتی ہیں۔ ہر کام میں اعتدال کا خیال رہے۔ عورتیں گشت نہ کریں، بلکہ نابالغ بچہ اور بچیاں سمجھا بجھا کر بھیجی جائیں جو گھروں میں جاکر نماز کلمہ کی بات کریں اور کہیں جمع کرنا ہے تو وہ بچے خود ہی کریں یا مسجدوں میں مردوں کو کہا جائے کہ وہ اپنی مستورات کو بھیجیں۔ اگر چھوٹے بچوں کو بھیجا جائے تو بچوں میں بچپن ہی سے دعوت کا جذبہ پیدا ہوگا۔ ان بچوں کی جماعت کے ساتھ ایک بڑا آدمی بھی ہو جو پاس کھڑا رہے، تاکہ بچے اس دعوت کو کھیل نہ بنائیں۔ یہ مدرسہ کے بچوں سے بھی کرایا جاسکتا ہے۔ لیکن عورتیں مردوں کی طرح گشت نہ کریں۔ مستورات میں کام کا طریقہ یہ ہے کہ جو مستورات دینی

محنت میں ساتھ چلیں ان سے تعلیم کرائی جائے ، کتاب پڑھوائی جائے ۔ شوقین عورتیں جو نماز سیکھنا چاہتی ہوں انھیں سپرد کر دیا جائے کہ نماز یاد کرائیں ۔ چھ نمبروں کی بات سمجھانے بجھانے کے درجہ میں ان سے کرائی جائے ۔ بعض دفعہ ان سے سیکھنے والی . . مستورات کو ان کے محرموں کے ساتھ کچھ وقت کے لئے بھیجا جائے تاکہ کام کا بوجھ انکے سروں پر پڑے ۔ پھر یہ انی مستورات دوبارہ آکر ملیں اور کارگزاری سنائیں اس طرح کئی کئی کام کرنے والی عورتیں بنیں گی ۔ جو آخرت کا ذخیرہ ہونے کی امید ہے ۔

فقط والسلام   بندہ انعام الحسن غفرلہٗ

کام کرنیوالوں کیلئے آزمائش ضروری ہے

آزمائش ، ابتلاء اور امتحان یہ وہ چیزیں ہیں جو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے دین کا کام کرنیوالوں پر ضرور آتی ہیں اور ہر شخص اپنی استعداد و صلاحیت کے اعتبار سے آزمائش و امتحان میں آتا ہے یہی قانونِ الٰہیہ ہے اور یہی سنتِ نبویہ ہے ۔ حضرت مولانا دعوت کا کام کرنے والوں کو ان چیزوں سے خبردار بھی رکھتے تھے اور مختلف انداز سے ان کی ہمت بھی باندھتے تھے ۔ چنانچہ ایک موقع پر فرمایا ،

"کام کرنے والوں پر شدائد آتے ہیں ۔ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت گھر والوں کی طرف سے ہوئی ۔ اندرون سے ہوئی ، پہلے مکہ میں ابولہب و ابوجہل نے مخالفت کی ، پھر مدینہ کے یہود مخالفت پر آگئے ۔ خیبر میں یہ سانپ مرے تو دوسرے سانپ منافقین کے کھڑے ہوگئے ۔ ایسا ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا ۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کو اپنوں کی مخالفت کی وجہ سے ہزیمت اٹھانی پڑی ۔ کام کرنے والوں پر یہ صورتیں آتی ہیں ۔ لیکن ان میں جمنے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ ہے توجہ الی اللہ ۔ اگر خدا کی طرف توجہ کرتے رہیں گے تو وہ قدموں کو جما دے گا ۔[1]

• یہ آزمائشیں مختلف شکلوں میں مختلف درجات کے ساتھ آتی ہیں کبھی مال و دولت کے نقشوں میں الجھایا جاتا ہے اور کبھی عہدوں و منصبوں کے ذریعہ جانچا تولا جاتا ہے ۔ چنانچہ ایک مرتبہ کارکنانِ ہند کے اجتماع (منعقدہ ۲۱ مارچ ۱۹۸۲ء) میں فرمایا ۔

"کام کرنے والوں کی آزمائش کبھی مال کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ کبھی عہدوں اور عورتوں کی شکل میں ہوتی ہے۔ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ سب چیزیں پیش کی گئی تھیں۔

آزمائش میں سب سے پہلا درجہ حرص ولالچ کا ہوتا ہے اس سے بچ جاتا ہے۔ تو دوسرا درجہ تکلیفیں پہونچانے کا ہوتا ہے۔ اس سے بھی بچ جاتا ہے تو پھر تیسرا درجہ عہدہ کی طلب کا ہے اور جب اس سے بچ جاتا ہے تو چوتھا درجہ اپنی بات کا منوانا ہے۔

• آزمائش وامتحان کو مقبولیت اور حق تعالیٰ کی ذات عالی تک رسائی کی علامت بتلاتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا:

علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کی طرف سے تنبیہات کا آنا مقبولیت کی دلیل ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ خدائے پاک اس کو منزل تک پہونچانا چاہتا ہے۔ مصائب کی دو نوعیتیں ہیں۔ اگر سلیم الطبع ہے تو وعظ ونصیحت سے ٹھیک چلنے لگتا ہے اور اگر خواہشات میں اس قدر پھنسا ہوا ہو کہ وعظ ونصیحت ناکافی ہو تو پھر مصیبت آتی ہے۔ تاکہ اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس کی نفسانیت کی جڑیں مضبوط ہوں تو مصائب سے ان کا علاج کیا جاتا ہے اور سلیم الفطرت ہو تو وعظ ونصیحت ہی کافی ہو جاتا ہے۔

دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اہل تعلق اور دعوتی احباب جب اپنی پریشانیاں اور مشکلات آپ کی خدمت میں لکھتے اور آزمائش وامتحان کی ان نازک گھڑیوں میں اپنے لیے دعاؤں کی درخواست کرتے تو بڑی ہمدردی وغمخواری کے ساتھ ان کی تسلی وتشفی کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ ایسے نازک موقع اور زندگی کے ایسے خطرناک موڑ پر کرنے کا کام صرف دعا اور توجہ الی اللہ اور طاعات وعبادات میں مشغول ہو جانا ہے۔ حضرت مولانا کے اس انداز کے چند مکتوبات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں پہلے اور دوسرے مکتوب میں مصائب پر صبر اور ایسے مواقع پر توبہ واستغفار کی طرف متوجہ کیا گیا ہے ـــــــ

ـــــــ تیسرا مکتوب جو بڑی تفصیل اور وضاحت اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور جو دعوت وتبلیغ کی بعض اہم اور مقتدر شخصیتوں کو ملتِ اسلامیہ کی تاریخ کے ایک اہم اور

المناک واقعہ پر رجب کہ خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کے کفر نے اس کو اپنے طعن وتشنیع اور تمسخر کا نشانہ بنا رکھا تھا م لکھا گیا تھا۔ پہلے مکتوب کا متن یہ ہے:

"حق تعالیٰ آپ کی بھرپور اعانت فرمائے، مشکلات کو آسان فرمائے، گھبرائیں نہیں، اہل ایمان کے لئے ان کی زندگیوں میں پیش آنے والی ناگواریاں رحمت ہوتی ہیں گو بظاہر ناگوار معلوم ہوں۔ مگر رحمت سے فائدہ اٹھانے کی راہ یہ ہے کہ ایسے حالات میں توبہ واستغفار کی کثرت کرتے ہوئے دعائیں کی جائیں۔ اور مصائب کو دور کرنے کی جائز تدبیریں کرتے ہوئے کہ کوئی گناہ نہ ہوا اور خدائے پاک کا کوئی حکم نہ چھوٹے تو خدائے پاک کی ذات سے امید ہے کہ انشاء اللہ (یہ مصائب) رحمت ہونگے۔

فقط والسلام بندہ محمد انعام الحسن غفرلہٗ"[1]

• ایک اہل تعلق عالم دین کو جنھوں نے خط میں اپنی مشکلات کی تفصیل لکھی تھی ناصحانہ اور مشفقانہ انداز میں اس طرح سمجھاتے ہیں۔

عنایت نامہ باعث اطلاع احوال ہوا۔ جناب کے پریشان کن احوال کو معلوم کرکے قلق ہوا۔ مگر مولانا محترم! حال کے لغوی معنی بدلتے رہنے کے ہیں۔ اس لئے اس کا بدلنا اور رہٹنا ضروری ہے۔ سورہ الم نشرح میں بتلایا گیا ہے کہ ہر عسر کے ساتھ دو یسر ہیں گویا ایک عُسر بھیجا جاتا ہے دو یُسر دینے کے لئے۔ جیسے امتحان ہوتا ہے درجہ بلند کرنے کیلئے اسی لئے فرمایا گیا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ، یعنی پیش آمدہ حالات پر صبر کرجاؤ، اور متوجہ ہونے والے امر الٰہی کی تعمیل میں لگ جاؤ، بس عبدیت اور بندگی یہ ہوئی۔ جنت اور اس کے درجات انھیں دنیوی تکالیف کا انعام ہیں۔ قیامت کے دن:

جب دنیوی بلایا کے ساتھ مبتلا لوگوں کو انعامات ملیں گے تو راحتوں والے رشک کریں گے کہ کاش ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی جاتی تو آج درجات بلند حاصل ہوتے۔[2]

---

[1] عطیہ مکتوب مولانا شمیم صاحب اعظمی

مکتوب نمبر ۳۔

"میرے عزیزو، دوستو اور بزرگو! سنۃ اللہ اور عادۃ اللہ یہ جاری ہے کہ جس زمانہ میں اور جس خطہ میں خدائے پاک کے دین کی محنت جس جماعت نے یا جس فرد نے کی ہے، اس پر خدا کی طرف سے ابتلاءات اور آزمائشیں آتی ہیں اور یہ ابتلاءات خدانخواستہ کام کی حیثیت کے کم ہونے یا کام کرنے والی کی خدا کے یہاں قیمت کم ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتے۔ بلکہ اس راہ کی یہی گھاٹیاں اور منزلیں ہیں اور یہی خدا کی دہش کا راستہ ہے۔ اس سے محنت کرنے والوں کے استقلال اور استقامت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اور نیتوں کی صحت کی بھی جانچ ہوتی رہتی ہے اور جس کے دین میں جتنی پختگی اور صلابت ہوتی ہے، خدائے پاک کی طرف سے اسی کے بقدر یہ باتیں پیش آتی ہیں اور جس قدر ضعف ہوتا ہے اسی کی حیثیت سے ابتلاءات بھی نرم ہوتے ہیں۔ ابتلاءات کا زمانہ کام میں روح اور حقیقت کے پیدا ہونے کا زمانہ ہوتا ہے اور صحیح نہج پر محنت کے کرنے کا زیادہ موقعہ ہوتا ہے۔

اور عادۃ اللہ یہ بھی جاری ہے کہ جب اس وقت کو جس میں ہر چہار طرف سے آزمائشیں ہوتی ہیں، صحیح طریقہ سے گذار دیا جائے تو پھر سہولت اور فراخی کے دروازے کھلتے ہیں، ایسے وقت میں جو اغراض والے ہوتے ہیں وہ ان سہولتوں میں الجھ جاتے ہیں اور اسی میں پھنس کر ختم ہو جاتے ہیں۔ اور جو صحیح نہج والے ہوتے ہیں وہ اس سہولت اور فراخی میں اور زیادہ خائف ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ احتفظ من النعمۃ احتفاظك من المعصیۃ، سامنے ہوگا کہ نعمت سے اپنی حفاظت ایسے کرو جیسے معصیت سے کرنی چاہئے۔ اور نعمت میرے نزدیک زیادہ خوف کی چیز ہے۔ کیونکہ نعمت سے زندگی کے پورے نہج پر اثر پڑتا ہے۔ اسی بنا پر شریعت کا مزاج سادگی کا ہے طبائع جتنی سادگی کی طرف متوجہ ہوں گی، سمجھو کہ شریعت کی طرف مائل ہیں۔ اور جتنی سادگی سے دور ہوں گی تو گویا مزاج شریعت سے اتنی ہی ناآشنا ہیں۔ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پاک ارشاد ہے "ایاك والتنعم فان عباد اللہ لیسوا بمتنعمین،

یں نے تو مرکز میں یہ دیکھا ہے کہ رانچی اور بھاگل پور کے اجتماعات کے لیے بار بار احبابِ بہار، دہلی آکر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے اجتماع کا مطالبہ رکھتے اس کے جواب میں حضرت والا بار بار غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے کام پر استقلال اور جماؤ پر زور دیتے تھے اور ہر مشورہ کے آخر میں حضرت مجھ سے دریافت فرماتے تو میں عرض کرتا کہ جو خیالات حضرت کے ہیں بعینہٖ میرے بھی وہی ہیں۔

اسی طرح ارریہ کے آخری اجتماع کی تاریخیں لینے کے لیے کام کرنے والوں کے بڑے وفود مرکز دہلی آئے اور حضرت مولانا منور حسین صاحب اسی مقصد کو سامنے رکھ کر حضرت جی کے ساتھ ساتھ دہلی سے گودھرا تک گئے اور پورے سفر میں مستقل طور پر درخواست کرتے ہوئے یہ الفاظ دہراتے رہے کہ ایک اجتماع مجھے مانگے کا ہی دے دو'

اسی سلسلے کا ایک عجیب واقعہ جو میرے نزدیک حضرت جیؒ کے ادبی و شعری ذوق کی بھی نشاندہی کرتا ہے اور عرض کروں۔ ضلع سہرسا سے ایک بڑے اجتماع کا مطالبہ تھا لوگ خطوط کے ذریعہ اور جماعتیں بنا بنا کر نظام الدین آکر تقاضے رکھ رہے تھے۔ آخری مرتبہ تقریباً ۸۰ اسّی پرانے ذمہ دار بہار کے نظام الدین آئے ان میں میں بھی شامل تھا۔

مشورہ مسجد میں صبح کے بیان کے بعد شروع ہوا، لوگ اٹھ اٹھ کر تقاضہ رکھتے رہے لیکن مرکز نظام الدین کے بزرگ سمجھاتے رہے اور غور و فکر کی دعوت دیتے رہے مگر اصرار کم نہ ہوا، پھر ظہر کے بعد بھی نیچے مسجد کے کمرے میں مشورہ ہوتا رہا وہاں بھی بات طے نہ ہو پائی، تو پھر عشاء کے بعد مسجد کے اوپر حجبہ میں مشورہ شروع ہوا۔ حضرت جیؒ تمام نشستوں میں بنفسِ نفیس شامل رہے۔ آخر میں خود حضرت جی نے فرمایا کہ بھائی حالات سازگار نہیں ہیں اس لیے چھوٹا موٹا جوڑ کر لو۔ اس پر ہمارے یہاں کے ایک صاحب

کھڑے ہوئے اور انھوں نے ایک بلیغ اور مختصر تقریر فرمائی اور آخر میں اقبال کے مشہور شعر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ حضرت جی دین کے کام میں عشق کے کام میں عشق کی اس محنت میں مصلحت کا دخل کیا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

میں ــــــ کیا بتاؤں کہ اس روز مسجد کے اوپر ان صاحب کی تقریر اور اس شعر کی قراءت کے بعد کیا ہوا، اِدھر ان صاحب نے اقبال کا یہ شعر ختم کیا اُدھر حضرت جی نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔

کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

یہ فرما کر اٹھ کر تشریف لے گئے۔ حضرت جی کا یہ مصرعہ پڑھنا تھا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں زور سے اچھل پڑوں گا۔ اور رقص کرنے لگوں گا لیکن آداب مسجد اور موقع کی نزاکت نے مجھے گویا دبوچ لیا اور بڑی مشکلوں سے میں بیٹھا رہ سکا۔ میں دیوانِ غالب کا تقریباً نیم حافظ ہوں اور بچپن سے غالب پسند اور غالب کے شعر بے ساختہ پڑھنے والا ہوں لیکن میرے خواب و خیال میں بھی اقبال کے اس شعر کے جواب میں غالب کا یہ شعر نہیں آسکتا تھا، اور میں نے سوچا کہ بے شک مومن زندگی کے کسی محاذ پر بھی پیچھے نہیں ہے آگے ہی ہے۔ اس کے بعد مشورہ میں چھوٹا اجتماع طے کر لیا گیا۔[1]

اجتماعات کے سلسلہ میں مختلف مجالس میں حضرت مولانا نے جو ارشادات فرمائے انکا ایک نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ ایک موقعہ پر ــــ فرمایا۔

"اجتماع میں ہمارا نقصان ہے، ہمارا کام تو یہ ہے کہ ہر آدمی دعوت پر محنت کرے، اجتماع طے ہونے پر اجتماع والوں کا کام تو یہ رہ گیا کہ جماعتیں بھیجی جائیں،

---

[1] اقتباس مکتوب پروفیسر صاحب بنام راقم سطور۔

اور جماعتوں کا کام اجتماع سے نکلنا رہ گیا اس سے قوتِ دعوت نکل جاتی ہے، اور اجتماع کے بغیر کوشش کرنے سے ہر ایک میں دعوت کی قوت آجاتی ہے اور کام میں عمومیت آتی ہے۔"

ایک علاقہ کے ذمہ دار اجتماع کی تاریخ لینے آئے تو اُن سے فرمایا:

"اجتماع کے لئے اتنی وجہ کافی ہے کہ آپ لوگوں نے مل کر اس کو کرنا چاہا، یہ بھی کافی وجہ ہے۔ لیکن ہم پھر بھی اجتماعات کا انکار کرتے ہیں۔ کام کی مصلحت دیکھو، جذبات پر مصلحت غالب رہنی چاہئے۔ کام کی سطح ایسی ہو کہ خطرات کا دفیعہ ہو جائے کرتے تو اللہ ہیں لیکن بندوں کی محنت دیکھ کر کرتے ہیں۔ صبر کے معنیٰ ہیں زیادہ راحت کے لئے تھوڑی تکلیف برداشت کرنا، انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب، جماعت میں اسی کا عادی بننا ہے۔ کام کو سامنے رکھ کر محنت کرو، اجتماع پر نظر نہ رکھو کام پر نظر رکھنے میں افادیت ـــــ زیادہ ہے اور اس سے نقد نکلنے کی عادت ہوگی۔

اس کے بعد مزید بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا:

"ہم نے سنا ہے کہ قرآن مجید میں امم ماضیہ کے واقعات اس لئے بیان کئے گئے ہیں کہ ان سے عبرت حاصل کر کے قدم سنبھال کر اٹھایا جاوے، اسی طرح جو پچھلے واقعات ہو چکے ہیں ان سے عبرت حاصل کر کے بجائے اجتماع سے نکالنے کے جماعت سے جماعت بنا کر نکالو۔ اگر اجتماع کے ذریعہ سمجھاؤ گے تو اس میں بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ سنتے نہیں ہیں۔ اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ـــــ وہ سنتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں ہیں۔ اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ سمجھتے ہیں لیکن کرتے نہیں ہیں۔ لیکن اگر جماعت کسی گاؤں میں ۲۴ گھنٹے کا وقت صبح گذار کر لوگوں سے کہے کہ اس طرح کیا کرو تو اس سے اجتماع کی بہ نسبت کام زیادہ سمجھ میں آئے گا اور پوری فضا بنے گی۔"

اسی مجلس میں ان آنے والے احباب نے جب کچھ مشکلات کا تذکرہ کر کے یہ کہا کہ اجتماع کے عنوان پر کچھ محنت ہو جاتی ہے، اس لئے اجتماع ہونا چاہئے۔ تو اسپر

فرمایا کہ!

"اجتماع کرنے کی اگر وجہ یہ ہے کہ اس تقریب سے محنت ہو جاتی ہے تو اب یہ بتاؤ کہ پھر یہ محنت آخرت کی تقریب پر کیوں نہیں ہوتی جو متواتر بارہ ماہ تک کی سکتی ہے۔ اور جہاں تک مشکلات کا سوال ہے تو میرے بھائیو! دعوت کے کام سے مشکلات نہیں آتیں بلکہ مشکلات تو اپنی نفسانیت سے آتی ہیں۔

حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھپرولی) لکھتے ہیں:

"میں نے کھیکڑہ کے اجتماع کے موقعہ پر حضرت جیؒ کی خدمت میں ایک خط دعا کے لئے تحریر کیا تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ!

"ہمارے یہاں اجتماعات اصل نہیں ہیں بلکہ جماعتوں سے جماعتیں نکالنا اصل ہے۔ اجتماعات میں شر کا پہلو غالب ہے۔ اور ان کو بڑی خوشامدوں اور منت سماجت سے (یعنی خوب دعائیں کر کے) خیر منوایا جاتا ہے۔"

ایک مرتبہ کسی علاقہ کے ذمہ دار احباب اجتماع کی تاریخ لینے آئے۔ اس جماعت نے بہت بے تکلفی کے ساتھ کھلے ماحول میں حضرت مولانا سے گفتگو کی، اور دلچسپ سوالات کئے۔ حضرت مولانا بھی بڑی بشاشت اور خوش دلی کے ساتھ ان کے جوابات دیتے رہے۔ یہاں سوالات وجوابات دونوں نقل کئے جاتے ہیں۔

جماعت: ہم اپنے علاقہ میں اجتماع کرنا چاہتے ہیں اس کی تاریخ لینے آئے ہیں

حضرت جی: بھائی اجتماع کے بغیر جماعتیں نکالو۔

جماعت: اجی جماعتیں تو نکالیں گے، اجتماع تو صرف کام کرنے کا بہانہ ہے۔

حضرت جی: بہانہ کی کیا ضرورت ہے، بہانہ بازی کی وہاں ضرورت پڑتی ہے، جہاں حقیقت نہ ہو۔ محنت کو اجتماع کے نام سے کرنے کے بجائے خدا کے نام سے کرو۔

جماعت: ہم جماعتیں بنا کر اجتماع سے نکلیں گے۔

حضرت جی: خوب نکلو اللہ پاک مبارک فرمائے۔ بس ہم یوں کہتے ہیں کہ اجتماع کے نام سے کیوں کراؤ، خدا کے نام سے کرو۔ دوزخ، حشر نشر وغیرہ کو سامنے رکھ کر

محنت کرنا ہے۔ یہ ہے کندھے کی لاٹھی۔

جماعت: ہم نے ہر علاقہ والوں سے نکلنے کی گفتگو کی ہے۔

حضرت جی: بجائے اجتماع میں سے نکالنے کے سال بھر تک نکالنے کا رخ ڈالو، اجتماع میں نام وشور زیادہ ہوتا ہے، مغز تھوڑا ہوتا ہے۔ اور شریعت کا دستور ہے کہ نام ونمود نہ ہو اور مغز زیادہ ہو، اس کے اندر صلاحیت اور کام دونوں زیادہ ہوں گے۔ اب تم جماعت نکالنے کی اس طرح محنت کرو کہ جماعت ہمیشہ نکالتے رہو۔ یہ خیال غلط ہے کہ اجتماع تک نکالیں گے۔ بلکہ یہ طے کرو کہ موت تک جماعتیں نکالیں گے۔ چنانچہ گجرات والوں نے طے کیا ہے کہ چھ ہزار نفر نکالیں گے اور ہر ماہ دو جماعت بیرون کے لئے نکالیں گے۔

جماعت: تاریخ اجتماع طے کر دیجئے، اس کے بعد سے کریں گے۔

حضرت جی: یہی تو کمزوری ہے کہ اجتماع کے بعد سے کریں گے بلکہ یہ طے کرو کہ ابھی سے کریں گے۔ یہ صحیح ہے کہ جو بھی اجتماع کی تاریخ لینے آتا ہے وہ اس غرض سے آتا ہے کہ اجتماع کے ذریعہ کام میں قوت ہوگی۔ حالانکہ تجربہ یہ ہے کہ اجتماع سے نقصان زیادہ ہوتا ہے اور کام کم ہوتا ہے۔ اجتماع میں اب خطرات زیادہ بڑھ گئے ہیں اسلئے کام کو جماعت کے ذریعہ بڑھایا جائے۔ اور ہمارے یہاں کے آدمیوں پر نظر نہ کرو۔ اس لئے کہ دس آدمی جو کام کرتے ہیں، وہ سب یہاں کے ایک آدمی پر پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے اپنے مقام کے علماء سے اور پرانوں سے کام لو۔

اس گفتگو کے بعد آنے والے حضرات مطمئن ہو کر وعدہ کر کے گئے کہ بغیر اجتماع کے جماعتیں نکالیں گے۔

حضرت مولانا اجتماعات کو اس دعوتی کام کی ظاہری شکل وصورت سمجھتے ہوئے اس پر زور دیتے تھے کہ اس کام کی حقیقت اور گہرائی تک پہونچا جائے کہ یہی اصل چیز ہے اور کام کی حقیقت اور گہرائی تک پہونچنے کا ذریعہ حضرت مولانا کی نگاہ میں بڑے بڑے اجتماعات نہیں تھے۔ بلکہ تعلیم، گشت اور اجتماعی وانفرادی اعمال تھے۔ چنانچہ

کارکنان ہند کے ایک جوڑ میں فرمایا۔

"ہر چیز کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت۔ حقیقت آتی ہے محنت کرنے سے، جان و مال کی قربانی دینے سے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بازار سے پلاسٹک کی موٹریں خرید کر لاتے ہیں۔ یہ صرف ایک صورت ہے لیکن موٹر کی حقیقت تک پہونچنے کے لئے اس کو لاکھوں روپے دے کر خرید کر لاتے ہیں اور پھر اس سے نفع اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دین کی محنت بھی ایسی ہی ہے۔ یہ اللہ جل شانہ نے ایک ظاہری صورت ہمیں مرحمت فرمائی ہے اس میں تعلیم اور گشت کے ذریعہ انفرادی و اجتماعی اعمال کے ذریعہ جتنی محنت کرلی جائے گی، اتنی ہی اللہ پاک حقیقت پیدا فرمادیں گے اور جتنی حقیقت آجائے گی اتنے ہی فائدے دنیا میں اس کے محسوس ہونے لگیں گے۔ لہٰذا خالی صورت پر قناعت کرلینا، یہ مناسب نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت لانے کے لئے محنت کرنا ضروری ہے۔ اور دین کی حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اندر خدا کا دھیان پیدا ہوجائے۔[1]

اسی طرح کارکنان بہار سے ان کی آمد کے موقع پر اس طرح خطاب فرمایا۔

"کام کا آج استقبال ہے لیکن ساتھ میں فتنے کے بھی خطرات ہیں۔ کام جتنا نام و نمود سے محفوظ رہے گا اتنا ہی اچھا ہے۔ اجتماع میں رسمیت اور ہنگامہ ہوتا ہے، نتائج کے ظاہر ہونے کا انکار نہیں ہے۔ پہلے منفعت والا پہلو غالب تھا۔ اب مضرت والے پہلو کے غالب ہونے کا شبہہ ہے۔ لہٰذا اجتماعات سے بچتے ہوئے کام ہو تو اچھا ہے

استعینوا علی حوائجکم بالکتمان۔ آج بلا ارادہ اجتماعات کی کثرت بڑھ گئی ہے۔ تجزیہ کیا جائے تو اس میں مضرت زیادہ ہے۔ اللہ ہماری حفاظت کرے۔ جی چاہتا ہے کہ کام ہو اجتماع نہ ہو۔ یہ راستہ اسلم و محفوظ ہے۔

جماعتیں پھرنے سے تو ماحول بنتا ہے لیکن اجتماعات سے ہنگامیت آتی ہے۔ اور اجتماعات کی وجہ سے جماعتوں کی کارکردگی میں ضعف آتا ہے۔[2]

---

[1] اقتباس تقریر بموقعہ جوڑ کارکنانِ ہند در مرکز دہلی ماہ دسمبر ۱۹۹۱ء، بشکریہ جناب اسماعیل صاحب مظفر نگر۔

[2] ارشاد بموقع آمد کارکنان بہار مورخہ ۳۰ر جمادی الاولی ۱۳۸۸ھ، مطابق ۲۵ر اگست ۱۹۶۸ء۔

حضرت مولانا کی یہ بھی خواہش اور کوشش رہتی تھی کہ علاقوں کے ذمہ دار ساتھی مرکز دہلی سے مبلغین کو طلب نہ کرکے چھوٹے چھوٹے اجتماعات خود ہی کر لیا کریں تاکہ کام کی عمومی فکر اور استعداد پیدا ہو اور کام کو لے کر چلنے والوں میں صلاحیت اور تجربہ بڑھے۔ چنانچہ ایک علاقہ کے کارکنوں کو ایسی طلب کے جواب میں تحریر فرمایا:

"جناب نے جس اجتماع کی اطلاع دی ہے ہم سب دعا کرتے ہیں کہ آپ کے اس اجتماع میں کامیابی اور ہدایت کے فیصلے اللہ تعالیٰ ڈالدیں۔ یہاں سے آدمی بھیجنا تو دشوار معلوم ہوتا ہے۔ ایسے چھوٹے چھوٹے اجتماعات تو علاقہ کے کام کرنیوالے احباب جمع ہوکر خود ہی سنبھال لیا کریں۔ ایک طرف ذکر و دعا کی مقدار کو بڑھا دیا کریں، دوسری طرف اجتماعی فکر کو زیادہ کر دیا کریں۔ اللہ جل شانہ آپ کی مساعی جمیلہ کو بارآور، ہدایت آور فرمائے۔"[1]

اپنی اس کوشش و خواہش کو ایک دوسرے مکتوب میں مزید تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

"جناب کا عنایت نامہ باعث مسرت ہوا۔ کارگزاریوں سے خوشی ہوئی اور دعا نکلی، یہ کام چونکہ اپنے نفس کی اصلاح کا ہے اس لئے اپنی اپنی محنت سے ہوتا، بڑھتا اور پھیلتا ہے۔ اجتماع کی محنت کو اپنے ذمہ سمجھو اور اصول سے ناواقفیت کے باوجود محنت کرنے سے کام کھلنے کا یقین کرو۔ جس مقام پر بھی اجتماع ہو تو وہ مقامی حضرات کے ذمہ ہوتا ہے۔ باہر والوں کے انتظار سے کام میں کمزوری آتی ہے، جیسا اور جتنا سیکھ لیا ہے اسی کے مطابق محنت کرو، البتہ ہم خود بھی آپ کے پاس جتنا ممکن ہوسکے گا جماعتیں بھیجتے رہیں گے۔ فضل کریم صاحب کو جلد روانہ کیا جارہا ہے۔ ان کے علاوہ بھی جماعتوں کے بھیجنے کی کوشش ہے۔

جس پر اپنے آدمی سے جو بھی اچھی بات یا اچھا عمل حاصل ہو اس کو اپنے میں

---

[1] مکتوب محررہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

پیدا کرتے ہوئے دوسروں کو اس پر کھینچو، یہاں تک کہ اعمال صالحہ کا نور دل کو روشن کر دے اور عصبیت کی نفرت عام ہو جائے اور ہر مسلمان دین کا داعی بن جائے۔ ہر فرد مسلم کو حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت پر لانا ہے۔

جن علاقوں اور شہروں میں اجتماعات طے ہو جاتے، حضرت مولانا کو ان کے متعلق بہت فکر ہو جاتی تھی۔ اور اس میں کسی بھی قسم کی بے اصولی، بے عنوانی اور فسادیت کو کام کے لئے بڑا نقصان دہ مہلک سمجھتے تھے، کام کرنے والوں خاص طور پر اجتماع کے ذمہ دار ساتھیوں کو برابر نیت کو صاف ستھری رکھنے پر روک ٹوک فرماتے رہتے تھے۔

اس سلسلہ کا ایک واقعہ حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھپرولی) اس طرح لکھتے ہیں:

" ایک علاقہ کے ماہانہ جوڑ سے فارغ ہو کر یہ احقر، مرکز نظام الدین پہونچا اور حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ فرمانے لگے کہ بھائی تم لوگ یہ جوڑ کیوں کرتے ہو؟ میں نے ایک جماعت کا نام لے کر عرض کیا کہ حضرت ہمارے علاقہ میں اسکا زور بڑھتا جا رہا ہے۔ ساتھیوں کا مشورہ یہ ہوا کہ کثرت سے جوڑ کرو تا کہ ہمارا غلبہ ہو جائے۔ بس میری زبان سے غلبہ کا لفظ سننا تھا کہ حضرت جی جو لیٹے ہوئے تھے ایک دم بیٹھ گئے اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا، یہ تم نے کیا کہا کہ " ہمارا غلبہ ہو جائے " دیکھو بھائی غلبہ کی بات تو کبھی مت سوچنا، ہمیں تو صرف اللہ کے لئے اور اسکے دین کے لئے کرنا ہے۔ یہ فرما کر حضرت جی بڑے فکر مند ہوئے اور مجھے بھی فکر ہو گیا۔"

تبلیغی اجتماعات میں، دعوتی وانتظامی اعتبار سے کیا ہونا چاہئے اور کیا نہ ہونا چاہئے اور حضرت مولانا ان اجتماعات کو سادگی کی کس قدر بلند سطح پر دیکھنا چاہتے تھے اس سے واقفیت کیلئے ذیل میں حضرت مولانا کا ایک اہم اور قیمتی مکتوب پیش کیا جاتا ہے اس میں آپ نے ایک علاقے کے ذمہ داران اجتماع کو اجتماع کی کامیابی کے متعلق ہدایات اور ضروری انتظامی امور تحریر فرمائے ہیں۔ یہ مکتوب آج بھی منتظمین اجتماع کے لئے راہنما اور راہبر ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا کے سادگی سے بھرپور دعوتی مزاج کی عکاسی

کرتا ہے۔

"مکرم و محترم بندہ محمد الیاس صاحب۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'
عنایت نامہ ملا۔ کارگزاری سے مسرت ہوئی۔ حالات کی ناسازگاری کے باوجود نکل پڑنے کی خبر سے مزید خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول اور بار آور فرمائے۔ اور آپکے حالات کی درستی اور عافیت اور خوشحالی کا ذریعہ فرمائے۔ اس عمل کی بھاری طاقتوں اور بے حساب قوتوں اور عجیب عجیب نصرتوں کا ظہور اس شکل میں ہوتا ہے کہ کرنیوالا ہر حال میں لگا رہے اور جلنا کرنا طے کرے، دنیا کی کوئی طاقت اور کوئی حالت اسے چھڑا نہ سکے۔

جو اجتماع ہونے جا رہا ہے اس کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ جتنی جماعتیں اجتماع کی محنت کو نکلیں چلہ والی یا تین چلہ والی یا کم زیادہ وہ اجتماع کی دعوت دینے یا اجتماع میں سے چلہ کی دعوت دینے کو کام نہ بنالیں بلکہ نقد نکال ڈالنے پر ——— زور دیں' (دور اور دیر کے لئے) لیکن جو شخص کسی بھی تشکیل پر آمادہ نہ ہو سکے اس کو اجتماع میں سے چلہ دینے پر آمادہ کر لیا جائے۔ جھنڈیاں، رنگین روشنیاں، بیٹی بلّے، ایک سی ٹوپیاں کوئی وردی، یونیفارم اجتماع کے خادموں کا نہ ہو، اسی طرح دروازے، اشتہار، پوسٹر، وغیرہ بھی نہ ہوں، فیصلہ کر لیں کہ اصل تو بے خرچ کا اجتماع کرنا ہے، گھاس یا زمین کا فرش ہو، آسمان کا سایہ اور ایک لالٹین نام لکھنے کو ہو، تالابوں میں وضو کا پانی اور خدا کی زمین پر نماز کی ادائیگی۔ اپنے گھر کا کھانا یا ہوٹل کا، (اجتماع کیلئے بس اتنی چیزیں ضروری ہیں) ——————— رہا لاؤڈ اسپیکر تو ۳،۴ ہزار آدمیوں تک تو اس کی حاجت نہیں، زیادہ ہوں تو جمعہ عیدین کی نماز کے مکبروں کی طرح درمیان میں آدمی کھڑا کر کے یا اجتماع کے چار ٹکڑے چار شخصوں کے حوالہ کر کے بھی کام ہو سکتا ہے، چندہ نہ اپنوں سے ہو نہ غیروں سے، جو خود لا کر دینا چاہے اسے بھی ٹالو اور تین چلہ اور چلہ کا فیصلہ کر کے دینے کا اصرار باقی رہے تو اس کے شوق و ارادے سے کچھ کم کر کے لے لو۔ یہ لینا بھی کام میں لگے رہنے والے

سے مناسب ہوگا۔ اجنبی سے نہیں پھر جتنا روپیہ ہاتھ میں ہو اتنا خرچ کریں اس سے زیادہ نہیں۔ بزرگوں سے دعا کی درخواست کریں مقامی کام زور سے ہر جگہ چالو کریں۔ اور ہر تعلیم اور مجلس کے بعد اجتماع کی کامیابی اور برکت کی دعا کرنا شروع کردیں۔ علاقہ کی مستورات میں اجتماع کرکے ان کو مردوں کی تشکیل کرنے کی ترغیب دیں اور عورتیں بھی روزانہ ہر عبادت کے بعد اجتماع کی کامیابی کی دعا کیا کریں۔ اجتماع ـــ کی تاریخ تک ـــ پیدل جماعتیں اجتماع کے مقام کی طرف چالو کریں۔ علاقہ کے خواص کو ان کے اثرات والے گاؤں میں بھیج کر ایک پرانا ان کے ساتھ میں کرکے دعوت دلوائی جائے۔ علاقہ کے کارکن ہر ماہ جمع ہو کر محنت کی صحت و کامیابی کا جائزہ لیا کریں۔ ان سب تدابیر کو ذریعہ اور بہانہ جان کر دعاؤں کی مقدار کو بڑھائیں۔

بندہ انعام الحسن عفرلہ ۹ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

مثبت پہلو پر زور اور منفی رجحان سے اجتناب۔

حضرت مولانا کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ ہر اس پہلو اور رجحان سے احتراز فرماتے تھے جو منفی اور سلبی رخ اپنے اندر لیے ہوئے ہو، یہاں تک کہ گفتگو اور تقریر میں بھی اس طرح کی کوئی بات نہ آنے دیتے تھے فرماتے تھے کہ منفی رخ کے مقابلہ میں مثبت اور ایجابی طرز اپنے زیادہ اثر و تاثیر رکھتا ہے اور مخاطب اس طریقہ کار سے حق کو جلد قبول کرلیتا ہے نیز ایجاب و اثبات میں خطرات و خدشات بھی اس درجہ کے نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے دعوت و تبلیغ کی مخالفت میں شائع ہونے والی کسی بھی تحریر کا کبھی نہ خود جواب دیا اور نہ کسی کو جواب دینے کی اجازت دی۔ ایسے مواقع پر یہ ارشاد فرماتے تھے کہ بس اخلاص و استخلاص کے ساتھ کام کرتے رہو اور اللہ جل شانہ سے مانگتے رہو تمہارا کام کرنا ہی تمام اشکالات کو ختم کردے گا۔ آخری سالوں میں ایک مخصوص حلقہ کی جانب سے جب کچھ کتابیں عربی زبان میں شائع ہو کر بکثرت پھیلائی گئیں تو ایک ذی مرتبت عالم دین نے ان کا جواب لکھنے کی اجازت چاہی تو اس پر فرمایا کہ:

"آپ جواب دوگے تو وہ جواب دیں گے، پھر آپ جواب دیں گے تو وہ دوبارہ جواب دیں گے یہ سلسلہ سی طرح چلتا رہے گا اور کام نہیں ہوگا اس خاموشی اور یکسوئی بہتر ہے۔"

ایک مرتبہ مجلس میں اسی نوع کی کتابوں اور خطوط ومراسلات کا تذکرہ تھا تو کام کرنے والے احباب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ :

"جوابات دینے سے تو منفی رجحان سامنے آئے گا۔ اچھا یہ ہے کہ جو اعتراضات والزامات لگائے گئے ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو ان کو دور کرلیا جائے اور اگر غلط ہیں تو صبر کرلیا جائے۔"

ایک موقع پر حضرت مولانا تک یہ بات پہونچائی گئی کہ دعوت وتبلیغ میں اس کا مثبت پہلو یعنی "امر بالمعروف" تو بہت ہے لیکن اس کا دوسرا رخ یعنی "نہی عن المنکر" نہیں ہے تو اس پر فرمایا کہ :

" ہم لوگ نہی عن المنکر ایک دم نہیں کرتے بلکہ آدمی کو پہلے اپنے سے قریب اور مانوس کرتے ہیں اور جب ہمارے ساتھ اس کو تعلق ہوجاتا ہے تو پھر اس کو برائی سے روکنے کی ترغیب دیتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ فوری طور پر وہ متاثر ہوکر اس کو قبول کرلیتا ہے۔"

سکندرآباد (حیدرآباد) میں جب یہی سوال آپ کے سامنے اٹھایا گیا تو اس کا جواب ایک بالکل ہی الگ انداز میں ارشاد فرمایا۔ مولانا شبیر احمد (جگناؤں) لکھتے ہیں:

"سکندرآباد گراونڈ میں تقریباً ایک صد علماء کی نشست میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی مختصر بات ہوئی، سناٹا چھایا ہوا تھا میں نے سکوت توڑتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت کچھ احباب کا کہنا ہے کہ ہماری جماعت میں صرف امر بالمعروف ہے نہی عن المنکر نہیں ہے جب کہ نص قرآنی میں یہ دونوں ایک ہی جگہ ہیں۔ اس پر فرمایا کہ مقصود کیا ہے ؟ اظہار منکر ؟ یا ازالۂ منکر ؟ میں نے عرض کیا کہ مقصود تو ازالۂ منکر ہی ہے تو فرمایا کہ

اب تم دیکھو کہ وہ حضرات جو جماعت میں ہیں پہلے کی بہ نسبت ان میں۔
منکرات کا اضافہ ہوا ہے یا ازالہ؟ اس نشست میں موجود علماء کرام نے
اس گفتگو سے اچھا اثر لیا جس کا بعد میں انھوں نے مجھ سے ذکر بھی کیا۔"

حضرت مولانا کبھی کبھی اس اثباتی پہلو کو "اچھائیاں لانے کی کوشش" جیسے خوبصورت و موزوں عنوان سے بھی تعبیر فرمایا کرتے تھے ـــــــ چنانچہ ـــــــ ایک مرتبہ بائیس صفحے کا طویل خط کسی کام کرنے والے ساتھی کا آیا اور اس میں ان خرابیوں کا ذکر تھا جو مقامی کام کرنے والے ساتھیوں میں تھیں۔ خط لکھنے والے ساتھی نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ سب خرابیاں دور ہو جائیں۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طویل خط کو بڑے غور کے ساتھ ملاحظہ فرما کر اس کا مختصر سا جواب یہ لکھوایا کہ ہم اس کام کے ذریعہ سے امت میں اچھائیاں لانے کی کوشش کر رہے ہیں، خرابیاں دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کر رہے اس لیے کہ روشنی لانے کیلئے تو محنت کی ضرورت ہے لیکن اندھیرا بھگانے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں، جیسے جیسے روشنی آئے گی اندھیرا خود ختم ہو جائے گا اسی لیے قرآن پاک میں اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا کا نظریہ اور ذہن و فکر کی سوچ یہ تھی کہ دین و مذہب کے معاملہ میں دفاعی محاذ اور اقدامی محاذ میں ترجیح اور اولیت اقدامی محاذ کو حاصل ہے اس لیے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اور آپ کی برکت سے آپ کی امت کا اصل محاذ اقدامی ہے۔ فرماتے تھے کہ یہ دعوت والا عمل بھی اقدامی محاذ ہے اور اس میں ضمناً دفاع بھی آجاتا ہے۔ اسی لیے وہ علمائے کرام جو دین کے دفاعی محاذ پر جمے ہوئے ہیں، ان کی قدر و منزلت او خدمات جلیلہ کے اعتراف کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا کی خواہش یہ رہتی تھی کہ یہ حضرات اپنی دفاعی محنت و جد جہد میں اقدامی محنت و جد وجہد کو بھی جوڑ لیں تا کہ نتائج میں حیرت انگیز حد تک اضافہ ہو جائے۔

چنانچہ ایک موقع پر جب ہندوستان کی ایک مشہور علمی و فکری شخصیت نے تفصیلی خط لکھ کر حضرت مولانا سے مشورہ چاہا کہ وہ ان دونوں محاذوں میں سے کس محاذ کو اپنے لیے منتخب

کریں۔ تو حضرت مولانا نے ان کو یہی مشورہ دیا کہ وہ اقدامی محاذ (یعنی دعوتی عمل) کو اپنے لیے متعین کرلیں اور دفاعی محاذ کو اس کے ساتھ جوڑلیں۔ یہ مکتوب اور حضرت مولانا کا جواب یہاں پیش کیا جاتا ہے:

"مکرمی محترمی ـــــــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ نظام الدین سے واپسی کے بعد بار بار سوچتا رہا کہ آپ کو خط لکھوں مگر مضمون بن نہ سکا۔ آپ حضرات نے جس اخلاص اور محبت کا سلوک کیا اس کا اب تک دل پر نقش ہے۔ اللہ تعالے آپ حضرات کی مساعی کو زیادہ سے زیادہ بار آور فرمائے۔

میرے سامنے عرصہ سے ایک سوال ہے یہ سوال نظام الدین جانے سے پہلے بھی تھا اور نظام الدین جانے کے بعد وہ تیز تر ہوگیا ہے وہ یہ کہ میں اپنی زندگی کو خدمت دین کے کس شعبہ میں صرف کروں، ایک تو وہ کام ہے جس کو میں دعوتی و تبلیغی کام کہتا ہوں جس کو آپ حضرات خدا کے فضل سے بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔ میرے اندر طبعی طور پر اسی کام کی طرف لپک ہے اس میں مجھے بڑا روحانی سکون ملتا ہے اور جب بھی اس کا موقع آتا ہے دل بے اختیار اس کی طرف کھینچنے لگتا ہے مگر ذہنی فیصلہ کے تحت میں نے اپنے لیے یہ طے کیا تھا کہ میں اپنے آپ کو دین کے دفاعی محاذ پر صرف کروں۔ دفاعی محاذ سے میری مراد وہ محاذ ہے جو مغربی افکار کے تصادم سے اسلام کے لیے فکری طور پر پیدا ہوا ہے۔ یہ محاذ چونکہ میرے اپنے احساس کے مطابق اس وقت تقریباً خالی ہے۔ اس لیے بالقصد میں نے اپنے آپ کو اس پر لگانے کی کوشش کی ہے، اسی سلسلہ میں تیاری کے لیے میں لکھنؤ اور علیگڈھ میں مقیم رہا۔ اور تمنا ہے کہ اسی سلسلے میں آئندہ لندن کا ایک سفر کروں کیوں کہ وہاں میرے موضوع کے لیے دنیا کی بہترین لائبریری ہے

آپ سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں اپنے قیمتی نصائح سے مجھے مستفید فرمائیں۔ آپ کے نزدیک میری آخرت کے لیے جو مفید ترین اور صحیح ترین کام ہو کسی تحفظ ذہنی کے بغیر آپ بے تکلف اس کے متعلق تحریر فرمائیں، انشاء اللہ میں کھلے دل سے اسی پر غور کروں گا۔ احباب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے"۔[1]

مکتوب بالا کا جواب حضرت مولانا نے اپنے قلم سے اس طرح تحریر فرمایا:

" اللّٰھم الھمنا مراشد امورنا واعزنا من شرور نفوسنا

محب مکرم احبك اللہ الذی احببتنی لہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ نے مشرف فرمایا، یاد آوری اور توجہ فرمائی کا شکر گذار ہوں۔ آپ نے اپنے لیے جو دینی دفاعی محاذ اختیار فرمایا ہے اللہ جل شانہٗ اس میں برکت فرمائے اور منتج اور بار آور فرمائے ______ دفاعی محاذ بڑا کٹھن اور لمبا راستہ ہے اور پر خطر ہے دفاع میں بسا اوقات اقدامی محاذ کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ ہمارے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل اور آپ کی برکت سے امت کا محاذ دعوت ہے۔ اور دعوت بہت صاف مختصر اور سہل اقدامی محاذ ہے، اقدام میں دفاع بھی ضمناً آجاتا ہے لیکن جب کہ جناب نے دفاعی محاذ کو شروع فرما دیا ہے تو لاتبطلوا اعمالکم کے قانون کے تحت اس کو چھوڑنا نہیں ہے البتہ اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑتے ہوئے دعوتی اقدامی محاذ کو اس کے ساتھ ایسے جوڑنا ہے کہ دونوں محاذ جاری رہیں اور ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوں اور انشاء اللہ

---

[1] اس مکتوب پر تاریخ لکھی ہوئی نہیں ہے لیکن ڈاک خانہ کی جانب سے ۲۷/۸/۱۹۶۶ کی مہر اس پر لگی ہوئی ہے۔

یہ صورت آپ کے لیے بہت مفید اور روح کی تسکین کا باعث ہوگی اور
آپ اس بارے میں استخارہ بھی ضرور اہتمام سے فرماتے رہیں۔ والسلام
محمد انعام الحسن عفرلہٗ ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ
۳۱ راگست ۱۹۶۶ء[1]

حضرت مولانا کو جس طرح معاملات و مسائل کا منفی پہلو پسند نہیں تھا اسی طرح غیر متعلقہ معاملات و مسائل میں کنج وکاؤ اور بحث و مباحثہ بھی ناپسند تھا آپ ہمیشہ اپنا زور اس پر صرف کرتے تھے کہ اپنے ذمہ جو کام ہیں ان میں لگے رہنا چاہیئے تاکہ غلط کاموں سے حفاظت رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ کرنے کے کاموں میں اگر لگے رہو گے تو نہ کرنے والے کاموں سے بچے رہو گے ورنہ شیطان جو دشمن انسان ہے وہ تم کو نہ کرنے والے کاموں میں الجھائے گا۔

مولانا احترام الحسن صاحب کاندھلوی اس سلسلہ کا اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

"ایک بار ڈاکٹر غلام کریم صاحب کی اور میری ظہور امام مہدی علیہ السلام کے سلسلے میں بحث چل پڑی۔ ڈاکٹر صاحب کا موقف دلائل کی روشنی میں یہ تھا کہ ظہور امام مہدی بس ہوا چاہتا ہے۔ اور میں یہ عرض کر رہا تھا کہ احادیث میں ظہور مہدی سے پہلے جو علامات بتائی گئی ہیں ابھی ان کا ظہور نہیں ہوا اور ظہور مہدی سے پہلے ان علامات کا پایا جانا ضروری ہے بمقدمہ فیصلہ کے لیے حضرت جی رح کی خدمت میں پیش ہوا۔ پہلے ڈاکٹر صاحب نے اپنے دلائل بیان کیے۔ مولانا تمام دلائل کو توڑتے رہے میں اپنی جگہ پر خوش

---

[1] حضرت مولانا کا یہ مکتوب جب مکتوب الیہ کو ملا تو انھوں نے اس کی رسید ان سطور کے ساتھ ارسال کی۔
"گرامی نامہ مورخہ ۱۴ جمادی الاولیٰ ملا۔ اور میں نے فرط خوشی سے اسے چوم لیا۔ آپ نے جو بات تحریر فرمائی ہے وہ بہت مناسب ہے اور ان شاء اللہ میں اس کو اپنے لیے مشعل راہ بناؤں گا۔"

ہو رہا تھا کہ میری حمایت ہو رہی ہے۔ لیکن حیرت اس وقت ہوئی جب مولانا نے میرے دلائل کو بھی توڑنا شروع کر دیا۔ جب ہم دونوں خاموش ہو گئے تو مولانا نے فرمایا، میاں! جو کام ذمہ کیا گیا ہے بس اسے کرتے رہو امام مہدی کو جب آنا ہو گا آجائیں گے جو کام اپنے ذمہ ہے ہی نہیں اس میں وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔"

سولہواں باب

بیعت، طریقہ بیعت
اور
اہل ارادت کی اصلاح و تربیت

کیا دل ہے کہ اک سانس بھی آرام نہ لے ہے
محفل سے جو نکلے ہے، تو خلوت میں چلے ہے

بیعت، طریقہ بیعت اور اہل ارادت کی اصلاح و تربیت

اس کتاب کے چوتھے باب میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی بیعت وارادت تکمیلِ طریقت اور اجازت وخلافت کی تفصیلات سے قارئین کے مطالعہ میں یہ بات آچکی ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی حیات میں آپ کی زندگی کے لیل ونہار ذکر سحر گاہی، دعائے نیم شبی اور خلوت وریاضت سے بھرپور اور معمور گذرے تھے یہ زمانہ خصوصیت کے ساتھ آپ کے لیے بڑے مجاہدات اور خاموش قربانیوں کا تھا، اسی کا یہ ثمرہ اور نتیجہ تھا کہ اللہ جل شانہ وعم نوالہ نے آپ کو زہد واخلاص کے ساتھ ربانیت وروحانیت کے اونچے درجہ پر فائز فرمایا اور بعد کے آنے والے دور میں آپ کو صاحب ارشاد شیخ کامل بناکر لاکھوں انسانوں کے اعمال واخلاق کی درستگی کا ذریعہ اور سبب

بنایا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی طرف سے آپ کو اجازت بیعت بیس رجب ۱۳۶۳ھ (۱۲ ر جولائی ۱۹۴۴ء) میں مرحمت فرمائی گئی تھی لیکن دعوت و تبلیغ کی ستر سالہ تاریخ میں جب جب بھی اپنی ذات و شخصیت کو مٹانے والوں اور اپنی حیثیت و مقام کو فنا کرنے والوں کی تاریخ لکھی جائے گی تو اس میں یہ بات بھی نمایاں طور پر جگہ پائے گی کہ حضرت مولانا محمد یوسف سے تعلق و وابستگی اور ان کے ادب و احترام میں ان کے پورے بائیس سالہ عہد امارت میں آپ نے تین اشخاص کو بیعت فرمایا، اور یہ بیعت بھی ایک خاص سبب کے تحت کی گئی تھی۔

حضرت مولانا نے اپنے مکتوب (بنام حضرت شیخ) میں اس بیعت کی تفصیل اس طرح تحریر فرما رکھی ہے۔!

> مولانا یوسف صاحبؒ کی حیات میں بندہ نے صرف تین اشخاص کو مولانا یوسفؒ کے مشورہ سے بیعت کیا تھا، ایک کو ایک مرتبہ دو کو دوسری مرتبہ جبکہ ان تینوں نے صاف یہ کہہ دیا تھا کہ مولانا یوسف سے تو ہمیں بیعت نہیں ہونا ہے۔ جس پر بندہ نے مولانا یوسف صاحب سے پوری بات بتائی تو یہ فرمایا بیعت ضرور کرلو بندے رہیں گے۔ بندہ نے اس شرط پر کہ وہ کسی سے بیان نہیں کریں گے۔ اور تذکرہ نہیں کریں گے اور کسی کو خبر کریں گے، بیعت کرلیا تھا۔،،

بائیس سال میں صرف تین اشخاص کو بیعت کرکے آپ نے سب سے پہلی عمومی بیعت تین ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ (۱۳ ر اپریل ۱۹۶۵ء) میں امیر جماعت تبلیغ منتخب ہونے پر فرمائی۔ اور پھر اس کے بعد یہ سلسلہ ہر گذرے ہوئے دن کے مقابلہ میں وسیع اور دراز ہوتا چلا گیا۔ قیام گاہ پر روزانہ خواص و عوام کا بڑا مجمع آتا اور بیعت ہو کر واپس جاتا۔ اسی طرح آپ کا ہر سفر بھی آہستہ آہستہ ارشاد و ہدایت کی لائن سے ہزاروں افراد کی اصلاح و تربیت اور رجوع الی اللہ کا ذریعہ بننے لگا۔

اپنی امارات کے ابتدائی دور میں آپ نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو بیعت کے وقت

اپنی کیفیت سے مطلع کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا کہ —— بیعت کرتے وقت بندہ پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا ہے۔ تقریر میں طبیعت پر اتنا بوجھ نہیں ہوتا جتنا بیعت میں ہوتا ہے۔ حضرت شیخ رح نے اس کی تائید فرما کر جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ "بوجھ والی بات بالکل صحیح ہے لیکن یہ کام تو کرنا ہی ہے۔ —— چنانچہ آپ ایک طرح سے اپنی طبیعت پر جبر فرما کر بیعت فرماتے رہے۔ ریاضت و مجاہدات اور ذکر اللہ کی کثرت سے آپ کی نسبت روحانیہ کی قوت تاثیر کا یہ عالم تھا کہ آپ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے والوں پر اس کی اثر انگیزی پہلے ہی دن صاف طور پر محسوس ہونے لگتی مسترشدین و مستفیدین کو مکائد نفس سے بڑی حد تک پناہ ملنے لگتی، اندر کی گندگیوں کا مشاہدہ ہونے لگتا۔ معاصی اور اخلاق ذمیمہ واضح طور پر سانپ اور بچھو بن کر نظر آنے لگتے۔

نیت کے اخلاص اور اپنی اصلاح کے جذبہ کے ساتھ جو شخص بھی آپ، کی مجلس میں بیٹھ جاتا اس کو اپنا وجود ہیچ در ہیچ نظر آنے لگتا۔

حضرت مولانا کا دور امارت اس اعتبار سے بھی بڑا عہد آفریں اور انقلاب انگیز ہے کہ اس میں ایک خلق کثیر نے آپ سے عقیدت و ارادت اور رشد و ہدایت کا تعلق قائم کر کے اپنے دامن کو آپ کے دامن سے وابستہ کیا اور آپ سے روحانی و ایمانی تربیت حاصل کی۔ عہد امارت کے پورے بتیس سالہ دور میں عوام و خواص کے تمام طبقات کا جس انداز سے آپ کی طرف رجوع ہوا اس سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے قائم کردہ اس سلسلۂ روحانیت کو تمام طبقات میں ایسی زبردست وسعت و ہمہ گیری حاصل ہوئی کہ آج ——

"بیعت کی ہم نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر انعام کے واسطے سے"

کی گونج دنیا کے تمام براعظموں میں سنائی دے رہی ہے۔

حضرت مولانا کا یہ سلسلۂ ارادت و روحانیت جس طرح انسانی مخلوق میں جاری تھا اور خلق خدا آپ سے فیض یاب ہو رہی تھی، ایسے ہی قوم جنات میں بھی یہ بڑے زور شور سے قائم تھا۔

سینکڑوں کی تعداد میں یہ قوم اجتماعات میں شریک ہوتی اور بیعت ہوکر جماعتوں میں نکل جاتی تھی یہ عمل خیر اس عجیب و غریب مخلوق کی اصلاح و ہدایت اور دینی زندگی پر ثبات قدمی کا ایک اہم اور مؤثر ذریعہ بنا ہوا تھا۔

یہاں اس سلسلہ کی تفصیلات سے قصداً احتراز کرتے ہوئے صرف دو اجتماعات میں ان کی شرکت کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

• اجتماع بیتیا (منعقدہ ۱۷ر رجب ۱۳۸۷ھ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۶۷ء) میں اس قوم کی آمد ہوئی اور بڑی تعداد میں جماعتوں میں نکلے۔ چنانچہ حضرت مولانا، حضرت شیخ کو لکھتے ہیں!

> جنات حضرات سات سو کی تعداد میں شریک جلسہ ہوئے۔ جس میں دو سو سولہ تو تین چلوں کے لیے اور ایک سو نو ایک سال کے لیے اور ایک سو دس نفر ایک چلہ کے لیے (جماعتوں میں) گئے ہیں۔ [1]

• اجتماع سنبھل ضلع مراد آباد (منعقدہ ۴ر ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ) کے موقعہ پر بھی کثیر تعداد میں ان کی آمد اور جماعتوں میں جانے اور بیعت ہونے کی خبر دیتے ہوئے حضرت مولانا، حضرت شیخ کو تحریر فرماتے ہیں!

> سنبھل میں جنات بھی تشریف لائے تھے اور ۴۰ نفر جماعت میں تین چلہ کے لیے گئے ہیں ایک ان میں سے بدر الدجی نامی نے بندہ سے بیعت ہونے پر اصرار کیا تو بندہ نے اس کو جناب والا کا حوالہ دے دیا کہ ہمارے سب کے بزرگ ہیں لیکن اس نے یہ کہا کہ میں مرکز آؤں گا دو روز وہاں پر رہوں گا بندہ نے یہ عرض کردیا کہ پھر اس وقت تفصیل سے بات کریں گے۔ اس کی بات سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ بہت سے سلسلہ میں داخل ہیں جس کا بندہ کو علم نہیں ہے اس کے بارے میں بھی ارشاد فرمادیں کہ ان کو کیا جواب دیا جائے۔ [2]

---

[1] اقتباس مکتوب محررہ ۲۱ رجب ۱۳۸۷ھ۔ [2] اقتباس مکتوب محررہ ۱۶ر ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ۔

بیعت و طریقت سے متعلق بعض اہم ارشادات و فرمودات

حضرت مولانا کا معمول تھا کہ بیعت لینے سے قبل اس کی ضرورت اور افادیت و نافعیت — پر ضرور کچھ روشنی ڈالتے اور پھر کلمات بیعت ادا فرماتے تھے۔ تاکہ بیعت ہونے والوں کو اس کی اہمیت کا احساس ہو اور وہ اس کو صرف ایک رسم و رواج یا کوئی معمولی چیز نہ سمجھ بیٹھیں۔ ایسے مواقع پر فرمائے گئے کچھ اہم ارشادات یہاں پیش کیے جاتے ہیں!

(۱) ایک موقعہ پر بیعت کو محنت اور قول و قرار سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ!

بیعت میں آخرت کی زندگی بنانے کا قول و قرار ہے کہ ہم ان چیزوں سے بچیں گے جو آخرت میں نقصان پہنچائے اور جن کو گناہ کہتے ہیں اور جماعتوں میں نکل کر ان سے بچنے اور مفید عمل کے کرنے کی مشق کریں گے معاملہ اللہ سے ہے بیچ والا تو صرف واسطہ ہے آدمی پہلے نیت کرے پھر زبان سے کہے پھر عمل کرے [1]

(۲) دوسری مجلس میں اس اجمال کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں۔

بیعت ایک محنت کا قول و قرار ہے وہ یہ کہ اللہ کی ناراضگی والے عمل سے بچیں گے جو اس عہد کو توڑے گا اس کا نقصان اسی کو ہوگا و من نکث فانما ینکث علی نفسہ۔

ہر انسان کے اوپر خدا کے چار قسم کے احکامات ہیں ایک عبدیت دوسرے تقاضائے بشریت تیسرے خلافت الہیہ اور چوتھے نیابت انبیا یہ چار قسم کے احکامات ہیں ان میں اول حکم عبدیت ہے جیسے نماز روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ۔ دوسرے تقاضا ربشریت جیسے کھانا پینا مکان تجارت

[1] ارشاد مورخہ ۱۱ شوال ۱۳۸۶ھ، ۲۳ جنوری ۱۹۶۷ء بمقام جھانتلی۔ میوات۔

نکاح کھیتی باڑی وغیرہ تیسرے خلافت الٰہیہ جیسے رحم۔ ہمدردی۔سخاوت خدمت عیب کا چھپانا وغیرہ وغیرہ چوتھے نیابت انبیاء جیسے دعوت اور امر بالمعروف وغیرہ۔ ان چاروں احکامات کو پورا کرنا ہر آدمی کی اصل ذمہ داری ہے۔

نیابت انبیاء والے احکامات کے ٹوٹنے کی وجہ سے عبدیت والے احکامات ٹوٹتے ہیں یا اس کی جان نکل جاتی ہے اور صرف ڈھانچہ رہ جاتا ہے اسی طرح خلافت والے احکامات ٹوٹنے سے تقاضائے بشریت کی لائن کے احکامات ٹوٹتے ہیں اور اس کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ خلافت کا حکم اگر پورا نہ ہو تو تقاضاء بشریت کا توازن برقرار نہیں رہتا۔ پھر جھوٹ خوب چلتا ہے اور رشوت خوب پھیلتی ہے خوب سمجھ لو کہ دو چیزوں کا دو چیزوں سے جوڑ ہے نیابت کا عبدیت سے جوڑ ہے اور خلافت کا تقاضاء بشریت سے جوڑ ہے۔[1]

(۳) ایک مرتبہ بیعت کو اپنی زندگی کا فیصلہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا!

بدن سے نکلنے والے عملوں اور دل کے یقین کو ٹھیک کرنا بہت ضروری ہے۔۔بیعت میں بھی آدمی اسی کا فیصلہ کرتا ہے اللہ کا کسی سے رشتہ نہیں ہے۔ بیعت میں جس چیز کا اقرار ہوتا ہے تبلیغ میں جاکر اسی کو عملاً کرنا پڑتا ہے اور بیعت میں جس کا اقرار کیا جاتا ہے جماعت میں جاکر اسی کو عمل میں لایا جاتا ہے اگر اقرار کرکے عمل نہ کیا جائے تو وہ اقرار ضعیف، بودہ اور مضمحل ہے۔ بیعت ہونے والے یہ سمجھ لیں کہ یہ خالی لفظی چیز نہیں ہے بلکہ یہ ایک فیصلہ ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا کا کام کرتے رہنا ہے ناراضگی کا کام

---

[1] ارشاد مورخہ ۲۱ر شوال ۱۳۸۶ھ ۲ر فروری ۱۹۶۷ء

نہیں کرنا ہے. موت تک کی زندگی صحیح گذارنی ہے جو جتنی محنت کرے گا اس
پر اس کا رنگ اتنا ہی مضبوط آئے گا. اور اگر محنت نہ کرے تو دوسرے
ماحول میں جا کر وہ رنگ صاف ہو جائے گا۔[1]

(۴) ایک مجلس میں انوارات وظلمات کے درمیان تقابل بتلا کر طاعات وعبادات اور ان
کے ذریعہ نسبت روحانیہ کے اجاگر اور چمکدار ہونے کو اس طرح بیان فرماتے ہیں!

آج نفسانیت کا لشکر غلبہ پائے ہوئے ہے قلب کا لشکر انوارات
ہیں اور نفس کا لشکر ظلمات ہیں اب ہمیں محنت وکوشش کر کے قلب کے
لشکر کو اور انوارات کو غالب کرنا ہے اور نفسانیت کے لشکر کو مغلوب
کرنا ہے. ریاضت طاعت اور عبادات سے نورانیت آتی ہے خدا کی طرف
کا راستہ طے ہوتا ہے نماز خوب رغبت سے پڑھی جائے، تسبیحات وتلاوت
کا اہتمام کیا جائے. ان اعمال سے نور آ کر خدا تک پہنچنا آسان ہوگا کیونکہ
اصل منزل صرف خدا کی ذات سے تعلق قائم کرنا ہے اور وسائط آلات
وسواریاں ہیں. منزل تک پہنچنے میں بہت سے ڈاکو کھڑے ہوئے ہیں
جو منزل تک پہنچنے نہیں دیتے. اور وہ ڈاکو نفس کی خواہشات ہیں یاد
رکھو کہ نسبت تو ہر شخص میں خدا کی ہے یعنی مخلوق ہونے کی وجہ سے خلق
کی نسبت ہے مرزوق ہے تو رزق کی نسبت ہے لیکن یہ سب نسبتیں انسان
کے اندر چھپی ہوئی ہیں. مجاہدات اور ریاضات سے اوپر کی دھول مٹی
ہٹ کر وہ نسبت اجاگر اور چمکدار ہو جاتی ہے اور ان ریاضات ومجاہدات
میں سب سے پہلی چیز نماز ہے۔

(۵) ایک مرتبہ وصول الی اللہ اور عبدیت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ!

---

[1] ارشاد بموقعہ اجتماع راجستھان. مورخہ ۲۱ رشوال ۱۳۸۷ھ ۲۲ جنوری ۱۹۶۸ء

وصول الی اللہ کے معنی یہ ہیں کہ اپنا ارادہ تمنا اور خواہش ختم ہو جائے یہی عبدیت ہے صوفیا کی اصطلاح میں وصول بمعنی عبد بننے کے ہیں۔ خیر کا منبع خدا کی ذات ہے باقی سب نالیاں ہیں۔ اسی میں فیضان ہوتا ہے نالی غلط چلے یا بند ہو جائے تو فیضان بھی بند ہو جاتا ہے فیض کا چشمہ خدا کی ذات ہے ابھی تو ہماری نالیاں بند ہیں اگر محنت کریں گے تو نالیاں صاف ہونگی آج نالیاں اَٹی پڑی ہیں خدا کے حکموں کے خلاف ورزی وہ کچرا ہے جس سے نالی بند ہوتی ہے۔ آج اس نالی کو صاف کر کے کھولنا بہت ضروری ہے۔

(۶) ایک مرتبہ بیعت کی افادیت اور اس کی غرض بتلاتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔

دوستو! بیعت ہونا کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ ہم کو اپنی زندگی پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب پر بنانی ہے۔ اللہ نے آپ کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے جو شخص اس نمونہ کے جس قدر قریب ہو گا اتنا ہی اللہ جل شانہ کے یہاں محبوب ہو گا۔ ہم کو موت تک اس کوشش میں لگنا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے حکموں کے مطابق زندگی گذارنی ہے۔ رات ہو یا دن ہو، جاگنا ہو یا سویا، کھانا ہو یا پینا ہو، ہم کو آپ کے حکم کے مطابق زندگی گذارنی ہے۔ بس یہ خلاصہ ہے بیعت کا، یہ کوئی رسم نہیں ہے کہ پلہ پکڑ لیا اور کافی ہو گیا بلکہ ہم کو عہد کرنا ہے کہ گناہوں سے بچیں گے اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے طریقے پر چلنے سے ہماری حفاظت فرمائے۔ اللہ سے معافی مانگنا یہ اپنے گناہوں کو ان سے معاف کرانا ہے۔

(۷) اپنے تمام اکابر و مشائخ کی طرح حضرت مولانا بھی شریعت اور طریقت کو دو الگ الگ چیزیں نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی ان کے درمیان کسی تفریق یا حدِّ فاصل کے قائل تھے۔ بلکہ وہ شریعت کو احکاماتِ خداوندیہ کا ظاہری حصہ اور طریقت کو (جس کا ایک اہم جز بیعت بھی ہے) احکامات خداوندیہ کا باطن حصہ سمجھتے تھے۔ اور اپنی عمومی و خصوصی مجالس میں گاہ بگاہ اس کی توضیح و تشریح بھی فرمادیا کرتے تھے۔ چنانچہ

ایک مرتبہ بنگلور کے اجتماع میں فرمایا کہ!

احکامات خداوندی دو طریقے کے ہیں ایک وہ جو ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج معاملات بیع وشرا ان کے احکام ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے احکامات وہ ہیں جو انسان کے باطن سے تعلق رکھتے ہیں باطن کے احکامات جیسے تقویٰ ہے، زہد ہے۔ رضا بالقضا ہے، صبر وشکر ہے حلم ہے، بردباری ہے، عفو ہے، تواضع ہے، انکساری ہے، یہ بھی احکامات ہیں خدائے پاک کے انہیں طریقت کہا جاتا ہے۔ طریقت کوئی شریعت سے الگ چیز نہیں ہے۔ وہی احکامات جو شریعت نے ظاہر کے دے رکھے ہیں وہی احکامات باطن کے بھی ہیں۔ دونوں احکامات کے پورا کرنے میں لگنا یہ ہے شریعت وطریقت۔

ایک طبقہ وہ ہے جو باطن کے احکامات پورا کرنے میں اس کے سدھارنے میں اس کو اپنے اندر لانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ وہ اولیاء کرام کہلاتے ہیں۔ ہمارا کام ظاہر کے احکامات کو پورا کرنا ہے اس طریقہ سے کہ باطن کے احکامات اس میں اجاگر ہو رہے ہوں۔ ہم جو نماز کی تعلیم کی تبلیغ کی دعوت دے رہے ہیں اس کی کوشش کر رہے ہیں اور اس کوشش میں جو کچھ۔ اپنے اوپر پیش آ رہا ہے۔ اس پر اگر ہم صبر کر رہے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ اگر دل خوش کن بات سامنے آ رہی ہو تو اس کے اوپر شکر کر رہے ہیں اور اپنے کرنے میں خدائے پاک عزاسمہ پر بھروسہ کر رہے ہوں اور پھر جو کچھ پیش آ رہا ہو اس کے اوپر راضی ہو رہے ہوں تو پھر ہماری ترقی ہوگی ہم بڑھتے چلے جائیں گے اور خدائے پاک ہمیں دین کا عامل قرار دیں گے یہ ظاہر وباطن کے دونوں احکامات کو لے کر چلنا ہی انسان کی اصل ذمہ داری ہے اور اگر ظاہر کے احکامات پر محنت کرنے میں اپنے باطنی احکامات کی

کوشش نہیں کی تو اس سے رذائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے ظاہر کے منہیات ہیں مثلاً جھوٹ ہے، غیبت ہے، چوری، شراب خوری، بدکاری ہے اور یہ سب چیزیں ممنوع ہیں ایسے ہی باطن کے بھی منہیات ہیں جیسے تکبر ہے، تحقیر ہے، غیبت ہے عجب ہے اپنی بڑائی کی عادت ہے۔ یہ چیزیں باطن کی ممنوعات ہیں۔ اگر ہم اپنے باطنی احکامات کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کریں گے تو پھر یہ باطنی منہیات ابھریں گے اور یہ منہیات ابھریں گے تو پھر ظاہر کے احکامات کی بھی جان نکل جائے گی۔ [1]

بیعت کا طریقہ اور اس کے الفاظ

حضرت مولانا کی ایک بیعت تو وہ ہوتی تھی جو اجتماعات کے وقت باقاعدہ جلسہ گاہ منبر پر بیٹھ کر فرماتے تھے۔ اس میں عمومیت ہوتی یہاں تک کہ اجتماع میں شریک غیر مسلم بھی وہ کلمات بیعت دھرالیا کرتے تھے۔ لیکن یہ بیعت صرف میوات تک محدود تھی۔ شاذ و نادر کسی اور گاؤں دیہات میں بھی ہو جاتی تھی، دوسری بیعت وہ تھی جو اجتماعات میں اپنی قیام گاہ پر ہوتی تھی، شہری اور علاقائی اجتماعات میں اس کام کے لیے مغرب بعد کا وقت متعین تھا۔ حضرت مولانا اوابین سے فارغ ہو کر اس مجلس میں تشریف لاتے اور بیعت فرماتے۔ مولانا محمد بن سلیمان جھانجھی پہلے سے اس مقصد کے لیے آنے والوں کو بیعت کے آداب اور اس کے اصول بتلا دیا کرتے تھے۔

تیسری بیعت وہ تھی جو حضرت مولانا مرکز نظام الدین میں روزانہ صبح کے وقت (جماعتوں کی روانگی کے بعد) اپنے حجرہ میں فرمایا کرتے تھے، بیعت ہونے والے (مرد و مستورات) الگ الگ دو کمروں میں جمع ہو جاتے۔ مستورات کے لیے زنانہ مکان کا ایک کمرہ متعین تھا، وہاں تک آواز مائک کے ذریعہ پہنچ جاتی تھی۔

---

[1] اقتباس تقریر بمقام بنگلور۔ مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۸۵ء

بیعت ہونے والا مجمع خواہ بہت بڑا ہوتا یا ایک دو ہی نفر ہوتے. حضرت مولانا اسی یکسانیت کے ساتھ بیعت فرماتے اور دونوں موقعوں پر آپ کی احساس ذمہ داری کا انداز ایک سا ہی رہتا تھا۔

جناب محمد صدیق صاحب وانمباڑی (تمل ناڈ) احساس ذمہ داری کی یکسانیت کا ایک چشم دید واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں!

ایک مرتبہ تجدید بیعت کے لیے میں نظام الدین حاضر ہوا. سردی کے ایام تھے جماعتیں بھی بہت کم تھیں. (یہ غالباً ۱۹۸۴ء تا ۱۹۸۶ء کے دوران کی بات ہے) حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ روانگی کی جماعتوں کی دعا کرا کر اپنے کمرے میں تشریف لاکر بیعت کرنے والوں کو بیعت سے نوازتے تھے. غرض اس دن صرف دو ہی صاحب بیعت کے لیے حضرت کے کمرے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے. ایک میں دوسرے کوئی اور صاحب حضرت جی صاحب کمرے میں تشریف لائے تو مولوی محمد بن سلیمان جھانجھی نے باہر آکر ہم لوگوں دیکھا تو پوچھا کہ اور کوئی نہیں ہے؟ ہم نے بھی اِدھر اُدھر نظروں کو دوڑایا لیکن کوئی تیسرا شخص بیعت کے لیے نہیں تھا. لگ بھگ پانچ منٹ تک مولانا سلیمان صاحب باہر ہی کھڑے رہے اور بیعت ہونے والوں کی تعداد صرف دو ہونے پر کچھ ہچکچا رہے تھے کہ اندر سے حضرت جی صاحب نے انہیں پکار کر فرمایا کہ جو بیعت ہونا چاہتے ہیں انہیں بلائیں۔ مولانا سلیمان صاحب نے کہا کہ حضرت صرف دو ہی ہیں۔ حضرت جی صاحب کی آواز آج بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے کہ "بھائی انہیں بلاؤ بلاؤ" اس آواز میں سب کچھ شامل تھا، تواضع بھی تھی، خوف خدا بھی تھا، للہیت بھی تھی تعلیم بھی تھی پھر ہم دونوں کے لیے حضرت نے خطبہ پڑھا، بیعت کے آداب بتلائے پھر مکمل طریقہ پر بیعت کے الفاظ کہلوائے اور تعلیم کی. یعنی پچاسوں آدمیوں کو بیعت کرتے وقت حضرت جو طریقہ اختیار کرتے تھے. وہی صرف ہم دو

کے لیے بھی اختیار کیا۔ ؎

حضرت مولانا کی بیعت کا طریقہ یہ تھا کہ ایک بڑی رسی (اور کبھی بڑا رومال یا چادر وغیرہ) کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں تھام لیتے اور بیعت ہونے والے اس کو اپنے دونوں ہاتھ سے مضبوطی سے پکڑ لیتے بعدازاں آپ چند کلمات بیعت کی حقیقت پر فرما کر خطبہ مسنونہ پڑھتے پھر عہد و پیمان کراتے۔ اسکے بعد پڑھنے کے لیے اوراد و ظائف بتلا کر دعا کرا دیتے۔

یہاں کسیروہ (ضلع مظفر نگر) میں ہونے والے آخری اجتماع کی بیعت اور اس سے قبل ہونے والی نصائح پیش کی جاتی ہیں۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ حضرت مولانا کی حیات کی آخری بیعت تھی۔ اس موقعہ پر حضرت مولانا نے بطور نصیحت جو چند جملے فرمائے وہ یہ تھے۔!

بھائیو، بزرگو دوستو! بیعت ہونا دراصل ایک بات کا عہد کرنا ہے کہ سب سے پہلے ہم عمل کریں گے بھلائی کو اختیار کریں گے، خدا کی ناراضگی کی چیزوں سے بچیں گے اس عہد کرنے کا نام ہی بیعت ہے اور موت تک اس عہد کو نبھانا ہے پورا کرنا ہے اور اس پر جمنا ہے اور اس پر چلنا ہے جو جتنا جمے گا جتنا چلے گا اللہ جل شانہ اس کو بدلہ دیویں گے نہیں جمے گا نہیں چلے گا تو اللہ جل شانہ وعم نوالہ کی کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے اور کوئی تعلق داری نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ ہمیں سچی پکی توبہ نصیب فرمادیں اور ہمیں اپنے عہد میں مضبوط فرمائیں۔

ان نصائح کے بعد حضرت مولانا نے ان الفاظ کے ساتھ بیعت شروع کی۔

؎ مکتوب جناب محمد صدیق معادن پروفیسر آف کامرس اسلامیہ کالج وانمباڑی۔ بنام راقم سطور محررہ /۵/۲۲/ ۱۹۹۶

خطبہ بیعت۔ الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیّدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً ہ قال اللہ تبارک وتعالیٰ۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عٰھد علیہ اللہ فسیوتیہ اَجراً عظیماً۔ امابعد۔

عہد وپیمان جو میں کہ رہا ہوں دھیان سے سنیں اور اپنی زبان سے کہتے رہیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ محمّدٌ رّسُوْلُ اللہ۔ کوئی عبادت کرنے کے لائق نہیں کوئی جی لگانے کے قابل نہیں اللہ پاک کے سوا۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے اور پاک بندے ہیں۔ ایمان لائے ہم اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اسکے رسولوں پر قیامت کے دن پر تقدیر پر۔ جو کچھ بھلا ہو یا برا سب اللہ کی طرف سے ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر۔ ایمان لائے ہم اللہ پر جیسا کہ وہ اپنی عالی ذات میں ہے اور پاک صفات میں ہے اور قبول کئے ہم نے اس کے سارے حکم توبہ کی ہم نے شرک سے کفر سے بدعت سے پرایا مال ناحق کھانے سے ناحق خون سے چوری سے زنا سے شراب سے جوئے سے سوُد سے جھوٹ سے غیبت سے بہتان سے دین پھیلانے میں کمی کرنے سے دین سیکھنے میں کمی کرتے سے سستی کرنے سے اور ہر چھوٹے بڑے گناہ سے عہد کرتے ہیں شرک کفر نہیں کریں گے بدعت نہیں کریں گے اور انشاء اللہ تمام گناہوں سے بچیں گے۔ اے اللہ توبہ ہماری قبول فرما عہد میں ہمیں مضبوط فرما۔ بیعت کی ہم نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر انعام کے واسطے سے۔

تعلیمات بس بھائی دیکھو جن چیزوں سے توبہ کی ہے ان سے ہم بچتے رہیں یہ بڑے بڑے گناہ ہیں. اگر ان سے بچتے رہو گے اور یہ پانچ عمل کرتے رہو گے تو انشاء اللہ بھلے بندے بن جاؤ گے۔

پہلی چیز جو ہر مسلمان کے لئے ہے وہ نماز ہے پانچ وقت کی فرض نمازوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کرو اور نماز کسی جانکار کو سنا کر صحیح صحیح یاد کر لو اور چار وقت کی نفلیں ہیں. تہجد، اشراق، چاشت، اوابین جہاں تک ہو سکے ان کا اہتمام کرو

دوسری چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے جس میں تین تسبیح صبح کو اور تین تسبیح شام کو دھیان سے جی لگا کر پڑھو ایک تسبیح۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اور ایک تسبیح درود شریف کی ایک تسبیح استغفار کی یہ تین تسبیح صبح کو اور تین شام کو پڑھنی ہے۔

تیسری چیز قرآن پاک کی تلاوت ہے جو بھائی قرآن پاک پڑھے ہوئے ہیں وہ روزانہ تلاوت کریں اور جو پڑھے ہوئے نہیں ہیں وہ روزانہ سیکھنا شروع کریں۔

چوتھی چیز یہ فضائل کی کتابیں ہیں ان کو اپنی اپنی مسجدوں میں کسی نماز کے بعد تھوڑا تھوڑا اہتمام سے سنتے رہو۔

پانچویں چیز گشتوں کا کرنا ہے ہر آٹھ دن میں یہ گشت اپنی بستی میں جماعت بنا کر کرتے رہو مہینے میں تین دن کی جماعت بنا کر آس پاس کی بستیوں میں جاتے رہیں اور سال میں کم سے کم ایک چلّے کے لئے نکلتے رہیں عورتوں کے ذمہ جماعت نہیں ہے وہ اپنے اپنے وقت میں اہتمام سے نماز پڑھیں اور جماعت میں نکلنا بھی نہیں ہے لیکن ملنے جلنے والیوں سے اپنے دین کی ایمان کی کلمہ کی نماز کی قرآن کی جنت کی دوزخ کی آخرت کی باتیں کرتی رہیں بیکار بات کرنے سے دل مردہ ہوتا ہے اور گھروں سے برکت جاتی رہتی ہے اور دین کی ایمان کی باتیں کرنے سے دل زندہ ہوتا ہے گھروں میں برکت آتی ہے اور اپنے شوہروں کو رشتہ داروں کو جماعت میں بھیجنے

پر آمادہ کریں۔ اللہ قبول فرمائے۔ آمین [1]

خط کے ذریعہ بیعت

حضرت مولانا کے دست مبارک پر جس طرح بیعت ہونے کا سلسلہ پورے سال جاری رہتا ایسے ہی خط کے ذریعہ بھی احباب بکثرت بیعت ہوتے رہتے تھے۔ دور دراز کی مستورات کو پردہ کے اہتمام کے پیش نظر خط سے بیعت ہونے پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت مولانا کی طرف سے جو مکتوب غائبانہ طور پر بیعت کے لئے لکھا جاتا تھا اس کا ایک نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ جو آپ نے کسی مسماۃ کو ان کی طرف سے بیعت کے خواہش کے جواب میں تحریر فرمایا تھا!

بیعت کے لئے دو رکعت نماز پڑھ کر اپنے پچھلے تمام گناہوں سے سچی پکی توبہ کریں اور آئندہ سے ہر چھوٹی بڑی معصیت اور گناہ کے کاموں سے بچتے رہنے کا پختہ عہد و عزم کر کے اللہ جل شانہ سے اپنی توبہ کی قبولیت اور عہد و عزم میں پختگی و استقامت کی دعا کریں۔ اس کے بعد اپنے کو بیعت سمجھیں اور مندرجہ ذیل معمولات کی پابندی کرتی رہیں۔

پنجوقتہ فرائض اپنے اپنے وقت پر ادا کریں ان سے پہلے اور بعد کی سنتیں اور نوافل میں سے جہاں تک ہو سکے اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد کی نمازیں ہیں۔ روزانہ قرآن پاک کی تلاوت اور صبح شام تین تسبیحات (تیسرا کلمہ، درود شریف، استغفار سو سو مرتبہ) اور روزانہ کسی وقت گھر میں تھوڑی دیر فضائل کی تعلیم کا اہتمام کیا جائے اپنے مردوں کو خدا کے راستہ میں نکلنے کے اندر اور دعوت کے کام میں ان کا تعاون کرتی رہیں۔ نیز پردہ کا اہتمام کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ آسان فرمائے، مدد فرمائے اور اخلاص و استقامت عطا فرمائے۔ فقط والسلام محمد انعام الحسن ــ بنگلہ والی مسجد

بقلم محمد غزالی ــ ۹ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ ۱۷ستمبر ۱۹۹۲ء [2]

---

[1] بشکریہ جناب محمد ارشد صاحب تبلیغی مرکز مظفر نگر [2] مکتوب بشکریہ جناب حبیب الرحمٰن صاحب وانمباڑی۔

معمولات کی پابندی اور اسکا اہتمام

حضرت مولانا اپنے سے تعلق بیعت رکھنے والوں کو معمولات میں سستی وکاہلی سے بچنے پر نیز یکسوئی کے ساتھ دعوت و دعاء، تلاوت و نوافل اور ذکر و استغفار میں لگے رہنے پر بھرپور انداز سے متوجہ فرماتے تھے اور اس راہ کی محنت و مجاہدات پر ہمت بندھاتے ہوئے بتدریج ان کو آگے بڑھاتے رہتے تھے۔

جو لوگ حضرت مولانا سے سلسلۂ ارادت قائم کر لیتے ان کے بارے میں آپ کی پوری کوشش اور توجہ یہ رہتی کہ وہ اپنے اجتماعی اور انفرادی معمولات پورے اہتمام کے ساتھ ادا کریں۔ اس میں کسی قسم کی سستی اور غفلت نہ آنے دیں۔ فرماتے تھے کہ اجتماعی معمولات، انفرادی معمولات کے لئے معین و مددگار بنتے ہیں اور انفرادی معمولات کی پابندی و اہتمام اجتماعی معمولات کے اندر قوت و طاقت پیدا ہونے کا سبب ہے۔ اسی طرح فرمایا کرتے تھے کہ دن میں وجود میں آنے والے اجتماعی اعمال (گشت، دعوت وغیرہ) کے لئے رات میں انفرادی اعمال (ذکر، گریہ وزاری اور دعاء) کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ اگر اس میں کچھ کمی کوتاہی ہو جائے تو توبہ و استغفار سے اس کو پورا کر لیا کریں۔

ایک موقعہ پر کسی ارادت مند نے مکائد شیطان اور طاعات و معمولات میں سستی اور غفلت کا شکوہ کیا تو فرمایا کہ!

> بھائی ہمت اور عزم سے کام لو جب تم خود ہمت اور پختہ ارادہ کروگے تو یہ غفلت اور سستی دور ہو جائے گی۔ شیطان کا کید تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اس لئے کہ اس کا مکر بہت کمزور ہے۔
> اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطَانِ کَانَ ضَعِیْفًا، شیطان کا مکر بہت کمزور ہے شیطان صرف وسوسہ ڈال سکتا ہے وہ انسان سے کچھ کروا نہیں سکتا بشرطیکہ انسان پختہ ہمت اور مضبوط ارادہ کرے اور شیطان کے وسوسہ میں اور دھوکہ میں نہ آئے۔

حضرت مولانا اپنے وابستگان کو سلوک واحسان کی اس راہ پر جس شفقت و محبت اور حسن اعتدال کے ساتھ چلاتے تھے اس کا اندازہ ذیل میں دیئے ہوئے بعض مکاتیب کے اقتباسات سے بخوبی ہوسکتا ہے ان مکاتیب میں باطنی اصلاح و تربیت کے حوالہ سے بہت سے کار آمد نکتے اور مفید باتیں بھی قارئین کے علم میں آجائیں گی۔

۱ ● تمہارا خط ملا۔ تفصیلی حالات معلوم ہوئے تمہارے خط میں تمہارے مرض کا بھی ذکر ہے اور تمہیں ــــــ شاید خبر نہ ہو۔ تمہاری دوا کا بھی اسی میں ذکر ہے۔ تمہارا تعلیم میں جی نہ لگنا جس سے تمہارے والد صاحب کی خفگی اور ان کا یہ کہنا کہ تبلیغ کی وجہ سے ایسا ہوگیا۔ حالانکہ خط میں تم نے صاف ذکر کر دیا کہ گشتوں کی پابندی نہیں ہورہی ہے شب گذاری نہیں ہورہی ہے تسبیحات کی پابندی نہیں ہورہی ہے۔ (حالانکہ ہمارا) تجربہ تو یہ ہے کہ جو طلباء جماعت کے کام میں لگے وہ پہلے سے آگے ہوگئے۔ اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ اللہ کی مدد شامل حال رہی، جس کا اللہ پاک نے قرآن کریم میں وعدہ فرمایا ہے کہ تم اللہ کے دین کی مدد کرو تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے قدم جمادیگا۔ بھائی تمہارا اصل مسئلہ تبلیغ کی وجہ سے بگڑا ہوا نہیں بلکہ تبلیغ کے کام کو اصول سے نہ کرنے کی وجہ سے یہ صورت حال پیش آرہی ہے طلباء کا جو نصاب ہے اُس کی پورے اہتمام سے پابندی کرو۔ مہینے میں چوبیس گھنٹوں کی جماعت میں باہر نکلنا، ہر ہفتہ دو گشت مرکز کا اجتماع ہوسکے تو شب گذاری صبح شام کی تسبیحات۔ نماز باجماعت کی پابندی، قرآن پاک کے لئے ہر روز ۲۰ منٹ یا ۳۰ منٹ فارغ کرنا۔ مسجد کی تعلیم اور ہوسکے تو گھر کی تعلیم بھی۔ اگر اس کی پابندی تم کرلو تو کاہلی چستی سے بدل جائے گی اور دنیوی تعلیم پر بھی دین کا اجر ملے گا۔ نیت یہ کرلو کہ چھٹیوں میں

چالیس دن (چلہ) لگاؤ گے۔ اور تعلیم ختم ہونے پر تین چلے۔
بھائی اصل میں تمہارے والد صاحب اس لئے ناراض ہو رہے ہیں کہ تم تعلیم تندہی سے نہیں کرتے تبلیغ کی وجہ سے۔ حالانکہ تم تو تبلیغ کا کام کرہی نہیں رہے ہو۔ اس لئے ہمیں دونوں کام کو صحیح طور پر انجام دینا ہو گا۔ دین کے کام میں غفلت کی وجہ سے دنیا کے کام میں غفلت ہوتی ہے۔ اور اصل غفلت ہے جو تمہارے والد کو اعتراض کا سبب بنا رہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر جب دنیا کا کام کرتے تو ان کا وہ کام لاجواب ہوتا تھا۔ کوئی دیکھتا تو یہ سمجھتا کہ یہ کتنا دنیادار آدمی ہے لیکن جب نماز شروع کرتے تو دیکھنے والے کہتے کہ اس اللہ کے بندے کا دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ صحابہ کرام کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے۔ اب زیادہ سوچنا چھوڑ دو۔ تبلیغ کے کام کو بھی پورے اصول سے شروع کر دو اور اپنی تعلیم میں مصروف ہو جاؤ۔ ورنہ کہیں تم اس غفلت میں نہ رہو کہ میں تبلیغ کر رہا ہوں۔ تبلیغ کا کام تو بھی اپنی اصلاح کے لئے ہے۔ اپنی ہی اصلاح نہیں تو تبلیغ کیسی۔ بہرحال اللہ تمہاری مدد کرے۔ اس معاملہ میں شیطان کے دھوکہ سے محفوظ رہنا چاہیئے۔ ہماری طرف سے آپ کے والد صاحب کو سلام مسنون۔[1]

۲ ● خط موصول ہوا۔ دنیا ایک آزمائش گاہ ہے یہاں ہر ایک کی آزمائش ہو گی۔ اس لئے نفس و شیطان سے بچکر اللہ کے احکامات کی طرف جھک جانا اسی میں کامیابی یقینی ہے۔ اس کا انتظار نہ ہو کہ دنیا کی الجھنیں ختم ہوں تو پھر دین کے کام کی صورت نکالیں گے۔ ایسا ہونا مشکل ہے بلکہ ان ہی الجھنوں میں ہمت کر کے دین کی طرف توجہ کریں

---

(۱) مکتوب بنام جناب اقبال حفیظ صاحب۔ بھوپال۔ محررہ ۲۹ صفر ۱۳۹۴ھ (۲۴ مارچ ۱۹۷۴ء)

اور ایک ترتیب قائم فرماکر اس پر پابندی کریں۔ خدا نے چاہا تو رفتہ رفتہ آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔[1]

۳ ● آپ کا خط ملا احوال معلوم ہوئے۔ کالج کی ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے گشتوں اور تعلیم کا اہتمام رکھیں۔ تین چلہ کے لئے راہ خدا میں نکلنے کا ارادہ بہت مبارک ہے۔ کالج کی ذمہ داریوں کے ساتھ سہولت سے جتنے وقت کے لئے نکل سکیں جماعت میں وقت لگائیں۔ ورنہ فی الوقت چھٹی کے بقدر وقت لگائیں اور نیت چار ماہ کی ہی رکھیں اور جب اس کی سہولت ہو نکل جائیں معمولات کی پابندی کا اہتمام رکھیں ہمت کے ساتھ روزانہ کرتے رہنے سے تھوڑے دنوں میں خدائے پاک جماؤ نصیب کرتے ہیں۔ شیطان دشمن انسان بہلانے اور معمولات سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہمت سے اور پابندی سے کرتے رہو گے تو تھوڑے دنوں میں سہولت کے ساتھ جماؤ نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔[2]

۴ ● تمہارے خط سے احوال معلوم ہو کر قلق ہوا۔ اللہ جل شانہ نے اپنے بندوں کو جتنے احکامات دین کے دیئے ہیں وہ سب ایسے ہیں جن کو ہر شخص اپنی اپنی استطاعت کے ساتھ پورا کر سکتا ہے۔ روزہ نہ رکھنے یا رکھ کر توڑنے کی بڑی سخت وعیدیں ہیں۔ اور مسئلہ کے اعتبار سے اس کے لئے شریعت میں کیا جرمانہ ہے۔ اس کو کسی مفتی صاحب سے معلوم کرلیں۔ تھوڑی سی ہمت کی بات ہے، چھوٹے نابالغ بچے بھی رمضان المبارک کے روزے کس قدر شوق و رغبت سے رکھتے

---

[1] مکتوب بنام یکے مسترشد بھوپال محررہ ۲۲ رمضان ۱۳۹۳ھ (۲۰ر اکتوبر ۱۹۷۳ء)

[2] مکتوب بنام جناب محمد صدیق صاحب وانمباڑی محررہ ۹ر جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ (۷ر اپریل ۱۹۸۲ء)

ہیں کہ والدین اگر کسی وجہ سے انہیں سحری میں نہ اٹھائیں تو سخت ناراض ہوتے ہیں۔ اور دن بھر ان کو اس کا غم رہتا ہے۔

آپ ماشاء اللہ بڑے ہیں۔ اللہ پاک نے سمجھ دی ہے۔ ہمت کو کام میں لائیں اور اس ماہ مبارک میں روزہ، نماز، تسبیحات وتلاوت اور صدقہ وخیرات، تعلیم وگشت ان اعمال کا خوب اہتمام کرتے رہیں۔ اور خدا کرے کہ کم از کم ایک چلہ کا وقت فارغ کر کے کسی جماعت میں قریب یا دور کی طرف نکل جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے امید ہے کہ اللہ کے راستہ کے مبارک ماحول میں ان سب اعمال کا شوق ورغبت کے ساتھ پورا کرنا آسان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے۔[1]

۵ ● آپ کا خط ملا۔ احوال وکوائف معلوم ہوئے معمولات کی پابندی کی کوشش مبارک ہے۔ امید ہے کہ دعوت کے مقامی اعمال میں بھی خوب فکر واہتمام کے ساتھ کوشش کر رہے ہوں گے۔ وساوس کی طرف بالکل دھیان نہ دیں۔ ان کی پرواہ نہ کریں اپنے کام میں لگے رہیں۔ آپ نے مزید ذکر کے لئے پوچھا ہے۔ اللہ، اللہ، تین ہزار مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ اللہ، اللہ، ایک مرتبہ شمار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنا تعلق نصیب فرمائے اور اخلاص واستقامت کی دولتوں سے بھی مالا مال فرمائے۔[2]

۶ ● خط موصول ہوا۔ حق تعالیٰ استقامت اور اخلاص کی دولت سے نوازے معمولات جو بیعت کے وقت بتائے گئے تھے۔ اس کا اہتمام کریں۔ ناغہ کرنا مناسب نہیں ہمت درکار ہے اور عزم کی ضرورت ہے حصن حصین کی منزل پڑھ لیا کریں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ذکر کی پابندی کے ساتھ

---

[1] محررہ ۱۱ رمضان ۱۴۰۴ھ (۱۲-۴-۱۹۸۴ء) بنام یکے اہل تعلق وانمباڑی

[2] مکتوب بنام جناب فاروق احمد عرف ابوالحسن صاحب بنگلور۔ محررہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ (۲۷-۱۱-۱۹۸۶ء)

دعوت کے اعمال کا اہتمام کریں تاکہ مقام پر دین کی فضا قائم ہو۔ گھروں میں تعلیم کے لئے لوگوں کا ذہن بنائیں تاکہ ہر ایک کے یہاں بیوی بچوں میں دینداری آئے دین کے بغیر کامیابی نہیں۔ بے دینی سے دنیا کی پریشانیاں اور آخرت کی گرفتاری کا خطرہ ہے۔ اس لئے فکر کے ساتھ کام کریں اور دعائیں کریں۔ [1]

۷ ● آپ کا خط ملا، حالات کا علم ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی محنتوں اور کوششوں اور قربانیوں کو قبول فرمائے۔ اخلاص اور استقامت نصیب فرمائے۔ کسی کی مخالفت کا خیال نہ کریں۔ نہ کسی سے بحث و مباحثہ میں پڑیں۔ بس اپنا کام کرتے رہیں۔ اور اپنی بے بسی اور بے صلاحیتی اور کمزوریوں کو اللہ کے سامنے پیش کر کے اللہ پاک ہی سے مانگیں۔ ہدایت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لوگوں کے دل اسی کے قبضے میں ہیں وہی دلوں کا پھیرنے والا ہے۔ ہمیں تو بس احسن طریقے سے اپنی ترتیب پر کام کرتے رہنا ہے۔ جب ہماری قربانیاں اللہ پاک کے نزدیک قابل قبول ہونگی تو پھر اللہ پاک اپنی قدرت سے دین کو پھیلائیں گے۔

کسی پر تنقید و تبصرہ نہ ہو۔ ہر ایک کے ساتھ اکرام سے پیش آئیں جس کی جتنی ہو سکے مدد کریں۔ لوگوں کو مانوس کرنے کی کوشش کریں۔ جب لوگ آپ سے مانوس ہوں گے آپ کو اپنا ہمدرد سمجھیں گے تو پھر آپ کی دعوت پر دین سے بھی مانوس ہوں گے۔ اپنے علاقے کے پرانے کام کرنے والوں کے مشورہ سے کام کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے آسان فرمائے۔ حالات سے بد دل نہ ہوں۔ گھبرائیں نہیں۔ اپنی محنت اور طریقہ محنت پر بھرپور یقین کے ساتھ کام کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ

---

[1] محررہ ۳ ر ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ (۱۷ ر جون ۱۹۸۸ء)

آپ کی محنتوں کو بار آور فرمائے۔ [1]

۸ ● آپ کا خط ملا، احوال وکوائف معلوم ہوئے۔ آپ کا اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کے فکر واہتمام کی کوشش مبارک ہے اور اس مقصد کے لئے اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے وطن واپس آکر اس کے بہتر نظم وانتظام کی جو صورت آپ نے سوچی ہے وہ مناسب ہے اللہ جل شانہ آپ کے جملہ مقاصد خیر میں کامیابی عطا فرمائے، ہر طرح سہولت وعافیت کا معاملہ فرمائے اور آپ کے پورے گھرانہ کو حق تعالیٰ شانہ دین کی مبارک وعالی محنت کے لئے قبول فرمائے۔ [2]

۹ ● آپ کا خط ملا حالات معلوم ہوئے۔ کارگذاری معلوم ہوئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی کوششوں اور محنتوں کو قبول فرمائے اور دارین کی ترقیات کا ذریعہ فرمائے۔ معمولات انفرادی واجتماعی کا اہتمام فرماتے رہیں اور اللہ سے مانگتے رہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات عالی ہی سب کچھ کرنے والی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے لئے بہترین حلال اور برکت والی روزی کا انتظام فرمائے۔ صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ نصیب فرمائے دعوت کی عالی وعظیم محنت کے ذریعہ سے کوشش کی جارہی ہو کہ ہر ایک اللہ کا بندہ بندہ بن کر اپنی زندگی گذارنے لگے اس کی کوشش کی جارہی ہو۔ اللہ کسی کی کوشش کو رائیگاں نہیں فرماتے ہیں۔ [3]

۱۰ ● روانہ کردہ خط مل کر کاشف احوال ہوا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے تمام احوال کو زیادہ سے زیادہ بہتر اور اچھا سے اچھا بنادیں۔ سو فیصد

---

[1] مکتوب بنام محمد نعیم صاحب جے پور راجستھان۔ محررہ ۲۳ر جمادی الاول ۱۴۱۰ھ (۲۲ر دسمبر ۱۹۸۹ء)

[2] مکتوب بنام محمد افضل قریشی صاحب جرمنی۔ محررہ ۱۷ر رجب ۱۴۱۱ھ (۳ فروری ۱۹۹۱ء)

[3] محررہ ۷ر صفر ۱۴۱۳ھ (۷ر اگست ۱۹۹۲ء)

اپنے مرضیات پر چلنے کی توفیق دیں سنتوں پر عمل کی توفیق عنایت کریں. اور دوسروں میں بھی اللہ کے احکامات حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرنے کی محنت کے لئے قبول فرمائیں کہ یہی چیز ہمارے تمام دنیاوی اور دینی واخروی مسائل کے حل کے لئے ہے. ان کے علاوہ میں نہ دنیا کی بھلائی ہے نہ آخرت کی اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی سمجھ و توفیق دیں. امید کہ معمولات کی پابندی فرماتے ہوں گے. بیعت صرف نام کے لئے نہیں بلکہ کام کے لئے ہے. نمازوں، تلاوت، تسبیحات کی پابندی کے ساتھ دونوں تعلیم، گشتوں، تین دن اور چلہ کی خود پابندی فرماتے ہوں گے. اور دوسروں کو ان کے لئے تیار کرتے ہوں گے. اللہ توفیق دیں مدد کریں آسانی فرمائیں۔[1]

۱۱ ● آپ کا خط ملا حالات کا علم ہوا۔ حالات کا تعلق اعمال سے ہے. حالات کے بگاڑ میں تو اعمال کو اور زیادہ اہتمام سے کرنا چاہیئے تاکہ خدا خوش ہو کر حالات کو بدل دیں. حالات میں اعمال کو چھوڑ دینا یا کم کر دینا حالات کا علاج نہیں بلکہ بسا اوقات حالات کو مزید الجھانے کا ذریعہ بنتا ہے. اس لئے دل لگے یا نہ لگے ہمت سے کام لیں اور اپنے معمولات کو اہتمام سے کرنے کی کوشش فرمائیں. بندہ دعاء کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی جملہ پریشانیوں کو دور فرمائے مقاصد خیر میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔[2]

۱۲ ● آپ کے خط سے معمولات کی پابندی اور دعوت کے اعمال کے اندر اہتمام کی خبر معلوم ہوئی۔ اللہ جل شانہ مبارک فرمائے. جو معمولات آپ نے

---

[1] بنام جناب محمد صدیق صاحب وانمباڑی۔ محررہ ۱۳ ر رمضان ۱۴۱۳ھ، ۷ مارچ ۱۹۹۳ء

[2] مکتوب بنام محمد صدیق صاحب وانمباڑی محررہ ۹ ر جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ (۱۴ ر نومبر ۱۹۹۴ء)

لکھے ہیں انھیں کو پابندی سے پورا کرتے رہیں۔ اور جن کتابوں کے مطالعہ کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے (ان کے مطالعہ میں) کوئی مضائقہ نہیں لیکن ان کی باتوں پر عمل کرنے کی بغیر پوچھے اجازت نہیں ہے۔ نمازوں کے اندر دھیان انشاء اللہ دھیرے دھیرے جمے گا۔ لگے رہیں۔ اور اللہ جل شانہ، سے مانگتے رہیں اللہ جل شانہ استقامت فرمائے۔[1]

۱۳ ● خط موصول ہوا۔ احوال سے مطلع ہوا۔ آپ نے تسبیح وغیرہ میں دھیان نہ لگنے کی شکایت کی پہلے جو طریقہ دھیان کا بتایا تھا اسی پر عمل کرتے رہیئے انشاء اللہ کچھ دنوں بعد دھیان اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ نیز تسبیحات ایک جگہ بیٹھ کر ہی یکسوئی کے ساتھ پڑھی جائے تو بہتر ہے اور اس کے لئے ایک وقت مقرر کرلیں تو بہت بہتر ہوگا۔ نیز ایک وقت مقرر کرکے اس دھیان سے پڑھے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں اور اس کے بعد کون سا لفظ آتا ہے۔ یا اگر تسبیحات کے معنی معلوم ہوں تو ان کے دھیان سے پڑھے۔ چھوٹا درود شریف صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو بتایا گیا ہے۔ اور اگر ہو سکے تو دھیان کے لئے یکسوئی کو بہت دخل ہے اس لئے جہاں تک ہو سکے اس کی مشق کرنے کے لئے جماعت میں نکلا کیجئے۔ مقامی کام میں ——— تعلیم وگشت اور مہینے کی تین دن میں برابر جڑتے رہیئے۔ نیز اپنے قبضہ میں جو کام ہے (اس کو کرتے رہیں) برابر تسبیحات پڑھتے رہیئے۔[2]

۱۴ ● آپ کا خط ملا احوال معلوم ہوئے۔ دعوت کی مبارک وعالی محنت میں کوشش اور تبلیغ کے مقامی اعمال اہتمام کی سعی مبارک ہے۔ ذکر

---

[1] بنام جناب مستحسن صاحب بھوپال۔ محررہ ۲۱؍رجب ۱۴۱۵ھ (۲۵؍دسمبر ۱۹۹۴ء)

[2] بنام ذکی الدین صاحب۔ ٹریفک ڈپارٹمنٹ ٹسکور۔ جمشید پور۔

بالجہر کو دوبارہ شروع کرنے کا عزم وارادہ بھی معلوم ہوا۔ اس کے لئے بہتر وقت تو تہجد کے بعد کا ہے۔ کہ اس وقت یکسوئی بھی رہتی ہے، اور دماغ بھی فارغ رہتا ہے ورنہ جب بھی اہتمام سے پورا کرسکیں مناسب وقت مقرر کرکے پورا کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اللہ جل شانہ استقامت وترقی عطا فرمائے۔ [1]

۱۵ ● معمولات کی پابندی اور سالانہ چلہ کا اہتمام مبارک ہے۔ امید ہے کہ دعوت کے مقامی اعمال اور گھر میں فضائل کی تعلیم کا اہتمام بھی ہو رہا ہوگا آپ نے مزید ذکر کے لئے پوچھا ہے۔ انہیں معمولات کو پورا کرتے رہیں اور اگر وقت نکال کر درود شریف کی ۵ تسبیح کو پابندی کے ساتھ نباہ سکیں تو پڑھ لیا کریں۔ اللہ جل شانہ اخلاص واستقامت عطا فرمائے بندہ دعا گو ہے۔ [2]

۱۶ ● آپ کا خط ملا۔ آپ کے اپنی ذاتی احوال بھی معلوم ہوئے، واہ واہ! بہت اچھی بات ہے کہ اپنے کو کام میں تو لگائے رکھا جائے اور اپنا کوئی حق نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ دین کے کام میں جب آدمی کی منشار کے مطابق کام ہوتا رہتا ہے تب تو آدمی چلتا ہی رہتا ہے۔ لیکن جب طبیعت کے خلاف امور پیش آویں پھر بھی وہ چلتا رہے اسی میں بندہ کے اخلاص کی جانچ ہے۔ اللہ جل شانہ ہم سب کو اخلاص کے ساتھ دینی کام میں لگے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ [3]

۱۷ ● آپ کا خط ملا پڑھ کر حالات سے آگاہی ہوئی اللہ رب العزت

---

[1] مکتوب بنام جناب محمد قاسم صاحب مسجد مدار المہام گنوری۔ بھوپال۔ محررہ ۲ر جمادی الاول ۱۴۱۵ھ (۸-۱۰-۹۴)

[2] بنام جناب مستحسن صاحب بھوپال۔ محررہ ۱۲ر جمادی الاول ۱۴۱۳ھ (۸-۱۱-۱۹۹۲ء)

[3] مکتوب بنام قاسم بھائی بمبئی۔ محررہ ۱۳ر محرم ۱۴۰۳ھ (۳۱-۱۰-۱۹۸۲ء)

۔ آپ کی جملہ پریشانیوں کو دور فرمائے اپنی غیبی تائید شامل حال فرمائے آمین۔ حالات سے متاثر ہو کر اپنے حوصلہ کو پست نہ ہونے دیں۔ حالات کبھی آزمائش کے لئے اور کبھی ترقی درجات وکفارۂ سیأت کے لئے آتے ہیں ان سے زیادہ متاثر نہ ہوں خداوند قدوس سے امید رکھیں کہ ان میں بھی میرے لئے خیر ہے اور اپنے ضعف اور قلت تحمل کو عرض کر کے خدا سے عافیت مانگتے رہیں۔ دعاؤں کا اہتمام رکھیں بندہ بھی آپ کے لئے دعا کرتا ہے۔ [لہ]

۱۸ ● تمہارے اپنے معمولات کی پابندی کا علم ہوا آپ نے مزید کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ جو معمولات چل رہے ہیں انہیں کو پابندی سے پورا کرتے رہیں اور دعوت کے اعمال کا اہتمام کرتے رہیں معمولات کو بڑھانے کی ضرورت نہیں کہ مدرسہ کی خدمات بھی دین ہی کے کام ہیں۔ آپ نے اپنے مدرسہ کے طلبہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بیعت ہونا چاہتے ہیں اس کی کیا صورت ہوگی؟ جو طلبہ بیعت ہونا چاہتے ہیں ان کے نام لکھ کر بھیجدیں، بشرطیکہ وہ اپنی خواہش وطلب سے بیعت ہونا چاہیں۔ تمہارے کہنے یا زور دینے سے نہ ہوں۔ [ٹہ]

اہل ارادت کیلئے معمولات اور وظائف

طالبین ومسترشدین کے لئے آپ کے یہاں وہی سب کچھ تھا جو اپنے جملہ مشائخ اہل حق اور اصحاب معرفت کے یہاں کا معمول و دستور رہا ہے یعنی فرائض سے لے کر سنن ومستحبات تک اور تلاوت قرآن پاک سے لے کر اوراد مسنونہ تک کا اہتمام اور رذائل نفس سے حفاظت کے لئے ذکر وشغل کی پابندی۔

لہ مکتوب بنام قاسم بھائی بمبئی محررہ ـــــــ (۶ مئی ۱۹۹۲ء)

ٹہ مکتوب بنام مولانا محمد کماں خاں انگلینڈ۔ محررہ ۲۲ محرم ۱۴۱۴ھ (۱۱ ستمبر ۱۹۹۳ء)

آپ نے اپنے مریدین و منتسبین کے نام جو مکاتیب لکھے ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اصلاح و تربیت کے سلسلہ میں اِن اِن چیزوں کا اپنی زندگی میں داخل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

• بیعت میں جن چیزوں کے کرنے کا عہد کیا ہے ان کا اہتمام اور جن اعمال کے نہ کرنے کا عہد کیا ہے ان سے احتراز۔

• عبدیت، تقاضائے بشریت، خلافت الہیہ، اور نیابت انبیاء علیہم السّلام کے تعلق سے عائد ہونے والے احکامات کی حتی الامکان پابندی۔ اور ان چاروں لائنوں سے آنے والے حقوق کی حتی الوسع ادائیگی۔

• ظاہر شریعت (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ) کا پورا پورا اہتمام کرتے ہوئے خالص اللہ جل شانہ کے لئے ان کی ادائیگی کا فکر۔

• صبح و شام کی تسبیحات (جن میں ذکر درود شریف اور استغفار بھی شامل ہے) کا التزام و اہتمام

• روزانہ قرآن پاک کی تلاوت اور گھروں میں دینی ماحول پیدا کرنے کے لئے فضائل کی کتابوں کا سننا و سنانا

• دعوتی ماحول قائم کرنے کے لئے گشت میں جانا اور مہینہ کے تین دن اور سال کے چلہ کا اہتمام ہونا۔

مشائخ کاملین کے عام اصول اور ضابطہ کے مطابق حضرت مولانا "ذکر جہری" کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ! اشغالِ صوفیا میں باطن کی صفائی کے سلسلہ میں ذکر بالجہر سب سے زیادہ مؤثر شغل ہے۔ [1]

لیکن یہ تعلیم ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ ان ہی کے لئے تھی جن کے دماغ اور اوقات میں اس کی گنجائش ہو اور وہ پابندی کے ساتھ روزانہ اس کے کرنے

---

[1] روایت جناب الحاج نادر علی خان صاحب علیگ۔

والے ہوں۔

حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھپرولی) اپنا ایک واقعہ اور حضرت مولانا کے بتلائے ہوئے طریقہ ذکر کے متعلق لکھتے ہیں!

ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے عرض کیا حضرت مجھے کچھ پڑھنے کو بتادیں تو برجستہ فرمایا کہ جاؤ مولوی انعام سے پوچھ لو میں حاضر خدمت ہوا اور سلام کے بعد اپنا مدعا عرض کیا اور کہا کہ حضرت جی نے اس مقصد کے لئے بھیجا ہے اس پر آپ نے میری طرف ایک نظر بھر کر دیکھا اور فرمایا تم تو بیمار آدمی ہو۔ مجھے آپ کی زبان سے یہ سن کر بڑا تعجب ہوا کیونکہ میں یقیناً اس وقت بیمار تھا اور اس بیماری کا کسی کو علم بھی نہیں تھا پھر میں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ چار زانو بیٹھو میں بیٹھا تو حضرت نے میرے بائیں گھٹنے کی رگ کو ذرا باہر نکلوا کر اور اپنے دونوں ہاتھوں سے میرے دائیں پیر کے انگوٹھے اور اس کے برابر کی انگلی کو کھول کر اس میں وہ رگ پکڑوائی اور پھر نفی و اثبات تلقین کر کے اسم ذات چار سو مرتبہ اللہ اللہ بتلایا۔[1]

آپ کے ایک مسترشد نے نظام الدین کے قیام میں زبانی طریقہ ذکر معلوم کیا اور پھر اپنے وطن پہنچ کر تحریری طور پر دریافت کیا تو مندرجۂ ذیل الفاظ میں آپ نے اس کی تفصیل لکھ کر بھیجی۔

خط ملا حال معلوم ہو کر مسرت ہوئی۔ اللہ رب العزت استقامت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ بارہ تسبیح جو بتلائی تھیں ان کی ترتیب پھر بتلاتا ہوں، وہ یہ کہ سورہ فاتحہ تین دفعہ آیۃ الکرسی ایک دفعہ سورہ اخلاص تین مرتبہ پڑھ کر اپنے چاروں سلسلہ کے حضرات کو بخشیں۔ پھر گیارہ

---

[1] مکتوب حافظ صاحب بنام راقم سطور۔

مرتبہ درود شریف گیارہ مرتبہ استغفار اور یا حی یا قیوم برحمتک
استغیث اسئلک من فضلک یا اللہ یا اللہ یا اللہ ان تطہر
قلبی عن غیرک ان تنور قلبی بنور معرفتک ابداً ابداً الاحول
ولا قوۃ الا باللہ تین مرتبہ پڑھ کر لا الٰہ الا اللہ دو سو مرتبہ اسی
دھیان اور ترکیب سے جو کہ میں نے بتلائی تھی۔ اور ہر دس مرتبہ کے بعد
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ لیں۔ اس کے بعد الا اللہ چار سو مرتبہ
اس کے بعد اللّٰہ اللّٰہ چھ سو مرتبہ آخر میں اللہ اک ضربی ایک سو مرتبہ۔ آخر
میں مراقبہ میں بیٹھ جائیں اور دھیان کریں کہ اللہ کا نور دل میں داخل
ہو رہا ہے نیز نوافل تلاوت وغیرہ کا اہتمام فرماتے ہوئے نماز باجماعت کی
پابندی فرمائیں۔ اور مقامی کام میں ——— اہتمام سے شرکت فرماتے رہیں[1]۔

جناب محمد صدیق صاحب (وانمباڑی) کو چند مزید ہدایات کے ساتھ ذکر جہری کی
تعلیم اس طرح دیتے ہیں!

آپ نے جو مزید ذکر کو پوچھا ہے تو اگر آپ پابندی سے کر سکتے ہیں
اور ناغہ نہ ہو اس لئے کہ ناغہ ہونے کی صورت میں جسمانی اور روحانی
تکلیف بڑھنے کا اندیشہ ہے تو آپ باوضو چار زانو بیٹھ کر ان تسبیحات
کو پڑھیں۔ اول و آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف اور گیارہ گیارہ
بار استغفار اور شروع میں تین مرتبہ چوتھا کلمہ پھر دو سو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ
اس طرح کہ ہر دسویں بار پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں۔ پھر چار
تسبیح الا اللہ کی پڑھیں۔ پھر تسبیح اللہ اللہ اور پھر ایک تسبیح اللہ اللہ
کی اس طرح کل تیرہ تسبیح ہوئیں۔ اور اول و آخر جو پڑھنے کو بتایا ہے
اس کو پڑھیں۔ بہتر یہ ہے کہ اگر وہاں کوئی جاننے والا ہو تو اس سے

---

[1] بنام احمد حسن صاحب نہٹور، بجنور۔

پڑھنے کا طریقہ معلوم کرلیں۔ نیز مقامی اعمال میں اہتمام سے شرکت فرماتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں آسان فرمائیں۔ آمین۔ [1]

اصلاح وتربیت کے چند واقعات

حضرت مولانا کے مزاج کو سمجھنے کے لئے چند تربیتی واقعات کا تذکرہ یہاں مفید ہوگا جو اہل تعلق نے لکھ کر بھیجے ہیں۔

(۱) ایک دن حضرتؒ حجرے میں تشریف فرما تھے منشی بشیر صاحب کوئی بات پوچھ رہے تھے۔ میں بھی وہیں بیٹھا تھا ایک دیہاتی بوڑھا آیا۔ سلام مصافحہ کیا اور بیٹھ گیا حضرتؒ منشی جی کی طرف پھر متوجہ ہوگئے۔ بڑے میاں کو بیٹھے بیٹھے خیال ہوا کہ کچھ کرنا چاہیئے آگے بڑھ کر حضرت کا پاؤں دبانا شروع کر دیا حضرت نے روک دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر دبانے لگے۔ حضرت نے پھر منع فرمایا کہ نہیں بھائی یہ وقت نہیں ہے۔ بڑے میاں نے جب سہ بارہ پاؤں پکڑا تو حضرت نہایت پھرتی سے اٹھے اور ان کا پاؤں پکڑ کر دبانا شروع کر دیا وہ گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ اور فرمایا دوسروں کے لئے وہ کیوں پسند کرتے ہو جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔ [2]

(۲) مستورات کی بیعت کے لئے حضرت جی نور اللہ مرقدہ بڑے سعید میاں بھوپالی کے گھر تشریف لے گئے سعید میاں نے کچھ چائے وغیرہ کا انتظام بھی کیا تھا۔ بیعت اور دعاء سے فارغ ہو کر حضرتؒ اٹھنے لگے تو سعید میاں نے عرض کیا حضرت چائے آرہی ہے۔ دو منٹ میں حضرت کھڑے ہوگئے گھڑی نکال کر ہاتھ میں لے لی فرمایا بھائی آدھا منٹ ہو گیا۔ اب ایک

---

[1] مکتوب محررہ ۹ر شوال ۱۴۱۵ھ (۱۱ر مارچ ۱۹۹۵ء)

[2] روایت بھائی اقبال حفیظ بھوپال۔

منٹ ہوگیا۔ چائے دو منٹ میں نہ آسکی۔ حضرتؒ نے فرمایا وہ کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں۔ پھر ساتھیوں کو تو منع نہیں فرمایا لیکن خود کچھ نوش نہیں فرمایا۔ ؎[1]

(۳) بنگلور میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع تھا۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس موقعہ پر ایک جماعت ملاقات ومصافحہ کے لئے آپ کے پاس آئی ان میں زیادہ تر نوجوان تھے جنکے سروں پر لمبے لمبے انگریزی بال تھے۔ ان نوجوانوں نے دعا کی درخواست کی تو حضرت جی نے بہت بشاشت کے ساتھ ان کو دعائیں دیں۔ اسی موقعہ پر ایک صاحب نے حضرت جی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھوالیا۔ پھر اسی جماعت کے ایک اور ساتھی آگے بڑھے اور کہا کہ میرے سر پر بھی ہاتھ رکھ دیجئے میں تو آپ سے بیعت بھی ہوں۔ یہ سن کر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ جب تم یہ کہتے ہو کہ میں تمہارا پیر ہوں تو کیا مجھے یہ حق نہیں کہ میں تمہاری اصلاح کے لئے کچھ عرض کروں۔ پھر فرمایا کہ بال تو آپ کے انگریزی اور میں سر پر ہاتھ رکھوں تو پھر کس چیز میں برکت ہوگی۔ برکت تو سنت میں ہے ان صاحب نے اسی وقت آب دیدہ ہو کر جواب دیا کہ میں اب انگریزی بالوں کے بجائے سنت کے مطابق بال رکھوں گا۔ حضرت جی ان کے اس کہنے پر مسرور ہوئے اور دعائیں دیں۔ ؎[2]

(۴) اللہ جل شانہ نے آپ کو حسن تدبیر کے ساتھ اصلاح کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کی بھی اصلاح فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا

---

[1] روایت بھائی اقبال حفیظ بھوپال۔

[2] روایت مولانا شبیر احمد جنگاؤں۔

واقعہ ہے کہ ایک خادم سے کوئی دوا منگوائی اور دوا کے لئے پیسے بھی مرحمت فرمائے ان صاحب نے دوا لاکر حضرت جی کی خدمت میں پیش کردی، لیکن بچے ہوئے پیسے جو غالباً آٹھ یا بارہ آنہ تھے کے متعلق کچھ نہیں بتلایا کہ وہ کیا ہوئے۔ حضرت جی نے بھی ان سے اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ چند روز بعد یہی دوا ان خادم سے دوبارہ منگوائی تو لاتنے پیسے کم دیئے جو ان کی طرف بقایا تھے۔ اس خادم کو اس وقت احساس ہوا کہ مجھے ایسی غلطی نہیں کرنی چاہیئے تھی اور پہلی ہی مرتبہ میں مجھے حساب صاف بتلانا چاہیئے تھا۔ [1]

(۵) میرے ایک نومسلم دوست عبدالقادر صاحب ہیں۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ ان سے بہت محبت فرماتے تھے۔ انہوں نے ہاتھ میں رکھنے کی وہ تسبیح جو گھڑی کی طرح پڑھتے وقت کٹ کٹ کرتی رہتی ہے خریدی اور مجھ سے کہنے لگے اس کو ہاتھ میں رکھ کر تسبیح پڑھنا کیسا ہے؟ میں نے کہا بھائی حضرت جی سے معلوم کرلینا۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا تو حضرتؒ نے فرمایا ہاں بھائی کھیلنے کے لئے تو ٹھیک ہے۔

بس وہ بیچارے ڈر گئے اور جب ہی فروخت کرکے تسبیح متعارف لے کر پڑھنے لگے۔ [2]

(۶) ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضرت دعوت کی مشغولی میں بعض مرتبہ معمولات آگے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ کیا کروں؟ حضرت اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ بیٹھ گئے اور ذرا لہجہ بدل کر فرمایا کیوں بھائی فجر سے پہلے کیا کرتے ہو؟ بس میں ڈر گیا اور اس روز سے بیشتر معمولات فجر سے

---

[1] ماہنامہ البنوریہ کراچی حضرت جی نمبر۔

[2] روایت حافظ محمد یوسف صاحب ٹانڈہ چھپرولی

قبل ہی پورے کرنے شروع کر دیئے۔ اب الحمدللہ حضرتؒ کی توجہ کی برکت سے میرے معمولات عموماً فجر سے قبل ہی پورے ہو جاتے ہیں۔ اللھم لک الحمد ولک الشکر۔

(۷) ___ ایک مرتبہ میں جماعت میں کشمیر گیا وہاں میرے کسی ساتھی نے میرے لئے ایک گرم کشمیری طرز کا پائجامہ بنوا دیا جس کا میں نے استعمال شروع کر دیا۔ واپسی پر میں مرکز آیا تو حضرتؒ پارک میں عصر کے بعد ٹہل رہے تھے۔ میں نے چلتے چلتے مصافحہ کیا تو مصافحہ فرما لیا لیکن بار بار میرے پائجامے کو دیکھتے رہے۔ مجھے یہ بات کھل گئی کہ یہ حضرت کی ناراضگی کا سبب ہے۔ میں نے پائجامہ دوسرا بدل لیا تو حضرت پر بشاشت آگئی اور کچھ نہیں فرمایا۔ حضرت خود بھی سادہ رہتے تھے اور ساتھیوں کی بھی سادگی پسند تھی۔

(۸) ہاتھ میں لٹکانے کا کالے رنگ کا لمبا سا جھولا بھائی قاسم بیگ والے (بمبئی) نے ایک مجھے بھی دیدیا میں اس کو ہر وقت ہاتھ میں رکھنے لگا۔ ایک مرتبہ ہماری جماعت روانہ ہو رہی تھی۔ حضرتؒ جی دعا کے لئے ممبر پر تشریف فرما تھے۔ دعا کے بعد پہلا نمبر مصافحے کا میرا ہی تھا حضرت نے مصافحہ کو ہاتھ بڑھایا تو وہ جھولہ میرے ہاتھ میں الجھ گیا میں اسے نکالنے لگا تو حضرتؒ نے فرمایا ہاں بھی جھولہ رکھا کرو تاکہ لوگ سمجھیں کہ بہت بڑے مبلغ ہیں۔ بس اس دن سے میں نے جھولہ ہاتھ میں رکھنا چھوڑ دیا۔

(۹) حضرت جیؒ کے یہاں اصلاح و تربیت کا انداز بہت نرالا تھا۔ خدام کی ہر لائن سے تربیت فرماتے تھے۔ منجملہ ان کے وعدہ کا پاس و لحاظ بہت تھا۔ اور جتنا وعدہ فرماتے اس کو پورا کرتے اس سلسلہ کے دو واقعے لکھتا ہوں۔

• چھپر ولی کے لوگوں نے ہمارے گاؤں سے واپسی پر حضرتؒ کے ۵ منٹ مانگے۔ حضرت نے فرمادیا بھائی بہت اچھا وہ لوگ چلے گئے حضرت اپنے وقت پر روانہ ہوکر چھپر ولی پہنچے وہ حضرات انتظام میں لگے ہوئے تھے۔ حضرت کی خبر سن کر وہ لوگ آئے مگر ۵ منٹ پورے ہو چکے تھے حضرت نے گھڑی دیکھی اور روانہ ہو گئے کوئی چیز بھی استعمال نہیں فرمائی۔ فرمایا بھائی تمہارا وعدہ پورا ہوگیا۔

• اسی طرح ایک مقام پر جاتے ہوئے وہاں والوں کو ایک گھنٹہ دے دیا کھانا ناشتہ کچھ طے نہیں تھا۔ وقت پر تشریف لے آئے۔ دعا فرمائی مقامی لوگوں نے کھانا ناشتہ سب تیار کر رکھا تھا۔ مگر حضرت نے پانی تک نہیں پیا اور فرمایا بھائی کھانا ناشتہ یہ یہاں طے نہیں تھا یہ فرما کر تشریف لے گئے۔

سترھواں باب

حیاتِ مستعار کا آخری سفر

اور

سانحۂ وفات

غالب وہ شخص تھا ہمہ داں، جس کے فیض سے
ہم سے ہزار، ہیچ مداں، نامور ہوئے
زہد و ورع، صدق و صفا اور حسن و عشق
چھ لفظ اس کے مرتے ہی بے پا و سر ہوئے

(از نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ بر وفات مرزا غالب)

حیاتِ مستعار کا آخری سفر
اور
سانحۂ وفات

حضرت مولانا کی دینی و دعوتی جد و جہد سے بھرپور حیاتِ طیبہ کا آخری دینی و دعوتی سفر ۶؍محرم الحرام ۱۴۱۶ھ ۶؍جون ۱۹۹۵ء میں کیسروہ ضلع مظفر نگر یوپی کا ہوا۔ ضعف و کمزوری کے ساتھ ساتھ ان ایام میں دل کی تکلیف اور سینہ کی چبھن بھی تھوڑے وقفہ کے ساتھ ہو رہی تھی، لیکن اپنے مزاج اور عادت کے مطابق اجتماع کے تمام معمولات بیان بیعت دعا، مصافحہ سب اسی اہتمام اور ذمہ داری کے ساتھ پورے فرمائے۔ اس اجتماع میں دعا سے قبل حضرت مولانا نے جو بیان فرمایا وہ آخری اجتماع کا آخری بیان ہونے کے اعتبار سے تاریخ کے صفحات پر ایک نہ مٹنے والا یادگار نقش

قائم کر گیا ہے، اس لیے یہاں اس کا پورا متن پیش کیا جاتا ہے۔
خطبۂ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا—!

میرے عزیزو دوستو بزرگو   اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا کسی سے رشتہ نہیں ہے کسی سے نسب نہیں وہاں نہ کسی کی پوچھ ہے انسان اپنے عملوں کے ساتھ ہے انسان عمل کرتا ہے تو خدا کے یہاں اس کی پوچھ ہے خدا کے یہاں اس کا رتبہ ہے لیکن آج کا مسلمان جتنا عملوں سے دور ہے اتنا ہی خدا سے دور ہے آج ہم عملوں سے بیگانہ ہیں عملوں سے بہت دور ہیں اس لئے ہمیں کوشش کرنی ہے اس بات کی کہ ہم عمل کرنے والے بنیں اللہ کے قرب والے بنیں اللہ جل شانہ ہم سے راضی ہو جائے جتنا عمل کیا جاوے گا اتنا ہی خدائے پاک راضی ہوں گے اور عمل نہیں کیا جاوے گا تو خدائے پاک کا کوئی رشتہ نہیں ہے اسلئے میرے عزیزو دوستو ہمیں اس کی کوشش کرنی ہے کہ ہم عمل کرنے والے بنیں، ہم خدا کے قریب ہونے والے بنیں اللہ جل شانہ عم نوالہ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرماویں عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور عملوں کا ہمارے اندر شوق پیدا فرماویں یہ ہر ایک کی اپنی اپنی محنت ہے اپنی اپنی کوشش ہے جو جتنی محنت کرے گا جتنی کوشش کرے گا اتنا خدا تعالیٰ کا قرب اس کو حاصل ہوگا خدا کے نزدیک ہوگا خدائے پاک کا لاڈلا ہوگا اس لئے میرے عزیزو دوستو ہمیں عمل کرنے کی کوشش کرنی ہے ہمیں عمل کی عادت ڈالنی ہے عملوں کو اپنی زندگی میں لانا ہے ہم جہاں رہیں عمل کرنے والے بنیں اپنے کھیت میں اپنے بیگار میں اپنے مکان میں اپنی دکان میں جہاں ہوں عمل کرنے والے بنیں۔

اللہ جل شانہ عم نوالہ ہمیں عمل کرنے کا شوق نصیب فرمائے آمین عمل کرنے کا جذبہ ہمارے اندر پیدا فرمادے، یہ ہر ایک کی اپنی اپنی

کوشش ہے جو جتنی کوشش کرے گا جو جتنی محنت کرے گا اللہ جل شانہ عم نوالہ اس سے راضی ہونگے۔

اس تقریر کے بعد حضرت مولانا نے بیعت سے متعلق کچھ ہدایات اور نصائح اور بیعت کا مقصد بتلا کر مجمع عام میں بیعت فرمائی اور دعاء و مصافحہ فرما کر جماعتیں روانہ کیں اور کاندھلہ روانہ ہو گئے۔ ـــــ وہاں ـــــــــــــــ

حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب زاد مجدہ کے مکان پر پہنچکر کھانا کھا کر نماز ظہر کی تیاری فرمائی وضو کے وقت احقر (راقم سطور) کو (جو پاس ہی کھڑا ہوا تھا) مخاطب کر کے فرمایا کہ کل صبح یہیں سے سہارنپور چلے جانا گرمی بہت ہو رہی ہے بندہ نے عرض کیا کہ اس طرح میرا یہ سفر ناقص ہو جائے گا۔ اگر رائے ہو تو دہلی پہنچ کر پھر سہارنپور واپس ہو جاؤں، اس پر فرمایا کہ " یہ تو صحیح ہے لیکن گرمی بہت ہے، بعد میں مولانا زبیر صاحب سے مشورہ کے بعد احقر نے اس ارشاد گرامی پر عمل کرنا مناسب سمجھا۔

۸ محرم کی صبح حضرت مولانا دونوں گھروں میں ملاقات کرتے ہوئے باہر تشریف لائے اور مسجد کے قریب کھڑے ہو کر مجمع سے سلام و مصافحہ کے بعد گاڑی میں سوار ہو گئے اسی وقت احقر نے بھی (آخری) رخصتی مصافحہ کیا۔ مصافحہ کے وقت خوب یاد ہے کہ پھر یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ " جلدی چلے جانا، دیر مت کرنا "۔ چنانچہ احقر اسی وقت سہارنپور کے لئے روانہ ہو کر ایک بجے دوپہر مکان پہنچ گیا، دہلی پہنچکر حضرت مولانا نے اپنی حیات مستعار کا بقیہ ڈیڑھ دن پورا فرما کر داعی اجل کو لبیک کہا۔

اس حادثہ کے بعد ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ اگر حضرت مولانا کی منشا کے خلاف احقر کی کاندھلہ سے دہلی روانگی ہو جاتی تو پھر اگلے دن دہلی و سہارنپور کے درمیان

آمد و رفت اور مستورات کو سہارنپور سے دہلی پہنچانے میں بڑی دشواری اور دقت پیش آتی۔

علالت کا آغاز

حضرت مولانا کی علالت کا سلسلہ آخری سالوں میں کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا تھا۔ اختلاج قلب ذیابیطس کی شدت میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جس نے ضعف و کمزوری میں نمایاں اضافہ کیا۔ کئی بار علاج کی غرض سے اسپتال میں بھی داخلہ لیا. مشہور معالج قلب ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب اور آپ کے آخری دور کے خصوصی معالج ڈاکٹر محسن ولی برابر بہتر سے بہتر علاج و تدبیر میں مصروف رہتے لیکن صحت کی رفتار میں اتار چڑھاؤ چلتا رہتا تھا۔ وہ علالت جس میں حادثہ وفات پیش آیا وفات سے چند گھنٹے قبل شروع ہوئی۔

حضرت مولانا نے ۹ محرم (۹ ر جون) میں اپنی حیات کا آخری جمعہ ہمیشہ کے معمول کے مطابق بڑے اہتمام کے ساتھ ادا کیا اور نماز عشا تک روزمرہ کے معمولات اور مشاغل برابر پورے فرمائے یہاں تک کہ نماز مغرب بعد کی اوابین بھی روزانہ کی طرح ادا کی۔ کھانا کھایا اور اس سے فراغت پر نماز عشاء ادا کی اور پھر کچھ دیر اپنی مسند پر تشریف فرما رہنے کے بعد جب آرام کے لیے لیٹے تو قلب میں تکلیف کا احساس ہوا جس نے تھوڑی ہی دیر میں نازک اور خطرناک شکل اختیار کر لی۔ بے چینی اتنی تھی کہ آپ بستر پر کبھی اٹھتے اور کبھی بیٹھتے تھے۔ اسی موقع پر قضاء حاجت کے لیے بیت الخلاء جانا ہوا، وہاں سے واپسی پر دیکھنے والوں کو آنے والے خطرات کا احساس ہوا، تو فوراً مشہور معالج قلب ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب کو فون کے ذریعہ اطلاع دی گئی اور وہ چند ہی منٹ میں حضرت مولانا کے کمرہ میں پہونچ گئے

ہسپتال روانگی

ڈاکٹر صاحب نے فوری طور پر کچھ دوائیں اور انجکشن دیئے اور فوراً ہسپتال لے جانا ضروری بتلایا چنانچہ جناب حافظ کرامت اللہ صاحب اور جناب سلامت اللہ صاحب اپنی گاڑیاں لے کر آئے اور حضرت مولانا اسی وقت ہسپتال کے لیے روانہ ہو گئے۔ کار میں پچھلی سیٹ پر آکسیجن کے ساتھ آپ کو لٹا دیا گیا. مولوی عبداللہ جھانجی گجراتی عزیز مولوی محمد صالح سلمہ آپ کے پاس بیٹھے۔ اگلی سیٹ پر ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب تھے

آخری لمحات ووفات

گاڑی ابھی تھوڑی ہی دور چلی تھی کہ حضرت مولانا کے سانس کی کیفیت بدلنے لگی۔ اسی لمحہ عزیز مولوی محمد صالح سلمہٗ نے جنکی گود میں حضرت مولانا کا سر تھا دریافت کیا کہ ابا کیسی طبیعت ہے اس پر فرمایا "اللہ کا شکر ہے" یہ آخری جملہ تھا جو آپ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوا۔

اسی امید وبیم کے عالم میں تیز رفتاری کے ساتھ ہسپتال پہونچے اور تمام تر جدید سہولتوں طبی آلات اور قیمتی سے قیمتی دواؤں کے باوجود امر الٰہی غالب اور نافذ ہو کر رہا۔ اور حضرت مولانا عالم آخرت پر روانہ ہوگئے۔ صاحبزادہ مولانا زبیر الحسن صاحب اس موقع پر تحمل ووقار کا پہاڑ بنے ہوئے ہسپتال میں موجود تھے۔ وہ وفات کے بعد مرکز نظام الدین واپس آئے اور گھر کی مستورات کو اطلاع دے کر اور صاف دھلے ہوئے کپڑے (چادریں وغیرہ) لے کر دوبارہ ہسپتال پہنچ گئے تاکہ میت کو ڈھانپ کر ہسپتال سے واپس لائیں۔

مرکز نظام الدین پہنچ کر تجہیز وتکفین کی تیاری شروع کی گئی اور شب ہی میں غسل دیدیا گیا۔

—— راقم الحروف جو اس موقع پر سہارنپور تھا شب میں گیارہ بجے سانحۂ ارتحال کی اطلاع پر مع اہلیہ واطفال ودیگر افراد خاندان دہلی کے لیے روانہ ہوگیا۔

نماز جنازہ وتدفین

اگلے روز بعد نماز فجر مرکز کے تمام ذمہ دار حضرات کا مشورہ ہوا جس میں نماز کے وقت کی تعیین اور مقام تدفین کی تعیین ہو کر اعلان ہوا کہ نماز جنازہ بعد نماز عصر ہمایوں کے مقبرہ سے متصل وسیع پارک میں ادا کی جائے گی اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے برابر میں تدفین ہوگی۔

نماز فجر کے بعد سے نماز عصر تک آخری دیدار کرنے والوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چلتا رہا۔ ہندوستان وپاکستان کے ریڈیو وٹیلی ویژن وقفہ وقفہ سے انتقال کی خبر دیتے رہے ——

—— جیسے جیسے شام ہو رہی تھی مجمع متواتر اور مسلسل بڑھ رہا تھا۔ دہلی، میوات، یوپی، راجستھان یہاں تک گجرات، بمبئی، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش اور بہار وغیرہ تمام اطراف وجوانب سے مخلوق خدا ٹوٹ پڑی۔ عاشورہ محرم کی تعطیل کی وجہ سے غیر ممالک میں تمام سفارت خانے بند

تھے جو حکومت ہند کے حکم سے فوری طور پر کھولے گئے اور دہلی آنے کے لیے ویزے جاری ہوئے جس پر دور دراز ممالک سعودی عرب، امارت عربیہ متحدہ، پاکستان، بنگلہ دیش، افریقہ برطانیہ وغیرہ سے مختلف ہوائی جہازوں اور چارٹر پلین کے ذریعہ خلق خدا مرکز نظام الدین پہنچ گئی۔

بعد نماز عصر جنازہ بڑی کوشش، جدوجہد اور دقتوں کے ساتھ پارک میں لے جایا گیا۔ مجمع کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ مرکز سے پارک تک پانچ منٹ کا راستہ ایک گھنٹہ میں طے ہوا۔ تمام انتظام فیل ہو چکا تھا اور انتظام کرنے والے بے بس ہو چکے تھے۔ فرط غم سے بے قابو ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر آن اس میں ہزاروں افراد کے حساب سے اضافہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ محتاط اندازہ کے مطابق نماز جنازہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد چار لاکھ افراد کی تھی۔ نماز جنازہ آپ کے فرزند حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب نے پڑھائی۔ جنازہ جس پر لکڑی کی بڑی بڑی بلیاں باندھی گئیں تھیں۔ مرکز سے جاتے ہوئے تو ہزاروں ہزار افراد کے کاندھے پر لے جایا گیا لیکن واپسی میں پولیس کی بڑی گاڑی میں مرکز پہنچایا گیا اور مرکز کے اس گوشہ میں جہاں مولانا محمد اسماعیل صاحب۔ مولانا محمد الیاس، مولانا محمد یوسف رحمہم اللہ تعالٰی کی قبور ہیں۔ مغربی جانب مولانا یوسف صاحب کی قبر سے متصل اس محبۂ دعوت و تبلیغ کو رحمت الٰہیہ کے آغوش میں دے دیا گیا۔

حلیہ اور سراپا

حضرت مولانا کا قد دراز، رنگ گورا چٹا، جسم ہلکا پھلکا لیکن مضبوط، چہرہ گول، ڈاڑھی بھرپور اور سفید، آنکھیں بڑی بڑی اور روشن تھیں پیشانی کشادہ اور ناک اونچی تھی، دانت اور ہونٹ پان کے بکثرت استعمال سے قدرے سرخی مائل رہتے تھے۔

مولانا اکبر القاسمی آپ کے حلیہ، حسن و جمال اور سراپا کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں!

حضرت جی مولانا انعام الحسن اپنے خد و خال اور شکل و صورت کے اعتبار سے دلکش تھے اور آپ کا انداز و ادائیں دل ربا تھیں۔ سپید و سرخ رنگت، متناسب اعضاء گداز جسم، بڑی بڑی آنکھیں، کشادہ پیشانی، نرم و نازک ہونٹ، ستوان ناک، بڑے بڑے کان، قدرتی طور پر سرمگیں آنکھیں، گنجان اور ایک خاص سلیقہ کے ساتھ صاف ستھری ڈاڑھی، چوڑا چکلہ سینہ، ہاتھ لانبے، رفتار سبک، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار کا نمونہ چلتے تو قدموں کی چاپ محسوس نہ ہوتی، اس حسین اور پرکشش قامت پر جب عمامہ باندھتے تو ایک فرشتہ انسانوں کی دنیا میں چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ عام لباس سپید ہوتا اور سر پر دو پلی ٹوپی ہوتی۔ مرض کے غلبہ کے باوجود خوبی اور رعنائی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جب غسل دے کر کفن پہنایا گیا تو دونوں رخسار گلاب کے پھول نظر آرہے تھے۔ لاکھوں انسانوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور مغفور ہونے کی نشانی قرار دی حسن و جمال اور متوازن قامت پر نور علم اور نور ایمانی مستزاد تھا۔ معصومیت دل نوازی اور دل ربائی ایک قدرتی اضافہ تھا۔ یہ حسن و کشش اس بلا کی مؤثر تھی کہ غیر مسلم دیکھ کر بے اختیار ہاتھ جوڑ لیتے اور کہتے کہ انسان تو بہت دیکھے مگر آج تک ایسا انسان نہیں دیکھا[1]

---

[1] مختصر تذکرہ و سوانح حضرت جی رہ ص۲۳

مولانا خالد ندوی (غازی پور) متعدد مرتبہ حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ آپ کے حلیہ اور سراپا کے متعلق اپنا تاثر اس طرح ظاہر کرتے ہیں!

حضرت جی مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کی خدمت میں راقم سطور کو کئی بار حاضری کا موقع ملا چہرہ نورانی اور آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ کسی کے استفسار پر مختصر جملوں میں اس کا جواب دیتے چہرے پر ہمہ وقت مسکراہٹ کی قوس وقزح قائم رہتی۔ زیر لب حرکت سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہ ہوتا کہ ذکر کا اہتمام ہر وقت جاری ہے آخر میں بہت کمزور ہو گئے تھے لیکن بیدار مغزی اور تیقظ میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ [1]

عالم انسانیت کے حضرت جی

حضرت مولانا کے المناک سانحۂ ارتحال پر فضا عالمی طور پر غم و حزن میں ڈوبتی چلی گئی جس نے بھی یہ خبر سنی دل تھام کر رہ گیا اور پھر دنیا بھر سے وفود، قافلے، افراد دیوانہ وار آخری دیدار اور نماز جنازہ میں شامل ہونے کی غرض سے مرکز نظام الدین کے لئے روانہ ہو گئے جو نہیں آسکے انھوں نے خطوط، فیکس، تار اور تعزیتی پیغامات وتاثرات کے ذریعہ اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کرتے ہوئے حق تعزیت ادا کیا۔

جناب منصور آغا خلق خدا کی اس وارفتگی اور عشق وبے خودی کی اس حیرتناک کیفیت کو سچے دل کے ساتھ خدمت خلق کا نتیجہ واثر بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں!

یہ واقعہ کسی معجزہ سے کم نہیں کہ جس شخص کا نام کبھی ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کی سرخیوں میں نہ آتا ہو وہ جب اس دنیا سے رخصت ہوا تو لاکھوں افراد اس کے لئے اشکبار ہوں اور دنیا کے ہر خطے میں اس کی مغفرت کے لئے دعا کے ہاتھ اٹھے ہوں۔ اور چند گھنٹوں

---

[1] ماہنامہ بانگ درا لکھنؤ جولائی ۹۵ء

کے اندر اندر لاکھوں افراد اس کی میت میں شرکت کے لئے گھروں سے
نکل پڑے ہوں کسی جبر اور لالچ میں نہیں بلکہ عقیدت اور احترام کے ساتھ
سر جھکائے۔ اور غم میں ڈوبے ہوئے یہ خاصیت انسان میں اسی وقت
پیدا ہوتی ہے جب وہ دنیاوی جاہ وحشم کے لالچ کو تیاگ کر سچے دل سے
خدمت خلق کو اپنا شیوہ بنالے۔ [1]

اس نسخۂ[2] آدمیت کے سانحۂ ارتحال پر موصول ہونے والے تعزیتی پیغامات
اور رسائل وجرائد کے تاثرات کا ایک منتخب حصہ (قدرے وسعت کے ساتھ) یہاں
پیش کیا جاتا ہے۔ ان پیغامات وتاثرات کے مطالعہ سے جہاں حضرت مولانا
کی مقبولیت اور محبوبیت سے بھرپور ایک شبیہ اور تصویر ابھر کر سامنے آئے گی
وہیں ان کے محامد ومحاسن کے بہت سے پہلو بھی قارئین پر کھلیں گے۔ اس کے
علاوہ ان کے زمانہ میں ہونے والے دعوتی کام پر ان کی تبریک وتہنیت اور عالمی
سطح پر اسکے پھیلاؤ پر ممنونیت اور ان کی وفات سے پیدا ہونے والے خلاء پر عمومی
فکر وتشویش کا بھی بخوبی اندازہ ہوگا۔

سوانح کے قارئین یہ تمام تعزیت نامے تین عنوانات کے تحت ملاحظہ کریں۔

علماء ومشائخ اور اصحاب قلم کے تعزیت نامے

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ داعی اول حضرت مولانا محمد
محمد الیاسؒ کے خاص معتمد علیہ اور تربیت یافتہ تھے وہ جب امیر منتخب
ہوئے تو ان کے زمانۂ امارت اور قیادت میں تحریک نے بڑی وسعت

---

[1] روزنامہ قومی آواز دہلی۔ [2] حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے اپنے دور کے ایک صاحب دل بزرگ
کے بارے میں اپنے مکاتیب میں یہی جملہ استعمال فرمایا ہے اور پھر ان کی وفات پر لکھا ہے کہ. مرد ند وآدمیت بخاک
بردند (دنیا سے چلے گئے اور آدمیت خاک میں مل گئی)

و کامیابی حاصل کی۔ اور وہ دور دراز ملکوں میں پھیلی اور اس نے اپنے اثرات دکھائے۔ اس میں مولانا انعام الحسن صاحب کی استقامت، روح محافظت اور اس جذبہ کو بہت دخل تھا کہ یہ دعوت اپنے اصل راستہ اور ابتداء کار کے معمول بہ نظام اور حدود سے تجاوز نہ کرنے پائے اس لئے انہوں نے انہیں حدود دائرہ کار میں رکھا جو ابتداء میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے مقرر کر رکھے تھے۔

مولانا کے جنازہ پر معتقدین اور محبین کارکنان تبلیغ اہل شہر قرب وجوار بلکہ دور دراز کے شہروں (جن میں بمبئی کلکتہ وغیرہ بھی شامل ہیں) کے مخلصین، معتقدین، کارکنان تبلیغ کا ایسا ازدحام ہوا جو برسوں سے نہ صرف دہلی بلکہ ہندوستان کی سرزمین پر بھی نہیں دیکھا گیا۔ معلوم ہوا کہ ممالک غیر سے بھی لوگ جہازوں پر بلکہ چارٹر پلین کر کے آئے۔ لوگ ان کی تعداد لاکھوں کی تعداد بتاتے ہیں۔

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی زاد مجدہ

تعمیر حیات لکھنؤ جولائی ۱۹۹۵ء

دعوت وتبلیغ کی اس تیز رفتار گاڑی کو (مولانا محمد یوسف صاحب کی وفات کے بعد ــــــــــ حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے سنبھالا۔ اور اپنی استقامت وقوت ارادی سے (جو انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہوئی تھی) اس رفتار کو مزید تیز کر دیا۔ اور اس جماعت کا میدان عمل پوری دنیا کو بنا دیا۔ فالحمد للہ۔ حضرت مولانا انعام الحسن بہت متحمل، بردبار اور ذہین وفطین شخص تھے۔ پیشرو حضرات کی روایات سامنے تھیں بلکہ ان کو کام کرتے دیکھا تھا۔ لہٰذا کام کو تیز تر کیا لیکن اصولوں میں سر مو انحراف نہ آنے دیا۔ (مولانا عبد الرشید ارشد پاکستان ماہنامہ البنوریہ ۱۱۶)

حضرت مولانا انعام الحسنؒ حسن و جمال کے پیکر زیبا شرافت کی تصویر علم و کمال کا مرقع اور دین و دانش کے تمثال تھے۔ آپ کو مختلف بزرگان امت کی توجہات اور نسبتیں میسر تھیں۔ آپ کی زندگی کا خاص جوہر یہ تھا کبھی اس نسبت کی شعائیں، کبھی اس انتساب کی گرمی، درس میں بیٹھتے تو تحقیقات کا انبار آپ کے جلو میں ہوتا، زبان کھلتے تو موتیوں کی بارش ہوتی تھی۔ مہمان نواز بذلہ سنج اور علمی انسان تھے۔ آپ خلوت میں ہوتے یا جلوت میں، درس میں ہوتے یا درس سے باہر لیکن معرفت خداوندی کی طغیانی آپ کے اندر ہر وقت تموج پذیر رہتی تھی پختہ علم اور ثاقب فہم کے مالک تھے۔ دراصل اکابر نے آپ کی ایسی تربیت کی کہ افق علم کے سیارہ بن گئے۔

(مولانا محمد اکبر القاسمی میوات۔ مختصر تذکرہ و سوانح ص۱۷)

مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کے دور میں کام کے استقبال میں اضافہ ہوا۔ فتوحات کا دروازہ کھلا۔ خود حضرت مولانا کے بقول کہ "اب تبلیغ گولر سے کولر پر آگئی تھی۔ ایسے میں مولانا کو دو محاذوں پر کام کرنا پڑا۔ کام کی شر و فتن سے حفاظت کی اسکیمیں بنانا۔ کھرے کھوٹے کو کھنگالنا اور کام جس ہنج پر ہے اسے لحہ بہ لحہ فروغ و ترقی دینا کہ ہر دن کا کام ۲۱ تو رہے ۱۹ نہ ہو اور یہ بات دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی کہ الحمد للہ مولانا دونوں محاذوں پر کامیاب رہے "عیاں راچہ بیاں"

(مولانا احترام الحسن کاندھلوی۔ ماہنامہ حسن اخلاق دہلی ستمبر ۹۵ء)

موصوف کا مزاج ابتدا ہی سے دینی و اصلاحی تھا۔ جسے بانی جماعت حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت و تربیت نے اور پھر

حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے حسن رفاقت نے مزید جلا بخشی اور یہ زر خالص مکمل کندن بن گیا۔ مولانا مرحوم کی کتاب زندگی میں چونکہ قول و عمل میں پوری یکسانیت تھی اور آپ کا قلب ایمان واخلاص کی دولت سے سرشار تھا۔ اس لئے آپ کی باتوں نصیحتوں اور دعاؤں میں غضب کی تاثیر ہوا کرتی تھی "از دل خیزد بر دل ریزد" والا معاملہ تھا جس نے بھی آپ کو قریب سے دیکھا آپ کی تقریریں سنیں یا آپ کی دعاؤں کی مجلس میں شریک رہا وہ اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کی زبان فیض ترجمان کی بے پناہ تاثیر نے لاکھوں کو پگھلا کر ایمان و یقین اور خوف خدا و فکر آخرت سے معمور کر دیا۔

(مولانا حبیب الرحمن عمری۔ اعظمی۔ حسن اخلاق دہلی)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ کے بعد یہ سوز و گداز، یہ متاع درد دل، یہ دین کا فکر اور اس کے لئے تڑپ، اضطراب و بے قراری حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کے حصہ میں آئی۔ جو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے رفیق خاص اور ان کے ہر کام، ہر سفر، ہر درد، ہر خوشی ہر غم اور ہر راحت میں شریک وسہیم تھے۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے اس کام کو خوب سنبھالا اور اپنے پیش روؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کام کو خوب آگے بڑھایا اور تمام لوگوں کو جوڑتے ہوئے انھیں اپنے ساتھ ملاتے ہوئے انتہائی خوش اسلوبی سے کام کرتے رہے جس کی بدولت یہ کام دنیا کے ہر خطہ میں پہونچا۔

(مولانا مفتی محمد نعیم صاحب پاکستان۔ البنوریہ کراچی)

حضرت جیؒ کے زمانۂ امارت میں الحمدللہ کام میں حیرت انگیز ترقی ہوئی دنیا کے چپہ چپہ میں جماعتیں روانہ ہوئیں جس میں آپ کی پُرخلوص محبت و دعا کا بہت بڑا حصہ ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ نے کوئی الگ امتیازی رنگ پیدا کرنے کے بجائے اپنے اسلاف کے قدیم طرز پر برقرار رہتے ہوئے اسی نہج پر محنت کو جاری رکھا۔

اپنے تیس سالہ دور امارت میں دنیا بھر کے مختلف الالوان، مختلف اللسان کارکنوں میں یکجہتی و اتفاق رکھنا آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔

(مولانا مرغوب احمد لاجپوری گجرات۔ ریاض الجنہ جونپور ص۲۱)

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب ان اولوالعزم تاریخی شخصیات میں تھے۔ جن پر امت کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ اپنے مربی و مرشد حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے تبلیغی مشن کو جس بہتر انداز میں انہوں نے چلایا اور جس طرح اس کا حق ادا کیا پوری دنیا کا تبلیغی کام اس کا شاہد ہے تواضع و اخلاص اور عزم و ہمت اور تبلیغ دین کی لگن وہ خصوصی صفات تھیں۔ جو حضرت مولانا انعام الحسن کو چین لینے نہیں دیتی تھی۔ حضرت مولانا انعام الحسنؒ کا اس مشن سے تعلق کا اندازہ اس سے کیا جاتا ہے کہ دنیا کے کسی بھی گوشے سے کوئی شخص بھی ملاقات کے لئے آتا تو آپ پہلا سوال اس سے یہی کرتے کہ اس ملک یا شہر میں دین کی تبلیغ کرنے والوں کی محنت کے ثمرات کہاں تک بار آور ہو رہے ہیں۔

(شیخ المشائخ مولانا خواجہ خان محمد صاحب مرکزی امیر مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان)

آج کروڑوں انسان ہر وقت حضرت مولانا انعام الحسن کی محنت کی برکت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی تقلید پر فخر محسوس کرتے

ہیں۔ امریکہ یورپ اور بلاد ضلالت میں مسلمانوں کے نہ صرف ایمان محفوظ ہو گئے بلکہ وہ اسلامی اعمال کا ایک مکمل نمونہ پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ (حضرت سید نفیس شاہ الحسینی پاکستان۔ البنوریہ ص۲۶۷)

آپ نے بغرض تبلیغ دنیا کے بیشتر ممالک کا سفر کیا۔ تبلیغ کو پوری دنیا میں پھیلانے کے لئے آپ بہت زیادہ فکر مند رہتے تھے، پوری دنیا کی تبلیغی جماعتوں کے کام پر آپ کی نگاہ تھی، آپ کی صلاحیت کے سارے لوگ قائل تھے، اور دنیا بھر میں اتنے بڑے پیمانہ پر ہونے والے تبلیغی کام کو بحسن وخوبی انجام دینا اس کی زندہ مثال ہے۔ آپ کی نرم طبیعت، اخلاق حسنہ اور معاملہ فہمی کی وجہ سے تبلیغ کو جو فروغ ملا وہ محتاج بیان نہیں۔

(مولانا سمیع احمد شمسی۔ ماہنامہ شفا جون ۱۹۹۵ء)

مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ۳۰ سالہ امارت کا زمانہ کام کی وسعت یکسوئی اور وقار کا حامل ہے اس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت وتحمل، انہماک اور اصولوں کی پابندی پھر مولانا کا علمی وزن اور دینی مقام اور زمانہ کے حالات سے واقفیت کو بڑا دخل رہا ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے جو لوگ بھی ملنے آتے ان کے اعلیٰ صفات اور گہرے داعیانہ انداز سے متاثر ہوتے ——— جماعت کے کام سے انتہائی قرب، بانی جماعت کی تربیت اور امیر ثانی سے ہر وقت کی رفاقت کی وجہ سے کام کے نشیب فراز سے بھرپور واقفیت آپ کو حاصل تھی۔ یہ دونوں خصوصیات ان کے امیر منتخب ہونے کے بعد ان کی شخصیت کی وقعت اور صلاحیت عمل کی اہم بنیادیں بنیں۔

(مولانا سید محمد رابع حسنی لکھنو۔ تعمیر حیات ستمبر ۱۹۹۵ء)

آپ کے اندر علم و عمل، اخلاص وللہیت، دنیا سے بے رغبتی، دین کی رغبت قیام اللیل، صوم النہار تمام صفات دیکھ کر آپ کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا جانشین ٹھہرایا گیا۔ جیسے ہی یہ جلتی ہوئی مشعل مولانا انعام الحسنؒ کے پاس آئی اس تیزی سے اس نے روشنی دینا شروع کی کہ تمام عالم روشنی سے منور ہونے لگا۔ آج تک ایمان ویقین اخلاص وعمل کا یہ کارواں حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی قیادت میں رواں دواں تھا کسے معلوم تھا کہ یہ چمکتا ہوا ہیرا کسی دن ہمیں داغ مفارقت دیدے گا۔ مولانا انعام الحسنؒ کو اللہ نے عشق ومحبت سوز وگداز کے لطیف جذبات سے بہت نوازا تھا گویا آپ کا خمیر ہی عشق ومحبت سے گوندھا گیا تھا۔ آپ کی تقریر میں نہ تو خطیبانہ جاہ وجلال تھا نہ واعظانہ کمال لیکن دلوں پر اثر انداز اس طرح ہوتی کہ پتھر دل کو موم بنا کر رکھ دیتی تھی۔

(جناب اقرار احمد عباسی پاکستان۔ البنوریہ ص۲:۶)

یہ حضرت جی کی برکت اور آپ کی متفق علیہ شخصیت تھی کہ آپ سب کو جوڑ کر اور سب کو اپنے ساتھ ملا کر انتہائی حسن وخوبی سے سب کو لے کر چلتے رہے۔ اور کام کو آگے بڑھاتے رہے۔ آپ کی وفات کی جب ایک بڑے عالم دین نے خبر سنی تو فوراً ان کے منہ سے نکلا انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ حضرت جی کی مغفرت فرمائے۔ اور آئندہ خیر کا معاملہ فرمائے کیونکہ حضرت جی نے بہت سے فتنوں کو دبایا ہوا تھا۔

(مولانا مفتی خالد محمود پاکستان۔ البنوریہ ص۸۵)

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اگرچہ کم گو اور خود نمائی سے محترز تھے

لیکن وہ تبلیغ کی حکمت اور اس کی محنت کے طریق و آداب اور اس تمام تحریک کے نشیب و فراز کے عینی شاہد اور ماہر تھے۔

جوہری کا فنی کمال بھی ہیرہ کا رہین منت ہوتا ہے۔ اس کے تراشنے کے لئے بھی ہیرا ہونا ضروری ہے۔ سنگریزے پر ہنر و کمال کوئی رنگ نہیں دکھا سکتا۔

لہٰذا اس ہیرے کو ہشت پہلو نگینہ بنانے میں اپنے وقت کے عظیم جوہریوں نے اپنے فن کو تمام کر دیا کہ ان کا ہنر اور کمال اس ہیرے کے ایک ایک پہلو سے منعکس ہوتا نظر آتا تھا۔

(مولانا محمد فاروق قریشی۔ پاکستان۔ البنوریہ ص۱۷۲)

حضرت مولانا محمد انعام الحسن کے دور امارت میں نہ صرف یہ کہ کام میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ ہر اعتبار سے اس میں اضافہ ہوا۔ امریکہ اور برطانیہ میں اتنے بڑے بڑے اجتماعات ہوئے جن کا اس سے قبل پاک و ہند میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایک ایسی جماعت جس کے کارکن مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیلے ہوئے ہوں۔ اسے متحد اور فعال رکھنا بجائے خود بہت بڑی کرامت ہے۔ علاوہ ازیں دنیا بھر میں چلنے والی جماعتوں کی کارکردگی، ان کے مسائل اور مشکلات و ضروریات سے باخبر رہنا ایسا عدیم المثال کام ہے جس کی کوئی مثال کم از کم دور حاضر میں پیش نہیں کی جاسکتی۔

(مولانا محمد اسلم شیخوپوری۔ البنوریہ ص۱۷۰)

مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے دور امارت میں تبلیغی کام میں زبردست پھیلاؤ ہوا: ہندوپاک کے علاوہ دنیا کے دور دراز ممالک میں بڑے بڑے

اجتماعات ہوئے۔ جس سے لاکھوں انسانوں کے قلوب متاثر ہوئے اور کلمہ ونماز ـــــــ سے جڑ گئے۔ حضرت جیؒ شعلہ بیان خطیب تھے نہ خوش گلو واعظ ان کی ایک الگ زبان تھی۔ وہ ایک منفرد طرز ادا کے موجد تھے۔ تقریری لہجہ بڑا انوکھا اور دل پذیر تھا۔ جس میں حد درجہ حلاوت اور جاذبیت تھی۔ مجمع عام میں بیان ہو یا خواص کے حلقہ میں دعا کرا رہے ہوں یا روانگی کی ہدایات دے رہے ہوں ایک ایک لفظ واضح اور صاف ہوتا تھا جو سامعین کے دلوں میں اتر جاتا تھا۔

(مولانا عبدالعظیم ندوی۔ ریاض الجنہ جونپور جولائی ۱۹۹۵ء)

حضرت مولانا انعام الحسن نور اللہ مرقدہ امیر تبلیغ کا حادثۂ وصال پوری ملت اسلامیہ کے لئے اندوہناک ہے۔ حضرت جی رواں صدی کی سب سے بڑی اصلاحی تحریک کے کامیاب اور مؤثر سربراہ تھے۔ جامعہ رحمانی اور خانقاہ رحمانی سے حضرت جی کا گہرا لگاؤ تھا۔ بھاگل پور کے تبلیغی اجتماع کے بعد حضرت امیر شریعت نور اللہ مرقدہ کی دعوت پر اپنے رفقاء کے ساتھ خانقاہ رحمانی تشریف لائے اور یہاں کے علمی و دینی ماحول سے بہت مسرور ہوئے اور دعائیں دیں۔ اور خلاف معمول اپنی گراں قدر رائے تحریر فرمائی۔

(مولانا محمد ولی رحمانی سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر بہار)

دعوت کا کام شخصیات پر موقوف نہیں۔ شخصیت کی رخصتی کا وقت تو اس کام کو تیز کرنے کے لئے زیادہ سودمند ہوتا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو مولانا محمد یوسفؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کے مشورہ سے تعزیت میں آنے والوں کو یہ ہدایت کی کہ حضرت مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے جماعتوں میں جائیں ہزاروں افراد نے تعزیتی

سہ روزہ دس روزہ چلہ اور چار ماہ بلکہ ایک سال کا وقت لگایا۔ حضرت مولانا محمد یوسف نوراللہ مرقدہ رخصت ہوئے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے حکم دیا کہ مولانا محمد یوسف نے ساری زندگی جس کام میں صرف کردی اس کے ایصال ثواب کے لئے اس کام میں وقت لگایا جائے چنانچہ ہزاروں جماعتوں نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ایصال ثواب کے لئے وقت لگایا۔ آج حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ رخصت ہورہے ہیں ان کی زندگی بھی اسی دعوت کے کام میں صرف ہوئی اسلئے ذمہ دار حضرات نے مشورہ کیا عوام اور خواص کو ترغیب دی۔ بستی نظام الدین سے جماعتوں کی تشکیل شروع ہوئی رائے ونڈ میں ایصال ثواب کے لئے جماعتیں تشکیل پائیں دنیا بھر کے ذمہ دار حضرات نے ایصال ثواب کی جماعتیں روانہ کیں کہ جتنی رقم اور جتنا وقت بستی نظام الدین آکر تعزیت میں صرف ہوتا ہے اس رقم اور وقت کو دعوت کے کام میں لگادو اور اس کا ثواب حضرت جی کو پہونچادو اس طرح اب تک ہزاروں جماعتیں تشکیل پاچکی ہیں جو ایصال ثواب کی نیت سے دنیا کے مختلف حصوں میں گشت کر رہی ہیں۔

(مولانا مفتی محمد جمیل خان۔ پاکستان)

حضرت جی نوراللہ مرقدہ کی شخصیت کیا تھی وہ دنیا جانتی ہے آپ رشد و ہدایت کا مینارۂ نور تھے خیر امت کا بجا طور پر مصداق تھے۔ خدا کے بندوں کو خدا سے جوڑنے میں صحابہ کا نمونہ تھے آپ امیر المومنین تھے اور اس ذمہ داری کو پوری مستعدی اور عزیمت کے ساتھ آخری سانس تک نبھاتے رہے، آپ دعوت الی اللہ کے مزاج اور اس کی نزاکتوں سے خوب واقف تھے۔ آپ کا اقوام عالم کے بیچ سے اٹھ جانا ایک ناقابل تلافی

نقصان ہے۔ پس اللہ پاک ہی کام کی اور کام کرنے والوں کی پوری پوری حفاظت فرمائے۔

(مولانا محمد انوار عالم ناظم دارالعلوم بہادر گنج ضلع کشن گنج بہار)

دینی جرائد، ماہنامے اور اخبارات کی طرف سے اظہار عقیدت اور تعزیت

حضرت جی مرحوم موجودہ دور میں تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس دوسرے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اور اس سلسلہ کے تمام اکابر و مشائخ کی خصوصیات دعوت و ارشاد کے امین تھے ان کی مساعی ان کی دعاؤں اور ان کے مجالس میں اکابر سلف کی تاثیر گہرائی درد دل ولولہ تبلیغ حکمت و مصلحت دور بینی فکرامت اور موعظت کا داعیانہ اور حکیمانہ رنگ غالب رہتا تھا اپنے اخلاص تقوی للہیت پاکدامنی اور فکرامت اور حکمت دعوت و تبلیغ کی وجہ سے وہ نہ صرف برصغیر میں بلکہ پورے عالم میں ______ اہل علم و دین کا مرجع بن چکے تھے تبلیغی حضرات اور علماء و صلحاء ان کے مجالس اصلاح و محبت سے مستفید ہوتے رہتے تبلیغی کام نے ان کے دور میں خصوصی ترقی کی۔

(ماہنامہ الحق۔ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان)

تبلیغی جماعت کے امیر حضرت مولانا انعام الحسن کی وفات کی خبر آناً فاناً دنیا بھر کے تبلیغی مراکز میں پہنچ گئی اور دنیا کے کونے کونے میں دعوت و تبلیغ کے عمل سے وابستہ لاکھوں مسلمان رنج و غم کی تصویر بن گئے آپکی امارت میں دعوت تبلیغ کے عمل کو عالمی سطح پر جو وسعت اور ہمہ گیری حاصل ہوئی وہ ان کے خلوص و محنت کی علامت ہے۔

ان کے خلوص و تقوی اور لہجہ کی سادگی اس قدر پرکشش تھی کہ عام لوگ ان کی گفتگو سننے کے لیے کھنچے چلے آتے تھے اور دین دار مسلمان ان کی زیارت اور ان کے ساتھ دعا میں شرکت کو اپنے لئے باعث سعادت

سمجھتے تھے۔ عالمی تبلیغی اجتماع رائے ونڈ میں حضرت جی کی نصیحتیں سننے اور ان کے ساتھ دعار میں شریک ہونے کے لئے عام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ بڑے علمار اور اہل اللہ بھی موجود ہوتے تھے اور دعار میں ان کے سادہ جملوں پر لاکھوں آنکھیں پرنم ہوجاتی تھیں۔ رائے ونڈ کے عالمی تبلیغی اجتماع کو یہ وسعت اور قبول عام بھی انہی کے دور میں حاصل ہوا کہ اسے حج بیت اللہ اور حرمین شریفین میں آخری عشرہ رمضان المبارک کی حاضری کے بعد عالم اسلام کا سب سے بڑا سالانہ اجتماع شمار کیا جاتا ہے اور اس میں دنیا کے ہر خطہ اور بر اعظم سے تعلق رکھنے والے مسلمان شریک ہوتے ہیں۔ اور اپنے ذاتی خرچہ پر دین پر عمل کی دعوت دینے کے جذبہ کے ساتھ قریہ قریہ، بستی بستی گھومتے ہیں۔

آج حضرت جی اپنے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے لاکھوں (بلکہ کروڑوں بھی کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو) عقیدت مندوں کو داغ مفارقت دے کر اپنے خالق و مالک کے پاس جاچکے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین۔

(ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ پاکستان)۔

---

۱۰ محرم الحرام عاشورہ کا دن اسلامی تاریخ کے بڑے بڑے واقعات سمیٹے ہوئے ہے جنت کے نوجوانوں کے سردار حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا یہ دن گردش کرتا ہوا ۱۴۱۶ھ میں آیا تو دلی کی بستی نظام الدین میں بنگلہ والی مسجد کا تبلیغی مرکز اشکبار آنکھوں کا مرکز بن گیا تبلیغی جماعت کے تیسرے امیر مولانا انعام الحسن صاحب جن کو عقیدت و محبت سے حضرت جی پکارا جاتا تھا: رات تقریباً ڈیڑھ بجے عارضہ قلب میں وفات پاگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مولانا مرحوم کم گو سنجیدہ مزاج اور متواضع طبیعت

کے تھے، ان کے انتقال سے ملت اسلامیہ ایک شخصیت سے مرحوم ہو گی ۔
(ماہنامہ دارالسلام مالیر کوٹلہ پنجاب)

مولانا کی امارت میں تبلیغی کام کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی ترقی عطا فرمائی اوران کی امارت میں تبلیغ اور دعوت کے عمل کو پوری دنیا میں جو وسعت ہمہ گیری اور پذیرائی ملی وہ ان کے خلوص اور محنت کی عکاسی کرتی ہے ان کے لہجہ میں اس قدر چاشنی اور کشش تھی کہ دنیا کے دور دراز علاقوں سے لوگ ان کی گفتگو سننے آتے تھے اوران کی دعائیں شامل ہونا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے ۔ (ماہنامہ الاشرف پشاور پاکستان)

آپ نے تبلیغ دین کی ذمہ داری جس محنت وجذبہ اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دی وہ اہل دنیا پر عیاں ہے ۔ آپ نے تبلیغی اجتماعات کے سلسلہ میں ہندو پاک کے ایک ایک خطے کا دورہ فرمایا دنیا کے تمام ممالک میں اہم مقامات پر دینی اجتماعات سے خطاب فرمایا وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کی آزادی کے بعد ان علاقوں میں تبلیغی مراکز قائم کئے ۔ مولانا مرحوم کی زندگی تبلیغ دین سے عبارت تھی آپ کی بارآور کوششوں سے لاکھوں افراد نے اپنی زندگیوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالا۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائے اوران کو اپنی جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔
(ماہنامہ الحماد۔ جامعہ حمادیہ۔ کراچی)

دعوت وتبلیغ کے پیش رو سربراہوں کی طرح حضرت مولانا انعام الحسن قدس سرہ کی زندگی میں بھی تین باتیں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ ایک دعوت

کی فکر و تڑپ دوسرے مالک حقیقی پر بھروسہ اور اس کی قدرت کاملہ پر یقین تیسرے معارف و حقائق کا ادراک۔ مالک حقیقی کے وعدوں اور اس کی غیر معمولی مددپران کو ایسا بھروسہ تھا کہ جیسے وہ اپنی آنکھوں سے خود دیکھ رہے ہوں۔ (جناب عارف عزیز۔ روزنامہ ندیم بھوپال)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں کام وسیع سے وسیع تر ہوا ملک کے طول وعرض میں اس کا پھیلاؤ ہوا مشرق و مغرب میں اس کی شاخیں پھیلیں۔ کام کی نگرانی کارکنان کی تربیت۔ حالات سے آگہی۔ مسائل کا اندازہ اور ان کا ازالہ، اجتماعات کا انعقاد اور ان کی سرپرستی، اس کے لئے دور دراز علاقوں کے پر مشقت اسفار وغیرہ وغیرہ ایسے امور ہیں کہ ان کا تصور بھی بار ہوتا ہے لیکن اللہ پاک جس سے جو کام لینا چاہتے ہیں اس کو اس کی صلاحیت بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ مولانا ان تمام ذمہ داریوں کو اپنی ناسازی صحت اور پیرانہ سالی کے باوجود اخیر دم تک انجام دیتے رہے۔ فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء۔

(اداریہ ماہنامہ اشرف العلوم حیدرآباد جولائی ۱۹۹۵ء)

مولانا انعام الحسن صاحبؒ اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اور ہر شخص کا اس کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق استعمال کرنا بخوبی جانتے تھے۔ مزاج میں انکساری اور تواضع۔ دوسرے کی بات کو توجہ سے سننا اور صلاحیت نرمی اور حکمت سے معاملہ کو سمجھنا۔ ان کی ایسی خصوصیات تھیں جن کی وجہ سے ان کے دور امارت میں تبلیغی کام نے بے پناہ فروغ حاصل کیا۔ یہ دور اس تحریک کی سترّ سالہ زندگی میں نصف کے قریب ہے۔

تبلیغی کام کے سلسلہ میں مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے دور دراز

ممالک کے بے شمار سفر کئے۔ اور دنیا بھر کے لوگ مرکز جماعت میں آتے اوران سے ملتے۔ پوری دنیا کے حال اور ماحول پر ان کی نظر تھی۔ اور حکومتوں کی اعلاترین سطحوں تک ان کے لئے عقیدت واحترام کے جذبات موجود تھے۔ (جناب منصور آغا۔ روزنامہ قومی آواز دہلی)

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے ظلمتوں میں ایک دیا جلایا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے اس کی لَو کو بڑھایا۔ اور حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے تیس سالہ عہد میں اس نے آفتاب عالم تاب کی طرح عالم کے عالم کو روشن کر دیا۔ (جناب امین الدین شجاع الدین۔ ماہنامہ بانگ درا لکھنو

اس عالمگیر تحریک کی قیادت کے لئے جو علمی وعملی اوصاف وکمالات ناگزیر تھے وہ مولانا انعام صاحب میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ اسی لئے وہ تیس سال تک اس ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے ایک زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ "جماعت کا دل اگر مولانا یوسفؒ ہیں تو دماغ مولانا انعام الحسن صاحب ہیں" مگر بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ ان کے دل میں بھی درد وسوز وتڑپ اور بے چینی کی وہی لہریں موجزن تھیں جو سیرت یوسفی کا طغرائے امتیاز تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی امارت کے زمانہ میں جماعت کو اس کی خصوصیات وروایات پر قائم رکھتے ہوئے اسے اس عالمی مقام پر پہونچادیا جو تحریک کے بانی اور ان کے خلف الصدق کے تصور وخیال میں رہا ہوگا۔ وہ مولانا یوسفؒ کے ہم زلف تو پہلے ہی سے تھے مگر تحریک کو وسعت وترقی دیکر ان کے ہم نشیں بھی ہوگئے۔

(اداریہ ماہنامہ معارف اعظم گڈھ جولائی ۹۵ء)

باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت — پاکستان کے کثیر الاشاعت روزنامہ — ABC CERTIFIED

TUESDAY JUNE 13, 1995

THE DAILY JANG KARACHI

روزنامہ جنگ کراچی

بانی میر خلیل الرحمٰن

جلد 59 — منگل 14 محرم الحرام 1416ھ 13 جون 1995ء — نمبر 167

مولانا انعام الحسن کی اسلام کیلئے خدمات فراموش نہیں کی جاسکیں گی

ساری زندگی تبلیغ میں گزاری، مولانا عباسی، قاری عثمان، قاری عبدالحسن اظہر اور دیگر کا اظہار تعزیت

کراچی (پ ر) جماعت اسلامی پاکستان کے نائب امیر مولانا جان محمد عباسی نے تبلیغی جماعت کے مرکزی امیر مولانا انعام الحسن کی وفات کو ایک المیہ اور عالم اسلام کیلئے ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔ انہوں نے اپنے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے ایک تعزیتی بیان میں کہا کہ مولانا انعام الحسن نے اپنی ساری زندگی دعوت و تبلیغ میں گزاری اور اسلام کی بے مثال خدمات انجام دیں جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔ دریں اثناء جمعیت علمائے اسلام کے سینئر نائب صدر قاری عبدالحسن اظہر نے مولانا انعام الحسن کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مولانا نے اپنی ساری زندگی دعوت و تبلیغ کیلئے وقف کر رکھی تھی۔ انہوں نے ان کے ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی کرائی۔ جامعہ [illegible] میں تعزیتی اجتماع منعقد ہوا جس سے جمعیت علمائے اسلام کراچی ڈویژن کے سیکرٹری اطلاعات اور مدرسے کے مہتمم قاری محمد عثمان، مولانا محمد صادق، قاری محمد صدیق، مولانا [illegible]، مولانا عنایت اللہ اور دیگر نے خطاب کیا۔ قاری محمد عثمان نے کہا کہ مولانا انعام الحسن نے دعوت و تبلیغ کی عالمی تحریک کے ذریعہ دنیا کے کونے کونے تک پیغام حق پہنچایا۔ ان کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہے۔ علاوہ ازیں جامعہ [illegible] میں مولانا انعام الحسن کے ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی اور دعائے مغفرت کی گئی۔ بزم فاروق اعظم کا ایک تعزیتی اجلاس بزم کے دفتر میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں قاری محمد اسحاق، قاری صاحب شاہ، [illegible] حافظ محمد یوسف، حافظ محمد یاسین، قاری عبدالخلیل [illegible] فاروقی، مولانا [illegible] الدین اور دیگر کارکنوں نے شرکت کی۔ اجلاس میں مرحوم کیلئے قرآن خوانی کی گئی۔ مدرسہ تعلیم القرآن [illegible] جامع مسجد [illegible] گولیمار بس اسٹاپ نمبر 2 میں ادارے کے مہتمم مولانا [illegible] کے زیر صدارت مدرسے کے اساتذہ اور طلبہ کا ایک تعزیتی اجلاس منعقد ہوا جس میں مولانا انعام الحسن امیر تبلیغی جماعت کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا اور ان کیلئے دعائے مغفرت کی گئی۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۴ محرم / ۱۳ جون)

تبلیغی جماعت کے مرکزی امیر مولانا انعام الحسن وفات پاگئے

انتقال رات ایک بجکر ۲۰ منٹ پر بستی نظام الدین دہلی میں ہوا، نماز جنازہ ہمایوں کے مقبرے میں پڑھائی گئی، ۵ لاکھ افراد شریک ہوئے

مولانا فضل الرحمٰن، مولانا عبدالکریم، خواجہ خان محمد، مولانا یوسف لدھیانوی اور دنیا بھر کے علمائے کرام اور معتقدین کی جانب سے رنج و غم کا اظہار

[روزنامہ جنگ لاہور ۱۳ محرم / ۱۲ جون]

مولانا انعام الحسن کا سانحہ ارتحال امت مسلمہ کیلئے ناقابل تلافی نقصان ہے

مرحوم نے پوری زندگی تبلیغ دین اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے میں صرف کر دی، مختلف رہنماؤں کی تعزیت

[روزنامہ جنگ کراچی ۱۳ محرم / ۱۲ جون]

الشیخ مولانا انعام الحسن الکاندھلوی امیر جماعۃ الدعوۃ والتبلیغ

استأثرت رحمة الله تعالى بالشيخ التقي الصالح الفذ مولانا انعام الحسن الامير الثالث لجماعة الدعوة والتبليغ "بستي حضرة نظام الدين" بدهلي الجديدة، حيث يوجد المقر العالمي للجماعة، وذلك في الساعة الواحدة والنصف من ليلة السبت ١٠/محرم ١٤١٦هـ ١٠/يونيو ١٩٩٥م اثر نوبة قلبية شديدة انتابته في نحو الساعة التاسعة من ليلة المذكورة، وقد توفر الاطباء الكبار البارعون في امراض القلب على معالجته نحو ثلاث ساعات متتالية، ولكن اجل الله كان قد جاء، فانا لله وانا اليه راجعون۔

وانتشر نعي وفاته في ارجاء الهند كلها وفي العالم كله في ظرف ساعات وقبل طلوع الفجر الصادق، فانثال الناس من الهيئات ورغم قارة الطقس وارتفاع درجة الحرارة اكثر من اي فصل من فصول الصيف في دهلي وما جاورها من المناطق، توافد الناس من كل انحاء الهند ومن شتى اقطار الدنيا بما فيها بنغلاديش وباكستان والمملكة العربية السعودية والامارات العربية المتحدة وبريطانيا وافريقيا ليحضروا الصلاة عليه، وكان المسئولون قد قرروا ان يصلى عليه في الساعة السادسة مساء، ولكن كثرة الحضور الذين يقدر عددهم بخمس مائة الف والذين ضاق عنهم ساحة "مقبرة مهدیان" التي كانت قد خصصت للصلاة عليه، وجميع الشوارع والطرقات والمتنزهات الملاصقة، اجرت الصلاة عليه الى ما بعد المغرب، ووري جثمانه بجوار الشيخ محمد يوسف الكاندهلوي رحمه الله (المتوفى ٢٩ ذوالحجة ١٣٨٥هـ ٢/ابريل ١٩٦٥م) الامير الثاني للجماعة، وذلك بجانب مقر الجماعة في "بستي نظام الدين"

كانت له رحمه الله مشاركة جيدة في عدد من العلوم الاسلامية بما فيها الحديث والفقه وما يتصل بهما من العلوم كما كان له تضلع في قواعد العربية من النحو والصرف، قام بتدريس شتى الفنون عبر نحو اربعين سنة، وله كتابات في الدعوة والبحث العلمي غير مطبوعة، وله تعليقات قيمة مطبوعة على كتاب "حياة الصحابة" المعروف المقبول في العالم الاسلامي كله، لصاحبه الشيخ محمد يوسف الكاندهلوي الامير الثاني لجماعة الدعوة والتبليغ۔

وكان قد عينه الشيخ محمد زكريا بن يحيى الكاندهلوي (المحدث الكبير وصاحب مؤلفات كثيرة شهيرة، المتوفى ١٤٠٢/١٩٨٢م) اميرا للجماعة اثر وفاة الشيخ محمد يوسف الكاندهلوي (١٣٨٥هـ/١٩٦٥م) وشغل هذا المنصب الجليل نحو ثلاثين سنة، وتوسعت على عهده رقعة النشاطات الدعوية، وامتدت الى معظم اقطار العالم، وقامت لها مراكز في شتى عواصم الدنيا، وانضم اليها انواع قطاعات المسلمين، فصلحوا واصلحوا، وخاضوا الله وتابوا، واقلعوا عن المعاصي، وتابوا من الذنوب، وهبت رياح الايمان في القلوب، واتقدت مجامر حب الرسول ﷺ في النفوس، وعملت الجماعة التي تمتاز بالصمت وعدم الدعاية لاعمالها على ايجاد الاتحاد والتضامن والاخوة الاسلامية الصادقة فيما بين المسلمين، ومهدت لغير المسلمين الطريق الى الاسلام من خلال تقيد المنتمين اليها بجميع آداب الدين التي تجلب النفوس وتؤثر في القلوب، وتضاد عادة كثيرة او اقاويل عريضة ودعاوى فارغة،

على عكس الجماعات والحركات الاسلامية المنتشرة في ارجاء العالم التي تعمل قليلا وتتكلم كثيرا بل تتكلم دون ان تعمل شيئا او تدخل في حسابها اعمال شقيقاتها، والنجاح الذي احرزته الجماعة امر لم تحرزه اية حركة او جماعة اسلامية، يعود اصلا وقبل كل شيء الى الاخلاص والاحتساب اللذين تحدث عنهما بعض المخلصين العقلاء المصريين في بعض خطاباتهم وكتاباتهم فقالوا انهما قد لا يوجدان اليوم الا في بعض الافراد شاذا او في جماعة الدعوة والتبليغ لما كانا يوجدان في جماعة اهل ان روح الاخلاص والاحتساب والالم الصادق والتحرق الواقعي على حالة المسلمين اليوم هي السلاح الذي فتحت به الجماعة قلوب العباد واراضي البلاد وساحات الزمان والمكان بشكل واسع لم تستطع ان تفتحه اية حركة دعوية او اسلامية معاصرة رغم ترتيباتها الكثيرة وامكانياتها المادية العريضة واهتمامها بالشكل والمظهر دون الحقيقة والجوهر۔

ولد الشيخ محمد انعام الحسن في وطن الام "كاندهله" - قرية جامعة في مديرية مظفر نكر بولاية اترابراديش بالهند - وبها تلقى مبادئ القراءة، ثم انتقل في التاسعة من عمره الى بستي نظام الدين بدهلي مع مؤسس جماعة الدعوة والتبليغ الداعية العظيم والمصلح الكبير الشيخ محمد الياس الكاندهلوي (المتوفى ٢١ رجب ١٣٦٣هـ الموافق ١٩٤٤م) وتلقى التعليم الابتدائي والثانوي والمتوسط عليه وعلى مولانا احتشام الحسن ومن اليهما من العلماء، ثم التحق بجامعة مظاهر علوم سهارنفور ليتلقى التعليم العالي ولكن الشيخ الياس استدعاه واكمل تحصيل تعليمه العالي في مدرسة "كاشف العلوم" التابعة لمقر الجماعة في "بستي حضرة نظام الدين" وتلقى التربية من الشيخ محمد الياس وعليه تخرج في التزكية والاحسان، وقد ابدى الشيخ ثقته البالغة به لما تمتع به من الاهلية فيما يخص القيام بمهام النشاطات الدعوية وادارة الجماعة۔

ينتهي نسب الشيخ محمد انعام الحسن الى الشيخ الاجل والعالم الرباني الاصيل المفتي الهي بخش الكاندهلوي ونسبه كما يلي مولانا محمد انعام الحسن بن مولانا اكرام الحسن بن مولانا حكيم ضياء الحسن بن مولانا حكيم محمد ابراهيم بن مولانا نور الحسن بن مولانا ابو الحسن بن المفتي الهي بخش الكاندهلوي (المتوفى ١٢٤٥هـ/١٨٢٨م)

ويمكن تقدير اهمية المكانة التي كان يتمتع بها الشيخ الصالح مولانا محمد انعام الحسن بانه بعد وفاته تدارس القائمون على الجماعة في مقرها بدهلي قضية نصب امير جديد يخلفه في اهلية ومقدرة مطلوبة في القيام بالمسئوليات الدعوية الواسعة المترامية مع الايام المستلزمة شرقا وغربا من ارض الله الواسعة، وقد عرضوا طلبهم على عدد من الصلحاء في الجماعة ينتمون الى اسرة الكاندهلوية مباشرة او غير مباشرة وعن طريق مصاهرة او خؤولة، او لا ينتمون اليها، ولكنهم جميعا اعتذروا عن تحمل هذا العبء الثقيل، فالتجأ المسئولون الى تشكيل مجلس استشاري يقوم بادارة الجماعة ونشاطاتها وحركاتها في داخل الهند وخارجها، ولما كان اعتذارهم عن قبول منصب الامير راجعا الى اخلاصهم الزائد ولا ريب، فان ذلك بعكس مدى اهمية المنصب الذي شغله الشيخ محمد انعام الحسن عبر ثلاثين سنة بجدارة، فجزاه الله خير الجزاء عما قام به نحو الاسلام والمسلمين، وعوض من خلفه لحسن الاستمرار في المهام الدعوية، ولا حرمنا اجره، ولا فتنا بعده، وادخله جنة الفردوس مع الانبياء والصديقين والشهداء والصالحين وحسن اولئك رفيقا۔

(ماہنامہ الداعی دیوبند۔ بشکریہ ماہنامہ البنوریہ حضرت جی نمبر)

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مرحوم کی حیثیت جماعت تبلیغ کی بنیادی اینٹ کی تھی وہ اس اصلاحی مشن کے لئے اس طرح اپنے کو وقف کر چکے تھے کہ انہوں نے پیچھے پلٹ کر کبھی نہیں دیکھا۔ وہ ایک متبحر عالم بہترین مدبر اور سلیقہ مند منتظم تھے اور جماعت تبلیغ کے تیسرے امیر عام کی حیثیت سے انہوں نے جماعت اور اس کے کام کو کافی وسعت عطا کی۔

وہ مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت کے سربراہ تھے جس کے بارے میں یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانان عالم کی سب سے بڑی جماعت یا سب سے بڑا اصلاحی مشن ہے۔ (اداریہ ماہنامہ البدر کاکوری۔ اگست ۱۹۹۵ء)

اتنی طویل مدت تک ایک ایسی عالمگیر دعوت و دینی جد و جہد کی قیادت کرنا۔ اور مسجد کے ایک حجرہ میں بیٹھ کر پوری دنیا کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ایک ایسی تحریک کا نظام چلانا جو تنظیم کے تمام مروجہ طور طریقوں سے بالکل بے نیاز ہو۔ کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ اس کے لئے کتنی بصیرت کتنی یکسوئی کتنے عزم و استقلال اور فہم و فراست اور حلم و تدبر کی کتنی وافر مقدار درکار رہی ہوگی۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو قریب سے دیکھنے والے بلا خوف تردید گواہی دے سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ اوصاف بڑی فیاضی سے عطا فرمائے تھے۔ ان کے دور میں تبلیغی کام دنیا کے چپے چپے تک پہنچ گیا۔ اجتماعات میں شریک ہونے والوں کی تعداد لاکھوں میں گنی جانے لگی۔ روزانہ جماعتوں میں نکلنے والوں کی تعداد کا اوسط ہزاروں تک پہنچ گیا۔ انہوں نے اپنے دور میں جتنی توجہ کام کو بڑھانے اور نئے لوگوں تک دعوت کو پہنچانے پر مرکوز کی، اتنی ہی کارکنوں کی تربیت کی طرف بھی دی۔ اس کے لئے

بار بار ملکوں اور صوبوں کے کارکنوں کو مرکز نظام الدین بلا بلا کر اور ان صوبوں اور ملکوں میں کارکنوں کے خصوصی اجتماعات کر کے جتنی مسلسل اور زبردست کوشش انہوں نے کی. اس کا اندازہ آپ ان کی یا ان کے رفقاء کی ڈائری دیکھ کر کر سکتے ہیں۔

(مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی۔ الفرقان لکھنؤ۔ جون ۱۹۹۵ء)

اس عظیم تحریک کی سربراہی پر فائز ہو کر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رح تحریک کے لئے واقعی اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام ثابت ہوئے. جنہوں نے اپنے ساتھی اور جگری دوست حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رح کے مشن کی تکمیل اور درد دل کی تسکین کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا اور رفتہ رفتہ تبلیغی تحریک سے وابستہ لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئے. آپ جس جگہ جاتے ہزارہا ہزار لوگ آپ کی زیارت کے لئے امڈ پڑتے تبلیغی اجتماعات میں حضرت جی کی شرکت اجتماع کی زبردست کامیابی کی ضمانت ہوتی۔ مزید برآں پورے عالم میں تبلیغی نقل وحرکت پر آپ کی گہری نظر رہتی اور تبلیغ کا کوئی بھی اہم فیصلہ حضرت جی رح کے مشورہ کے بغیر انجام نہ پاتا تھا۔

(مولانا محمد سلمان منصور پوری۔ ندائے شاہی مراد آباد جولائی ۹۵ء)

---

۳۲ سالوں میں آپ نے جماعت کے دائرہ کار کو اتنا وسیع کر دیا کہ دنیا کا کوئی بڑا اور قابل ذکر ملک ایسا نہیں بچا جہاں جماعت کی سرگرمیاں نہ پائی جاتی ہوں. اب ہر جگہ دین کے کچھ ایسے دیوانے پیدا ہو گئے کہ آج ان کی زندگی کا واحد مشن دین کی خدمت اور اسلام کی سربلندی ہے۔ یہ مولانا انعام الحسن صاحب کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ (مولانا اسیر ادروی. ترجمان اسلام بنارس جولائی ۹۵ء)

دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے سوچنا۔ ان کے لئے دعائیں کرنا۔ ان کی فکر میں کڑھنا۔ ان کے غم کو اپنا غم سمجھنا آپ کی زندگی کا مقصد بن چکا تھا۔ ان کی وفات سے امت مسلمہ اور عالم اسلام ان کی دل سوز دعاؤں اور شفقتوں سے محروم ہو گئے۔

تبلیغی جماعت کی جو شخصیتیں اپنی تواضع وللّٰہیت، علم وفضل، دعوت وتبلیغ، جہد وعمل ورع وتقویٰ، میں قرون اولی کی یاد تازہ کرتی تھیں۔ آپ ان میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔

(اداریہ ماہنامہ الخیر، پاکستان)

حضرت مولانا انعام الحسن ایک ایسے آفتاب عالمتاب تھے کہ انہوں نے ساری کائنات کو نور ہدایت سے روشن کر دیا۔ انہوں نے ۳۱ سال تک تبلیغی جماعت کے امیر کی حیثیت سے کام کیا اگرچہ تبلیغی جماعت کا پودا حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لگایا تھا اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنے خون جگر سے سینچا تھا لیکن اس پودے کو شجر سایہ دار اور ثمر آور بنانے کی سعادت اللہ نے حضرت مولانا انعام الحسن کی قسمت میں لکھی تھی۔

حضرت مولانا انعام الحسن نے تادم واپسیں خود کو دین کے کام کیلئے وقف کئے رکھا۔ اس مدت میں انہوں نے نہ صرف تبلیغی جماعت کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں معروف کرایا بلکہ اس کے ذریعہ کفر والحاد، لادینی اور جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ہدایت و دین داری کی روشنی کے مینارے قائم کر دیئے بھارت سے باہر امریکہ، برطانیہ، سعودی عرب جنوبی افریقہ، سنگاپور، آسٹریلیا، انڈونیشیا، ملیشیا، تھائی لینڈ

بنگلہ دیش اور پاکستان وغیرہ دنیا کے ہر ملک میں انہوں نے تبلیغ کی شمعیں روشن کیں۔ مذہب سے بیزار لوگوں کو مسجدوں میں لا کر کھڑا ہی نہیں کیا بلکہ انھیں دوسروں کو مسجدوں میں لانے والا بنا دیا۔ جہاں جہاں بھی پہنچے خاموش انقلاب برپا کر دیا۔

(ہفت روزہ نئی دنیا دہلی۔ ۳ جولائی ۱۹۹۵ء)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی عمر نے زیادہ وفا نہیں کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے انھیں جلدی ہی دنیا سے اٹھا لیا۔ مگر یہ کام رکا نہیں۔ ان کے بعد مولانا انعام الحسنؒ ان کے جانشین ہوئے۔ یہ ابتدا سے مولانا محمد یوسف صاحب کے علمی و دعوتی کاموں میں ان کے شریک کار رہے۔ انھوں نے اس کام کو مزید وسعت دی اور اپنی پیرانہ سال کے باوجود اس کے لئے لمبے لمبے سفر کرتے رہے مولانا ایک ذی استعداد اور صاحب تقویٰ عالم تھے۔ ان حضرات نے دعوت و تبلیغ کے کام کے علاوہ دنیا کے کسی اعزاز کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا اور نہ جدید تہذیب کی چکا چوند سے وہ کبھی متاثر ہوئے اور نہ قلب یورپ و امریکہ میں اس نبوی شاہراہ سے ذرہ بھر ہٹے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لاکھوں آدمی پوری یکسوئی اور سمع و طاعت کے ساتھ اس شاہراہ نبوت پر چل رہے ہیں۔ مولانا انعام الحسن صاحب کا حادثۂ وفات پوری ملت کا حادثۂ وفات ہے۔

(ماہنامہ الرشاد اعظم گڈھ جولائی ۱۹۹۵ء)

ساری دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچانے والے اور اس راہ میں اپنی پوری زندگی لگا دینے والے جلیل القدر عالم شیخ وقت امیر جماعت تبلیغ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اپنے رب سے جا ملے۔ یہ اندوہناک واقعہ پوری امت

کے لئے شدید صدمہ کا باعث ہوا ہے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے
حضرت مولانا محمد یوسف صاحب قدس سرہ کے بعد امارت کا منصب سنبھالا
اور تبلیغی کام کو دنیا کے ہر ملک میں پہونچا دیا ان کی امارت کے دور میں
تبلیغی کام میں جو وسعت ہوئی اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے
دنیا کے بیشتر ممالک کے سفر کئے اور اس راہ میں اپنی بیماریوں کی بھی
پرواہ نہیں کی ان میں دین کا پیغام گھر گھر پہونچانے کی ایک لگن تھی ان
کو ہر تکلیف برداشت تھی مگر اس کام میں سستی اور آرام پسند نہیں تھا
ان کی شخصیت تبلیغی حلقہ اور غیر تبلیغی حلقہ دونوں جگہ محبت اور احترام کے
جذبات کی حامل تھی۔ علماء و مشائخ سب ان کی خدمت میں حاضری دیتے
اور دینی اور ملی امور میں ان سے مشورہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت
فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

ماہنامہ رضوان لکھنو۔ جولائی ۱۹۹۵ء

بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم دین حضرت مولانا انعام الحسن صاحب تبلیغی
جماعت کے ۱۹۶۴ء سے امیر تھے۔ یہ تبلیغی جماعت ایک دیرینہ تنظیم ہے اور
آپ اس تنظیم سے اپنے عہد شباب میں وابستہ ہو گئے تھے۔ آپ کی تدفین
میں ہزارہا ملکی و غیر ملکی فرزندان توحید نے شرکت کی۔ ادارہ وقف گزٹ
عالم اسلام کی اس عظیم شخصیت کے انتقال پر اظہار افسوس کرتا ہے۔

(وقف گزٹ پنجاب مئی جون ۱۹۹۵ء)

مشہور عالم دین تبلیغی تحریک کے روح رواں انسانیت اور بھائی چارہ
اور صرف اللہ کے راستے پر چلنے کی ہدایت دینے والے حضرت مولانا انعام الحسن
کاندھلوی کی وفات حسرت آیات کی خبر جیسے ہی موصول ہوئی۔ بھوپال میں

صف ماتم بچھ گئی تمام کاروبار اور شہری سرگرمیاں حد درجہ متاثر ہوئیں حضرت مولانا کے اچانک انتقال پر کل عبید اللہ خان گولڈ کپ ہاکی ٹورنامنٹ کے میچ بھی ملتوی کر دیئے گئے۔

آپ کے سفر آخرت میں شرکت کے لئے بھوپال سے سینکڑوں حضرات دہلی کے لئے روانہ ہو گئے شہر کی مساجد اور گھروں میں آپ کے لئے ختم قرآن اور فاتحہ خوانی کی گئی پرانے شہر کے بازار بند کر دیئے گئے تھے خاص طور پر مسلم اکثریتی علاقوں میں تو چائے پان اور ہوٹل وغیرہ پوری طرح بند تھے۔

آج درج ذیل اداروں تحریکوں اور تنظیموں نے تعزیتی اجلاس کیے اور حضرت مرحوم کے لئے دعار مغفرت کرتے ہوئے ایصال ثواب کیا۔

- دار التصنیف والترجمہ بھوپال۔
- جامعہ اسلامیہ عربیہ مسجد ترجمہ والی بھوپال۔
- دار العلوم جامعہ حسینیہ خیر العلوم نور محل روڈ بھوپال۔
- مسلم ایجوکیشن اینڈ کیریر پروموشن سوسائٹی بھوپال۔
- بھارتیہ جنتا پارٹی اقلیتی سیل بھوپال۔
- انجمن صوفیہ بھوپال۔
- مدھیہ پردیش کانگریس آئی اقلیتی سیل بھوپال۔

(روزنامہ ندیم بھوپال ۱۲ جون ۱۹۹۵ء)

وزیر اعظم سمیت متعدد قومی اور دینی رہنماؤں کا اظہار رنج وغم

(روزنامہ قومی آواز دہلی)

بیرونی ممالک کے اصحاب دعوت اور اہل شوریٰ کے تعزیتی خطوط اور فیکس

حضرت جی نور اللہ مرقدہ قدس سرہ اللہ کی ایک نعمت تھے امت کے جوڑ کا سبب تھے۔ بسلف صالحین کا نمونہ تھے۔ اور تقوی و زہد میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت جی نور اللہ مرقدہ نے دنیا سے کوئی مال و اسباب نہیں سمیٹا اگر چاہتے تو دنیا کے ہر ملک میں ان کے چاہنے والے کئی کئی محل کھڑے کر دیتے۔ اگر ایک حکم دیتے تو لاکھوں فرزندان توحید اپنی جانیں نچھاور کر دیتے۔ اپنے بلند مراتب کبھی کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیئے اور خاموش رہ کر اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ جس طرح عرب و عجم، افریقہ و امریکہ، ایشیا و یورپ حضرت جی نور اللہ مرقدہ کے مداح و مرید تھے ایسی مثال اس صدی میں تو کیا پچھلی صدیوں میں بھی شاذ ہے۔ (جناب احفاظ احمد۔ امریکہ)

مکرمی و محترمی حضرت مولانا زبیر صاحب مدظلکم العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

کل رات تقریباً بارہ بجے سانحۂ عظیم کی خبر پہونچی اور رنج و غم کی نہر دوڑ گئی جو بھی سنتا اس پر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی اور آبدیدہ ہو جاتا ہمارے پاس تعزیت کے لئے الفاظ نہیں ہیں اللہ پاک جناب والا کو اور جمیع لواحقین کو اور پوری امت کو صبر اور اجر عطا فرمائے اور حضرت جیؒ نے پوری زندگی جس مقصد کے لئے لگا دی اس مقصد پر ہر امتی کو لگا دے۔ آمین۔ جو بھی سنتا ہے افسوس کر رہا ہے اور تعزیت کا پیغام دے رہا ہے۔

(فیکس منجانب محمد یونس دہلوی عبد السلام دہلوی محمد عبد الصمد اور دیگر احباب جدہ)

رات جنوبی افریقہ کے احباب نے ایک دل سوز خبر دی کہ حضرت جی اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ آپ صرف جماعت کے لئے نہیں بلکہ سارے عالم کے لئے رحمت تھے گویا کہ سارے عالم سے روح نکل گئی۔ موت العالِم موت العالَم کا مصداق حضرت جی نور اللہ مرقدہ بدرجۂ اتم تھے ساری دنیا کی فکر ان کے دل میں موج زن تھی آپ کی رحلت سے جو خلاء پیدا ہوا ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ جل شانہ اپنی رحمت اور کرم سے اس خلا کو پُر کر دے اور ہم سب کو حضرت جی نور اللہ مرقدہ کی دین کے لئے تڑپ اور قربانی کا کچھ حصہ نصیب فرمائے اور ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

(فیکس اہل شوریٰ موریشس ۹۵-۶-۱۰)

مسلمانانِ فیجی کو حضرت مولانا انعام الحسن امیر تبلیغی جماعت کی پر ملال خبر سے دلی رنج اور صدمہ ہوا۔ حضرت جی کی ہدایت اور قیادت کے زیر سایہ تبلیغی جماعت کی مساعی سے ہم فیجی والوں کو بے پناہ منافع ہوئے ہیں۔ اللہ پاک مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور اس نقصان عظیم کے صدمے کو برداشت کرنے کی ہمت اور قوت عطا فرمائے اور اس کارِ خیر کو جاری رکھے جسے حضرت مولانا نے انتہائی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

(فیکس مسٹر عبد الرؤف قومی صدر رابطہ مسلمی فیجی)

آج صبح حضرت جی کی وصال کی خبر سے بہت صدمہ ہوا اللہ تعالیٰ حضرت والا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے مدینہ منورہ کے احباب تعزیت کے لئے ڈاکٹر خواجہ صاحب کے مکان پر جمع ہوئے اور بات ہوئی

تشکیلیں نقد اور ادھار ہوئیں ساتھیوں نے رو رو کر دعائیں کیں. مولوی اقبال احمد اور غواص بلگامی بھی اس مجلس میں شریک تھے انہوں نے نیت کی کہ حضرت جی کے وصال پر نقد چلہ لگا کر گھر جائیں گے۔

(فیکس مولانا عثمان بھاگل و دیگر اصحاب شوریٰ مدینہ منورہ)

آج بروز شنبہ بعد العصر متعدد مساجد کے احباب اور اہل شوریٰ اکٹھے ہوئے بھائی عبد الحمید بھوپالی نے پر درد لہجے میں بات فرمائی اور جس راستہ میں حضرت جی قدس سرہ العزیز نے جان جان آفریں کے سپرد کی تادم آخر اس میں لگے رہنے کا اور جان لگانے کا عزم و ارادہ کیا سو فیصد تشکیل وجود میں آئی اور مغرب سے کچھ دیر پہلے بھائی محمد ذکی صاحب کی دعاء کے ساتھ اس تعزیتی مجلس کا اختتام ہوا۔

(فیکس مولانا عبد المنان و دیگر اہل شوریٰ مدینہ منورہ علی صاحبہا الوف الصلوۃ والتسلیم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الکویت ۱۳ رمحرم ۱۴۱۶ھ

۱۱ رجون ۱۹۹۵ء

الی المشائخ الکرام فی مسجد بنگلہ نظام الدین اولیاء دہلی، الہند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خبر ءز علینا مستمعہ — واثر فی قلوبنا موقعہ

خبر تستاء لہ المسامع — وترتج منہ الاضالع

خبر یھد الرواسی — ویفلق الحجر القاسی

کادت لہ القلوب تطیر والعقول تطیش والنفوس تطیح فقد کاد من الحزن ان تنقبض الالسن عن ھذا

النعی الفادح وتخرس وتقصر الایدی عن التعزیۃ بھذا الرزء الفادح وتبس وانا للہ وانا الیہ راجعون۔
اللھم اجرنا فی مصیبتنا واخلف علینا خیراً منھا۔

والسلام

فکس ـــ الاحباب فی مسجد صبحان فی الکویت عنھم راشد الحقان)۔

(عکس مکتوب فضیلۃ الشیخ عبد الفتاح ابو غدہ)

من عبد الفتاح أبو غدة

الرياض في ١٢/١/١٤١٦

إلى الإخوة الأفاضل والدعاة الأماثل خلفاء الصالحين والسادة المتقين
حفظهم الله تعالى أجمعين وبارك لنا في أعمارهم في الصالحين،
مولانا الشيخ زبير الحسن ومولانا إظهار الحسن ومولانا طلحة نجل شيخنا الجليل
محمد زكريا الكاندهلوي وسائر مشايخنا وأحبابنا من جماعة التبليغ رعاهم الله تعالى.
وأعظم لهم أجرهم بالمصاب الجلل والحق المحزن بانتقال شيخنا العلامة
الجليل والداعية الأمين النبيل مولانا إنعام الحسن أمير جماعة التبليغ إلى جوار الله
تعالى ورحمته وإحسانه أكرمه الله برضوانه العظيم، وجبر مصاب المسلمين
بفقده، وجعل من إخوانه ومحبيه خير خلف لخير سلف، وألهم
إخوانه ومحبيه وعارفي فضله الصبر والاحتساب عند الله تعالى،
وإنا لشيخنا لفراقك لمحزونون، أكرمك الله بمقعد الصدق عنده
مع الأنبياء والمرسلين وعباده المتقين، وإنا لله وإنا إليه راجعون.
والسلام

العبد الضعيف عبد الفتاح أبو غدة
ومعه إبنه سلمان أبو غدة

(عکس احباب تونس)

الی مشائخنا الکرام۔ تونس فی ١٤ - محرم ١٤١٦

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته
أما بعد لقد بلغنا نبأ وفاة مولانا محمد انعام الحسن رحمة الله تعالى عليه
نتقدم اليكم بتعازينا ببالغ الأسى والحسرة راجين
من الله أن يتغمده برحمته الواسعة
عظم الله أجركم فانا لله وانا اليه راجعون.

حلقة القصر بتونس
بقلم
البشير بن الابيض

بسم الله الرحمن الرحيم

رسالة تعزية

الى المشايخ الكرام وآل المرحوم الشيخ انعام الحسن

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

(بلغنا ببالغ الحزن والأسى انتقال الشيخ إنعام الحسن الى رحمة الله. وإننا إذ نعزي أنفسنا وإياكم لا نملك الا أن نقول إنا لله وإنا إليه راجعون.
نسأل الله عز وجل أن يلهم ذوي المرحوم ويلهمنا وإياكم الصبر والسلوان وأن يتغمد الفقيد برحمته ويسكنه فسيح جناته وأن يلهمكم الرأي السديد إنه ولي ذلك والقادر عليه. وحسبنا الله ونعم الوكيل)

التاريخ ١٣/١/١٤١٦هـ — أحباب جدة
١١/٦/١٩٩٥م

(فیکس، احباب جدہ۔ سعودی عرب)

بسم الله الرحمن الرحيم

สำนักจุฬาราชมนตรี — مجلس شيخ الاسلام في تايلاند
SHEIKHUL ISLAM OFFICE

DATE 10TH JUNE 1995

TO : NIZAMUDDIN
DELHI INDIA

DEAR SIRS,
ASSALAMU ALAIKUM

I, IN THE NAME OF SHEIKHUL ISLAM OF THAILAND LEARNED THAT MAHARAJI IMAMUL HASAN PASS AWAY TO THE MOST MERCIFUL ALLAH (SUBHANA WATA'ALA ALAIH).

I AND MUSLIM BROTHER IN THAILAND ARE DEEPLY REGRET AND WE GATHERING TOGETHER NAMAZ GHAIB AND DUAH FOR MAHARAJI.

MAY ALL OUR RESPECTED BROTHERS WHO ARE MUSLIM ALL OVER THE WORLD TO CONTINUE DA'WA WORK ACTIVITY AND SACRIFICE MORE IN THE PATH OF ALLAH. AMEEN.

PRASERT MAHAMAD
SHEIKHUL ISLAM OF THAILAND

(فیکس، احباب وکارکنان تھائی لینڈ)

بسم الله الرحمن الرحيم

مولانا الشيخ الذبير حفظه الله

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

" إنا لله وإنا إليه راجعون "

لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. عظم الله أجركم و

جزا الله عنا فقيد الأمة الشيخ محمد إنعام الحسن خير الجزاد ونشهد أنه أدى الأمانة ونصح الأمة وبلغ عن رسوله صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وسلم وجاهد في الله حق جهادة ونسأل الله أن يديم بركاته ونفع به إن شاء الله على ما عاهدناه وإنا لله وإنا إليه راجعون

أخوكم عبد القادر حسن كابل

(فیکس — عبدالقادر حسن — کابل افغانستان)

بسم الله الرحمن الرحيم

سعادة الأخ الفاضل مولانا الشيخ زبير أنعام الحسن

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته - وبعد :-

تلقيت ببالغ الأسى والحزن نبأ وفاة والد الشيخ / إنعام الحسن تغمده الله بواسع رحمته واسكنه فسيح جناته وجعل منزلته مع الأبرار الصالحين إنه سميع مجيب الدعوات سائلاً الله العلي القدير أن يلهمكم وكافة العائلة الكريمة الصبر والسلوان

وإنا لله وإنا إليه راجعون

أخوكم تحالك

رحيم عبدالعزيز / عبدالعزيز بوقس

ماجد عالم

ماهر / سنوسي بوقس

د ا البوقس

بسم الله الرحمن الرحيم

رسالة تعزية

الى مشايخنا الأفاضل وعائلة المرحوم الشيخ الفاضل
إنعام الحسن

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته :-

(لقد اعتصر الأسى والحزن قلوبنا لما بلغنا نبأ وفاة الشيخ الفاضل إنعام الحسن. وإننا إذ نعزي أنفسنا ونبلغكم في نفس الوقت تعازينا نسأل الله عزوجل أن يلهمنا جميعاً ويلهم ذوي المرحوم الصبر والسلوان وأن يتغمد الفقيد برحمته ويسكنه فسيح جناته. وإنا لله وإنا إليه راجعون. كما نسأل الله عزوجل أن يبارك فيكم ويلهمكم الرأي السديد إنه على ذلك قدير. وحسبنا الله ونعم الوكيل)

محمد بن أحمد بن سعيد وأبناؤه

لمبادا ادريس محمد أحمد بن سعيد وأبنائه

١٢/٠/١٤١٦ هـ
١١/٠/١٩٩٥ م

جنوبی افریقہ کے مسلمان اس سانحہ پر انتہائی ملول غمگین اور کبیدہ خاطر ہیں اور حضرت مرحوم کیلئے دست بدعا ہیں خداوند قدوس حضرت مرحوم کو امت مسلمہ اور اسلام کی خاطر انھوں نے تکلیف ، مشقت اٹھا کر نا موافق اور انتہائی خطرناک اور مایوس کن حالات اور پریشان کن حالات میں جو خدمت کی اس کو شرف قبولیت عطا فرما کر ان کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے آمین یارب العالمین . حضرت مرحوم نے جس عظیم مقصد کی خاطر قربانی کی ۔ اللہ رب العزت امت مسلمہ کو حضرت مرحوم کے مشن کی قدر و قیمت کو سمجھنے کی اور کام میں زیادہ سے زیادہ جڑنے کی توفیق نصیب فرماوے آمین ۔

(فیکس آمدہ جنوبی افریقہ : از مولانا عبدالحق عمرجی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ الی یوم الدین امابعد!

الی مشائخنا وعلمائنا الاجلاء۔

تلقینا ببالغ الحزن والاسیٰ نبأ وفاۃ فضیلۃ الشیخ انعام الحسن رحمہ اللہ واسکنہ فسیح جنانہ۔

وعلی اثر ھذا المصائب الجلل فتلقاہ الیکم بتعازینا الخالصۃ لکم ولذوی الفقید راجینا من اللہ سبحانہ وتعالی ان یتغمدہ برحمتہ الواسعۃ ویسکنہ فسیح جنانہ ویلھم ذویہ الصبر والسکون۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

(فیکس ———— احباب الجزائر)
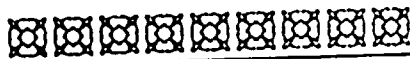
اٹھارواں باب

کمالات و خصوصیات
اخلاق و صفات
معمولات و عادات

من اگر والہ و مدہوش شوم معذورم
کہ در آئینہ عجب حسن و جمالے دیدم

کمالات ـــــ و ـــــ خصوصیات
اخلاق ـــــ و ـــــ صفات
معمولات ـــــ و ـــــ عادات

جن ہستیوں کو اللہ جل شانہ مدارج عالیہ سے نواز کر اپنا قرب خاص عطا فرماتے ہیں ان کے روحانی کمالات اور ارتقائی کیفیات کا صحیح و یقینی علم بھی صرف اسی ذات پاک کو ہوتا ہے جس نے ان کو یہ مدارج و مقامات عطا فرمائے۔ کیونکہ ظاہر کو دیکھنے والی نگاہیں نہ وہاں تک پہونچ پاتی ہیں اور نہ ہی ان حقائق کا ادراک کر سکتی ہیں بلکہ اس میں مزید اضافہ کر کے اگر یہ کہا جائے کہ مالک و مملوک اور عبد و معبود کے درمیان قائم ہونے والا یہ خصوصی قرب اور یہ حقیقی تعلق اتنا لطیف اور پاکیزہ ہوتا ہے کہ کراماً کاتبین کو بھی اس کی خبر نہیں ہوتی تو کچھ غلط نہیں ہوگا۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدارج عالیہ اور کمالات روحانیہ پر کچھ لکھنا بہت مشکل اور دشوار تر عمل ہے۔ لیکن خداداد کمالات و خصوصیات کے وہ ظاہری اور نمایاں پہلو اور اخلاق محمدیہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے وہ اعلیٰ اور قیمتی نمونے جو آپ کی نادرۂ روزگار شخصیت میں ہر شخص کو محسوس ہوتے تھے۔ اور جن کی وجہ سے لاکھوں لاکھ بندگان خدا کی زندگیوں میں ایک صالح دینی انقلاب برپا ہوا، ان کو سلیقہ اور ترتیب کے ساتھ جمع کر دینا کچھ زیادہ مشکل و دشوار کام نہیں ہے اس لئے اللہ جل شانہ کی ذاتِ عالی پر بھروسہ کرتے ہوئے آپ کی کتاب زندگی کے

کمالات وخصوصیات، اخلاق وصفات اور عادات ومعمولات کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اللہ جل شانہ کی ذات پر اعتماد ویقین

اللہ جل شانہ وعم نوالہٗ کی ذات عالی پر اعتماد ویقین کے معاملہ میں حضرت مولانا کا مرتبہ اور درجہ بلند سے بلند تر تھا۔ آپ کی تمام زندگی اسی اعتماد ویقین کے گرد گھومتی رہی اور یہی اعتماد ویقین آپ کی ہر تقریر وتحریر کا محور رہا۔ اللہ جل شانہٗ کے وعدوں پر آپ کے بھرپور ایقان واذعان کی اس بلند پایہ کیفیت نے درحقیقت اس دعوت والے مبارک عمل میں ایک عجیب طاقت اور روح پھونک رکھی تھی جس کا ہر ہر موقعہ پر خوب مشاہدہ ہوتا تھا۔ جب بھی کوئی بات خلاف طبع پیش آتی یا دعوت وتبلیغ کے اعتبار سے کسی خطرہ کا احساس ہوتا یا مسلمانانِ عالم بالخصوص اسلامیان ہند پر کلمہ والی زندگی کے خلاف کوئی سازش سامنے آتی تو فوراً اسی یقین واعتماد کے ساتھ نماز اور دعا میں مشغول ہو جاتے۔ تہجد کی سرّی دعا میں اس قدر گریہ طاری ہوتا کہ بدن مبارک ہلنے لگتا اور آنسو چہرے پر بہنے لگتے۔ جہری دعا میں یہ کیفیت ہوتی کہ روتے روتے آواز بند ہو جاتی اور مجمع بے اختیار ہو جاتا۔ خود بھی روتے اور مجمع کو بھی خوب رلاتے۔

فضل خداوندی سے دل کی گہرائی میں یہ یقین جم گیا تھا کہ جو کچھ ہوتا ہے صرف اور صرف اللہ جل شانہ کے حکم سے ہوتا ہے اور وہی ایک ذات پاک ایسی ہے جو ہر چیز پر تن تنہا قادر ہے۔ اس کے علاوہ کوئی کسی کا نہ کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ سنوار سکتا ہے نہ لے سکتا ہے اور نہ دے سکتا ہے۔

حضرت مولانا بڑے مضبوط اور طاقت ور لب ولہجہ میں دعوت وتبلیغ کے تمام کارکنان کو مختلف انداز اور جہات سے اس اعتماد ویقین کو اپنے اندر سمونے اور سمیٹنے کی ترغیب دیتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر اجتماع دھولیہ کی تاریخ لینے کیلئے علاقہ کے خواص اور ذمہ دار آپ کی خدمت میں دہلی مرکز آئے تو آپ نے ان کو اس طرح نصیحت فرمائی۔

"تمام اللہ کے بندوں کے کانوں تک اللہ کی بات پہونچ جائے۔ کوئی

بھی اللہ کا بندہ ہو اس کے کانوں تک قوت سے یہ بات پہونچا دو کہ ... کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے اور عزت کا راستہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔"

اسی طرح ایک مجلس میں دعوتی کام کرنے والے کے لئے تین صفات ہونے کو اس طرح بیان فرمایا:

"کام کرنے والے کا یقین اللہ پر مضبوط ہو۔ دوسرے یہ کہ اپنے علم اپنے مال اپنے تجربہ اپنی صلاحیتوں پر نگاہ نہ ہو۔ بلکہ اللہ کی ذات پر نگاہ ہو۔ تیسری بات یہ ہے کہ نیت بھی صحیح ہو۔"

ایک مرتبہ دوران تقریر اللہ جل شانہ کی ذات پر اعتماد اور اس کی قدرت سے ہونے کے یقین کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

"ساری چیزیں اور ساری باتیں خدا کی قدرت سے ہوتی ہیں۔ خدا کی قدرت اگر اپنے ساتھ لینی ہے تو اس کے لئے دین کا کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اللہ جل شانہ دین کا کام کرنے سے ساتھ ہو جاتا ہے، اس کی قدرت ساتھ ہو جاتی ہے۔ اور پھر وہ سب اپنی قدرت سے کرتا ہے آج ہم دین کے کام کو اپنا کام ہی نہیں سمجھتے۔ یہ ہماری بھول ہے۔ دین کا کام کرنے پر خدائے پاک کی قدرت ہمارے ساتھ ہو جائے گی۔ اور خدا کی قدرت ہمارے ساتھ ہو گی تو گاڑی چلے گی اور کام چلے گا۔ بس اللہ جل شانہ کی قدرت سے فائدہ اٹھانے کے لئے دین کا کام کرنا چاہئے۔ اللہ کی مدد اور قدرت کے بغیر مسلمان کی زندگی نہیں گذر سکتی۔ اور یہ خدائی مدد کے بغیر پنپ نہیں سکتا۔"

حضرت مولانا جس طرح دعوتی کارکنوں کو اعتماد و یقین کا درس دیتے تھے اسی طرح ان کو حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں حمد و شکر کرتے رہنے کی تاکید بھی فرماتے رہتے تھے فرماتے تھے کہ ہمارے بس میں ہے ہی کیا؟ جو کچھ ہو رہا ہے، ان کے فضل و کرم سے ہو رہا ہے۔ اس لئے اس پر بے حد شکر کی ضرورت ہے۔ عالمی بگاڑ کو دیکھ کر مایوس

ہو کر بیٹھ جانا حضرت مولانا کو گوارہ نہیں تھا۔ بلکہ محنت کی مقدار کو بڑھانا ہی اس کا اصل علاج سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ دعوت و تبلیغ کی ایک مقتدر شخصیت نے حضرت مولانا کو مکتوب کے ذریعہ اپنے دلی جذبات و احساسات سے مطلع کرتے ہوئے کچھ یاس اور کچھ شکستگی کی کیفیت تحریر کی، اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ کام کی جیسی محنت و فکر ہونی چاہئے تھی وہ بالکل اپنے اندر نہیں ہے۔

حضرت مولانا نے اپنے جواب میں اس سوچ اور تخیل سے ان کو ہٹا کر ایک دوسری راہ ان کو بتلائی، وہ یہ کہ جتنا بھی کام ہو رہا ہے اس پر شکر کیا جائے اور دوسروں کی فکر سے ہٹ کر خود اپنی ذات کے بارے میں فکر رکھی جائے۔ حضرت مولانا کا یہ چشم کشا اور بصیرت افروز مکتوب یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

" بنگلہ والی مسجد دہلی ــــ ۴ر شوال المکرم ۱۴۱۰ھ ، ۳۰ر اپریل ۱۹۹۰ء

مکرم بندہ

وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا خط مورخہ ۳ر شوال المکرم موصول ہوا۔ آپ کی ذہنی و قلبی کیفیتوں کا حال معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائے، مکارہ نفس و شیطان سے محفوظ فرمائے۔ بندہ کے نزدیک تو بس ہر جگہ کے احباب کی مساعی کی قدر کرتے ہوئے جتنا کام ہو رہا ہے اس پر تو شکر کی کیفیت ہو اور خود اپنی ذات کے بارے میں فکر کی کیفیت ہو۔ مربی حقیقی اللہ کی ذات ہے۔ بھروسہ ہو تو بس اسی پر، اسی سے مانگا جائے کہ ہماری ٹوٹی پھوٹی محنتوں کو قبول فرماکر ہمیں اور اس محنت میں لگنے والے ہر فرد بشر کی بہترین تربیت فرمائے۔ اور دین کو اپنی قدرت کاملہ سے زندہ فرمائے۔ فقط والسلام۔

بندہ محمد انعام الحسن "

اسی انداز کا ایک مکتوب جناب قاسم بھائی (بمبئی) کو ارسال فرماکر ان الفاظ میں ان کو شکر کی ترغیب دیتے ہیں:

"آپ کا خط پڑھا۔ حق تعالیٰ آپ کے جملہ امور میں آسانی پیدا فرماکر قبولیت عافیت مقدر فرمائے۔ خدا کی طرف متوجہ رہیں اور اپنے اعمال کو پورا کرنے کی سعی اور ان کی نصرت اور دعوت میں بھی فکر محنت فرماتے رہیں، ضعف اور کمزوری تو ہم سب میں ہے۔ عمر کا بھی تقاضہ ہے، جتنا بھی ہو جائے اس پر شکر گزار رہنا چاہئے۔ مزید کے لئے دعا اور قصوروں پر استغفار کرتے رہنا ہے۔ بندہ کے لئے بھی دعا فرمائیں۔" [1]

جناب بھائی خالد سیف اللہ صاحب (دہلی) مکتوب بالا میں لکھی جانے والی نصیحت سے ملتی جلتی بات (بلکہ اپنا ایک واقعہ) اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ایک مرتبہ بندہ نے روتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت! جماعت میں جاتا ہوں تو بہت سے نئے لوگ جماعت میں نکل جاتے ہیں۔ ان کی زندگی میں تبدیلی آجاتی ہے اور ان کو ہدایت مل جاتی ہے۔ لیکن میری عمر اتنی ہو گئی، مجھے کب کو ہدایت ملے گی؟ اس پر فرمایا کہ یہ سب باتیں مت سوچو، ہمارا کام تو یہ ہے کہ کرتے رہیں، ڈرتے رہیں۔ روتے رہیں اور اللہ سے مانگتے رہیں۔ اس جملے کو کئی بار فرمایا۔ اور پھر فرمایا موت تک لگے رہو۔ انشاء اللہ آخرت کی کامیابی کی پوری امید ہے۔"

شدائد پر صبر و تحمل

حضرت مولانا کی ایک اہم طبعی خصوصیت ناگوار امور پر صبر کی تھی جس کو آپ "جھیلنے" سے تعبیر کرتے تھے۔ خواہ یہ امور انفرادی اور شخصی طور پر آدمی کی اپنی ذات پر طاری ہوں، یا دعوت والے مبارک عمل اور دین کی کسی بھی محنت وجد جہد کے موقعہ پر اجتماعی شکل میں سامنے آئیں خود آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ سخت سے سخت حالات میں بھی کبھی آپ نے جزع وفزع نہیں فرمائی۔ اور نہ ہی حرف شکایت زبان پر لائے۔ بس مجسمۂ صبر و تفویض بن کر معاملہ اللہ جل شانہ کے حوالہ فرماکر یکسو ہو جاتے تھے۔

آپ کی امارت کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ ایک معمر قدیم کارکن آپ سے برسرپیکار

[1] اقتباس مکتوب ۱۸ ر شوال ۱۴۱۳ھ

ہوئے اور ذہنی اذیتیں پہونچانے کی نئی نئی تدبیریں اختیار کرنے لگے۔ حضرت مولانا نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق نہ صرف سکوت اختیار کیا بلکہ دیگر احباب کے توجہ دلانے پر بھی یہ فرما کر بات ختم کر دی کہ "بھائی یہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے زمانہ کے ہیں"۔ لیکن پانی جب سر سے اونچا ہو گیا تو حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے براہ راست ان صاحب کو عتاب و تنبیہ سے بھرپور ایک خط تحریر فرمایا جس پر کہیں جاکر یہ سلسلہ ختم ہوا۔[1]

اسی طرح حضرت مولانا کی امارت کا ابھی آغاز ہی تھا کہ ۱۹۶۵ء میں ہندوستان و پاکستان کے درمیان خطرناک جنگ ہوئی۔ اس موقع پر یہاں دعوت و تبلیغ پر بھی سخت حالات آئے بہت سی جماعتوں کو داخل زنداں کیا گیا۔ ان کی نقل و حرکت پر پابندی لگائی گئی تحقیق و تفتیش میں تشدد برتا گیا۔ پہلے سے متعینہ اجتماعات کو بند کرایا گیا۔ حضرت نوراللہ مرقدہ کے ایک مکتوب سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت مولانا پر بھی حکومت کی نظریں تھیں اور ہر وقت کسی ان ہونی کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ لیکن آپ نے بڑی ثبات قدمی دور بینی و دور اندیشی کے ساتھ اس نازک وقت کو پورا فرمایا اور کوئی ایسی چیز اپنی طرف منسوب نہیں ہونے دی جس سے اس محنت پر منفی پڑتا یا کام کی حیثیت اہل حکومت کی نظر میں مجروح ہوتی۔

شدائد پر صبر و تحمل کے عنوان سے حضرت مولانا کی کتاب زندگی کا سب سے لرزہ خیز

---

[1] اس عتاب نامہ کی چند سطور یہاں پیش کی جاتی ہیں:

"میں نے ..... سے کہا تھا کیوں کہ ان کو بھی یہ گھمنڈ تھا جو آپ کو ہے کہ میں بڑے حضرت جی یعنی چچا جان کے زمانہ کا ہوں، میں نے ان سے بھی کہا تھا اور آپ سے بھی کہتا ہوں کہ میں چچا جان کے پیر و مرشد (مولانا خلیل احمد) کے زمانہ کا ہوں۔ میں ان چیزوں سے مرعوب نہیں ہونے کا کہ آپ قدیم ہیں۔ تم جیسے قدیم لوگوں سے کہتا ہوں کہ اگر مولانا انعام الحسن صاحب اس کی رعایت کرلیں کہ تم حضرت جی کے زمانہ کے ہو تو یہ ناکارہ (اس کی رعایت) نہیں کرے گا بلکہ کان پکڑ کر نظام الدین سے نکال دونگا۔"

عنوان آپ کی علالت ہے جس کی تفصیلات قارئین اس کتاب کی جلد اول میں پڑھ چکے ہیں۔

علالت کا یہ طویل دور آپ پر ایسا سخت گذرا کہ جس کی تشخیص اچھے اچھے حکماء اور عقلاء نہیں کر سکے لیکن ایسی پامردی اور صبر و استقلال کے ساتھ اس کو جھیلا کہ پاس بیٹھنے والوں کو بھی اس کا احساس نہ ہونے دیا۔ اپنی بیماری کا اظہار بالکل نہ ہونے دیتے تھے۔ بس صبر و شکر کے ساتھ اس کو دبائے رکھتے۔ جب مسئلہ بہت ہی ناقابلِ برداشت ہو جاتا تب اس کو زبان پہ لاتے۔

اجتماع چاند پور ضلع بجنور (منعقدہ ۱۵ر شعبان ۱۳۹۵ھ، ۲۴ر اگست ۱۹۷۵ء) کے موقعہ پر اندرونی کرب و بے چینی کی جو کیفیت تھی، اس کا اظہار آپ نے ایک مکتوب میں جن الفاظ کے ساتھ کیا ہے اس سے آپ کے شدائد پر صبر و تحمل اور جھیلنے والے مزاج کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"بندہ کی تکلیف تو تینتیس سالہ ہے جب اس میں جدید بات ہوتی ہے تو دماغی تکلیف بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ ہڈیاں ٹوٹنے لگتی ہیں۔ وحشت عن الخلق اور فرار عن الناس کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ حالانکہ چوبیس گھنٹہ خلقت کا ہجوم اور اختلاط مع الناس ہی اپنا کام ہے اور برداشت بھی نہیں ہوتی لیکن کرنا پڑتا ہے، دماغ کی تکلیف کا اندازہ کسی کو ہو نہیں سکتا"

یہ مکتوب ۱۵ر شعبان ۱۳۹۵ھ (۲۴ر اگست ۱۹۷۵ء) میں چاند پور اجتماع گاہ سے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو تحریر فرمایا گیا تھا۔

ایسے ہی اجتماع بھوپال کے موقع پر ایک مرتبہ کمر میں تکلیف تھی۔ لیکن پورے ضبط کے ساتھ تین دن پورے فرمائے اور کسی سے تذکرہ بھی نہیں کیا۔ یہ واقعہ حافظ محمد یوسف صاحب اپنی یادداشت میں اس طرح لکھتے ہیں۔

"ایک مرتبہ بھوپال کے اجتماع سے تشریف لائے اور بعد نماز عشاء کتاب پڑھ کر بستر پر تشریف لے گئے۔ میں دبانے لگا۔

دباتے دباتے کمر پر میرا ہاتھ گیا تو ایک دم حضرت نے درد کے ساتھ آہ کی۔ اور فرمایا کہ بھائی بھوپال میں بھی ایسا ہی درد ہوتا رہا۔ وہاں تو میں نے اپنے آپ کو سمجھا لیا تھا کہ چلو بھائی اپنے کام پر لگو۔ یہ تو سب چیلے حوالے ہیں۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ یہاں تکلیف ہے۔"

اسی طرح کے صبر وتحمل کا واقعہ شعبان ۱۳۹۹ھ (جولائی ۱۹۷۹ء) میں میرٹھ کے قرب وجوار میں ہونے والے ایک اجتماع کا ہے کہ اجتماع گاہ میں شدید بارش ہوئی جس کی وجہ سے کیچڑ اور گارا پھیل گیا۔ حضرت مولانا اجتماع گاہ سے ... قیامگاہ تشریف لا رہے تھے کہ مجمع مصافحہ کے لئے چاروں طرف سے لوٹ پڑا۔ اسی افراتفری میں آپ کا پاؤں پھسل گیا اور زمین پر آرہے۔ بائیں ہاتھ کی ہڈی پر ضرب آگئی جس کا کئی ہفتہ تک علاج ہوتا رہا۔ روزانہ مالش ہوتی، پٹی بدلی جاتی لیکن آپ نے کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا اور نہ ہی کوئی سخت جملہ زبان پر آنے دیا۔

صبر وتحمل کی یہ صفت حضرت مولانا کے مزاج وطبیعت میں ایسی سما گئی تھی کہ چاہتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی صبر وتفویض اور جھیلنے والا مزاج بنا کر اللہ جل شانہ کو راضی رکھنے میں مشغول رہیں۔ چنانچہ ایک صاحب کو (جنھوں نے اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا تھا) ان الفاظ کے ساتھ نصیحت کرتے ہیں:

"بھائی یہ دنیا تو پریشانیوں اور مصیبتوں ہی کی جگہ ہے اس فانی دنیا میں انسان اچھے عمل کر کے دین پر چل کر آخرت بنائے انسان اللہ رب العزت کو راضی کرنے کے لئے آیا ہے۔ ہر بلاء وپریشانی و مصیبت کا علاج دین کے کام میں ایمان واخلاص کے ساتھ لگنا ہے وہاں کے مقامی کام میں شریک ہوں، یعنی مسجد میں تعلیم ہو تو اس میں اور آس پاس کے مقامات پر گشت ہو تو اس میں اور اگر کوئی جماعت ادھر پہونچ جائے تو اس کے ساتھ جڑ کر گشت وغیرہ میں شرکت

کریں۔ اور کوئی وقت فرصت کا ایسا نکالیں کہ اللہ کے راستے میں تین چلہ کے لئے نکل سکیں۔ انشاء اللہ یہ اور دوسری مصیبتیں سب دور ہو جائیں گی۔ [1]

ایک مرتبہ تقریر فرماتے ہوئے اپنی گندگیوں کے استحضار اور مصائب کے جھیلنے پر زور دیتے ہوئے یہ فرمایا:

"ہمیں اپنے آپ کو محتاج جاننا ہے اور جھیلنا ہے۔ اگر اپنے کو محفوظ کر کے کام کرے تو اللہ کی ذات سے بڑی امیدیں ہیں۔ خدا ہی اس کام کو چلا رہے ہیں۔ ہمارے بل بوتے پر نہیں چل رہا ہے۔ ہماری سعادت مندی ہے کہ اس نے ہمیں اس کام کے ظاہر میں لگا دیا۔ اب ہم اپنے باطن کی بھی درستگی کی کوشش کریں۔ جس کے جتنے درجے بلند ہوتے ہیں اس کی ذمہ داری بھی اتنی اونچی ہوتی ہے اور اس کو اتنا ہی جھیلنا پڑتا ہے۔ جو اللہ کے لئے جتنا جھیلے گا، اللہ اس کو اتنا ہی چمکائیں گے۔ اللہ کے سامنے مانگنا رونا اور اپنی گندگی کو پیش کرنا بہت ضروری ہے، اگر اندر میں اپنی گندگی ذہن میں آئی تو یہ پاکی کا پیش خیمہ ہے۔ اور اگر اندر میں اپنا پاک ہونا ذہن میں آیا تو یہ گندگی کا پیش خیمہ ہے۔ ہم جتنی کام کی فکر کو اوڑھیں گے اور مصائب پر صبر کریں گے اتنا ہی اللہ نوازے گا۔"

جناب الحاج بھائی یوسف صاحب (ٹانڈہ چھپرولی) اپنے اوپر آنے والے سخت حالات میں حضرت مولانا کا مشورہ اس طرح نقل کرتے ہیں:

"ایک مرتبہ دینی کام کی وجہ سے میرے اوپر سخت حالات آئے۔ چنانچہ دہلی خدمت میں حاضر ہو کر تمام حالات عرض کئے اور کہا کہ اگر حکم ہو تو یہ دینی کام چھوڑ دوں اور اگر فرمائیں تو صبر کر کے جھیلتا رہوں اس پر فرمایا بس بھائی جھیلو اور صبر کرو۔"

---

[1] مکتوب بنام ابوالکلام صاحب خضر سرائے گیا، بہار۔

گجرات کے ایک مشہور عالم دین کو اپنے مقام پر علمی خدمت کرنے میں کچھ مشکلات اور رکاوٹیں پیش آئیں تو وہ اپنے مزاج کی نزاکت و نفاست کی وجہ سے اس کا تحمل نہ کر سکے اور جگہ بدل کر دوسری جگہ چلے گئے۔ تقدیر الٰہی سے وہاں بھی کچھ ایسے ہی حالات پیدا ہوئے تو وہاں سے بھی منتقل ہونے کی تدبیر کرنے لگے۔ حضرت مولانا کو جب ان حالات کا علم ہوا اور اس نقل مکانی کی وجوہات معلوم ہوئیں تو ان الفاظ کے ساتھ ان کو مشورہ تحریر فرمایا:

"اپنے بارے میں کوئی ترتیب قائم کر کے اس پر جمو، اور تکلیفوں کے برداشت کرنے کی عادت ڈالو۔ پھر ہر تکلیف آسان ہو جائیگی اور اگر (ہر معاملہ میں) آسانی ہی چاہتے رہے تو پھر یہی چیز تکلیف کی بن جائے گی۔"

نقل روایات میں احتیاط

حضرت مولانا کی خدمت میں بلا مبالغہ دنیا بھر کے لوگوں کے احوال اور واقعات بھیجتے تھے... اور اپنے ہی ارشاد کے مطابق "عجیب عجیب طرح سے لوگوں کے احوال کا علم ہوتا تھا۔ لیکن طبیعت اس قدر محتاط تھی کہ نہ تو کبھی یک طرفہ بات سن کر کوئی فیصلہ کیا اور نہ ہی شخصی روایات پر کسی کو متہم فرمایا۔ کسی بھی شخص سے متعلق نازیبا اور نامناسب بات سن کر فوراً ہی اپنا ردعمل ظاہر نہیں کرتے تھے بلکہ خاموش ہو جاتے یا یہ جملہ "اللہ اپنا فضل فرمائے" کہہ کر بات ختم کر دیتے۔ تاہم دعوت سے وابستہ افراد یا کارکنان کی اگر کوئی بات ایسی سامنے آتی جس سے کسی بھی دینی کام یا اس مبارک دعوتی عمل پر کوئی زد پڑنے کا اندیشہ ہوتا تو خاموشی کے ساتھ صاحب معاملہ کو بلا کر تنبیہ فرما دیتے یا مجمع میں خطاب عام کے ذریعہ اصلاح فرما دیتے۔ نقل روایات کے بارے میں حضرت مولانا کا جو مزاج تھا اس کا اندازہ ایک خاص موقعہ پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو تحریر فرمائی گئی ان سطور سے ہو سکتا ہے۔

"بندہ تو روایات کے بارے میں بہت بدظن ہے۔ اچھے اچھے حضرات بھی روایات کے بارے میں بہت غیر محتاط ہیں۔ اپنے انتزاعات و استنباطات

وتمثیلات کو دوسرے کی طرف سے نقل کرنے میں اور اس کی شہادتیں بھی قائم کرنے میں بہت جرأت اور دلیری سے کام لیتے ہیں۔ اللہ جل شانہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔"

اسی طرح ایک موقع پر نقل روایت میں بے احتیاطی کے تعلق سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زاد مجدہ کو ذیل کی سطور تحریر فرمائیں۔

"نقل روایات کے بارے میں جو جناب نے تحریر فرمایا وہ بالکل دُرست ہے۔ بندہ کو بھی اس کا تجربہ ہے، بغیر کسی بنیاد کے بھی روایات نقل کردی جاتی ہیں۔ لیکن اس وقت جناب کے تحریر فرمانے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ بندہ کے پاس نہ کوئی روایت جناب کی طرف سے پہونچی ہے اور نہ الحمد للہ کوئی خیال اور واہمہ کسی قسم کا اپنے اندر محسوس ہوتا ہے۔ الحمد للہ دل میں اہل بیت کی محبت کو ذخیرہ آخرت اور نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ اللہ جل شانہ آئندہ بھی ہر رذیلہ سے محفوظ فرمائے۔ ویسے بندہ ہر اعتبار سے انتہائی ضعیف اور نحیف ہے اللہ جل شانہ کے ہی فضل سے کشتی پار ہوگی۔۔ جناب والا سے بھی لجاجت کے ساتھ دعا کی، اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے نیز عزیز زبیر کے لئے استدعا ہے۔"[1]

ایک قدیم مبلغ وکارکن جناب قاسم بھائی (بمبئی) کے علم میں یہ بات آئی کہ حضرت مولانا کی خدمت میں ان کی کچھ شکایات پہونچائی گئیں ہیں۔ اس پر انھوں نے حضرت مولانا کو عریضہ لکھ کر صورت حال کی وضاحت کی تو آپ نے ان کی تسلی وتشفی فرماتے ہوئے ان پر یہ واضح کیا کہ آپ سے تحقیق کیے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا جائیگا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"تمھارے بارے میں بندہ کے سامنے کوئی بات نہیں آئی۔ اگر آئے گی، توان شاء اللہ بغیر تحقیق اور آپ سے دریافت کئے بغیر اس پر عمل نہیں ہوگا۔ اللہ جل شانہ وعم نوالہ خیر کی صورتیں پیدا فرمائے اور شرور وآفات اور فتن سے

---

[1] اقتباس مکتوب محررہ ۲۸ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ (۱۴ جون ۱۹۶۹ء)۔ [2] اقتباس مکتوب محررہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ (۲۲ مارچ ۱۹۷۸ء) بحوالہ احوال وآثار ص۲۰۲

حفاظت فرمائے۔" (اقتباس مکتوب محررہ ۶ رشعبان ۱۴۰۵ھ)

ذہانت ذکاوت اور حاضر جوابی

اللہ جل شانہ نے آپ کو ذہانت ذکاوت اور بیدار مغزی اعلیٰ درجہ کی عطا فرمائی تھی۔ مسائل و معاملات خواہ کیسے ہی الجھے ہوئے آپ کے سامنے آتے اس کی تہہ تک پہونچنے.. اور دو ٹوک فیصلہ فرمانے میں کوئی دقت و دشواری محسوس نہ فرماتے تھے اور مردم شناسی کا جوہر تو آپ کو ایسا عطا ہوا تھا کہ لوگوں کے چہرے دیکھ کر ان کے دلی رجحانات و افکار و نظریات کا بخوبی اندازہ لگا لیتے۔

ایک نامور اہل قلم ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں بغرض ملاقات آئے آپ نے ان کا استقبال کیا اور چند منٹ کی گفتگو کے بعد ہی فرمایا کہ آپ کا مطالعہ قرآن پاک پر تو کافی ہے لیکن ضرورت ہے کہ سیرت نبوی کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ ان صاحب نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے اس کمی کو تسلیم کیا۔

اسی طرح موقعہ و مقام کے مطابق بر وقت جواب دینے کا صاف اور ستھرا سلیقہ بھی آپ کو ودیعت فرمایا گیا تھا۔

آپ کے مخاطب جہاں آپ کے جواب سے مطمئن اور شاداں ہو جاتے وہیں مسکت و لاجواب بھی بن جاتے۔ مذکورہ خصائل و اوصاف کے تعلق سے یہاں کچھ واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) ایک مرتبہ پاکستان کا سفر تھا۔ دہلی سے ایک خاص قسم کے "مصاحب" بھی ساتھ لگ گئے۔ حضرت مولانا نے ان کو پہچان لیا۔ اثنائے سفر میں ان سے جو گفتگو ہوئی اس کو یہاں حضرت مولانا.. کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے۔ فرمایا:

"ایک دفعہ ہمارا پاکستان کا سفر ہوا۔ وہاں سے پھر ہم مشرقی پاکستان چلے گئے ایک آدمی کو میں ہندوستان سے ہی اپنے ساتھ دیکھ رہا تھا وہ وہاں بھی ساتھ تھا۔ وہ مولانا محمد یوسف رح کے پاس گیا اور ان سے کچھ سوال کیا۔ مولانا تو ایسی ویسی باتوں میں پڑتے نہیں تھے۔ اور جو

ایسی بلا ہوتی تھی تو میری طرف منتقل کر دیتے تھے۔ اس لئے انھوں
نے اسے میرے پاس بھیج دیا کہ اس سے معلوم کر لو وہ میرے پاس آیا۔
میں سمجھ گیا کہ یہ کون ہے۔ اس نے میرے سے کہا کہ تمھارا کیا نام ہے؟
میں نے کہا بھائی تمھارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا میں تو تم سے پوچھ رہا
ہوں۔ میں نے کہا بھائی میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ
تعجب ہے۔ میں نے کہا واقعی تعجب ہے۔ غرضیکہ بہت دیر تک وہ جو کہتا
رہا، میں بھی وہی کہتا رہا۔ پھر وہ یہ کہہ کر اٹھ کر چلا گیا کہ تم سے توبہ ہے
میں نے کہا کہ بھائی تم سے بھی توبہ ہے،
یہ واقعہ سنا کر حضرت خوب ہنسے اور ہم بھی خوب ہنسے۔[1]

(۲) دو آدمیوں نے یہ شرط لگائی کہ حضرت مولانا اگر ہمیں ولی بنا دیں تو ہم جماعت میں جانے کو تیار ہیں۔ حضرت مولانا کے سامنے جب وہ پیش ہوئے تو آپ نے ان کو ولی بننے کا ایک آسان نسخہ بتلایا مگر وہ اس پر عمل نہ کر سکے۔ حافظ محمد یوسف صاحب یہ دلچسپ واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"میں نے اپنے حلقے کے ایک گاؤں میں تشکیل کی۔ اس پر میرے ایک عزیز
(جو ذرا مالدار قسم کے ہیں) کھڑے ہو کر بولے ایک شرط پر تو میں جماعت
میں جانے کے لئے تیار ہوں۔ میں نے کہا کیا شرط ہے؟ بولے کہ اگر
حضرت جی مجھے ولی بنا دیں۔ میں نے کہا آگے آؤ۔ وہ آگئے۔ پھر گاؤں
کے پردھان کھڑے ہوئے اور بولے اسی شرط پر میں بھی تیار ہوں۔ میں
نے ان کو بھی آگے بلا لیا۔ پھر کسی نے شرط نہیں لگائی اور چلہ کی جماعت
بن گئی۔ صبح کو میں نے ان دونوں سے کہا کہ بستر لے آؤ، وہ لے آئے۔
میں نے حضرت جی کے پاس پرچہ لکھا کہ اس جماعت میں دو آدمی ولی
بننے کو آرہے ہیں۔ حضرت نے ان سب کو کمرے میں بلایا۔ اور فرمایا
بھائی جو آدمی ولی بننا چاہتے ہیں وہ آگے آجائیں، یہ دونوں کو

---

[1] روایت حافظ محمد یوسف صاحب چھپر دلی "

آگے آگئے۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی ایک شرط تو تمھاری ہے کہ تم
ولی بننا چاہتے ہو، اور ایک شرط ہماری ہے، بولو کیا کہتے ہو؟
وہ کہنے لگے حضرت ہمیں آپ کی شرط منظور ہے۔ حضرت نے فرمایا منظور ہے؟
انھوں نے عرض کیا جی منظور ہے۔ اس پر فرمایا۔ جاؤ، اب اس مسجد میں
جاکر بیٹھ جاؤ اور جب تک ولی نہ بنو اس میں سے مت نکلنا بس میاں
وہ تو شام کو ہی گھر واپس آگئے۔ ہم اس وقت تک اسی گاؤں میں تھے
میں نے دیکھتے ہی کہا۔ ارے بھائی کیا ہوا، تم تو بڑی جلدی آگئے۔
وہ بولے، ارے میاں وہاں تو ایسی سخت شرط لگی جو ہمارے بس
کی نہیں تھی، ہم تو چپکے ہی سے نکل آئے ــــ واقعی اللہ پاک نے
حضرت جی کو زبردست ذہانت اور فراست بخشی تھی۔

(۳) :- ایک علاقہ میں بڑا تبلیغی اجتماع تھا۔ حضرت مولانا اس میں تشریف فرما تھے
ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ اس پر برجستہ فرمایا کہ "تبلیغ"
وہ صاحب بولے کہ حضرت بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ذرا وضاحت کردیں، اس پر فرمایا کہ
تم دن بھر کسی کا کام کروگے تو وہ تمھیں مزدوری دے گا یا نہیں؟ کہنے لگے جی ضرور دیگا۔
اس پر فرمایا کہ واہ مجبور انسان تو اپنے مزدور کی مزدوری دے سکتا ہے اور وہ اللہ جو
مالک ہے، رازق ہے، اور خود مختار ہے وہ اپنے مزدور کی مزدوری نہیں دے سکتا؟

(۴) ایک صاحب نے اسم ذات کے ذکر کے متعلق سوال کیا کہ اس کی دلیل کہاں
ہے؟ حضرت جی نے فوراً فرمایا کہ قرآن شریف میں ہے۔ وہ یہ سن کر حیران ہوگئے کہ قرآن میں
اس کی دلیل ہے۔ پھر حضرت جیؒ نے یہ آیت پڑھی واذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت
قلوب الذین لا یومنون بالاخرۃ - یعنی جب نام لیا جائے خالص اللہ کا، رک جائے
دل ان کے جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے۔ ان صاحب پر یہ سن کر سکتہ طاری ہوگیا۔
اور خاموش ہوگئے۔

(۵) ایک مرتبہ دنیاوی اعتبار سے ایک باحیثیت شخص نے اپنے تجارتی معاملات
میں کچھ مشورے کرکے دریافت کیا کہ میں کون سی تجارت کروں۔ اس پر برجستہ فرمایا:

"اللہ کا حکم نہ ٹوٹے ، اور نبی کا طریقہ نہ چھوٹے ، پھر جو دل چاہے
تجارت کرلو ۔"

(۶) ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء میں کویت کے سفر میں ایک ممتاز عالم دین عرب آپ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے ۔ متعدد شیوخ ان کے ساتھ تھے ۔ حضرت مولانا نے ایک علمی و دینی شخصیت ہونے کی بنا پر ان کا پر تپاک استقبال و اعزاز فرمایا ۔ کافی دیر تک یہ مجلس قائم رہی ۔ اس موقع پر کویتی شیخ نے مختلف النوع معاملات و مسائل پر حضرت مولانا سے سوالات کئے ۔ اور آپ صاف و شستہ عربی زبان میں ان کے جوابات دیتے گئے ۔ یہاں شیخ کے سوالات اور حضرت مولانا کے برجستہ جوابات پیش کئے جاتے ہیں ۔

سوال :۔ آپ کی دعوت کیا ہے ؟

جواب :۔ ہماری دعوت یہ چھ نمبر ہیں ۔ کلمہ طیبہ ، نماز ، علم و ذکر ، اکرام مسلم ، اخلاص نیت ، تفریغ وقت ۔ پھر آپ نے ان نمبرات کی مختصر تشریح فرما کر ذکر میں تین تسبیح بتلائیں ۔ اور فرمایا کہ یہ حدیث میں وارد ہیں ۔ اور اکرام مسلم کے ضمن میں فرمایا کہ گنہگار کی ذات سے تو محبت کی جائے ۔ ۔ ۔ لیکن اس کے گناہ سے نفرت کی جائے ۔

سوال :۔ حضورؐ کی دعوت میں ایک ترتیب ہے وہ یہ کہ پہلے دعوت ، پھر ہجرت ، ۔ ۔ ۔ پھر قیام دولت ، پھر سلطنت ۔ آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں ؟

جواب :۔ آپ کی دعوت قیام دولت و سلطنت کے لئے نہیں ، بلکہ خالص اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے تھی ۔ اور اسی کے لئے آپ نے ہجرت بھی فرمائی ۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ جب دین کا کام چلتا رہتا ہے تو خدائے پاک تدریجاً بلندی عطا دیتے ہیں ۔ جس میں قیام سلطنت و دولت بھی آجاتی ہے ۔

سوال :۔ کفار اور مشرکین کے بارے میں آپ کا کیا موقف ہے کیا انکو دعوت دینی چاہیے ؟

جواب :۔ جب مسلمان عمل پر آجائیں گے تو پھر اس وقت مسلمان ہی کفار کو دعوت دیں گے، اس وقت تو مسلمانوں کی بے عملی ہی رکاوٹ بنی ہوئی ہے ایک غیر مسلم مسلمان ہوا، پھر مرتد ہوگیا کہ بس مسلمانوں سے تو ہماری ہی زندگی بہتر ہے۔

سوال :۔ کیا آپ ان کی حکومت لے لیں گے ؟

جواب :۔ نہیں بلکہ ہم ان کو دعوت دیں گے کہ وہ اپنے مالک اور خالق کو پہچاننے والے بن جائیں۔

سوال :۔ کیا آپ نے کبھی زعماء کفار کو دعوت دی ہے ؟

جواب :۔ نہیں۔

سوال :کیوں نہیں دی جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملوک کو دعوت کے خطوط لکھ کر ان کو دعوت دی ہے۔

جواب :۔ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعوت اس وقت دی تھی جب کہ پندرہ سال بعد مسلمان مسلمان بن چکے تھے۔

سوال :۔ مسلمانوں کے اندر جو جماعتیں ہیں کیا ان کے زعماء کو ایک امر پہ جمع کرنے کی آپ نے کبھی کوشش کی ہے ؟

جواب :۔ (ہندوستان کے ایک عالم دین کا نام لے کر فرمایا کہ) انھوں نے اس کی بہت کوشش کی لیکن مایوس ہوگئے۔ اور اس نتیجہ پر پہونچے کہ مسلمانوں کیلئے ذکر وزاویہ بہتر ہے۔

سوال :۔ کیا مسلمان بادشاہوں کو آپ نے دعوت دی ہے، جیسے ابراہیم ادہم وغیرہ بادشاہوں کو نصیحت کیا کرتے تھے۔ ؟

جواب :۔ نہیں، ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے والے کون لوگ ہیں، اس نے کہا نیچے کے درجے کے لوگ ہیں اس پر اس نے کہا کہ پھر تو وہ اللہ کے سچے نبی ہیں، کیونکہ نبیوں کے ... متبعین شروع میں غریب لوگ ہی ہوتے ہیں، بڑے لوگ نہیں ہوتے۔

سوال :۔ جب حضرت مصعب بن عمیرؓ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

تو قبیلہ اشہل کے لوگوں کو دعوت دی تھی اور وہ مسلمان ہو گئے تھے۔

جواب :۔ دعوت کا اصل میدان تو ضعفاء ہی بنیں گے، پھر تدریجاً دعوت ان زعماء تک بھی پہونچ جائے گی۔

سوال :۔ آپ کے پاس صرف دعوت ہے یا اور بھی کچھ ہے ؟

جواب :۔ دعوت بھی ہے اور دعاء بھی ہے۔ دن کو دعوت والا عمل کیا جائے اور رات کو اللہ جل شانہ سے دعاء مانگی جائے۔

سوال :۔ اگر آپ کے پاس کوئی مظلوم آئے اور کہے کہ فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے تو آپ کیا فرمائیں گے۔؟

جواب :۔ حسب استطاعت اس کی نصرت کریں گے ورنہ کہیں گے کہ صبر کرے اور دعا کرے کیونکہ مظلوم کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔

جواب :۔ کیا جہاد ہونا چاہئے ؟

سوال :۔ کیا استطاعت شرط ہے ؟

جواب :۔ ہاں استطاعت مادیہ اور استطاعت تائیدیہ دونوں ہونا ضروری ہیں۔

سوال :۔ اگر استطاعت تائیدیہ نہ ہو تو کیا جہاد کو روک دیا جائیگا؟

جواب :۔ نہیں اگر صرف اسباب مادیہ ہوں گے تو جس کے پاس یہ زیادہ ہوں گے وہی جیت جائے گا۔ لیکن اگر مسلمان کے پاس مادی اسباب تو چاہے کم ہوں لیکن اسباب تائیدیہ موجود ہوں تو بڑی سے بڑی مادی طاقت بھی ان پر غالب نہیں آسکتی۔

سوال :۔ کیا حال ہی میں بننے والے ایک ملک سے مسلمانوں کو نقصان پہونچا ہے۔؟

جواب : کسی ایک مملکت کی خصوصیت نہیں، تمام امت مسلمہ میں ایک قسم کا اضطراب ہے اور یہ اضطراب ضعف ایمان کی وجہ سے ہے اور اسی کی وجہ سے نقصان ہو رہا ہے۔

سوال : یہودیت کے بارے میں احادیث شریفہ میں جو کچھ ان کی

حکومت اور غلبہ کے بارے میں آتا ہے۔ کیا وہ احادیث صحیح ہیں؟

جواب: ہاں صحیح ہیں بلکہ یہاں تک احادیث میں آتا ہے کہ خیبر تک وہ پہونچ جائیں گے۔ اس کے بعد پھر یہودی قتل کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ پتھر بھی بولے گا کہ میرے پیچھے ایک یہودی چھپا ہوا ہے۔ ان سب احادیث کا تعلق علامات قیامت سے ہے۔

سوال: ۔مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کے بارے میں آپ کا کیا موقف ہے؟

جواب: ۔ لانجادلھم ولانعارضھم ولانباحثھم (نہ ہم ان سے مجادلہ ومعارضہ کرتے ہیں اور نہ بحث ومباحثہ کرتے ہیں۔)

سوال: ۔کیا آپ ان کے لئے دعا کرتے ہیں؟

جواب: ۔جی ہاں، دعاء خیر کرتے ہیں۔

سوال: ۔ان کے لیڈروں اور اکابرین کو آپ دعوت کیوں نہیں دیتے۔؟

جواب: ۔اس سے بحثیں بڑھیں گی۔جب علمی فضا قائم ہو جائے گی تو خود بخود اس چیز کو سمجھ جاویں گے۔علمی فضا کے بغیر بات سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔

سوال: ۔کیا احادیث میں آتا ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد ہوگا۔ اس کی کیا غرض ہے؟

جواب: ۔ جی ہاں: یہ حدیث میں ہے اور اس کی غرض امت محمدیہ مرحومہ کو تسلی دینا ہے۔

سوال: ۔کیا یہ غرض آپ نے کسی کتاب میں دیکھی ہے؟

جواب: ۔نہیں، بلکہ ابھی سمجھ میں آئی ہے۔

(۷) ـــــ ۱۳۹۲ھ (۱۹۷۲ء) میں ـــــ حضرت مولانا نے انگلینڈ کا ایک طویل دعوتی دورہ فرمایا۔ اس موقعہ پر شیفلڈ میں ایک بڑا اہم تبلیغی اجتماع تھا جس کی بڑی شہرت ہوئی حضرت مولانا اپنے اس سفر میں جب ڈیوزبری پہونچے

تو ایک پادری (عیسائی عالم) آپ سے ملاقات کے لئے آئے۔ دوران ملاقات عیسائیت اور اسلام کے درمیان باہمی موازنہ پر انھوں نے گفتگو شروع کردی جو ڈیڑھ گھنٹہ تک چلی۔ حضرت مولانا کی یہ طویل گفتگو اردو میں تھی اور جناب الحاج کرنل امیرالدین صاحب انگریزی میں اس کے ترجمان تھے۔ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ ایک عجیب بات اس شخص میں یہ تھی کہ جب بھی وہ لاجواب ہوتا۔ اس کی پیشانی پر کوئی ناگواری یا غصہ نہیں آتا تھا بلکہ فوراً ہنس کر دوسرا سوال کردیتا۔ حضرت مولانا نے یہ پوری گفتگو بہت دلچسپ انداز میں حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کو تحریر فرمائی تھی، یہاں آپ کے مکتوب کا وہ حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

ڈیوزبری میں ایک پادری آیا۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک اس سے گفتگو ہوتی رہی۔ اس نے اپنے سب ہی عقائد ایک ایک کرکے کہے اور محض اللہ کے فضل سے ہر ایک میں وہ خاموش اور حیران رہ گیا۔ وہ یہ کہتا تھا کہ ہم تم ملکر یہ سوچیں کہ سب ایک ہوجائیں۔ بندہ نے کہا یہ انسان کے دماغ سے باہر ہے کہ انسانی دماغ ایک ایسا جامع نظام بنادے جس کو سب قبول کرلیں بلکہ ایک خاندان کے افراد اور ایک باپ کی اولاد بھی سب ایک نظریہ اور فکر کے نہیں ہوتے۔

پھر بندہ نے اس کے سامنے تقریر کی کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام تک یہ دنیا تدریجی طور پر ترقی کرلی گئی ہے

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد جس وقت ہوئی ہے وہ دنیا کی پختگی اور رُشد کا زمانہ تھا۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جس وقت جس ترتیب سے تشریف لائے اور جو انھوں نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس وقت اسی کی ضرورت تھی۔ اور اس وقت کے وہی مناسب تھا جو وہ لے کر آئے۔ جیسے لباس، کہ بچہ کی پیدائش کے وقت جو لباس ہوتا ہے اس کے وہی مناسب ہوتا ہے۔ اسی وقت اسی کی ضرورت ہے، جوں جوں بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے لباس میں بھی فرق آتا جاتا ہے۔ اور جب عمر پختہ ہوجاتی ہے تو وہی لباس مدتوں چلتا ہے۔ اور آخر عمر تک کام دیتا ہے۔ اب اگر پیدائش کے وقت جو

لباس بنایا گیا تھا، پختگی کے زمانہ میں بھی اس کو پہنانا چاہیں، تو وہ ہرگز (جسم پر) نہیں آئے گا۔ (یہی حال حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا بھی ہے کہ وہ زمانہ اور حالات کے مطابق دی گئی ہے۔ چنانچہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات میں زہد کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ ان کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی... تمھارے ایک رخسارہ پر طمانچہ مارے تو دوسرا رخسارہ بھی اس کے سامنے کردو۔ اس زمانہ میں اگر اس تعلیم پر عمل کیا جائے تو سارا جہان طمانچہ مارنے والا ہی ہے۔ طمانچہ کھانے والا کوئی نہیں ہے۔ اور ہمارے حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی طمانچہ مارے تو اس کو روکو۔ اور سمجھاؤ کہ طمانچہ نہیں مارنا چاہیے۔

پھر بندہ نے جب (مذہب عیسوی کے متعلق) کہا کہ تمام عیسائی بھی اس پر متفق نہیں ہیں۔ ان میں بھی متعدد فرقے ہیں، جس پر اس پادری نے کہا کہ تمام کرسچین اس پر متفق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ جس پر بندے نے کہا کہ پھر تو اس پر بھی متفق ہو گئے کہ ایک وقت میں صرف خدا تھا اور وہ تنہا تھا کیونکہ باپ پہلے ہوتا ہے (پھر بیٹا ہوتا ہے) ایسا نہیں ہوتا کہ باپ بیٹے ایک ساتھ ہوتے ہوں۔ جس پر اس پادری نے کہا کہ باپ کا مفہوم وہ نہیں ہے جسے ہم (دنیاوی رشتہ سے) باپ سمجھتے ہیں۔ بلکہ باپ کا مفہوم محافظ قادر رازق ہے۔ بندہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ پھر تو سارے بندے بیٹے ہو گئے کیونکہ وہ سب کا محافظ، رازق اور قادر ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو گیا۔

پھر بندہ نے کہا کہ کرسچین بھی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نہیں مان رہے ہیں کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کو وہ بھی بتا گئے ہیں۔ جس پر آپ سب کو یقین کرنا چاہیے اور ماننا چاہیے۔ اس پر اس پادری نے کہا کہ مجھے تحقیق نہیں اس پر بندہ نے کہا کہ آپ کو عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی اقوال کی تحقیق کرنی چاہیے۔ اب وہ بھاگنا چاہتا تھا۔ پھر اس پادری نے کہا کہ میں نے . . . . یہ قول (کسی کتاب میں) نہیں دیکھا۔ جس پر بندہ نے ایک دیہاتی کی وہ حکایت سنائی جو

اپنے اطراف میں مشہور ہے کہ (اس سے کسی شخص نے کہا کہ) رمضان کا چاند دیکھنے سے روزہ فرض ہو جاتا ہے۔ اس دیہاتی نے کہا کہ پھر تو میں چاند دیکھنے کا ہی نہیں (تاکہ مجھ پر روزہ فرض نہ ہو، اس قصے کو سنکر وہ بہت دیر تک ہنستا رہا۔

بندہ کو ایک مقام پر مستورات کے اجتماع میں جانا تھا۔ اس میں تاخیر ہو رہی تھی اس بنا پر ختم کر کے اٹھ گیا۔ اور بھی بہت سی باتیں اس سے ہوئیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کفارہ ہونے کو بھی اس نے بیان کیا۔ اس پر بندہ نے کہا۔ اس تصور اور یقین کے ساتھ (کہ وہ ہمارے تمام گناہوں کا کفارہ بن چکے ہیں) کبھی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ بلکہ بگاڑ پر (مزید) جرأت اور بے باکی ہو گی۔

آخر میں اس نے کہا کہ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ آپ جیسے لوگ اور بھی دنیا میں بھیجے۔ اس پر میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ہدایت عطا فرمائے۔

(مکتوب محررہ ۳۱ر جولائی ۱۹۷۲ء) [1]

(۸) ایک علاقہ کے دو ذمہ دار ساتھی مغرب بعد جبکہ حضرت اپنے حجرہ کے سامنے کھڑے تھے، آئے۔ میں بھی کھڑا تھا۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت ہمارے یہاں دعوت کا کام بیٹھ گیا دعا فرمائیں۔ حضرت نے برجستہ فرمایا۔ بھائی کام کیوں بیٹھتا، تم بیٹھ گئے ہو گے۔ تم کھڑے ہو جاؤ تو کام بھی کھڑا ہو جاوے گا۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے اور ان سے کوئی جواب نہیں آیا۔ [2]

(۹) ایک مرتبہ عصر بعد نیچے پارک میں تشریف فرما تھے۔ ایک سیدھا سادہ دیہاتی آیا۔ اور سلام مصافحہ کے بعد کہنے لگا کہ حضرت جب سے جماعت میں چلہ لگا کر آیا ہوں گھر والے مجھ سے ناراض ہیں اور کہتے ہیں کہ تو بے وقوف ہے۔ اب میں ان کو کیا جواب دوں؟ اس پر بے ساختہ فرمایا کہ صحیح تو کہتے ہیں کہ بے "وقوف" ہے۔ بھلا تبلیغ والوں کے لئے یہاں "وقوف" (ٹھہرنا) کہاں ہے۔ ان کو تو ہر وقت چلتے رہنا ہے۔" [3]

---

[1] اس مکتوب میں تشریح کی غرض سے جو اضافے قوسین (بریکٹ) میں ہیں وہ احقر کی جانب سے پڑھے جائیں۔ [2] روایت حافظ محمد یوسف صاحب ٹانڈہ چھپرولی۔

[3] روایت جناب نعیم اللہ خانصاحب حیدرآباد

• ماہ رجب ۱۴۱۴ھ رجنوری ۱۹۹۴ء میں ہونے والے اجتماع ٹونگی (بنگلہ دیش) کے موقعہ پر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف مجالس میں متعدد واقعات سنائے تھے جو احقر نے اسی وقت قلمبند کر لیے تھے۔ یہاں ان میں سے چند واقعات (جو اس جگہ کے مناسب ہیں) پیش کیے جاتے ہیں

(۱۰) شیفلڈ میں ایک بہت بڑے پادری کا خط میرے نام آیا جس میں تحریر تھا کہ کیا اچھا ہو کہ ہم سب ملکر رہیں اور اجتماعیت پیدا کر کے کام کریں۔ میں نے جواب دینے کا ارادہ کیا مگر اہل شوریٰ نے منع کر دیا۔ میرے ذہن میں یہ جواب تھا کہ ہم تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لو، خود بخود اجتماعیت پیدا ہو جائے گی۔

(۱۱) ایک مرتبہ ہم راجستھان سفر میں جا رہے تھے۔ آریوں کا بھی اس زمانے میں وہاں کوئی جلسہ تھا۔ ڈبے میں ہمارا اور ان کا ساتھ ہو گیا۔ تو انھوں نے سب سے پہلے وحدت الوجود کے متعلق سوال کیا۔ ان کے ذہن میں نہ معلوم وحدۃ الوجود کے متعلق کیا کیا تھا۔ میں نے اس کی وضاحت کی۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ مسلمان گوشت کھاتے ہیں جس سے فساد پھیلتا ہے۔ اگر گوشت خوری ختم ہو جائے تو فساد بھی ختم ہو جائے۔ میں نے کہا۔ کہ یہ ضروری نہیں کہ جو گوشت کھائے اس میں فساد بھی ہو۔ بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو گوشت کھاتے ہیں لیکن برائیاں نہیں کرتے۔ شیر گوشت کھاتا ہے، خون پیتا ہے لیکن اپنی مادہ پر سال میں ایک مرتبہ جاتا ہے۔ بخلاف بیل کے کہ کبھی گوشت نہیں کھاتا، گھاس پھوس کھاتا ہے لیکن ہر وقت گاؤ ماتا کے پیچھے پیچھے بھاگتا رہتا ہے۔ ان لوگوں میں ایک نوجوان بہت متأثر ہو رہا تھا، تو اس کی ماں نے اس کے تأثر سے ڈر کر اس کو واپس بلا لیا۔ پھر انھوں نے کہا کہ ہمارا جلسہ ہے آپ اس میں آئیے۔ میں نے کہا مجھے فرصت نہیں ہے۔

(۱۲) ایک مرتبہ سری لنکا میں پاکستانی سفیر آیا اور کہا کہ مولوی بس ہر وقت دوزخ سے ہی ڈراتے رہتے ہیں۔ اور کوئی کام ہی نہیں۔ میں نے کہا کہ تم اپنے ملک کے سفیر ہو۔ اگر تم اپنے ملک کی تعریف اور حمایت کروگے تو حکومت تمھیں کچھ

نہیں کہے گی اور اگر مخالفت اور برائی کروگے۔ تو وہ تمھیں ڈرائے گی، دھمکائے گی۔ بس یہ دوزخ کا تذکرہ بھی ڈرانے دھمکانے کے لئے ہے۔"

(۱۲) ہریانہ میں میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک ذمہ دار سیاسی لیڈر آئے اور بات چیت کے دوران کہنے لگے کہ ہمارے یہاں تعلیم کی کمی ہے، اگر تعلیم عام ہوجائے تو جھگڑے بھی ختم ہوجائیں۔ میں نے یورپ کے ملکوں میں جو کچھ قتل وغارت گری ہورہی ہے اس کو بتلاکر ان سے کہا کہ اصل کمی تعلیم کی نہیں، اصل کمی انسانیت کی ہے۔ تعلیم یافتہ ملکوں میں ہم سے زیادہ فساد ہے۔ اس پر کہنے لگے کہ واقعی پھر تو ہم ہی اچھے ہیں۔"

تواضع وخود انکاری اور عبدیت وفنائیت

حضرت مولانا کے یہ چار وصف ایسے نمایاں اور ممتاز تھے کہ ہر دیکھنے والے کو کھلی آنکھوں محسوس ہوتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کا طویل دور امارت ان ہی اوصاف وشمائل کے گرد گھومتا رہا۔ تو کچھ مبالغہ نہیں ہوگا۔ آپ کی شدید خواہش تھی کہ کارکنان دعوت وتبلیغ میں خصوصی طور پر یہ عادات وصفات پیدا ہوں یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریروں اور تقریروں میں ان اوصاف وشمائل کو اپنے اندر پیدا کرنے پر بہت زور اور اہتمام ملتا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ عبدیت اور تواضع کے عنوان پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا!

"آدمیت اس کا نام ہے کہ اللہ کے حکموں کو بے چون وچرا مان کر اس کو پورا کر رہا ہو، اپنی طرف سے عزت کا خواہاں نہ ہو۔ بلکہ تواضع ہو۔ من تواضع للہ رفعہ اللہ۔ علماء نے لکھا ہے کہ عبدیت سب سے اونچا مقام ہے۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے واقعہ میں عبد سے ہی تعبیر فرمایا ہے سبحن الذی اسری بعبدہ۔ عبدیت انسانیت کا نام ہے جتنی عبدیت ہوگی۔ اتنی ہی اللہ کے یہاں پوچھ ہوگی اور مقام ہوگا۔ بڑے

حضرت جی فرمایا کرتے تھے کہ "عبد اس کو کہتے ہیں جو راہ خدا میں چلتے چلتے سر سا ہو گیا ہو۔ انسان اور جنات کی پیدائش ہی عبدیت کے واسطے ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔

ایک موقعہ پر اپنی شخصیت کو مٹانے پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"کام کرنے والا اپنی شخصیت کو کام کے لئے مٹا دے تو کام چمکے گا۔ لیکن اس کام کو ذریعہ بنا کر اپنی شخصیت بنانا یہ اس کام کے ساتھ خیانت ہے؛ یہ کام شخصیت سازی کا نہیں ہے، شخصیت سوزی کا ہے۔ اس کام کے ذریعہ عوام کو خواص نہیں بنانا ہے بلکہ خواص کو بھی عوام بنانا ہے۔ ہم کام کرنے والوں میں کوئی امتیازی شان نہ رہنی چاہئے۔"

حضرت مولانا کے نزدیک اس دعوتی کام کی حقیقت اور اس کی تہہ تک پہونچنے کے لئے (ان صفات کے ساتھ ساتھ) اپنے اندر جہل کا اعتراف بھی ضروری ہے۔ چنانچہ اعتراف جہل پر کام کی حقیقت واضح ہونے کو آپ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"آدمی میں جتنا جتنا اپنی جہالت کا اعتراف اندر سے ہوتا رہے گا۔ اللہ پاک اتنا ہی اس پر کام کھولتے چلے جائیں گے اور اس سے کام لیں گے۔ اس لئے اندرونی جہل کے اعتراف کے ساتھ اس کام کو دعائیں مانگ مانگ کر کرتے چلیں گے تو کام بنے گا۔ ورنہ بہت مشکل ہے۔"

خود اپنی نااہلیت بلکہ اپنی ذات کی بے حیثیتی اور بے توقیری حضرت مولانا کو کس درجہ مستحضر تھی اور وہ ساری عمر اپنی شخصیت کو کس طرح توڑتے رہے۔ اس کا ہلکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی حیات میں ایک گوشہ سے یہ شوشہ چھوڑا گیا کہ آنمخدوم کے قیام حجاز سے (خاکم بدہن) دعوت و تبلیغ کو نقصان کا اندیشہ ہے۔ اس پر آنمخدوم نے ایک طویل گرامی نامہ "کاتب معلوم مکتوب الیہ نامعلوم"، کے عنوان سے تحریر فرما کر اس کے اصل مخاطبین کے پاس اس کو روانہ فرمایا اور اس کی ایک نقل ... . . حضرت مولانا کو بھی بھیج دی حضرت مولانا نے جب یہ مکتوب ملاحظہ کیا تو تڑپ اٹھے اور بڑے قلق و دکھ کا اظہار

فرماکر اپنی برات کا اظہار کرتے ہوئے ذیل کی سطور آنمخدوم کو تحریر فرمائیں۔ ان سطور کا ایک ایک حرف حضرت مولانا کی تواضع و خود انکاری کا اعلان کر رہا ہے لکھتے ہیں:

"جو بھی کچھ پیش آتا ہے اس کا ظاہری سبب (بندہ) اپنی نااہلیت عدم صلاحیت اور نالائقی سمجھتا ہے اور یہی دعا کرتا ہے کہ یا اللہ اپنی گندگی اور ناکارگی سے اس کام کو ضائع نہ فرما۔"

عالیجناب الحاج قاضی عبدالقادر صاحب (جھاوریاں) کے نام آپ کے مکتوب کی یہ چند سطور بھی اسی تواضع و خود انکاری کی مظہر ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں:

"بندہ کے لئے بزرگوں کی دعائیں ہی تسلی کا باعث اور سہارا ہیں ادعیہ سے حسب سابق یاد فرماتے رہیں اور مدد فرماتے رہیں۔ اپنے پاس کوئی پونجی نہیں ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کی ستاری ہے کہ پردہ ڈال رکھا ہے۔ بندہ اکثر سوچا کرتا ہے کہ ہمیں مقتدا تصور کیا جا رہا ہے جب ہمارا یہ حال ہے تو اللہ ہی مالک ہے۔ اللہ جل شانہ اپنی قدرت کا مظاہرہ فرما رہے ہیں[1]"

جناب الحاج بھائی عبدالوہاب صاحب (رائے ونڈ) حضرت مولانا کی اس تواضع اور خود انکاری نیز اپنی بات سے رجوع، اور ساتھیوں کے صلاح و مشورہ کو قبول کرلینے کے متعلق حضرت شیخ کو اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

"الحمد للہ حضرت جی مدظلہ العالی کے رجوع فرمانے میں دیر نہیں لگتی۔ سارے یورپ اور جنوبی افریقہ کے سفر میں، لنکا اور حجاز کے سفر میں، بھرے مجمع میں حضرت جی مدظلہ العالی بیان فرماتے رہے اور بیان فرمانے کے بعد مفتی صاحب، قاضی صاحب، بھائی بشیر صاحب، مولوی سعید خان صاحب وغیرہ کی موجودگی میں دریافت فرماتے رہے کہ کیوں بھائی عبدالوہاب ہم نے ٹھیک کہا، یا کچھ اور کہنا ہے

---

[1] مکتوب محررہ ۹ رجون ۷۰ء

بندہ بھی بلا جھجک جو سمجھ میں آتا رہا پیش کرتا رہا ۔ الحمدللہ حضرت جی کے
سامنے بات رکھنے میں ہمیں کوئی خوف نہیں ہوتا ۔ الحمدللہ رکھتے ہیں
اور حضرت جی مدظلہ العالی الحمدللہ فوراً مان لیتے ہیں [1]

مولانا مفتی عبدالشکور صاحب (میوات) آپ کی تواضع اور انکساری کے متعلق لکھتے ہیں :

"حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی پوری زندگی یوں تو تواضع اور فنائیت میں گزری ہے ۔ لیکن جس دن حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا وصال ہوا ۔ اس دن کی عاجزی اور درماندگی کو میں کبھول نہیں سکتا ۔ شام کو بہت رنجیدہ بیٹھے رو رہے تھے ۔ آنکھوں سے ۔ ۔ آنسوؤں کی لڑی جاری تھی ۔ اسی موقع پر مولوی معین الدین کو بلایا اور نصیحتیں فرمائیں اور اس وقت بار بار یہ جملہ دہرا رہے تھے ۔ ذهب الناس وبقی النسناس (جو اصل لوگ تھے وہ چلے گئے اور میل کچیل باقی رہ گیا) اس کے بعد پھر یہ شعر آپ کی زبان پر جاری ہو گیا :

ذهب الذين يعاش فی اكنافهم ؞ وبقيت فرداً كالبعير الاجرب

تواضع اور خود انکاری پر مشتمل صدہا واقعات میں سے چند واقعات بطور مشتے نمونہ از خروارے یہاں پیش کئے جاتے ہیں :

(۱) ایک مرتبہ میں حاضر ہوا تنہا بیٹھے ہوئے تھے اور چہرے پر رنج کے آثار تھے ۔ بندہ نے خیریت پوچھی تو فرمایا میرے لئے ایک دعاء کر دو ۔ میں نے پوچھا کون سی دعاء ؟ فرمایا کہ یہ دعا کر دو کہ دعوت میری سمجھ میں آجائے ۔ اس پر بندہ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعاء کی ، اور حضرت جی نے اس پر آمین کہی ۔ پھر بندہ نے کہا کہ حضرت میرے لئے بھی ایک دعاء کر دیجئے ، فرمایا کہ کیا دعا ؟ میں نے

---

[1] مکتوب محررہ ۲۵ محرم ۱۳۹۷ھ ۔

کہا کہ میرے لئے یہ دعا کر دیں کہ مجھے بھی دعوت آجائے ۔ اس پر حضرت جی نے دعا فرمائی اور میں نے آمین کہی ۔ اور پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت دعوت تو ایسا بحر ذخار ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخر تک رب زدنی علماً کی دعا فرماتے رہے ۔ اس پر حضرت جی مسکرا دیئے ۔ [1]

(۲) مدرسہ کاشف العلوم دہلی میں داخل ایک طالب علم نے جلی ہوئی روٹی لینے سے انکار کر کے وہ روٹی پھینک دی ۔ منتظم مطبخ نے حضرت سے شکایت کر دی ۔ حضرت جی نے اس لڑکے کو طلب کر کے ایک چپت رسید فرمایا ۔ لڑکا واپس ہوا تو دوبارہ اسکو بلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا ۔ لڑکے ! معاف کر دے ۔ یہ منظر دیکھ کر حضار مجلس کی آنکھیں نم ہو گئیں ۔ [2]

(۳) جمعرات کو طلبہ کی نشست میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ خطاب فرما رہے تھے ۔ اچانک حضرت تشریف لے آئے (جو کبھی آیا کرتے تھے) حضرت مولانا . . . محمد یوسف صاحبؒ نے بیان روک کر مولانا محمد عبید اللہ صاحب کو فرمایا مولوی انعام آئے ہیں ان کو سامنے بلا لاؤ ۔ مولانا محمد عبید اللہ صاحبؒ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ آپ سامنے تشریف لے آئیں ۔ اس پر تواضعاً فرمایا کہ کیا ضرورت ہے ۔ مولانا عبید اللہ نے پھر فرمایا کہ مولانا محمد یوسف صاحب فرما رہے ہیں ۔ تو فرمایا ، ادھر میں کہہ رہا ہوں کیا ضرورت ہے ۔ چنانچہ آخر تک وہیں بیٹھے رہے جو طلبہ کا آخری حصہ تھا ۔ [3]

(۴) مولانا محمد عمر صاحبؒ کی آنکھ میں ایک مرتبہ موتیا اتر آیا ۔ صاف نظر نہیں آتا تھا ۔ چنانچہ ایک موقعہ پر انھوں نے حضرت جی کے جوتے اپنے سمجھ کر پہن لئے تو حضرت جی نے نیچے جھک کر مولانا کے جوتے سیدھے کرتے ہوئے فرمایا کہ مولوی عمر تمھارے جوتے یہ ہیں ۔ [4]

(۵) ایک مرتبہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے کچھ خواص آپ سے ملاقات کے لئے

---

[1] روایت بھائی خالد سیف اللہ دہلی ۔

[2] و [3] از مولانا شبیر احمد جنگاؤں ورنگل ۔ [4] روایت مولانا محمد یونس صاحب پالنپوری ۔

آئے ہوئے تھے۔ بندہ بھی اس موقعہ پر اس مجلس میں موجود تھا۔ حضرت جیؒ نے ان خواص سے کچھ دیر گفتگو فرمائی۔ مجلس ختم ہونے پر جب میں اٹھنے لگا تو فرمایا بھائی نادر بیٹھ جاؤ بندہ بیٹھ گیا تو بہت ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا۔ بھائی نادر میرا کیا ہوگا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت گنگوہیؒ نے اپنے بعض خواص کو لکھا تھا کہ اصل تو دردِ نایافت ہے۔ یہ سنکر رونے لگے۔ یہاں تک کہ آنسو رخسارہ پر آگئے۔ پھر فرمایا کہ پیارے یہاں تو اپنا سرمایہ ہی لٹ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے اپنے شیخ سے بھی رجوع کیا ہے؟ اسپر فرمایا کہ دس سے گیارہ بجے تک مولٰنا محمد عمر صاحب کے کمرے میں بیٹھتا ہوں۔ اس سے سکون ملتا ہے۔ [1]

(٦) ایک اجتماع کے موقع پر برسات کا موسم تھا۔ ہوا کا ایک زوردار جھونکا آیا جس سے سارے شامیانے اکھڑ گئے۔ حضرت مولانا یوسف صاحب کی تقریر ہونے والی تھی اور مجمع سننے کیلئے بیتاب تھا۔ حضرت مولانا تشریف لائے اور خطبہ شروع کیا۔ یکایک ایک طرف سے بادل اٹھا اور زور زور سے بارش شروع ہوگئی۔ بارش طوفان کی طرح آئی اور طوفان کی طرح برسی۔ لوگوں کا ٹھہرنا مشکل ہوگیا۔ مگر مولانا پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جمے رہے۔ اور لوگوں کو پکار پکار کر بلاتے اور اپنے مخصوص انداز میں فرماتے کہ کاغذ کے نہیں ہو کہ گل جاؤ گے اور مٹی کے نہیں ہو کہ پگھل جاؤ گے۔ یکایک حضرت مولانا انعام الحسن صاحب چھتری لے کر آئے تو حضرت مولانا نے روک دیا اور فرمایا کہ کیا ہم اپنے کاموں کے لئے روزانہ لائن میں کھڑے ہوکر یا کھیتوں میں ہل چلاتے ہوئے نہیں بھیگتے، میں اپنے لئے نہیں بھیگ رہا ہوں بلکہ خدا کیلئے بھیگ رہا ہوں۔ آج کا یہ بھیگنا کل قیامت میں کام آئے گا۔ [2]

(٧) ایک مرتبہ مرکز میں نکاح پڑھایا۔ دولہا سے اس کی عمر دریافت کی تو بتلایا گیا کہ چودہ سال عمر ہے۔ اس پر حضرت جی نے بغیر کسی جھجک کے مولانا عبید اللہ صاحب سے جو مجمع کے کنارے پر تشریف فرما تھے، شرعی مسئلہ دریافت کرتے ہوئے بلند آواز سے فرمایا کہ مولوی صاحب ان کے قبول کرنے سے نکاح ہوجائے گا؟ ان کے

---

[1] روایت بھائی نادر علی نماں۔ [2] سوانح مولانا محمد یوسف صاحبؒ ص ٦٩٢

بتلانے پر حضرت جی نے دولہا کے جو رشتہ دار تھے۔ ان کے ذریعہ سے نکاح پڑھایا۔[1]

(۸) ایک مرتبہ حضرت مولانا علی میاں مرکز تشریف لائے جب واپس جانے لگے تو حضرت جی باہر سڑک تک چھوڑنے کے لیئے تشریف لائے اور معانقہ کرتے ہوئے ان سے فرمایا کہ دیکھنا ہم کمزوروں اور ضعیفوں کو بھول مت جانا۔[2]

(۹) افغانستان کے ایک ممتاز عالم دین حضرت مولانا سے ملاقات کے لئے مرکز نظام الدین آئے۔ آپ اس وقت جماعتیں روانہ فرمارہے تھے۔ اس سے فراغت پر مولانا عبیداللہ صاحب نے ان عالم دین کی ملاقات آپ سے کرائی۔ معزز مہمان فارسی میں بات کر رہے تھے۔ حضرت مولانا بھی فارسی بولنا چاہتے تھے۔ لیکن بے ساختہ طور پر عربی الفاظ زبان پر جاری ہو جاتے تھے۔ میں قریب ہی میں کھڑا ہوا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ حضرت جیؒ نے مولانا عبیداللہ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائی فارسی بولنا چاہتا ہوں مگر زبان سے عربی ہی نکلتی ہے۔ بہر حال اس ابتدائی گفتگو اور مزاج پرسی وغیرہ کے بعد مولانا عبیداللہ صاحب نے عرض کیا کہ یہ فلاں حدیث شریف کی اجازت لینے کے لئے افغانستان سے آپ کے پاس آئے ہیں۔ آپ ان کو اجازت دیدیں۔ یہ سنکر حضرت جیؒ کے اوپر سکتہ کا سا عالم طاری ہو گیا۔ اور انتہائی بھرائی ہوئی آواز میں عاجزانہ صورت بنا کر فرمایا ارے بھائی میں کیا جانوں۔ یہ جملہ ایسے انداز سے فرمایا کہ میں اور مولانا عبیداللہ صاحب دونوں رو پڑے کہ کتنی عاجزی سے اپنی نفی فرمارہے ہیں۔ مولانا عبیداللہ صاحب کھڑے ہی کھڑے کافی دیر تک سفارش کرتے رہے۔ جس پر حضرت نے ان کو کچھ کلمات فرما کر اجازت مرحمت فرمائی۔[3]

(۱۰) پانی پت میں ایک مرتبہ اجتماع تھا۔ مسلمان اور غیر مسلم سب حضرت والا کی زیارت کے مشتاق تھے۔ افسران اعلیٰ بھی غائبانہ طور پر معتقد تھے اور بار بار پوچھتے تھے کہ حضرت کب تشریف لا رہے ہیں۔ ہم ان کا استقبال کریں گے۔ مگر حضرت بغیر کسی تجدید

---

[1] و [2] و [3] از حافظ محمد یوسف صاحب ٹانڈہ چھپرولی۔

اطلاع کے وقت سے پہلے ہی تشریف لے آئے۔ اور ملاقات کے بعد مشورہ کے لئے بیٹھ گئے۔ سب اہل شوریٰ کی رائے تھی کہ حضرت جی بعد نماز ظہر چاہے تھوڑی دیر کیلئے ہو، اجتماع گاہ میں تشریف لادیں، سب کی تسلی ہو جائے گی۔ حضرت نے منظور فرمایا۔ اب مشورہ ہوا کہ بعد مغرب کون بات کرے۔ سب کی رائے حضرت جیؒ کے بارے میں تھی۔ حضرت نے میری طرف دیکھا کہ تیری کیا رائے ہے؟ میں نے بھی عرض کیا کہ حضرت اس وقت تمام حکام وافسران بھی موجود ہوں گے۔ بہتر ہے کہ آنجناب ہی کی بات ہو جائے، تو انتہائی عاجزی سے فرمایا۔ ارے بھائی مجھے تو بات کرنی نہیں آتی۔ یہ (مولوی محمد عمر صاحب) تو خوب کہہ لیتے ہیں۔ اگر میں بات کروں گا تو پھر ان کی بات رہ جائے گی۔ لیکن جب سب نے ہی اصرار کیا تو منظور فرمالیا مگر چند جملے ارشاد فرماکر بات ختم فرمادی۔ [1]

(۱۱) ایک مرتبہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) صبح کے وقت مرکز تشریف لائے۔ مولانا محمد یوسف صاحب اپنا بعد نماز فجر والا بیان شروع فرما چکے تھے۔ مہتمم صاحب پر نگاہ پڑی تو بیان روک کر فوراً تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ مجمع موجود ہے کچھ بیان فرمادیجئے۔ مہتمم صاحب نے مختصر سا بیان کیا۔ اور تشریف لے جانے لگے۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے چائے کی تواضع کی، تو وقت کی تنگی کا عذر فرماکر قیامگاہ (جو بستی میں کسی عزیز کے یہاں تھی) تشریف لے گئے۔ میں نے اس وقت جو منظر دیکھا میں اس کو بھول نہیں سکتا کہ سارے خدام کی موجودگی کے باوجود مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب ایسی حالت میں باہر سڑک پر دوڑے چلے گئے کہ مولانا محمد یوسف صاحب کے ہاتھ میں چائے سے بھری ہوئی چائے دانی اور مولانا محمد انعام الحسن صاحب کے ہاتھ میں بسکٹ اور مٹھائی سے بھری ہوئی رکابی تھی اور یہ دونوں بزرگ خادموں کی طرح مہتمم صاحب کی قیامگاہ تک چلے گئے اور چائے پلاکر واپس ہوئے۔ قطع نظر اس سے کہ

---

[1] از حافظ محمد یوسف صاحب ٹانڈہ چھپرولی

بازار میں ہیں کون دیکھ رہا ہے اور کون نہیں دیکھ رہا ہے۔ لہ

(۱۲) رمضان ۱۳۹۷ھ حضرت شیخ دامت برکاتہم نے مدینہ پاک میں گزارا۔ حضرت اپنی شدت علالت کی وجہ سے تراویح اپنی جائے قیام مدرسہ علوم شرعیہ میں ادا فرماتے تھے۔ چار پانچ خادم ساتھ تھے۔ مدرسہ کی جگہ فی الجملہ عمومی ہونے کی وجہ سے رمضان میں وضو استنجاء کرنے والوں کا رش ہو جاتا جس سے مدرسہ کے اصل مقیمین کو تکلیف ہوتی تھی اسلئے اس میں کچھ کمی کرنے کے لئے استنجاء خانوں کے باہر یہ اعلان لکھ کر آویزاں کر دیا گیا۔ کہ مقیمین کے علاوہ دیگر لوگ بلا اجازت یہ غسل خانے وبیت الخلاء استعمال نہ کریں۔ حضرت جی مدظلہ ان ایام میں مدینہ منورہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ قیام مسجد نور میں تھا۔ لیکن ان کا حضرت شیخ کا خصوصی مہمان ہونا اور ان کی ذاتی اہمیت ظاہر ہے کہ مدرسہ کے دیگر تمام مقیمین ان کے لئے بمنزلہ خدام تھے۔ تراویح کے وقت مدرسہ کا دروازہ بند رہتا تھا۔ لیکن اس کی ایک تالی حضرت جی کو پیش کر دی گئی تھی تاکہ جب بھی تشریف لائیں دروازہ کھلوانا نہ پڑے۔

ایک روز تراویح کے دوران حضرت جی کو پیشاب کی حاجت ہوئی تو فراغت کے لئے حرم نبوی شریف سے مدرسہ آئے تو بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اس اعلان پر نظر پڑ گئی تو وہیں کھڑے ہو گئے۔ اندر نہیں گئے۔ ادھر حضرت شیخ کے یہاں تراویح شروع ہو چکی تھی۔ سلام پھیرنے پر جب ایک خادم کمرے سے نکلا تو حضرت جی نے اس سے کہا کہ پیشاب کی حاجت ہے۔ روکے کھڑا ہوں۔ کیونکہ یہ اعلان لگا ہوا ہے۔ خادم نے شرمندہ ہو کر عرض کیا کہ حضرت یہ آپ کے لئے نہیں ہے۔ اجنبی لوگوں کا رش ہو جاتا ہے۔۔ یہ ان کے لئے ہے۔ یہ سن کر حضرت جی بیت الخلاء تشریف لے گئے۔ ٢ه

(۱۳) تامل ناڈو میں اجتماع تھا۔ جنوبی ہند کے تمام کارکن و رفقاء مشورہ کی مجلس میں موجود تھے جن میں اہل علم بھی بڑی تعداد میں تھے۔ ایک ذی مرتبت قدیمی

لہ روایت مولانا شبیر احمد صاحب جنگاؤں ٢ه روایت جناب الحاج صوفی محمد اقبال صاحب مدنی

کارکن نے کام کا جائزہ پیش کرتے ہوئے یہ جملہ بھی کہدیا کہ "حضرت یہ سب آپکی برکت ہے"۔ اس پر بھرائی آواز میں فرمایا

"اجی میری کیا برکت ہے یہ کام مجھ پر موقوف نہیں ہے۔ تم لوگ کوشش کرتے ہو، قربانیاں دیتے ہو اس پر اللہ جل شانہ یہ ثمرہ عطا فرمادیتے ہیں۔"

تمام کارکنان کے بیچ میں اپنی ذات کی یہ نفی ایسے درد بھرے لہجہ میں فرمائی کہ سننے والوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ [1]

(۴۱) مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین کے طلبہ کا معمول یہ ہے کہ ہفتہ میں بدھ کے دن عصر کی نماز کے بعد کسی ایک جگہ جمع ہوکر اصولوں کا مذاکرہ کرتے اور مہینہ میں ایک مرتبہ حضرت جی کو اپنے یہاں آمد کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت جی یا تو خود تشریف لے آتے یا اپنی طرف سے کسی کو تجویز فرما دیتے۔ ایک مرتبہ ۳ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ (۲۸ جولائی ۱۹۷۱ء) بدھ کے دن طلبہ کا اجتماع چل رہا تھا۔ حضرت جی نے طویل بیان فرمایا۔ بیان سے فراغت پر مولانا محمد الیاس صاحب بارہ بنکوی نے عرض کیا کہ حضرت دعا فرما دیجئے۔ اس پر جواباً فرمایا کہ آپ حضرات یہ سمجھ رہے ہیں کہ حضرت تشریف لے آئے اور طلبہ میں شور ہوگیا کہ حضرت تشریف لائے ہیں اور حضرت نے بیان فرما دیا۔ لیکن ان سب باتوں سے حضرت کا نفس پھول کر ایسا ہوجائے گا جیسے مرے ہوئے گدھے کا پیٹ ہوتا ہے۔ پھر مجمع میں موجود مولوی چراغ الدین صاحب راجستھانی سے فرمایا، "مولوی چراغ الدین دعا کراؤ، ہم آمین کہیں گے"۔ یہ الفاظ سن کر مجمع پر عجیب طرح کی خاموشی چھا گئی۔ حضرت جی بھی خاموش بیٹھے رہے۔ کچھ وقت گذرنے کے بعد مولانا الیاس صاحب حافظ نورالدین صاحب مولوی چراغ الدین صاحب کے درخواست کرنے پر آپ نے مختصر دعا کرائی۔

اسی طرح ۸ صفر ۱۳۹۳ھ ۱۴ مارچ ۱۹۷۳ء بدھ میں طلبہ کے اجتماع میں

---

[1] روزنامچہ راقم سطور

مولانا محمد الیاس صاحب بارہ بنکوی بیان فرمارہے تھے۔ حضرت جی کی آمد پر آپ خاموش ہوگئے۔ تو فرمایا کیا فرمارہے تھے فرماؤ۔ ہم کو کیا آتا ہے ہم تو تبرک کے طور پر کچھ فرمادیں گے۔ [1]

گجرات کے ایک اجتماع کے اختتام پر بذریعہ کار واپس ہورہے تھے کہ ریلوے کراسنگ کا گیٹ عین وقت پر بند ہوگیا اور گاڑی رک گئی۔ ایک دو مقامی حضرات بھی اس گاڑی میں موجود تھے۔ کچھ دیر بعد یکے بعد دیگرے لوگ گاڑی کی طرف آنے لگے۔ اور حضرت جیؒ سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ جو صاحب گاڑی چلارہے تھے، انھوں نے کھڑکی کا شیشہ اوپر کرنا چاہا تو حضرت جیؒ نے ان کو روکتے ہوئے فرمایا کہ بھائی رہنے دو۔ شاید انہی کے نیک گمان کی وجہ سے اللہ جل شانہ ہماری بخشش کردے۔ اور پھر پُرجوش وپُرخلوص انداز میں آپ نے سبھوں سے مصافحہ کیا۔ [2]

نمائش اور خود نمائی سے احتراز

حضرت مولانا کی متواضعانہ طبیعت ہر ایسے مقام یا مجلس میں جانے سے آپ کو روک دیتی تھی، جہاں نام ونمود ہو یا اپنی نمائش اور خود نمائی ہو۔ اسی بنا پر حکومتی اور سرکاری سطح پر منعقد ہونے والی مجالس ومحافل میں بھی آپ نے کبھی شرکت نہیں فرمائی۔ بلکہ ایسے مواقع پر کبھی تو آپ صاف صاف انکار فرماکر اس کی وجہ بیان کردیتے اور کبھی خوش اسلوبی اور خاموشی کے ساتھ اپنا دامن بچالیتے۔ ایک مرتبہ عیدگاہ دہلی میں نماز عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر خلفشار وانتشار تھا۔ دلی وقف بورڈ نے اتفاق رائے سے آپ کی امامت طے کردی اور ایک وفد اس کی اطلاع لے کر مرکز نظام الدین آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے مضبوط انداز میں معذرت فرماکر فوراً حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کو ایک مکتوب تحریر فرمایا جس میں اس وفد سے ہونیوالی گفتگو کی تفصیلات لکھکر آپ سے دعا کی درخواست کی۔ وہ مکتوب یہ ہے:۔

"حضرت نظام الدین — مخدوم مکرم معظم محترم مدظلہم العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آج صبح۔۔ چائے کے بعد دہلی وقف

---

[1] روایت مولانا عبدالسلام پونوی۔ [2] حسن اخلاق دہلی ستمبر ۱۹۹۵ء

بورڈ کا ایک وفد جس میں چیرمین اور دیگر صاحبان تھے آیا۔ جس کو چائے وغیرہ پلائی گئی۔ بہت دیر تک تو بس تواضع کی ہی بات ہوتی رہی۔ آخر میں عیدالاضحیٰ کی امامت کے بارے میں فیصلہ سنایا کہ وقف بورڈ نے بندہ کی امامت کا فیصلہ کیا ہے جس پر بندہ نے معذرت کر دی کہ بندہ تو اپنی معذوری کی بنا پر اپنی مسجد میں بھی نماز نہیں پڑھاتا ہے بہت دیر تک بات ہوتی رہی۔ بندہ بات کرتا رہا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ اس سے فتنہ دبتا ہے اور سب متفق ہیں۔ بندہ نے کہا کہ یہ اتفاق اسی وجہ سے ہے کہ ہم کسی اختلافی چیز میں دخل نہیں دیتے اور آپ ہمیں کیوں.. اختلافی چیز میں کھینچتے ہیں۔ ہم نے ان کی نہیں مانی اور ان کے کوئی اور صورت سمجھ میں آئی نہیں۔ یہ کہکر وہ چلے گئے کہ اس مسئلہ پر ہم اور غور کریں، ہم پھر آدیں گے۔ اب شام کو وقف بورڈ کے دفتر کی یہ خبر ملی ہیکہ ایک خط تیار کیا جارہا ہے بندہ کے پاس بھیجنے کے لئے اور یہ بھی خبر ملی ہے کہ وہ ہمارا اعلان کر دیں گے۔ بندہ نے یہ پیام بھیجا ہے کہ اگر ہمارا اعلان کریں گے تو پھر ہم تقریر کے لئے بھی کسی کو نہیں بھیجیں گے، دس سال سے عیدین میں تقریر کرنے کے لئے ہمارے یہاں سے آدمی جاتا ہے۔ اپنی رائے تو یہ ہے کہ ہم تینوں انعام، عبیداللہ، اظہار میں سے تو کوئی نہیں۔ اگر زیادہ فتنہ کا اندیشہ ہوا تو اس تصریح کے ساتھ کہ صرف یہی ایک عید پڑھانے کے لئے مولوی یعقوب کو بھیج دیا جائے اور اگلی عید تک انتظام کریں آئندہ نہیں بھیجیں گے۔ دعا کے لئے یہ تمام۔ کہانی لکھی ہے۔ اللہ جل شانہ اپنا فضل فرمادیں۔ محمد انعام الحسن عفرلہٗ

● صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے ایک وفد آپ کی خدمت میں سرکاری دعوت نامہ لیکر پہونچا تو آپ نے یہ کہہ کر کہ اس میں رسمیت نمائش اور شہرت ہے، شرکت سے معذرت فرمادی اس وفد کی آمد کا حال آپ حضرت شیخ کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں!

"بندہ کے پاس جامعہ ملیہ کا ایک وفد ۲۵، ۳۰ آدمیوں کا آیا تھا، جس نے دریافت کیا کہ بندہ جنازہ میں شرکت کرے گا یا نہیں، بندہ نے انکار کر دیا کہ اس میں رسمیت اور نمائش اور شہرت ہے اور ہنگامہ ہے۔ اس پر انھوں نے کہا کہ الگ کمرہ میں تیرا انتظام کر دیں گے۔ لیکن بندہ نے عذر کر دیا۔ شنبہ کے روز جس دن ان کا انتقال ہوا، دو آدمی راشٹرپتی بھون میں قرآن خوانی کے لیے طلبہ کو لینے آئے تھے، اس پر بھی عذر کر دیا تھا کہ یہاں پر ہی ایصال ثواب کر دیا جائے گا۔ وہاں یا کہیں بھیجنا ہمارے دستور میں نہیں ہے۔ چنانچہ دو قرآن پاک ختم کرا دیئے گئے۔"

● ایک مرتبہ امام حرم نبوی دہلی تشریف لائے تو ان کے اعزاز میں رنجیت ہوٹل میں ایک تقریب منعقد کی گئی۔ حضرت مولانا کے پاس جب ایک صاحب دعوت نامہ لائے تو آپ نے .. اس نسبت جلیلہ کا تو پورا پورا احترام فرمایا لیکن شرکت سے معذوری ظاہر کر دی۔ حضرت مولانا اس موقعہ پر ہونے والی گفتگو حضرت شیخ کو اس طرح لکھتے ہیں:

"امام حرم نبوی آج کل دہلی آئے ہوئے ہیں۔ یکم فروری کو لکھنؤ جاویں گے جماعت اسلامی کی جانب سے کل ۲۹ جنوری کو ایک صاحب قائم مقام امیر کی جانب سے ایک دعوت نامہ لے کر آئے تھے جس میں کل ۳۱ جنوری کو شام کے ساڑھے چار بجے رنجیت ہوٹل میں انکی تقریب میں مدعو کیا تھا۔ بندہ نے عذر کر دیا کہ ہم مسجد میں چٹائی پر بیٹھنے والے ہوٹلوں کی دعوت کے مناسب نہیں ہیں۔ دعوت نامہ لانے والے (یہ سنکر) جھینپ گئے۔ امیر جماعت مولوی یوسف تو ابھی اپنے سفر سے واپس نہیں لوٹے۔"

● ایک اسلامی مملکت کا اعلیٰ سطحی وفد آسٹریلیا، فلپائن، سنگاپور، ملیشیا وغیرہ کا دورہ کرتے ہوئے جب ہندوستان پہونچا تو یہاں سفارت خانہ میں ان کے اعزاز میں عشائیہ دیا گیا۔ حضرت مولانا کو جب اس میں مدعو کیا گیا تو آپ نے اپنے اشتغال اعلا بیان فرما کر شرکت سے انکار فرما دیا۔ مولانا حضرت شیخ کو لکھتے ہیں:

"ایک وفد جو آسٹریلیا، فلپائن، سنگاپور، ملیشیا، وغیرہ ہو کر یہاں کام دورہ کر رہا ہے، جمعہ کی شام کو مغرب کے بعد ہمارے یہاں آیا تھا دو گھنٹہ اس سے بات ہوئی، خوب متأثر ہوا۔ لیکن تیسرے روز شاید وہ خفا بھی ہو گیا کیونکہ سفیر کی جانب سے عشائیہ کا دعوت نامہ آیا تھا جس سے بندے نے معذرت کر دی اور اپنے اعذار و اشغال سامنے رکھے۔ جس کو دعوت لے کر آنے والے نے تو بہت خوشی سے معذور تسلیم کر لیا۔ مگر معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو یہ بات خوش نہیں لگی کہ ان کے اکرام میں تمام اعذار پس پشت ڈال دینے چاہئیں تھے، شکایات تو کچھ زیادہ طاقتور نہیں ہیں لیکن ورغلانے والوں سے اللہ جل شانہ حفاظت فرمائے۔ اور خیر کی غیب سے صورتیں پیدا فرمادیں۔"

مکتوب ۲۵ ر جولائی ۱۹۷۸ء، ۱۸ ر شعبان ۱۳۹۸ھ

کمالِ تقویٰ اور کمالِ احتیاط

زندگی کے روزمرہ کے معاملات و مسائل میں حضرت مولانا کا ہر قدم کس قدر احتیاط کے ساتھ اٹھتا اور باریک سے باریک معاملات میں آپ خود کو کس قدر شرعی حدود و قیود اور فقہ و فتاویٰ کے دائرے میں رکھتے تھے۔ اس کا اندازہ ذیل کے کچھ ایسے واقعات سے ہوتا ہے جو آپ کی زندگی کے مختلف پہلو اور شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جناب بھائی خالد سیف اللہ (دہلی) لکھتے ہیں:

"تھائی لینڈ کے سفر سے واپسی پر جب میں ملاقات کے لئے آیا تو حضرت جی رح اپنے حجرہ میں تنہا تھے۔ اور بڑی بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ میں نے سلام کیا اور خیریت معلوم کی تو فرمایا کہ اس سفر میں میرے سے ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا۔

میں نے پوچھا کہ حضرت کیا ہوا تو ٹہلنا چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ بندہ بھی بیٹھ گیا۔ پھر یوں فرمایا کہ اس سفر میں میں نے ایک جگہ جھوٹ بول دیا اور یوں لگتا تھا کہ اب روئے تب روئے۔ میں نے پوچھا کہ حضرت کیا ہوا اور کیسے ہوا؟ تو فرمایا کہ کسٹم پر مجھ سے پوچھا گیا کہ آپ کے پاس ہندوستانی روپے

کتنے ہیں؟ تو میں نے جواب میں کہہ دیا کہ میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ مجھے سفر میں پیسہ رکھنے کی عادت نہیں۔ لیکن اب سفر سے واپسی پر جب کپڑے دھوبی کو دیتے وقت میں نے اپنی جیب جھاڑی تو اس میں سے دس پیسے نکلے تو یہ میرا جھوٹ ہوا۔

میں نے عرض کیا کہ آپ کو معلوم تو تھا نہیں کہ دس پیسے کا سکہ جیب میں ہے۔ اس پر فرمایا کہ جیب میری اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ اس میں کیا ہے۔ کیا یہ بات اللہ کے یہاں چل جائے گی۔ حضرت جی کی بات سنکر مجھے یاد آیا کہ حکومت کا قانون یہ ہے کہ بیرون ملک جانے والے سے ہندوستانی روپیہ پوچھنے کا مطلب ہے سو روپیہ کا نوٹ یا اس سے زیادہ کا نوٹ۔ کیونکہ یہ نوٹ دوسر ملکوں میں بھی کرنسی تبدیل کرنے والوں کے پاس ہوتا ہے۔ اس سے کم کے نوٹ یا سکہ رکھنا منع نہیں ہے۔ جب یہ بات میں نے حضرت والا کو تبلائی تو حضرت نے فرمایا کیا تم یہ سچ کہہ رہے ہو۔ جب میں نے تائید کی تو فرمایا کہ اب مجھے اطمینان ہوا اور واقعی میں نے بھی حضرت کے چہرے پر بڑا سکون محسوس کیا۔"

کمال تقوی اور کمال احتیاط کے تعلق سے بھائی سیف اللہ صاحب موصوف اپنا دوسرا واقعہ اس طرح لکھتے ہیں:

"میں نے اپنے کوارٹر میں کچھ سبزیاں لگا رکھی تھیں۔ کبھی کبھی تازی سبزیاں حضرت کو پیش کر دیتا۔ اور آپ ان کو قبول فرما کر کسی کے ذریعہ گھر میں بھیج دیتے۔ ایک دفعہ میں سبزی لایا تو میں نے کہدیا کہ حضرت سبزی لایا ہوں گھر میں بھجوا دیں، تو حضرت کا چہرہ جلال سے سرخ ہو گیا، اور سبزی کی تھیلی کو ہاتھ سے پرے ہٹا کر۔۔ فرمایا کہ میں کیوں بھیجوں، تم خود بھیجو۔ مولانا عبید اللہ صاحب اس وقت تشریف فرما تھے۔ انھوں نے میری سفارش کی کہ حضرت یہ بچے ہیں، غلطی ہو گئی ہے، ان کو معاف کر دیں۔ لیکن اس سفارش پر بھی جلال کچھ کم نہ ہوا۔ اور فرمایا ان کی داڑھی

میں سفید بال آگئے ہیں۔ یہ ابھی تک بچے ہی ہیں۔ پھر بندہ نے عرض کیا کہ حضرت واقعی غلطی ہوگئی۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔ تو جلال میں فرمایا، کیا غلطی ہوگئی؟ میں نے عرض کیا کہ ہدیہ کا مطلب ہے مالک بنانا۔ میں نے آپ کو مالک بنانے کے بجائے خود ہی اس کا استعمال طے کر دیا۔ پھر یہ ہدیہ کہاں ہوا۔ یہ سنکر سارا جلال ختم ہوگیا اور مسکراتے ہوئے ہدیہ قبول کر کے گھر میں بھیج دیا۔"

حضرت مولانا کا تقویٰ اور احتیاط سے بھرپور یہ مزاج آپ کو قبولِ ہدیہ میں بھی پس و پیش کرنے اور بسا اوقات صاف صاف انکار کر دینے پر مجبور کر دیا کرتا تھا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص نے آپ کو ہدیہ پیش کیا ہو اور آپ نے انکار نہ فرمایا ہو۔ ہمیشہ اس قسم کے جملے ضرور فرماتے تھے کہ بھائی مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کہیں اور خرچ کر دو یا خود ہی کسی اچھی جگہ خرچ کر دینا۔ وغیرہ وغیرہ۔ حافظ محمد یوسف صاحب اس سلسلہ کے دو بہت عجیب واقعے اس طرح بیان کرتے ہیں:

"میں یہاں حضرت والا کے قبول ہدیہ کے دو واقعے سنانا چاہتا ہوں پہلا واقعہ وہ ہے جس میں حضرت نے ہدیہ قبول نہ کرتے ہوئے انکار فرمادیا اور دوسرا واقعہ وہ ہے کہ اس میں حضرت نے ہدیہ کا بڑا اعزاز و استقبال کیا۔ پہلا واقعہ یوں ہے کہ۔

ایک صاحب نے میرے ہاتھ۔۔ ہدیہ کی ایک بڑی رقم حضرت کی خدمت میں بھیجی۔ میں نے تنہائی میں وہ پیش کی، تو حضرت نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا "نہیں بھائی نہ جانے کیسی ہو گی۔" میں نے عرض کیا کہ حضرت ان صاحب کا تو محنت و مزدوری اور لکڑی کا کام ہے۔ مگر حضرت پھر بھی متوجہ نہیں ہوئے اور نہ میری طرف دیکھا۔ رقم کی طرف تو کیا دیکھتے۔ اور اپنے دوسرے کام میں مشغول ہوگئے۔ تو مجھے تشویش ہوئی کہ یا اللہ وہ تو بیچارے مزدور قسم کے آدمی ہیں۔ آخر حضرت ان کا ہدیہ کیوں قبول نہیں فرماتے بہر حال میں وہ رقم لے کر لوٹ آیا۔ اور ان صاحب کو واپس کر دی۔ مگر

میں جستجو میں لگا رہا کہ یہ قصہ کیا ہے۔ ایک روز ان صاحب کے پڑوس میں رہنے والے ایک ساتھی نے مجھ سے کہا کہ آپ ان صاحب کو کچھ نصیحت کریں کیونکہ ان کا کاروبار بہت غلط ہے۔ میں نے کہا کہ یہ کیا کاروبار کرتے ہیں۔ تو اس ساتھی نے جو ان کے کاروبار کی تفصیل بتلائی اس کو سنکر تو میں دھک سے رہ گیا۔ مجھے تعجب اس کاروبار پر نہیں ہوا بلکہ حضرت کی روحانی فراست اور بصیرت پر تعجب ہوا کہ کس طرح صاف صاف فرمادیا کہ "نہیں بھائی نہ جانے کیسی ہوگی"۔

اس کے برخلاف دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہم جماعت لیکر ایک علاقے میں ۔۔۔ (جس کا میں نام نہیں لیتا) گئے۔ وہاں ایک آدمی جو بڑی بڑی مونچھیں رکھے ہوئے ہاتھ میں سکھوں کی طرح کڑا پہنے اور چہرے پہ داڑھی بھی نہیں تھی۔ ہمیشہ ہمارے بیانات میں بڑی دلچسپی سے آتے اور توجہ سے بات سنتے اور اکثر میرے قریب ہی بیٹھتے۔ اور بے تکلف باتیں کرتے تھے وہاں کے مقامی احباب اس کو پسند نہیں کرتے تھے کہ وہ میرے قریب ایسا بے تکلف بن کر کیوں بیٹھتے ہیں۔ اور مجھے بھی کہتے کہ آپ ان کو اتنا قریب نہ رکھا کیجئے۔ یہ کوئی مشکوک آدمی ہیں۔ مگر میں کہہ دیتا کہ بھائی ہمیں کون سا یہاں بسنا ہے۔ بیچارہ عقیدت و محبت سے آتا ہے۔ کیا خبر اللہ کا کون بندہ ہے۔ جس روز ہماری وہاں سے روانگی تھی۔ اس دن رات کو وہ میرے پاس آئے۔ اور دو روٹیاں چھوٹی چھوٹی اور موٹی موٹی پکا کر لائے اور کہا کہ یہ حضرت کو ہی دینا اور میرا نام بتا دینا۔ میں وہ نام یہاں نہیں لکھتا۔ اور کہدینا کہ آپ کو سلام کہا ہے اور یہ دو روٹیاں دی ہیں۔ میں نے وہ احتیاط سے رکھ لیں۔ نظام الدین پہونچ کر میں بھول گیا اور جب کھانے کے بعد بستر پہ تشریف لائے تو مجھے یاد آئی میں نے وہیں کھڑے کھڑے عرض کر دیا کہ حضرت ایک صاحب نے جن کا نام یہ ہے آپ کے لئے دو روٹیاں دی ہیں۔ حضرت نے فرمایا ارے بھائی جلدی لاؤ وہ روٹیاں کہاں ہیں؟

میں جلدی سے لایا۔ اتنے حضرت انتظار میں ہی بیٹھے رہے۔ میں نے وہ سوکھی روکھی روٹی پیش کی، تو حضرت نے لے کر فوراً بڑے مزے سے کھانی شروع کر دی۔ کھاتے رہے اور یہ فرماتے رہے کہ بھائی آج ہم میوات سے آئے ہیں۔ ایک بڑھیا نے بھی مجھے آج صبح روٹی کھلائی تھی۔ میں اس کا نور اب تک اپنے سینے میں محسوس کر رہا ہوں اور یہ فرما کر دونوں روٹیاں کھالیں۔ تب مجھے اندازہ ہوا کہ وہ خاص قسم کے آدمی تھے اور حضرت بھی ان سے واقف تھے۔

جناب الحاج عبدالحفیظ نیار صاحب (سورت) قبول ہدیہ کے تعلق سے آپ کا ایک اور واقعہ اس طرح سناتے ہیں۔

" ایک مرتبہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسی صاحب نے بڑی رقم بطور ہدیہ پیش کی۔ آپ نے انکار فرما دیا۔ انھوں نے اصرار بھی کیا مگر حضرت نے قبول نہیں کی۔ وہ صاحب مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک دیہاتی قسم کے بڑے میاں آئے۔ اور حضرت جی کے پاس بلا تکلف بیٹھ کر اپنی جیب میں سے دس روپے نکال کر یہ کہتے ہوئے پیش کئے کہ ان میں سے پانچ روپے آپ رکھ لیں اور.. پانچ روپے مجھے واپس کر دیں۔ حضرت نے فوراً ان سے دس روپے لے کر رکھ لئے اور اپنی جیب میں سے پانچ روپے نکال کر ان کو واپس کر دیئے "۔

- ایک قدیم کارکن اسی سلسلہ کا اپنا ایک واقعہ اس طرح لکھتے ہیں:

" یہ واقعہ آج سے ۳۵ برس پہلے کا ہے کہ حضرت والا ایک مرتبہ ہمارے گاؤں ایسے وقت میں تشریف لائے کہ نہ میرے گھر میں کچھ تھا اور نہ میری جیب میں کچھ تھا۔ بعد عشاء حضرت جیؒ کی قیامگاہ سے میں اپنے گھر آرام کے لئے جا رہا تھا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یا اللہ اگر میرے پاس کہیں سے کچھ آجاوے تو جتنا بھی آئے گا میں وہ سب حضرت کی ہی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ بس اندھیری رات تھی۔ برسات کا موسم تھا۔ حضرت جیؒ کی کرامت کا ظہور ہوا کہ مغا اندھیرے میں ایک انتہائی مخلص دوست ملے۔ اور سلام مصافحہ کرتے

ہی مجھے اچھی خاصی رقم یہ کہہ کر دی کہ اپنی ضرورت میں کام میں لے آنا خوشی بھی ہوئی اور تعجب بھی کہ مجھے دعا کئے ہوئے ابھی چند لمحے بھی نہیں گذرے کہ فوراً اس کی قبولیت سامنے آگئی۔

خیر صبح جب حضرت جی اور مولانا محمد عمر صاحب ایک گاڑی میں بیٹھے تو میں نے آدھی آدھی رقم دونوں کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضرت جی نے ناراضگی کا اظہار تو فرمایا لیکن گاڑی چل چکی تھی ایسے ہی مولانا محمد عمر صاحب نے بھی اظہار ناخوشی کیا۔ دو چار روز کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حجرہ کے سامنے ہی کھڑے تھے۔ مجھے دیکھ کر خوش ہوئے۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر اندر حجرہ میں لے گئے۔ اور محبت کے انداز میں فرمایا کہ یہ رقم سچ بتاؤ تم نے مجھے کیوں دی تھی، میں نے صاف صاف عرض کر دیا تو بہت خوش ہوئے۔ پھر میں مولانا محمد عمر صاحب سے ملا۔ انھوں بھی دریافت کیا کہ وہ رقم جو تم نے حضرت کو دی تھی حضرت نے اس کے بارے میں کیا کیا۔ میں نے عرض کیا کہ قبول فرمالی۔ تو وہ بھی خوش ہو گئے۔

○ مولانا محمد ذاکر صاحب جے پوری کے بیان کردہ اس واقعہ سے بھی آپ کے ورع و تقوی اور قبول ہدیہ میں احتیاطی پہلو کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ ایک مقام پر بسلسلہ تبلیغی اجتماع تشریف لے گئے۔ وہاں ایک خاتون نے سب حضرات کی خدمت میں مٹھائی کا ایک ایک ڈبہ تحفہ میں بھجوایا اور کہلوایا کہ ایک بیوہ عورت کی طرف سے تحفہ ہے جس کے شوہر کا ابھی انتقال ہوا ہے۔ جب حضرت جی کی خدمت میں ڈبہ پیش ہوا تو فوراً دریافت فرمایا کہ ان مرحوم کی میراث تقسیم ہو گئی یا نہیں؟ جب معلوم ہوا کہ ابھی تقسیم نہیں ہوئی تو مٹھائی واپس کر دی اور فرمایا کہ قبل التقسیم اس ترکہ میت سے کسی کو کچھ بھیجنا درست نہیں ہے"[1]

مولانا محمد احترام الحسن کاندھلوی حضرت مولانا کی دینی امور میں احتیاط کا ذکر کرتے ہوئے

[1] تذکرہ مولانا محمد انعام الحسن، مرتبہ مولانا اکبر قاسمی میوات۔

ایک واقعہ اس طرح سناتے ہیں :

" دینی امور میں مولانا پوری احتیاط فرماتے تھے اور چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں جن پر عموماً دھیان بھی نہیں جاتا، ہمیشہ احتیاط کا پہلو اختیار کرتے تھے۔ ایک بار مولانا اپنے چند اعزہ کو رخصت کرنے کے لئے نظام الدین اسٹیشن تشریف لے گئے۔ نماز کا وقت ہو گیا۔ مولانا نے مولوی محمد بن سلیمان کو خطاب کر کے فرمایا کہ وضو کا کیا ہوگا ؟ پلیٹ فارم پر ایک خالی گاڑی کھڑی ہوئی تھی جس کے چلنے میں تاخیر تھی۔ مولوی محمد بن سلیمان نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ سامنے ٹرین کے ڈبہ میں استنجاء اور وضو سے فارغ ہو لیں۔ مولانا نے فرمایا ایسا کرنا جائز بھی ہے یا نہیں ؟ اس پر مولوی محمد بن سلیمان نے کچھ جواب دیا تو مولانا کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ مولوی محمد بن سلیمان منشاء سمجھ گئے۔ اور دوڑ کر ایک ساتھی کے لوٹے میں نل میں سے پانی لائے اس سے مولانا نے استنجاء اور وضو فرمایا۔ اور ٹرین کی ٹنکی میں بھرا ہوا پانی جو مسافروں کے لئے ہوتا ہے، مولانا نے استعمال نہیں فرمایا کیونکہ آپ اس وقت مسافر نہیں تھے۔"

سنت کا اہتمام اور حُبِّ نبی علیہ السلام

حضرت مولانا کی پوری زندگی حضور پاک علیہ السلام کے طریقہ کے مطابق زندگی گزارنے، سنت پر عمل کرنے اور دوسروں کو اس کی دعوت دینے میں بسر ہوئی۔ چوبیس گھنٹہ کے معمولات و مشاغل میں کھانے پینے، سونے جاگنے، اٹھنے بیٹھنے اور سفر پر جانے اور آنے کی جس قدر سنتیں ہیں امکان کی حد تک ان پر عمل فرماتے اور ایسے مواقع پر جتنی ماثور اور مسنون دعائیں حدیث شریف میں مذکور ہیں ان کو پڑھنے کا پورا پورا اہتمام فرماتے تھے۔ آپ کے جذبۂ اتباعِ سنت اور اسوہ حسنہ کے مطابق زندگی گزارنے کی بھرپور کوشش اور جد و جہد کے متعلق آپ کے تلمیذ رشید اور ہر وقت کے حاضر باش خادم مولانا محمد الیاس پھلاوی (میوات) اپنے سالہا سال کے مشاہدات و تجربات کے حوالہ سے اپنی شہادت اس طرح

قلمبند کرتے ہیں :

" تحدیث نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ الحمد للہ بندہ کو حضرت کی زندگی کے دیکھنے کا موقع دور امارت سے بھی - - پہلے سے حاصل تھا۔ اس لئے کہ حضرت والا ہند اور بیرون ہند کے اکثر سفروں میں مجھے ساتھ رکھتے تھے۔ اور حضر میں بحمد اللہ شب و روز کی جلوت و خلوت کی حاضری کا شرف حاصل تھا۔ بحمد اللہ حضرت مولانا کی زندگی پہلے ہی سے بہت پاکیزہ اور تقویٰ و طہارت واتباع سنت میں عین اسوہ حسنہ کے مطابق تھی۔ چھوٹی سے چھوٹی سنت کا بھی اہتمام تھا۔ حتیٰ کہ کپڑوں کے پہننے و نکالنے، سونے و جاگنے تک کی سنتوں کا اہتمام فرماتے تھے۔ لیکن جب اللہ رب العزت نے - - تبلیغ و دعوت کا یہ بار آپ کے کاندھوں پر ڈالا تو آپ کی زندگی میں ہر لائن سے نمایاں تبدیلی ہوئی - اور غور سے دیکھنے کے بعد آپ کے اندر مختلف اکابر کی نسبتوں کا اجتماع نظر آیا کسی کی عبادت کی نسبت، کسی کی قربانی کی نسبت، کسی کے زہد، کسی کی تواضع و انکساری کی نسبتیں صاف اور کھلے طور پر آپ کے اندر محسوس ہوتی تھیں اور استغناء کی نسبت تو نہ معلوم کتنے اکابر کی منتقل ہوئی تھی۔ سنتوں پر عمل کا اتنا اہتمام تھا کہ ایک ایک سنت تلاش کر کے اس پر عمل کی کوشش فرمایا کرتے تھے۔ یہاں مجھے ایک واقعہ بے اختیار یاد آگیا۔ حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے وصال کے بعد آپ کا جنوبی ہند کا پہلا سفر ہوا۔ بندہ بھی اس سفر میں ہمراہ تھا۔ آخری پروگرام حیدر آباد کا تھا۔ وہاں سے واپسی نظام الدین دہلی تھی، جنتا ایکسپریس سے سفر ہو رہا تھا۔ مغرب کی اذان حضرت نے خود ہی شروع فرما دی۔ اذان سے فارغ ہونے پر حضرت منشی بشیر احمد صاحب مرحوم نے عرض کیا۔ حضرت آپ فرما دیتے ہم خدام میں سے کوئی بھی ساتھی اذان کہہ دیتا تو آپ نے برجستہ فرمایا کہ منشی جی مجھے ایک حدیث یاد آگئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انسان زمین کے جس خطہ پر جو عمل کرتا ہے، وہ

خطۂ ارض انسان کے اس عمل کی قیامت کے روز گواہی دے گا، تو
میں نے یہ خیال کیا کہ جتنی دیر میں اذان پوری ہوگی، اتنی دیر ریل
کافی سفر طے کرے گی تو یہ ساری زمین آخرت میں میری اذان کی
گواہ ہو جائے گی۔

حضرت مولانا کو ارشادات و فرمودات نبوی اور معمولات و عادات محمدی ——
—— (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمل کرنے کا یہ جذبہ اور اہتمام ۔۔۔ اس بنا پر بھی بہت زیادہ تھا کہ حضرت مولانا کی نگاہ میں اس تمامتر دعوتی و تبلیغی جد وجہد کا مقصد ہی صرف اور صرف احیائے سنت اور اتباع سنت تھا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر کارکنان اور اصحاب تبلیغ کو سنت والی زندگی اختیار کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

" دوستو! یہ ہماری محنت اس لئے ہے کہ ہمارے اندر سنت والی زندگی آجائے اس لئے کہ خواہشات پر زندگی گذارنے والا اپنے پیروں پر کلہاڑی مارتا ہے۔ ہم اپنی زندگی میں سنت والے طریقے پر چلنے والے بن جائیں، اس کی کوشش کرنا ہے۔ جتنا سنت والے طریقے پر عمل کرنے والے بن جائیں گے۔ اتنی ہی زندگی بنتی چلی جائے گی۔ جیسی آدمی کی فکر ہوتی ہے ویسی ہی وہ زندگی گذارتا ہے۔ سنت کی فکر ہوگی تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں گے۔ جی چاہی زندگی گذارنا یہ جانوروں والی زندگی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر زندگی گذارنا یہ اصلی انسانی زندگی ہے۔ آج انسان حیوانی زندگی گذار رہا ہے۔ دعوت کی یہ ساری ترتیب اس لئے ہے کہ اللہ کے حکموں اور نبی کے طریقے پر چلنے والے بن جائیں۔"

اسی طرح ایک دیگر موقعہ کا ملفوظ یہ ہے:

" اپنی ذات کو سنتوں پر لانے کی پوری پوری کوشش کرنی ہے، جب آدمی سنت پر چلنے کی کوشش کرے گا اور ارادہ کرے گا تو بہت آسانی سے اس پر چل پڑے گا۔ اور جو سنت پر چلے گا، وہ قیامت

میں نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اتنا ہی قریب ہوگا۔
سنت کیا ہے؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کرنے کو بتلایا اسکے مطابق کرنا بس یہی سنت ہے۔
مرکز نظام الدین میں قائم مدرسہ کاشف العلوم کے طلبہ کو ایک مرتبہ سنتوں پر عمل کی تاکید کرتے ہوئے اس طرح نصیحت فرماتے ہیں:
"تم ابھی سے اگر سنتوں پر چلو گے اور پھر وہ سنت کسی کتاب میں ملے گی تو ایسی فرحت ہوگی جیسے کوئی گم شدہ چیز مل گئی ہو، تمھارے پاس چاہے لمبی لمبی تقریریں نہ ہوں۔ لیکن عمل پر اور سنتوں پر زندگی پڑ جائے تو بہت مبارک ہے۔ بہت عرصہ ہوا مجھے ایک رسالہ ملا تھا اس کا اوپر کا ورق نہیں تھا۔ دس بارہ ورق کی کتاب تھی۔ اس میں روزانہ کی سنتیں لکھی ہوئی تھیں۔ مجھ کو اس کے مطالعہ سے بہت مزہ آیا۔ بظاہر وہ حضرت مولانا تھانوی کی لکھی ہوئی تھی۔ اب اگر وہ مل جائے تو تبلیغ والوں کے لئے چھاپ دیا جائے۔ لیکن تلاش پر بھی اب نہیں مل رہا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی سنتیں ہر چیز میں ہیں۔ بیٹھنے میں، نہانے میں بیت الخلاء وغیرہ جانے اور آنے میں۔ لیکن آج تو انکا پتہ بھی نہیں چلتا۔

بھائیو! عزیزو! اللہ کو تو حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام والا طریقہ ہی پسند ہے۔ اللہ مجھے بھی نصیب فرمائے اور تمھیں بھی۔"
اسی حب نبوی اور اتباع سنت کا یہ ثمرہ ونتیجہ تھا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعشق کا ایک دریا آپ کے دل میں موجزن رہنے لگا۔ اور جو آپ کو کشاں کشاں قرب خاص اور مقام حضوری تک لے گیا۔ اس نعمت جلیلہ کا اظہار اپنے ایک مکتوب میں اس طرح فرماتے ہیں۔

"روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اس نابکار کا سلام پیش فرمادیں۔ (اپنے کو) دور افتادہ اور مہجور کہنے کی تو ہمت نہیں کہ بسا اوقات قرب

اور حضور حاصل ہے " لہ

ایک موقعہ پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے حضرت مولانا سے قیام مدینہ منورہ کے زمانہ میں اپنے جسمانی تعب وتکان کے شدید احساس اور اشتیاق وانجذاب کے عدم احساس کا تذکرہ فرماکر اس کا روحانی اور اندرونی سبب دریافت کیا تو آپ نے جواب میں یگانگت اور اپنائیت کو ہی اس کا اصلی سبب تبلاکر خود اپنی کیفیت اور اپنے اوپر گذرا ہوا ایک واقعہ اس طرح تحریر فرمایا :

"حضرت والا کے تعب اور تکان کا شدید احساس بھی بظاہر اس کا سبب سکون ہی ہے ۔ تعب تو سہارنپور، دہلی اور بمبئی میں خوب ہوا ۔ لیکن سکون نہ ہونے کی وجہ سے اور سفر کا درمیان ہونے کی وجہ سے اس کا احساس نہ ہوا ۔ جب کچھ سکون ہوا تو اس کا احساس ہوا ۔ اور ضعف تو ہے ہی ۔ سفر کا ہمیشہ کا تجربہ ہے ، طوفانی دورہ بھی ہوتا ہے تو جوانمرد بنے رہتے ہیں اور ٹھکانے پہونچ جاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے نس نس دکھ رہی ہو ۔ اور ہڈی ہڈی دکھ رہی ہو اور درد کر رہی ہو ۔ اشتیاق وانجذاب کا محسوس نہ ہونا اس کی وجہ بھی بندہ کے سمجھ میں تو خوب آتی ہے کہ یہ شدت یگانگت اور اپنائیت ہے ۔ جذب وشوق... ابتدائی چیزیں معلوم ہوتی ہیں ۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کے خوب ذوق وشوق اور رقت کو دیکھ کر فرمایا تھا ھکذا کنا ثم قست قلوبنا ای اطمأنت ، خود بندے کا اپنا سفر یورپ کا واقعہ ہے کہ مدینہ منورہ کی حاضری کا انتظار اور دنوں اور تاریخوں کا گننا (ہو رہا تھا) لیکن وہاں پہونچ کر خود روضۃ من ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر کوئی خاص ذوق وشوق اور کوئی نئی بات کا احساس نہیں ہوا تو خوب فکر ہوا لیکن جلدی ہی اطمینان ہوگیا کہ انشاء اللہ یگانگت اور اپنائیت ہے ۔

لہ مکتوب محررہ ۸ محرم ۱۳۹۵ھ (۲۱ جنوری ۱۹۷۵ء) لہ مکتوب محررہ ۲۳ مئی ۱۹۷۳ء، ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے قیام مدینہ منورہ میں حضرت مولانا جب بھی آمخدوم کو خط تحریر کرتے تو روضۂ شریفہ پر صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کی درخواست ضرور کرتے تھے۔ یہاں بطور نمونہ آپ کے دو مکاتیب سے وہ جملے نقل کئے جاتے ہیں جو اس غرض سے تحریر کئے جاتے تھے۔

"بارگاہ نبویؐ میں اس دور افتادہ پسماندہ اور درماندہ کی جانب سے صلوٰۃ وسلام کے بعد اپنے لئے اور امت مسلمہ خصوصاً ہندیہ کے لئے دعا کی درخواست پیش کرنے کی گذارش ہے۔"

"ہم دور افتادوں کی جانب سے بارگاہ رسالت میں بعد صلوٰۃ وسلام کچھ عرض ومعروض پیش کر دیں اور یہ کہ ع

"آوارۂ ومجنونے ، رسوا سر بازارے"

اسلامیانِ ہند کے مصائب پر فکر وکڑھن

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے بڑا احساس اور دردمند دل ودماغ عطا فرمایا تھا۔ کسی بھی شخص کی بے چینی اور تکلیف سے آپ اس درجہ متأثر اور مغموم ہو جاتے۔ کہ چہرے پر اس کے آثار واثرات صاف معلوم ہونے لگتے تھے۔ آپ کی حیات میں جب جب دین وایمان کے تعلق سے اسلامیانِ ہند پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے۔ تو آپ دردِ غم اور فکر وکڑھن کی ایک تصویر مجسم بن کر رہ جاتے اور آپ کی حالت وکیفیت اس وقت ایسی ہو جاتی کہ دیکھنے والوں کو ترس آجاتا تھا۔

۱۹۷۶ء ۱۹۷۷ء میں جب ایمرجنسی نافذ کی گئی اور اس کی آڑ میں مسلمانوں پر ظلم وستم کیا گیا تو دہلی اور یوپی کی فضا بہت زیادہ مسموم اور خطرناک ہو گئی، جگہ جگہ فسادات شروع ہو گئے۔ اس زمانہ میں آپ حضرتؒ کو دعاؤں کی طرف بہت زیادہ متوجہ فرمانے کی غرض سے ہر ہفتہ ایک خط ان ہی احوال ومصائب کے متعلق مدینہ منورہ تحریر فرماتے تھے۔ ان مکاتیب سے چند اقتباسات دیئے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا کے رنج وملال اور دل ودماغ پر پڑنے والے اثرات کا ان اقتباسات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا اس ظلم وتعدی کے پس منظر سے

خوب واقف تھے۔ چنانچہ ۱۰ر مارچ ۱۹۷۶ء (۸ر ربیع الاول ۱۳۹۶ھ) کے مکتوب میں حضرت شیخؒ کو لکھتے ہیں:

"آج کل فتن مدلہمہ سر اٹھا رہے ہیں، پردے کے خلاف اور باہمی بلاتفریق مذہب وملت شادیوں پر زور دیا جا رہا ہے اور یہ واقعات ہو رہے ہیں، منع تولید پر سختی سے عمل کرایا جا رہا ہے۔ اللہ جل شانہ ہی تمام ظلمات و فتن سے حفاظت فرماویں۔

آج دوپہر معلوم ہوا کہ لمبی تجویز ہے جو علماء اور اشخاص حکومت نواز نہیں ہیں، وہ سب زیر غور ہیں، سب ہی کے ساتھ خدانخواستہ وہ معاملہ نہ کیا جائے جو بعض ممالک میں قریب ہی زمانہ میں ہو چکا۔ اللھم لا تقتلنا بغضبك ولا تھلکنا بعذابك وعافنا قبل ذلك۔"

• ۱۸ر اپریل ۱۹۷۶ء (۷ر ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ) کے تحریر کردہ مکتوب میں اپنی بےچینی اور بیقراری کو زیادہ واضح لفظوں میں اس طرح ظاہر فرماتے ہیں:

"یہاں پر سب اہل دہلی خصوصاً اور اہل ہند عموماً الحمد للہ علی کل حال کے مقام پر پہونچے ہوئے ہیں۔ جبر و استبداد کے ائمہ مناہی ومناکر کو خدا کا نام لینے والوں پر اپنے شیطانی حربوں سے سر تھوپ رہے ہیں۔ سوائے ارحم الراحمین کی بارگاہ میں استغاثہ کے لب کشائی کی مجال نہیں۔ وہی کریم ذات اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت رکھنے والوں کی دستگیری فرمائے تو بیڑہ پار ہو سکتا ہے، احوال ناگفتنی ہیں، اقوال ناشنیدنی ہیں۔ بس اپنے اور امت کے لئے دعا کی، اور روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کی درخواست ہے۔"

۱۵ر جنوری ۱۹۷۷ء (۲۴ر محرم ۱۳۹۷ھ) میں حالات ظاہری طور پر کچھ پرسکون تھے لیکن انفرادی طور پر اندرونی مظالم کی کثرت تھی۔ حضرت مولانا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"حالات بدستور ہیں، لیکن اب شور وشغب کے بغیر انفرادی طور سے دہلی کے مکانات خالی کرائے جا رہے ہیں۔ پورے محلہ کو آرڈر کے بجائے ایک ایک مکان والے

کو منتقل کر رہے ہیں۔ اور میوات میں تعقیم کے لئے بھی یہی صورت اب کی جارہی ہے اور پریشان کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا جا رہا ہے اور اماء دین گویا طے شدہ ہے اور امت کاللسان بین الاسنان ہے۔"

• ۲۰ فروری ۱۹۷۷ء (کیم ربیع الاول ۱۳۹۷ھ) کے تحریر کردہ ... مکتوب میں ظلم و عدوان، اخلاقی پستی و گراوٹ اور ایک سانحہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ جل شانہ سے کچھ مانگنے اور منوانے کے جذبات کا اظہار ان الفاظ کے ساتھ فرماتے ہیں:

" بطانت بہت ہولناک ہے، اس وقت ہنگامی ہماہمی سے تعدی پر حجاب پڑا ہوا ہے۔ اور اس میں بھی خدشات ہی کی صورتیں پنہاں ہیں۔ بے ایمانی سے غلبہ کو یقینی بنایا جا رہا ہے۔ اور غلبہ کی صورت میں تعدی کی حدود کو مسمار کر کے من مانی کرنے کے اور حق گو کے فنا کرنے کے نقشے ہیں۔ جو سب سے دنیاوی لحاظ سے بڑا کہا جاتا ہے اسکے جانے کی وجہ دکاترہ کے قول کے مطابق صدمہ ہے جس کے بارے میں کئی باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ سب ختم کر کے عسکری نظام کا امر کیا جائے۔ جس کے لئے وہ راضی نہ ہوا جس پر تلخی کی نوبت آکر یہ سانحہ پیش آیا۔ اب تو خدا کرے کہ کوئی عافیت کی صورت پردہ غیب سے ہویدا ہو۔ اب تو اعوذ باللہ من شرھا وشر جنودھا واتباعھا و اشیاعھا من الجن والانس، اللھم کن لنا جارا من شرھم اجمعین، کا ورد ہے۔"

• فروری ۱۹۸۰ء (ربیع الاول ۱۴۰۰ھ) کے اوائل میں ہندوستان میں کچھ نئے حالات پیدا ہوئے۔ ادھر ماہ محرم میں سانحہ حرمین شریفین بھی پیش آچکا تھا لیکن ایسے نازک اور خطرے سے بھرپور ماحول میں بھی حضرت مولانا مایوس بالکل نہیں ہوئے، بلکہ اسکے منتظر رہے کہ کب غیب سے خیر کا دروازہ کھلتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو تحریر فرماتے ہیں:

" پورے عالم میں امت مسلمہ کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اور ہند میں جو کچھ ہوا سب خدا کی شان ہے، بندہ تو کوئی غیبی دروازہ کھلنے کی امید باندھے ہوئے ہے کہ کدھر سے اور کب کھلتا ہے، یہ خدا ہی کو علم ہے۔ رجال الغیب میں جو صاحب

تشریف لایا کرتے ہیں، انکا پیام بھی ملا کہ بہت دعائیں کریں، آئندہ اس سے زیادہ سخت ہونے والا ہے جو امسال ہوا اور تو نے (یعنی انعام نے) بہت اچھا کیا کہ وقت سے پہلے اپنا سفر حج پورا کر کے واپس آگیا۔ بجز دعا کے اور خدائے پاک سے امید باندھنے کے چارہ کیا ہے"۔[1]

مسلم کش فسادات کے دوران حضرت مولانا خصوصیت کے ساتھ مظلومین کے لئے دعائے خیر کا اہتمام فرماتے ہوئے تمام ملنے جلنے والے احباب کو توبہ و استغفار اور یٰسین شریف اور آیت کریمہ کے ختمات کی طرف پورے طور پر متوجہ کرتے تھے اور پریشان حال لوگ جب آپ کے پاس دعا کی غرض سے آتے تو ان کی دلداری فرما کر دعا کرتے اور کچھ پڑھنے کے لئے وظیفہ بتلاتے۔ ایسے وقت میں حضرت مولانا کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے... تسلی و تشفی کے دو کلمے بھی ان لوگوں کی ڈھارس اور ہمت بندھا دیتے تھے،

حافظ محمد ہارون صاحب میرٹھی ایک ایسے ہی موقع کی اپنی سرگذشت اس طرح سناتے ہیں:

"میرٹھ کے فساد میں قتل کے مقدمہ میں میرا نام غلط طور سے لکھوا دیا گیا۔ بڑا بھیانک منظر تھا، شہر میں کرفیو جیسے آثار تھے۔ بہت پریشانی کا سامنا ہوا، شہر بھی چھوڑنا پڑا، پولیس نے گھر کے سامان کی قرقی کر لی، گھر سے بے گھر ہو گئے۔ پولیس چاروں طرف ہماری تلاش میں دبشیں ڈال رہی تھیں، میں نے دہلی جا کر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو پورا قصہ سنایا اور درخواست کی کہ حضرت تین دعائیں فرما دیں، ایک تو یہ کہ ہم لوگ پولیس کی پکڑ سے بچ جائیں۔ دوسرے ہاتھوں میں ہتھکڑی نہ لگے، تیسرے ایک دو روز میں ضمانت ہو جائے۔ حضرت والا نے فرمایا انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ اور ہر نماز کے بعد سات مرتبہ یہ آیت کریمہ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ پڑھنے کی تاکید کی اور کہا کہ فکر نہ کرو، اللہ سے مانگتے رہو، اللہ آسان فرمائے گا۔ اللہ پاک نے حضرت کی دعا سنی، اور قبول کی۔ قتل کا کیس تھا، پولیس نہ تو ہمیں پکڑ پائی

---

[1] اقتباس مکتوب محررہ ۲ فروری سنہ ۱۹۸۰ء

نہ ہتھکڑی لگی اور ایک دن میں ضمانت ہوگئی، ضمانت سے آنے کے بعد میں نے دہلی پہونچ کر سارا واقعہ حضرت والا کو بتایا۔ حضرت نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آگے بھی خیر کا معاملہ فرماوے اور شر سے حفاظت فرماوے چنانچہ اللہ جل جلالہ نے اپنے اس برگزیدہ بندے کی اس دعا کو بھی سنا اور قبول فرمالیا کہ چند ہی روز میں یہ احقر باعزت طور پر بری ہوگیا۔"

اسی طرح حضرت مولانا جب اسلامیان ہند کے دینی مراکز و مدارس میں انتشار و خلفشار کی خبریں سنتے تو مضطرب اور بے چین ہوجاتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ انتشار و خلفشار زیادہ تر اعداء دین (یہود و نصاریٰ) کی سازش سے ہوتا ہے۔ آپ ایسے مواقع پر دعوتی کاموں کی نزاکتوں کے پیش نظر کوئی ایسا رویہ تو ہرگز اختیار نہ فرماتے جس سے کسی کی جانبداری یا طرف داری کا احساس ہوتا۔ لیکن فکر و کڑھن کے ساتھ کلمۃ الخیر کہنے میں دریغ نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ جس زمانہ میں دارالعلوم کا قضیہ شباب پر تھا۔ حضرت مہتمم صاحبؒ کی مرکز نظام الدین آمد۔۔ پر آپ نے بڑے ادب و احترام کے ساتھ ان سے بھی اپنی فکر و کڑھن کا اظہار فرما دیا تھا۔ اس مجلس میں ہونے والی گفتگو آپ اپنے مکتوب میں حضرت شیخ کو اس طرح لکھتے ہیں:

"آج صبح حضرت قاری طیب صاحب مع چند رفقاء تشریف لائے۔ معلوم ہوا کہ کچھ بات فرمانے کے لئے تشریف لائے تھے مگر کچھ نہیں فرمایا اتنا فرمایا کہ دیوبند کے جشن پر دنیا تو خوش ہو رہی ہے۔ مگر میرے لئے مصیبت بن گیا۔ چلتے ہوئے فرمایا کہ دیوبند کے لئے دعا کرنا، بندہ نے عرض کیا کہ دعا تو کی جاتی ہے اور قلق اس کا ہے کہ جو مرکز رشد و ہدایت تھا۔ وہ شماتت اعداء کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔ فرمایا صحیح ہے۔" [۱]

اسی طرح ہندوستان کے مشہور و معروف "شاہ بانو کیس" میں حضرت مولانا کو بے حد متفکر و مضطرب دیکھا گیا۔ وہ اس کی قانونی حیثیت اور خلاف شریعت فیصلہ ہونے کی صورت میں اس کے دُور رس نقصانات سے بخوبی واقف تھے۔ اسی بناء پر اس کی

---

[۱] اقتباس مکتوب محررہ ۵، ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۱ھ

محنت وجد وجہد کرنے والوں کے لئے بڑے اہتمام سے دعا فرماتے رہے، بالخصوص حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زاد مجدہ کے لئے تو ان کی حفاظت اور مقصد میں کامیابی کے لئے بہت ہی الحاح وزاری کے ساتھ متوجہ الی اللہ رہتے تھے۔ مولانا عبدالکریم پاریکھ اس کے اعتراف میں لکھتے ہیں!

"شاہ بانو کیس جب چل رہا تھا، اس وقت رات رات بھر جاگ کر حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ ہم لوگوں کے لئے دعا کرتے، اور برابر حالات دریافت فرماتے رہتے تھے۔ آخر تہجد کے وقت پارلیمنٹ میں بل پاس ہوا اور تہجد میں آپ کو اس کی خبر دی گئی تو بہت خوش ہوئے۔ اللہ کا شکر بجالاتے اور ہم لوگوں کو دعائیں دیں۔"[1]

محبوبیت ومقبولیت اور رعب وہیبت

ارشاد نبوی فیوضع لہ القبول فی الارض کے مطابق حضرت مولانا کو جب محبوبیت ومقبولیت کی خلعت فاخرہ پہنائی گئی، اور چہار دانگ عالم میں آپ کے نام اور آپ کے کام کا شہرہ ہوا تو پھر یہ منظر بھی دیکھنے میں آیا کہ خلق خدا پروانہ وار آپ پر جمع ہو گئی۔ اور ایک ایک مجلس میں ہزاروں افراد آپ کی زیارت کرنے اور اپنے دامن کو آپ کے دامن سے وابستہ کرنے کے لئے آنے جانے لگے۔ بقول محترم کلیم عاجز صاحب!

"حضرت جی کی مختصر سے مختصر بات، سیدھی سادھی بات، خطابت کی صناعی اور آراستگی سے محفوظ بات، دل سے نکلی ہوئی بات، تاثیر سے بھرپور بات کو سننے کے وقت بس مجمع زیادہ تر آپ کے چہرہ کو ہی دیکھتا رہتا تھا، اجتماعی و انفرادی مجلسوں میں، چھوٹے اور بڑے مجمعوں میں میں نے کسی ایک شخص کو بھی نہیں دیکھا کہ آپ کی گفتگو کے دوران اس کا سر جھکا ہوا ہو، بلکہ پورا کا پورا مجمع ٹکٹکی باندھے حضرت کو دیکھتا رہتا تھا، جیسے کہ اس کے جسم اور روح کا ایک ایک حصہ اس کوشش میں ہو کہ کوئی جلوہ اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ

---

[1] حسن اخلاق دہلی ستمبر ۱۹۹۵ء صفحہ ۳۲

ہو جائے اور کوئی لفظ گوشۂ سماعت میں داخل ہونے سے رہ نہ جائے۔
اس توجہ اور انہماک کا تعلق لذت سے نہیں بلکہ کیفیت سے ہے۔ لذت جلد ختم ہو
ہو جاتی ہے۔ لذیذ سے لذیذ چیز کا وزن آہستہ آہستہ کم ہوتا رہتا ہے، لیکن
کیفیت ایک ایسی چیز ہے جس کی کوئی حد نہیں کوئی انتہا نہیں۔ اور کیفیت
ہی انسان کو کسی کی طرف متوجہ کر سکتی ہے۔ لذت بہر حال مادی چیز ہے
جبکہ کیفیت کا تعلق روح سے ہے اور یہی کیفیت آخر میں محبت اور
مقبولیت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ جس قدر محبت
مخلوق خدا کو حضرت جی سے تھی وہ بطور مثال اور نظیر ہی پیش کی جا سکتی ہے۔[1]
جن حضرات نے اس محبوبیت و مقبولیت کے مناظر دیکھے ہیں وہ اس کے بعض
اچھوتے واقعات اس طرح بیان کرتے ہیں:

کیرانہ کے اجتماع سے فراغ پر اس قدر بھیڑ جمع ہو گئی کہ مجمع کا سنبھالنا
اور حضرت جی کو اس میں سے نکالنا دشوار ہو گیا۔ میں اور مولوی محمد سلیمان
عاجز آ گئے۔ ہمارے کپڑے پھٹ گئے مگر واہ رے حضرت کا ضبط و تحمل
نہ کسی کو ڈانٹا پھٹکارا، نہ کسی کے مصافحہ کو انکار کیا اور تخت سے نیچے
اتر کر گاڑی جہاں کھڑی تھی تیزی سے اس کی طرف روانہ ہو گئے، مجمع
چاروں طرف ہو گیا۔ جب حضرت نے دیکھا کہ مجمع ادھر زیادہ ہے تو فوراً
دوسری طرف رخ بدل کر تیزی سے چل دیئے اور دس بیس قدم چلے پھر
مجمع ادھر زیادہ ہو گیا تو فوراً حضرت تیزی سے دوسری طرف مڑ گئے۔ غرضیکہ
مجمع اِدھر ہو تو حضرت اُدھر چلے جائیں اور مجمع اُدھر ہو تو حضرت اِدھر چلے آویں
اتنے مجمع اپنا رخ پلٹتا اتنے حضرت پانچ سات قدم گاڑی کے قریب ہو جاتے
جوں توں کر کے حضرت گاڑی کے قریب آ کر جلدی سے اس میں بیٹھ گئے اور
گاڑی روانہ ہو گئی۔[2]

- ایک مرتبہ ٹانڈہ چھپرولی میں اجتماع کے موقع پر یہی صورت حال پیدا ہوئی۔ مجمع

---

[1] اقتباس مکتوب کلیم صاحب بنام راقم سطور۔ [2] از حافظ محمد یوسف صاحب چھپرولی ٹانڈہ۔

چاروں طرف سے دوڑا آرہا تھا اور سب کی خواہش یہ تھی کہ ہم ایک نظر حضرت جی کو دیکھ لیں۔ بصد دقت و دشواری قیامگاہ پہونچے تو بہت دکھ بھرے لہجہ میں فرمایا کہ!

"بھائی ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ لوگ نہ خود تکلیف میں پڑیں اور نہ ہمیں تکلیف میں ڈالیں، لیکن لوگ مانتے نہیں، خود بھی تکلیف اٹھاتے ہیں اور ہمیں بھی تکلیف میں ڈالتے ہیں۔"

جناب کلیم عاجز صاحب اجتماع ارریہ کے موقعہ پر برادرانِ وطن کی عقیدت و محبت کے بارے میں اپنا مشاہدہ اس طرح لکھتے ہیں!

"ارریہ کے اجتماع کے موقعہ پر حضرت جیؒ کو بروانی پہونچتے پہونچتے گھنٹوں کی تاخیر ہوگئی۔ گاڑیوں کے نظام میں انتشار کی وجہ سے حضرت جیؒ نڈھال ہوگئے۔ ٹرینوں کے لیٹ ہونے کی وجہ سے ہر اسٹیشن پر مسافر پڑے ہوئے تھے اور اتنا ہجوم تھا کہ پلیٹ فارم پر اترنا اور چلنا بھی دشوار تھا۔ مگر حضرت جیؒ جیسے ہی ٹرین کے دروازہ سے اترے پلیٹ فارم پر ٹھسم ٹھس غیر مسلم مسافروں کا مجمع جیسے کسی قدرتی ہاتھ کے ذریعہ ایک قطار میں کھڑا ہوگیا۔ اور بہت سے ہندوؤں کو میں نے دیکھا کہ وہ قطار میں بہت پیچھے تھے مگر دونوں ہاتھ پیشانی تک جوڑے ہوئے عقیدت و محبت سے پرنام کر رہے تھے، سچ ہے۔

"بازار آئے لوٹ کے بازار رے گئے"

جناب الحاج عبدالحفیظ بینار (سورت) پاکستان میں پیش آنے والا ایک ایسا واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے آپ کی مقبولیت و محبوبیت کے ساتھ ساتھ عاجزی اور تواضع بھی آشکارا ہوتی ہے، موصوف بتلاتے ہیں کہ!

"ایک مرتبہ پاکستان کا سفر تھا۔ کراچی مرکز میں بہت بڑا مجمع ملاقات و زیارت کے لئے بے چین و منتظر تھا۔ اور اس کمرہ کے چاروں طرف کھڑا تھا جس میں حضرت جی قیام فرما تھے۔ موقعہ ملنے پر جب مجمع دیوانہ وار کمرہ میں آیا، تو

ایک مقامی خادم نے چند لوگوں کو قوت سے دھکیلا۔ اس پر حضرت مولانا نے بہت عاجزانہ اور متواضعانہ لہجے میں فرمایا کہ! "نہیں بھائی ایسا نہیں کرتے نہیں معلوم، خدائے پاک کے یہاں کس بندہ کا کیا مقام ہو۔"

اس مقبولیت ومحبوبیت کے ساتھ خداداد رعب وہیبت کے ملے جلے امتزاج کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی شخص آپ کو آنکھ بھر کر دیکھنے کی ہمت نہ کر پاتا تھا۔ ملنے جلنے والے مجلسوں میں شریک ہوتے لیکن خاموشی کے ساتھ مودب بیٹھے رہتے، اور جب آپ نظریں اٹھا کر دیکھتے تو دیکھنے والوں کی نگاہیں خود بخود جھک جاتیں، اور کسی کی مجال نہ ہوتی کہ وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال آپ کو دیکھ لے۔ رعب و ہیبت کی یہ خداداد کیفیت جو "ہیبت حق است وایں از خلق نیست" کی صحیح اور سچی مصداق تھی کس قدر طاقت ور تھی اس کا اندازہ ذیل کے بعض واقعات سے ہو گا۔

مولانا محمد الیاس بتھرالوی (میوات) لکھتے ہیں کہ!

"ایک مرتبہ ایمرجنسی کے بعض حالات سناتے ہوئے فرمایا کہ میرے پاس ان ایام میں ـــــــ کا آدمی آیا اور کہا کہ ـــــــ صاحب آپ کو اپنے یہاں بلانا چاہتے ہیں۔ جس وقت آپ فرمائیں لینے کے لئے حاضر ہو جائیں۔ حضرت جی نے اس کے جواب میں فرما دیا کہ میں ایسی جگہوں میں آیا جایا نہیں کرتا دوبارہ پھر وہی آدمی آیا اور کہا کہ صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ میں خود ہی حاضر ہو جاؤں۔ حضرت جی نے فرمایا کہ اس کو یہ کہدینا کہ میرے پاس بیکار باتوں کے لئے وقت نہیں ہے۔ تیسری مرتبہ پھر وہی آدمی آیا اور کہا کہ صاحب یہ کہتے ہیں کہ حضرت میرے لئے دعاء فرمائیں، میں بہت پریشان ہوں۔ حضرت جی نے فرمایا کہ میں اس پر خاموش رہا۔ کچھ جواب نہیں دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ چلا گیا۔

اس سے بھی بڑھ کر ایک دوسرا واقعہ جس سے حضرت مولانا کی ثبات قدمی استقلال اور پختگی اور اسی کے ساتھ دینی غیرت وحمیت اور سلطان جائر کے سامنے ڈٹ جانے

کی واضح اور کھلی تصویر سامنے آجاتی ہے پیش کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ کے راوی بھی مولانا محمد الیاس (پتھرالوی، میوات) ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"موضع ہینگوٹا ضلع بھرتپور میں ایک جلسہ ہوا۔ بعد نماز مغرب حضرت بیٹھے ہوئے تھے۔ اور حضرت کے پاس منشی بشیر احمد صاحب، مولانا محمد عمر صاحب وغیرہ تھے، خادم بھی شریک مجلس تھا حضرت دوران گفتگو فرمانے لگے کہ ایک دفعہ حیدر آباد دکن میں جلسہ طے ہوگیا اور جو ہمارے جلسے کی تاریخیں تھی ان ہی تاریخوں میں سرکاری منصب پر فائز ایک بلند تر شخصیت نے اپنا دورۂ حیدر آباد طے کر دیا۔ اور وہاں کی انتظامیہ کو اطلاع بھیج دی۔ وہاں کے ذمہ داران حکومت نے جواب دیا کہ ہم ان تاریخوں میں آپ کے دورے کا انتظام نہیں کر سکیں گے، چونکہ ان ہی تاریخوں میں یہاں مسلمانوں کا عالمی جلسہ ہو رہا ہے۔ ہمارا سارا عملہ اس میں مشغول ہوگا۔ اس جواب کے پہونچنے کے بعد دہلی حکومت نے وہاں خبر بھیجی کہ وہاں کے مسلمانوں سے کہدو کہ وہ اپنے جلسے کی تاریخ تبدیل کر دیں۔ اس کے بعد ذمہ دارانِ حکومت نے حیدر آباد کے ذمہ دارانِ جلسہ سے تاریخیں تبدیل کرنے کو کہا تو ان حضرات نے جواب دیا کہ ہمیں اب تاریخ تبدیل کرنے کا حق نہیں ہے اسلئے کہ ہم اپنے بزرگ کو زبان دے چکے ہیں۔ پھر وہاں کے کچھ حکام اپنے ساتھ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کو لے کر حضرت کی خدمت میں پہونچے۔ انھوں نے حضرت جیؒ سے گفتگو کی کہ آپ اپنا دورہ حیدر آباد ان تاریخوں سے مؤخر کر دیں حضرت جیؒ نے جواب میں فرمایا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم وہاں کے لوگوں کی دعوت (بلانے) پر جا رہے ہیں اس لئے ضرور جائیں گے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا کام تو مسجدوں والا کام ہے۔ ان کے دورہ سے ہمارے کام کا کیا ٹکراؤ ہے۔ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب فوراً بولے کہ حضرت بالکل صحیح فرما رہے ہیں ان کے کام سے اس دورہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس مجلس کے بعد یہ لوگ ناکام واپس آگئے۔ آخر میں حکومت کی جانب سے

ایک شخص آیا۔ وہ حضرت کے پاس ایسے وقت ہونچا کہ حضرت اپنے کمرہ میں تکیہ لگا کر ڈاک پڑھ رہے تھے۔ اس نے آکر کہا کہ آپ اپنا دورہ حیدر آباد پھر مؤخر کرلیں۔ آپ نے فرمایا، نہیں بھائی، ہماری تو پہلے سے تاریخیں متعین ہیں وہ اپنے عہدہ کے غرور میں آکر یہ کہہ بیٹھا کہ پھر آپ کا دورہ طاقت کے ذریعہ ملتوی کرایا جائے گا۔ یہ سن کر حضرت جیؒ کو جلال آگیا اور فرمایا، کیا کہہ رہے ہو، طاقت کے ذریعہ ملتوی کراؤ گے؟ اب سن تو ہم اس کام کو کھیل سمجھ کر نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ اس کو ایک کام سمجھ کر کر رہے ہیں اور ہتھیلی پر جان رکھ کر کر رہے ہیں۔ پھر تین دفعہ سینے پر ہاتھ مار کر یوں فرمایا کہ انشاء اللہ ہمارا جلسہ ہوگا ہوگا ہوگا۔ جاؤ اور اپنی پوری طاقت استعمال کرلو۔ اس واقعہ کو سنانے کے بعد فرمایا کہ بعد میں مجھے اطلاع ملی کہ اس نے واپس جاکر کہا کہ وہ لوگ تو اپنے ارادہ میں بہت مضبوط ہیں۔ آپ ہی اپنا دورہ ملتوی کر دیں۔"

ایک شب زندہ دار عابد اور قدیم کارکن آپکے خداداد رعب کے بارے میں اپنے دو واقعے اس طرح لکھتے ہیں!

"حضرت جیؒ کا رعب بڑا زبردست تھا۔ ایک مرتبہ چار پانچ آدمی جو سب پرانے تھے، حضرت جیؒ کے کمرے کے سامنے بیٹھے ہوئے کوئی مشورہ کر رہے تھے۔ پیچھے سے اچانک تشریف لے آئے۔ بس ایک ایسا رعب ہم سب پر طاری ہوا کہ ہم میں سے ایک کی بھی گردن نہیں اٹھ سکی۔ اور حضرت سیدھے حجرے میں تشریف لے گئے۔ کسی کو کچھ نہیں فرمایا مگر ہم سب کے ہاتھ پاؤں کانپ گئے۔" اسی طرح ایک مرتبہ میں تہجد کے بعد کمرے کے دروازے پر کمرے کی طرف منہ کئے کھڑا تھا۔ ایک اور ساتھی بھائی نصیب الدین مرحوم، وہ بھی کھڑے تھے۔ پیچھے سے حضرت جیؒ تشریف لے آئے اور فرمایا السلام علیکم۔ بس ہم دونوں کی جان نکل گئی اور ہم وہاں سے اس حالت میں ہٹے کہ ہمارے ہوش و حواس

باختہ ہوگئے تھے حضرت نے ہمیں جب اس حال میں دیکھا تو مانوس کرنے کیلئے ہم سے بات شروع فرما دی، مگر ہم سے وہاں ٹھیرا نہیں گیا۔"

حسن معاشرت اور ادائیگی حقوق

ایک موقع پر آپ نے معاشرت اور حسن اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ حسن معاشرت یہ ہے کہ انسان کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے اور حسن اخلاق یہ ہے کہ اس کی ذات سے سب کو فائدہ اور نفع پہونچے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا کی پوری زندگی اسی حسن معاشرت، حسن اخلاق اور ادائیگی حقوق کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ چنانچہ امارت کے اتنے عظیم الشان منصب پر فائز ہونے اور اس میں حد درجہ مصروفیت ومشغولیت کے باوجود معاشرت اور اخلاق کے تمام پہلوؤں پر نگاہ رکھ کر ان کا برابر حق ادا فرماتے تھے اور اس میں نئے یا پرانے احباب خدام یا غیر خدام، اہل وعیال اور گھر کی مستورات سب یکساں تھے۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ بہت سے لوگ جو باہر کی دنیا میں بڑے مہذب اور خوش مزاج و خوش اخلاق نظر آتے ہیں۔۔ اپنی اندرونی اور گھریلو دنیا میں اتنے ہی غیر مہذب اور کڑوے کسیلے ہوتے ہیں لیکن آپ کا طرز معاشرت ہر جگہ یکساں اور برابر تھا۔ جو منصفانہ مشفقانہ طور طریقہ باہر تھا وہی اندر تھا۔ اور جس حسن اخلاق کا مظاہرہ آپ کی ذات شریفہ سے بیرون میں ہوتا تھا اسی طرح اندرون میں ہوتا تھا۔ اس حسن معاشرت اور ادائیگی حقوق کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ کی اہلیہ محترمہ (والدہ مولانا زبیر الحسن صاحب) آخر عمر میں بہت سخت علیل رہیں مرض نے بھی طول پکڑا۔ لیکن حضرت مولانا علاج ومعالجہ اور دوا، پرہیز وغیرہ کے معاملہ میں خود فکر مند رہ کر اس حسن معاشرت کا بھرپور حق ادا فرماتے رہے۔ اس موقعہ پر حضرت مولانا کا ایک خط پیش کیا جاتا ہے۔ جو آپ نے اہلیہ محترمہ کے علاج کے سلسلہ میں ان کے معالج کو لکھا تھا، اس خط میں علالت کی تفصیلات ہی نہیں بلکہ اس کی معمولی جزئیات، حرکت نبض کے اعداد وشمار، دو مختلف مقامات سے دوا کی خریداری اور اس میں فرق تلاش کر لینا وغیرہ وغیرہ۔ ایسی چیزیں ہیں جس سے امور خانہ داری میں آپ کے بھرپور فکر و احساس اور بھرپور حسن معاشرت کا پتہ چلتا ہے۔ معالج کے نام تحریر کیا جانے والا وہ

مکتوب یہ ہے:

"محترم و مکرم زیدت عنایاتکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
مولانا عبید اللہ کے بدست دوا موصول ہوگئی اس کا استعمال بھی شروع ہوگیا ہے، پہلے روز تو طبیعت بہت ہلکی اور نشیط رہی، ورم میں بھی تخفیف معلوم ہوئی۔ اگلے روز، تیسرے روز بھی بہت اچھی رہی۔ چوتھے روز ورم میں زیادتی تو نہ ہوئی البتہ طبیعت میں نشاط نہیں رہا اور گرمی ہوئی محسوس ہوئی، نبض پہلے روز ۸۰ رہی، دوسرے روز ۹۰ رہی تیسرے روز ۹۲ اور، چوتھے روز ۸۸ رہی پیشاب میں پہلے کے مقابلہ میں کمی ہے، نیند الحمد للہ ٹھیک ہے۔ بھوک صبح کو ایک وقت تو اچھی لگتی ہے۔ شام کو نہیں لگتی۔ اجابت بھی ٹھیک ہے، سانس کا پھولنا بدستور ہے، اس میں کوئی کمی نہیں۔ بیٹھتے ہی جو پیر سن ہو جاتے ہیں وہ بدستور ہے۔ آج پانچ روز دوا کو ہوگئے۔ پانچویں روز الحمد للہ طبیعت میں گراوٹ نہیں۔ نبض کا شمار ایک روز بعد ڈاک سے خط آنے کے بعد شروع کیا گیا۔ اس لئے صرف چار روز کا شمار ہے پینے کی قطرہ کی دوا جو آپ نے اس کے ملنے کی جگہ بتائی ہے اس جگہ پر تو نہیں ملی، اس نے جہاں کا پتہ بتایا وہاں سے خریدی گئی تو آپ کی دی ہوئی اور خریدی ہوئی دوا میں فرق تھا۔ دوسری جگہ سے اور خریدی گئی تو وہ بھی خرید کردہ جیسی ہی تھی فرق یہ تھا کہ آپ نے جو مرحمت فرمائی تھی وہ گاڑھی تھی، بازار سے جو خریدی گئی وہ زیادہ گاڑھی نہیں تھی۔ خرید کردہ ہر دو جگہ کی بہت تلخ تھی۔ اطلاعاً عرض ہے۔ یہ پانچ روز کے حالات ہیں۔ طبیعت نسبۃً بہتر ہے۔ ورم میں مجموعی طور سے کمی ہے۔ پیٹ کے ورم میں تو کمی نہیں البتہ نرمی ضرور ہے۔ اگر حالات کے آمد و رفت میں تاخیر ہو جائے تو ہفتہ سے زیادہ یہ دوا استعمال کی جا سکتی ہے؟ اس کے بارے میں بھی ہدایت فرمائیں۔ اسی بناء پر یہ پانچ ہی روز کے احوال ارسال ہیں۔ ہر دو نسخے ارسال ہیں۔

محمد انعام الحسن غفرلہٗ

عام انسانی حقوق کی شناخت اور ان کی ادائیگی کے معاملہ میں حضرت مولانا کی نگاہ بہت دوربیں اور دوررس تھی، کتنی ہی مرتبہ علالت اور ناطاقتی کے باوجود اجتماعات میں پہونچ کر یہ کہہ کر تقریر فرمائی، کہ بڑا مجمع آیا ہوا ہے ان کا ہم پر حق ہے۔

مرکز نظام الدین میں ہونے والے اجتماعات (جوڑ) کی آخری تقاریر میں حضرت مولانا کا لرزتی ہوئی آواز میں یہ جملہ فرمانا کہ "آپ حضرات معاف فرمائیں، ہم آپ کے شایانِ شان انتظام نہیں کرسکے، جو تکلیف پہونچی ہو اس کی معافی چاہتے ہیں"! آج بھی ہزاروں لاکھوں لوگوں کے کان میں گونج رہا ہوگا۔ یہ یا اسی قسم کے دیگر جملے حضرت مولانا ادائیگی حقوق کے احساس کے تحت ہی فرماتے تھے۔

جو حضرات ملکی وغیر ملکی اسفار میں حضرت مولانا کے شریک سفر رہے وہ جانتے ہیں کہ دوران سفر حقوق عامہ کی طرف آپ کی کس قدر توجہ مرکوز رہتی اور اس میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں آپ کی نگاہ میں برابر تھے۔

اور یہ رعایتِ حقوق ہی کا جذبہ تھا کہ آپ مرکز آنے والے عام مجمع کے بارے میں بھی ہمہ وقت فکرمند اور بے چین رہتے، کبھی کبھی یہ فکرمندی و بے چینی آپ کو مجبور کر دیتی اور آپ حضرت شیخؒ کو اپنی دلی کیفیت لکھ کر دعا کی درخواست کرتے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر مرکز میں ہجوم کی اطلاع اور اس کے ساتھ ادائیگی حقوق کو جوڑتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آج کل یہاں پر ہجوم کی بہت زیادتی ہے۔ اللہ جل شانہ ان آنیوالوں کی قدر دانی اور حقوق کی ادائیگی کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور کوتاہیوں کو معاف فرمادیں۔"

ایک اور مکتوب کے یہ چند جملے بھی اسی اندرونی کیفیت کا اظہار کرتے ہیں:
حضرت مولانا نے یہ جملے (کراچی) پاکستان پہونچ کر وہاں والوں کی محبت و وارفتگی کو دیکھ کر اور اس سے متاثر ہو کر حضرت شیخ کو تحریر فرمائے تھے:

"اللہ جل شانہ اس آمد کو ہمارے لئے اور یہاں محبت کرنے والوں کے لئے دینی ترقی اور اپنے قرب کا ذریعہ فرمادے۔ اس شوق و محبت کو دیکھ کر

ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہماری وجہ سے ضائع نہ ہو جائیں"

ایک موقع پر مرکز میں بڑا مجمع موجود تھا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے متعدد لیکچرار اور ۴۰،۵۰ طلباء کی جماعت بھی آئی ہوئی تھی۔ ان ہی ایام میں سہارنپور کا بھی سفر تھا لیکن یہ حضرت مولانا کے الفاظ میں اس لئے نہ ہو سکا کہ:

"ان آنے والوں کو چھوڑ کر چلا جانا کہیں تاخیر نصرت کے اسباب میں سے نہ ہو اس لئے فوری حاضری میں تامل ہو رہا ہے۔"[1]

معرفتِ حقوق اور ادائیگی حقوق کے بارے میں حضرت مولانا کی طبیعت کا یہ رنگ اور مزاج کچھ آخری دور کی پیداوار نہیں تھا بلکہ یہ چیز شروع سے ہی آپ کی فطرت اور سرشت میں داخل تھی۔ چنانچہ آپ کی نوجوانی اور نوعمری میں پیش آنے والے ایک واقعہ کا تذکرہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اس طرح کرتے ہیں:

"کاندھلہ کے سفر میں ایک مرتبہ کثرت ہجوم کی وجہ سے آپ سیکنڈ کلاس میں بیٹھے اور خیال کیا کہ ٹکٹ چک کرنے والا آئے گا تو ٹکٹ بنوا لیا جائیگا وہ آیا تو اس نے ایسی ۔ ۔ ۔ بے ڈھنگی گفتگو کی کہ مولانا (محمد الیاس صاحبؒ) کو غصہ آگیا اور اس کو ڈانٹ دیا۔ ٹکٹ بنانے کے بعد وہ چلا گیا تو مولانا انعام الحسن صاحب نے جو ساتھ تھے کہا کہ حضرت اس کو تو کہنے کا حق تھا ان لصاحب الحق مقالا (جس کا حق آتا ہے وہ کہنے سننے کا مجاز ہے) مولانا نے فوراً ہی اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور واپسی میں اسٹیشن سے اتر کر اس ٹی ٹی آئی سے معذرت کی اور معافی مانگ لی۔"[2]

زاہدانہ مزاج اور سادہ زندگی

ایک مرتبہ مجلس میں فرمایا کہ "ضروریات زندگی میں کم سے کم پر گزر کرنا یہ زہد ہے اور ضروریات کو بالکلیہ چھوڑ دینا یہ رہبانیت ہے۔ اور اس میں منہمک ہو جانا، یہ حبّ دنیا ہے۔ نیز یہ کہ ضروریات کے علاوہ سب فضولیات ہیں"[3]

---

[1] اقتباس مکتوب بنام حضرت شیخ محررہ ۸ رجمادی الاولی ۱۳۸۲ھ [2] دینی دعوت ص ۲۴۸۔

[3] ملفوظ ۶ محرم ۱۳۸۷ھ (۱۵ اکتوبر ۱۹۶۷ء) بزمانہ قیام مسجد نور مدینہ منورہ۔

حضرت مولانا اپنے اسی ارشاد کے مطابق ہمیشہ اس ربانیت کی طرف بلاتے تھے جس میں سادگی اور زہد تو ہے لیکن زیبائش اور رہبانیت نہیں ہے۔ ادائیگی حقوق تو ہے لیکن فرار اور اعراض نہیں ہے۔ چنانچہ ساری عمر کبھی کسی شخص کو یہ ترغیب نہیں دی کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر (معاش اور اہل وعیال سے بے پرواہ ہو کر) نکل جاؤ بلکہ ہمیشہ ایک ایسی۔۔ ترتیب بنانے پر زور دیتے جس میں معاش اور معاشرت کے ساتھ آخرت اور معاد بھی پورے طور پر پیش نظر ہو۔

ذیل میں پیش کئے جانے والے بعض خطوط کے اقتباسات آپ کی اسی عادت وطبیعت کی وضاحت و تائید کرتے ہیں!

ایک صاحب کو (جنھوں نے اپنی خانگی پریشانیوں کی وجہ سے جماعت میں نہ نکلنے کا شکوہ کیا تھا) تحریر فرماتے ہیں!

"معمولات کی پابندی اور مقامی دینی محنت کے احوال معلوم ہو کر مسرت ہوئی حق تعالیٰ شانہ دارین کی ترقیات سے نوازے اور اخلاص واستقامت کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ باہر نکلنے کی ترتیب بھی بنانا ہے۔ وقت مقرر کر کے اس کے مطابق کاروبار اور دیگر گھریلو مشاغل وغیرہ کی ترتیب دے کر وقت مقررہ پر ہمت کر کے نکل جانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ آسان فرمائے۔ رزق حلال اور بچوں کی شفا کے لئے بھی دعا کرتا ہوں علاج ومعالجہ بھی کرتے رہنا چاہئے۔ مایوسی اور ناامیدی تو دین میں نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ سے صحت کی دعا پورے یقین کے ساتھ کرتے رہنا اور علاج کرتے رہنا ہے۔ اللہ صحت کاملہ مستمرہ عطا فرمائے۔"[1]

ملازمت اور حصول معاش کے اسباب ترک کر کے دعوت کے اندر اشتغال مولانا کے یہاں پسندیدہ نہیں تھا بلکہ معاش اور معاد دونوں کو ساتھ لیکر چلنے کے قائل تھے چنانچہ ایک صاحب کو اس بارے میں مشورہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ہم اس پر زور دے رہے ہیں کہ اپنا اپنا مشغلہ کرتے ہوئے اپنی

---

[1] مکتوب محررہ ۱۲؍رجب ۱۴۰۲ھ

جان و مال لگائیں۔ کیونکہ اس میں بہت حفاظت ہے۔ آج کل نیت کا صحیح رہنا بڑا مشکل مسئلہ ہے۔ بہت جلد ڈانواڈول ہو جاتی ہے۔ اس لیے (ترک ملازمت) میں عجلت نہ کی جائے۔"

ایک علاقہ کے ذمہ دار کارکن اور قدیم مبلغ لکھتے ہیں کہ!

"میرے ذمہ مدرسہ کی تولیت و اہتمام، مسجد کی امامت، بال بچوں کی ذمہ داری و کفالت اور دعوت کی مشغولیت وغیرہ امور تھے۔ میں نے یہ تمام مشاغل حضرت جی کو لکھ کر بھیج دیئے۔ اور یہ خواہش ظاہر کی کہ سب کچھ چھوڑ کر دعوت میں لگ جاؤں۔ اس پر حضرت جی کا جواب آیا کہ!

"نا بھائی، کام تو سارے ہی ضروری ہیں۔ اور سب ہی کرنے ہیں۔"

ذیل کے دو واقعے حضرت مولانا کے طرز فکر اور ذہنی وسعت کو سمجھنے میں مزید معاون و مددگار ہوں گے۔ اور ان سے معلوم ہوگا کہ آپ کی نگاہ میں دنیاوی حیثیت سے باعزت زندگی گزارنا بھی کتنا ضروری تھا۔

ایک قدیم کارکن اور مبلغ بیان کرتے ہیں کہ!

"ایک ملیشین نوجوان جو انگلستان سے بڑی ڈگری حاصل کرنے کے بعد تین چلے لگا رہا تھا۔ اس نے حضرتؒ سے اپنے مستقبل کے بارے میں مشورہ چاہا، میں ترجمان تھا۔ اس نے عرض کیا کہ میرے لئے دو راستے ہیں۔ ایک یہ کہ میرے لئے ملیشیا میں ملازمت محفوظ ہے۔ اگر میں چاہوں تو واپس جا کر ملازمت کر سکتا ہوں۔ اور ساتھ میں تبلیغ کا کام کروں اور اگر چاہوں تو دوسرا اسپانسر تلاش کر کے (جو آسانی سے مل جائے گا) دوبارہ انگلینڈ جا سکتا ہوں۔ تاکہ وہاں اس سے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کروں، جس میں دو سال لگیں گے اور اس کے بعد جو ملازمت ملے گی وہ اب حاصل ہونیوالی ملازمت سے اونچے درجہ کی ہوگی۔ اس کی تنخواہ بھی زیادہ ہوگی۔ لیکن دو سال میں اس پہلی ملازمت کی تنخواہ بھی بڑھ کر اتنی ہی ہو چکے گی۔ لہذا کوئی خاص نفع نہیں ہوگا۔ اب جیسا ارشاد فرمائیں؟ (ہم لوگوں کو گمان

تھا کہ حضرت پہلی شکل کو پسند فرمائیں گے (کہ کیوں بلا وجہ مشقت اختیار کیجائے لیکن) حضرت نے اس نوجوان سے اس کی تعلیمی استعداد کے بارے میں دریافت کر کے فرمایا کہ "بھائی ہماری رائے ہے کہ جب کر سکتے ہو تو دوبارہ جاکر اعلیٰ ڈگری حاصل کرو چاہے اس سے تمھیں خاص مالی منفعت حاصل نہ ہو، کیوں کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ دین کا کام کرنے والے دنیا میں بھی امتیازی مقام پر رہوں۔"

اسی طرح ایک انڈونیشیائی طالب علم نے ٹیکنیکل انجینیرنگ کے متعلق مشورہ کیا کہ میں اس کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔ اسپر فرمایا "نہیں بلکہ اس کی تکمیل کرو"۔ اس نے کہا کہ تکمیل کے لئے انگلینڈ جانا ہوگا۔ فرمایا کوئی حرج نہیں چلے جاؤ۔ مگر دعوت کے کام میں لگے رہنا۔"

حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھپرولی) لکھتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ حضرت جیؒ نے مجھ سے فرمایا کہ تم معاش کے لئے اسباب بھی اختیار کرو میں نے عرض کیا کہ تیس برس ہوگئے لا الٰہ الا اللہ سنتے سنتے، اور یہ کہ اللہ سے ہوتا ہے اس کے غیر سے نہیں ہوتا۔ یہ جواب دینے کے بعد مجھے خیال ہوا کہ امیر کی بات ماننا چاہئے۔ چنانچہ میں نے ایک مختصر سی رقم کپڑے کی تجارت میں لگادی اور اپنے شریک کار سے کہدیا کہ ہر ماہ حساب کر دیا کرو جو نفع ہو وہ آدھا میرا اور آدھا تمھارا۔ ایک موقعہ پر حضرت جیؒ شاملی کے اجتماع میں آئے تو مرشاہ کی مسجد میں قیام تھا۔ میں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت تعمیل ارشاد میں کپڑے کا کام شروع کر دیا ہے۔ ایک ماہ میں حساب ہوا کریگا۔ یہ سن کر برجستہ فرمایا کہ بھائی ایک ماہ میں حساب کو کیوں کہا۔ اب ایسے آدمی کہاں ملتے ہیں ایک ماہ کے بجائے ہر ہفتہ حساب لینا چاہئے۔

حضرت مولانا کا نظریہ یہ تھا کہ جو زندگی زہد اور سادگی لئے ہوئے ہوتی ہے اس میں دینی استعداد و صلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر کاشف العلوم دہلی میں زیر تعلیم طلبہ کو سیدھی سادی زاہدانہ زندگی اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

"بھائی بچو! ہمارے یہاں مرکز میں رہنا اور یہاں پڑھنا دوسرے مدارس سے الگ نوعیت رکھتا ہے اور مدارس میں تو طلبہ کی راحت رسانی کی اور رہنے سہنے کی بہت رعایت کی جاتی ہے۔ لیکن ہمارے یہاں رہنے سہنے کی بھی سہولت نہیں اور کھانے پینے کی بھی رعایت نہیں۔ موٹا جھوٹا ہے۔ اللہ کا شکر ہے، ہے تو سہی، اور یہ وجہ نہیں کہ ہم کر نہیں سکتے بلکہ وجہ یہ ہے کہ آدمی جتنی سادگی اختیار کرے گا۔ اور زاہد بنے گا۔ اتنی ہی دینی استعداد پیدا ہوگی۔ تن پروری سے اعمال نہیں بنتے۔ جو اپنے کو اچھا بنانے کی فکر میں رہتا ہے وہ علم میں نہیں لگتا اور تھوڑی تھوڑی بات پر لڑتا ہے، کہ روٹی جلی ہوئی مل گئی، کالی مل گئی، کچی مل گئی۔ یہ علم میں برابر نہ لگنے کی علامت ہے۔ ہماری نیت دین کے حیات کی ہو۔ جب یہ نیت ہوگی تو اس کے مطابق بلنے کی فکر ہوگی۔ یہ زمانہ تمھارے کرنے کا ہے جیسا اپنے کو اٹھاؤ گے۔ ویسا ہی اٹھ کر رہو گے"۔[1]

حضرت مولانا نے ہمیشہ خود بھی سیدھی سادی زندگی بسر کی اور دوسروں کو بھی اپنی معاشرت آسان اور سادہ بنائے رکھنے کی تلقین کی۔ کیونکہ آپ کی نگاہ میں اقتصادیات اور اس کی وجہ سے پیدا شدہ عالمی بے چینی و اضطراب کا کوئی اور حل اس کے علاوہ نہیں تھا۔ متعدد موقعوں پر ملک کے مختلف علاقوں گجرات، بمبئی، دہلی اور بہار میں جب جب ماہرین معاشیات و اقتصادیات یا سرکردہ احباب نے آپ سے اس مسئلہ کا حل دریافت کیا تو آپ نے ان کو دینی و مذہبی اور اخلاقی قدروں پر مشتمل بہت سیدھا اور آسان حل اس مشکل کا یہی بتلایا کہ زندگی کو سادگی پر لایا جائے اور اخراجات کو آمدنی کے تابع کر کے رکھا جائے۔

کاوی (گجرات) میں اس موضوع پر ہونے والی گفتگو خود حضرت مولانا اس طرح سناتے ہیں!

---

[1] بموقعہ آغاز اسباق ۱۹ر شوال ۱۳۹۱ھ ۷ر دسمبر ۱۹۷۱ء بدھ

"ایک مرتبہ کاوی کا اجتماع تھا، وہاں پولیس کا بہت بڑا افسر یا کمشنر آیا اور کہا کہ مولانا صاحب ایک سوال کرتا ہوں کہ اقتصادیات کا بھی کچھ حل ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کہ بس ایک حل ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی حل نہیں ہے۔ وہ یہ کہ زندگی کو سادہ بنا کر چلیں، اخراجات کو آمدنی کے تابع کر کے چلیں۔ ہماری دقت یہ ہے کہ آمدنی تو ہماری ایک ہزار ہے اور اخراجات دو ہزار ہیں تو کیسے سادگی ہوگی۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ آمدنی اگر ایک ہزار روپئے ہے تو اخراجات آٹھ سو روپے ہوں۔ اس نے کہا یہ آئے کیسے؟ میں نے کہا کہ چلو ہمارے ساتھ چلہ میں، وہیں سیکھ لوگے۔"

اس کے بعد پینے کے لئے پانی آیا جو بہت قیمتی گلاس میں تھا میں نے کہا کیا ضرورت ہے اس قیمتی گلاس کی، مٹی کے آبخورہ میں بھی تو پانی پیا جا سکتا ہے جو دو پیسے کے چار آتے ہیں۔"

اسی سے ملتا جلتا بمبئی کا دوسرا واقعہ حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھپرولی) اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"۱۹۶۷ء میں گلاؤٹھی بلند شہر میں ایک اجتماع[1] تھا۔ پورے ملک میں اس وقت بہت شورش تھی۔ اس وقت مولانا محمد عمرؒ اور حضرت جیؒ دونوں ہی بڑے تندرست تھے۔ خفیہ پولیس اس جلسہ میں بہت تھی۔ چپے چپے پر فورس تھی۔ مولانا محمد عمر صاحب نے بڑے جوش و خروش سے اس جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ "کہ ہم تمہارے کسی معاملے میں دخل نہیں دیتے تو تم بھی ہمارے کسی معاملے میں دخل نہ دو اور اگر ایسا کروگے تو تم جانو اور تمہارا کام جانے۔

---

[1] یہ اجتماع ۱۷، جمادی الثانی ۱۳۸۷ھ ر ۲۳، دسمبر ۱۹۶۷ء میں ہوا تھا۔ اور چونکہ ہند و پاکستان کی جنگ قریب ہی میں ہو چکی تھی اسلئے پورا ملک ہنگامی حالات سے دو چار تھا۔

بہر حال وہاں حضرت جیؒ نے بمبئی کے ایک گورنر کی دعوت کا اپنا قصہ سنایا۔ کہ بھائی ہمارا بمبئی میں بیان ہوا۔ وہاں بمبئی کا گورنر بھی ہوگا اس نے بیان کے بعد میرے سے کہا کہ میرے یہاں آپ ناشتہ فرمائیں ساتھیوں نے قبول کر لیا۔ ہم جب وہاں پہونچے تو بھائی ایسا مکان کہ میں تو دیکھ کر حیرت میں رہ گیا۔ خیر مجھے پیاس لگی۔ میں نے پانی کو کہا تو ایسے کٹورے میں پانی لایا گیا کہ میں نے کبھی ایسا کٹورہ نہیں دیکھا تھا۔ میں نے کہا بھائی ایسے پیالے میں پانی لانے کی کیا ضرورت تھی۔ ایسے میں بھی تو لایا جاسکتا تھا جو دو پیسے کے تین آتے ہیں۔ اس پر گورنر نے کہا، کہ حضرت اگر کسی کے پاس دو پیسے بھی نہ ہوں جس کے وہ تین پیالے لاسکے تو پھر کیا کرے۔ میں نے فوراً اپنے دونوں ہاتھوں کی اوکھ بنائی اور کہا کہ بھائی یہ رہا قدرتی پیالہ اس سے پی لیا جائے۔ تو وہ چپ ہو گئے پھر انھوں نے کہا کہ حضرت رات آپ کی باتوں سے بڑا سکون ہوا اگر آپ کے پاس کوئی معیشت کا حل بھی ہے۔ ہم لوگ اس میں بڑے پریشان ہیں؟ حضرت جیؒ نے فرمایا، ہاں بھائی ہے۔ تو وہ سنبھل کر بیٹھ گئے اور کہا کہ بتلائیے۔ فرمایا حل یہ ہے کہ ضروریات پوری کرو اور فضولیات بند کرو یہ سنکر وہ خاموش ہو گئے۔ کوئی جواب نہ دے سکے"

● دہلی میں اس موضوع پر ہونے والی گفتگو ذرا کچھ زیادہ ہی واضح اور دو ٹوک انداز میں ہوئی تھی۔ جناب خالد سیف اللہ صاحب دہلی (جو اس مجلس میں موجود تھے) اپنے لطف و حلاوت سے بھرپور لب ولہجہ میں یہ گفتگو اس طرح سناتے ہیں!

"جنوبی ہند کے ایک ماہر معاشیات کسی کانفرنس کے سلسلہ میں دہلی آئے۔ تو حضرت جیؒ سے ملاقات کے لئے مرکز بھی آئے۔ اور دوران ملاقات یہ عرض کیا کہ حضرت یہ کام بہت اچھا ہے۔ مجھے تو اس میں ابھی تک شرکت کی توفیق نہیں ہوسکی۔ لیکن اس کام سے ہر جگہ امت میں دین آرہا ہے۔ البتہ ایک بات میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ

انسانوں کے لئے معاش کا مسئلہ ہے۔ اور اس میں سب پریشان ہیں، خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ چھوٹی حکومتیں ہوں یا بڑی حکومتیں، یہاں تک کہ جس کو سپر پاور کہا جاتا ہے، اس کی بھی سمجھ میں کوئی حل نہیں آرہا ہے۔ اگر آپ کے یہاں اس کا کوئی حل ہو تو ارشاد فرمائیں؛

حضرت جیؒ نے ان کی بات سن کر بڑے سکون کے ساتھ فرمایا، کہ اس کا حل صرف ہمارے ہی پاس ہے اور کسی کے پاس ہے ہی نہیں، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک ہم ہی ایسے ہیں جو معاش کے مسئلے پر نہیں رو رہے ہیں باقی ساری دنیا رو رہی ہے۔

یہ ماہر معاشیات تھوڑی دیر سر جھکائے بیٹھے رہے اور پھر بڑے جوش سے بولے کہ حضرت یہ آپ نے بالکل سچ کہا کہ آپ نہیں رو رہے ہیں کیونکہ یہ تبلیغ اتنی بڑی عالمی تحریک ہے لیکن کبھی اس کے لئے کوئی چندہ نہیں مانگا گیا۔ لیکن وہ حل ہے کیا، وہ سمجھ میں نہیں آیا؟

اس پر فرمایا ہمارے پاس وہی حل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضؓ کے پاس تھا۔ ۔ وہ یہ کہ اپنے نفس پر محنت کر کے اس کو تین چیزوں کے لئے راضی کر لو۔ ایک رہنے کے لئے جھونپڑا، دوسرے پہننے کے لئے چیتھڑا، اور تیسرے کھانے کے لئے ٹکڑا۔ پھر اس سے زائد جو کچھ اللہ دیں گے تو اس زائد کو لئے پھرو گے۔ کہ اس کو کہاں خرچ کریں۔ لیکن اگر خواہشات کا وہی حال رہا جو آج دنیا والوں کا ہے کہ خواہشات کی ہر بلند سے بلند سطح پر پہونچ کر "ہل من مزید" کی آواز لگتی ہے تو خواہشات کا حل اللہ نے جنت میں تو رکھا ہے، اس زمین پر نہیں رکھا۔ یہاں اس لائن کا کوئی حل نہیں ملے گا، خواہ کتنی ہی ٹکریں کھاتے پھرو"!

● بہار میں پیش آنے والا یہ واقعہ اور سوال وجواب پروفیسر کلیم عاجز صاحب (پٹنہ بہار) نے اس طرح لکھ کر بھیجا ہے؛

"مجھے ابتداء ہی سے یہ اندازہ ہونے لگا تھا کہ حضرت جیؒ تقریر نہیں کرتے، لمبی گفتگو بھی نہیں فرماتے۔ بس وہ ایک جملہ فرما دیتے ہیں، ایک لفظ.. کہہ دیتے ہیں۔ اور اس جملے یا اس لفظ کی معنویت لوگوں کے دل ودماغ میں اثر کر جاتی ہے۔ اور بس سننے والے اس لفظ کی بصیرت سے چونک جاتے ہیں اور حیران رہ جاتے ہیں۔

میں یہاں اس کی مثال ایک واقعہ سے دوں گا۔

حضرت جی کا ایک سفر شائد ۱۹۶۸ء میں بتیا (چمپارن بہار) کا ہوا۔ تین دن کا اجتماع تھا۔ اس اجتماع کے بعد میں نے فریدی صاحب سے کہا کہ اگر حضرت جیؒ کی واپسی نظام الدین کے لئے پٹنہ ہوکر ہو جائے تو وہاں سے گاڑیوں کا انتظام سہولت سے ہو جائے گا۔ ہم دونوں حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جیؒ کی توجہ مجھ پر ہونے لگی تھی، وہ مجھے شفقت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔ عرض پیش کی گئی۔ تو منظوری ہوگئی۔ اور ایک شب کا قیام بھی پٹنہ میں طے پاگیا۔ جب قیام طے پاگیا تو اس کے بہتر سے بہتر استعمال کی فکر ہوئی، میں ایک دن قبل چلا آیا اور مدرسہ کے وسیع میدان میں ایک شامیانہ کھڑا کر دیا گیا۔ شہر کے تمام کالجوں اور یونیورسٹی کے طلبہ کو جوڑنے کی فکر ہوئی وہ ہوگئی۔ اور حضرت کے تشریف لاتے لاتے ہزار ڈیڑھ ہزار طلبہ، پروفیسر اور کچھ شہر کے خواص چوبیس گھنٹہ کے لئے.. شامیانہ میں جمع ہوگئے۔ موسم خوش گوار تھا۔ حضرت جی عصر کی نماز شامیانے ہی میں پڑھ کر اسٹیج کے مغرب میں نرم گھاس پر سجادہ بچھا کر وظیفہ میں مشغول ہوگئے اور عشاء کی نماز کے بعد ہی آرام گاہ میں تشریف لے گئے۔ عصر اور عشاء کے درمیان بیانات ہوتے رہے، مغرب سے کچھ پہلے پٹنہ یونیورسٹی کے مسلمان صدر اور دیگر شعبہ جات کے ذمہ داران کا ایک گروہ حضرت جیؒ کے قریب آکر اجازت لے کر بیٹھ گیا۔ مجھے اس قدر یاد ہے کہ ان میں وہی اونچے استاذ تھے جو مسلمانوں کے تعلیمی، معاشرتی، اقتصادی مسائل کے متعلق کانفرنسیں اور

سیمینار اور تقریریں کرتے تھے۔ اخباروں اور رسالوں میں مقالے اور مضامین شائع کرتے تھے، حضرت جیؒ کے قریب بیٹھ کر انھوں نے مسلمانوں کے اقتصادی زوال اور معاشرتی پسماندگی کی بات بہت قوت سے اور جہاں تک میرا اندازہ ہے، بڑے اخلاص سے چھیڑی، اور کہا کہ دین اہم تو ضرور ہے اور اس کی تحریک اور محنت بھی ضروری ہے لیکن مسلمانوں کی غربت اور پسماندگی کا مسئلہ پیچیدہ اور ناقابل حل ہوتا جارہا ہے۔ آپ کے ذہن میں اس کا کیا علاج ہے؟ حضرت جی پانچ چھ منٹ تک تسبیح پڑھتے ہوئے خاموشی سے ان کی بات سنتے رہے جب انھوں نے آخری سوال کیا کہ آپ کی نگاہ یا ذہن میں اس کا کیا علاج ہے تو حضرت جیؒ نے تسبیح روکی۔ اور نگاہ برابر کرکے صرف ایک جملہ فرمایا کہ "زندگی میں سادگی اختیار کرلو" یہ فرماکر پھر تسبیح میں مشغول ہوگئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ حضرات لاجواب ہوگئے قائل ہوگئے، حیرت زدہ ہوگئے۔ اس جملے کی سچائی نے انھیں خاموش کردیا اور سب سلام کرکے واپس شامیانے میں آکر بیٹھ گئے۔[1]

مرکز نظام الدین کی چہار دیواری میں پیش آنے والا ذیل کا یہ واقعہ وہاں کے مالی انتظامی معاملات میں آپ کی حد درجہ سادگی و احتیاط کی ایک واضح تصویر پیش کرتا ہے۔ نیز اس واقعہ کا دوسرا اہم اور روشن پہلو یہ ہے کہ جب دلائل کی روشنی میں آپ کو اپنی رائے کا صحیح نہ ہونا معلوم ہوگیا تو اس پر اصرار نہیں کیا بلکہ فوراً اس سے رجوع فرمالیا۔

جناب بھائی خالد سیف اللہ صاحب (دہلی) اپنے ساتھ کا گزرا ہوا یہ واقعہ اسطرح بیان کرتے ہیں:

"ایک زمانہ میں مرکز نظام الدین میں ہر جگہ بلب لگے ہوئے تھے، ٹیوب لائٹ نہیں تھی۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کسی سفر میں تشریف لے گئے تو مرکز کے ذمہ داروں نے بلب اتروا کر ٹیوب لگوادی۔ حضرت جیؒ جب سفر سے واپس آئے۔ اور

---

[1] مکتوب پروفیسر صاحب موصوف بنام مصنف کتاب۔

بندہ ملاقات کے لئے مرکز پہونچا تو دیکھا کہ تمام ٹیوب لائٹ اتری ہوئی ہیں۔
میں نے منشی بشیر احمد صاحب مرحوم سے اس کی وجہ دریافت کی تو کہا بالکل
خاموش رہو، حضرت جیؒ جلال میں ہیں اور مجھے کچھ نہیں بتلایا۔ پھر میں مولانا
عبید اللہ صاحب کے پاس پہونچا۔ وہاں بھی وہی سوال وجواب ہوا اس پر میں نے
عرض کیا کہ اگر آپ حضرات نہیں بتلاتے تو میں براہ راست حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ
سے جاکر پوچھتا ہوں۔ مولانا عبید اللہ صاحب نے فرمایا کہ اسوقت حضرت کے پاس ہرگز
نہ جانا بہت جلال میں ہیں۔ لیکن اللہ مجھے معاف فرمائے کہ میں حضرت جی کے
پاس پہونچ گیا اور سلام و دعاء کے بعد یہی سوال کر بیٹھا، بس سنتے ہی چہرہ
جلال سے سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ پہلے یہ بتلاؤ کہ تمھیں میرے پاس کس نے
بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ خود ہی آیا ہوں۔ فرمایا میرے سامنے جھوٹ
مت بولنا، سچ بتلاؤ کس نے بھیجا ہے۔ میں نے پوری بات صاف صاف
بتلادی۔ اس پر فرمایا کہ اب آپ کیا کہنے آئے ہیں۔ یہی کہ میں دوبارہ یہ
ٹیوب لائٹ لگوادوں؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں بلکہ یہ جاننا چاہتا ہوں کہ
اگر ٹیوب لگانا جائز نہیں ہے یا جائز تو ہے لیکن دعوت کی مصلحت کے خلاف ہے
تو میں نے بھی اپنے گھر میں لگا رکھی ہے، میں بھی وہاں سے اتروادوں۔ اس
پر حضرت جیؒ کا جلال ٹھنڈا ہوگیا اور فرمایا کہ نہ تو ناجائز ہے اور نہ تبلیغی۔
مصلحت کے خلاف ہے بلکہ دنیا کا یہ وہ ملعون شوق ہے کہ جو نئی چیز بنے وہ
میرے گھر میں آئے، میری مسجد میں اور میرے مرکز میں آئے۔ اور میری عادت
یہ ہے کہ جب میرے سامنے کوئی بات رکھی جاتی ہے تو میں ضرورت کو دیکھتا
ہوں۔ واقعی ضرورت ہوتی ہے تو انکار نہیں کرتا، لیکن صرف شوق کی وجہ
سے کوئی کام کرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں سمجھتا۔ اب بہت دنوں سے
یہ لوگ اصرار کر رہے تھے کہ ٹیوب لگے اور ضرورت یہ بتلاتے ہیں کہ کمزور
نگاہ والوں کو بعد مغرب یٰسین شریف پڑھنے میں دقت ہوتی ہے اور نظر
نہیں آتا۔ پھر فرمایا کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بڑے حضرت جیؒ سے یہی کہہ کر

بجلی لگوائی گئی تھی اور جب بلب لگ گئے تو کمزور آنکھ والوں کو نظر آنے لگا۔ اب یہ ٹیوب ایک نئی چیز آئی ہے تو اس کے بغیر کمزور آنکھ والوں کو اب نظر نہیں آتا اور کل کو کوئی اور نئی چیز بن جائے گی تو پھر ٹیوب لائٹ سے بھی نظر نہیں آئے گا۔ یہ صرف شوق ہے۔ ضرورت نہیں ہے۔ بہت دنوں سے مختلف لوگوں کو میرے پاس بھیجا جا رہا ہے کہ ٹیوب لائٹ کے سلسلہ میں وہ میری تشکیل کریں، میں یہ سمجھا کہ شاید تمہیں بھی میری تشکیل کیلئے بھیجا گیا ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسفؒ جب ان لوگوں کی بات نہیں مانتے تھے تو ان کے کسی بیرونی سفر کے دوران وہ کام کر لیا کرتے تھے۔ تعمیرات میں بھی اضافہ کر لیا کرتے تھے اور جب وہ آکر ناراض ہوتے تو ان کو منا لیا کرتے تھے یا حضرت شیخ سے سفارش کرا لیتے تھے۔ اب میرے سامنے یہ بات پہلی مرتبہ ہو رہی ہے۔ میں اس کو ہرگز نہیں چلنے دوں گا۔ میں نام پوچھ رہا ہوں کہ یہ ٹیوب کس نے لگائی ہے تو اس کا نام نہیں بتلاتے۔ میں اس کو سزا دے کر جرمانہ کرنا چاہتا ہوں۔

بندہ نے عرض کیا کہ حضرت اگر یہ کام اجازت کے بغیر ہوا ہے تو ضرور تنبیہ فرمائیں۔ پھر بندہ اس کے بعد کچھ عرض کرے گا۔ فرمایا کہ ابھی کہہ لو جو کچھ کہنا ہے میں نے عرض کیا کہ آپ کے خدام میں بہت سے انجینئر ہیں کیا آپ نے کبھی کسی انجینئر سے بھی رائے لی؟ تو فرمایا کہ رائے تو نہیں لی۔ بندہ نے عرض کیا کہ جس کی لائن کی چیز ہے اس سے رائے لینی چاہیے۔ اس پر حضرت جی کھل اٹھے اور گاؤ تکیہ چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ اور مجھ سے فرمایا کہ فرمائیے، انجینئر صاحب! آپ کی کیا رائے ہے؟ بندہ نے عرض کیا کہ اگر آپ کسی جگہ سو، سو واٹ کے دو بلب لگائیں گے تو گویا دو سو واٹ بجلی خرچ ہوگی اور روشنی بھی کم ہوگی۔ اس کے بالمقابل ٹیوب لائٹ چالیس واٹ بجلی لیتی ہے۔ اور روشنی بہت زائد دیتی ہے۔ اس لئے کفایت شعاری کے اعتبار سے ٹیوب لائٹ مناسب ہے۔ اس پر فرمایا کہ بلب سستا ہوتا ہے اور ٹیوب مہنگی ہوتی ہے۔ بندہ نے عرض کیا کہ یہ تو صحیح ہے لیکن انجینئرنگ کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر چھ چھ ماہ دونوں چیزیں استعمال ہوں تو جتنے کا بل آتا ہے

اس میں اس کی قیمت بھی جمع کر لی جائے تو پھر بھی ٹیوب کا استعمال بلب کے مقابلے میں سستا ہوگا۔

میری یہ بات سنکر فرمایا کہ دوبارہ پھر سمجھاؤ۔ چنانچہ بندہ نے قلم کاغذ لے کر چھ ماہ کا خرچ بلب اور ٹیوب کا الگ الگ نکال کر خدمت میں پیش کیا تو اس کو بہت غور سے پڑھا۔ اور جب بات سمجھ میں آگئی تو بہت غمگین ہو کر فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا تھا۔ مجھے کسی انجنیر سے رائے لینی چاہئے تھی۔ اور پھر خوف زدہ ہو کر فرمایا کہ اگر اللہ جل شانہٗ نے مجھ سے سوال کر لیا کہ جب مرکز کا کام کم پیسوں میں چل سکتا تھا تو زائد کیوں خرچ کئے تو میں کیا جواب دوں گا۔؟ اس کے بعد فرمایا کہ جاؤ اور جہاں جہاں مناسب سمجھو بلب اتار کر ٹیوب لائٹ لگا دو۔"

شفقت و محبت اور دلداری و خوش مزاجی

حضرت مولانا اپنے اصلاحی و تربیتی مزاج کے باوصف خلق خدا کے ساتھ شفقت و محبت کا بے حد معاملہ فرماتے تھے جس میں پریشان حال لوگوں سے ہمدردی و غمخواری اور نہایت مخفی طریقہ پر۔ ان کی مالی امداد و اعانت اور ان کی ضروریات کا تکفل وغیرہ سب کچھ شامل تھا اور الخلق عیال اللہ کے پیش نظر اس میں کسی کی تخصیص نہ تھی۔ اپنی اسی طبعی شفقت و محبت کی وجہ سے کام کرنے والوں کی کوتاہیوں اور غلطیوں پر چشم پوشی کا معمول تھا۔ فرماتے تھے کہ لوگوں کو شفقت سے جوڑا جائے اپنے سے جدا نہ کیا جائے اور یہ دعا کی جائے کہ اللہ جل شانہ کسی کو بھی اس عالی کام سے محروم نہ فرمائے۔

جناب الحاج بھائی عبدالوہاب صاحب (رائیونڈ) آپ کے اس مشفقانہ مزاج وطبیعت کی کچھ تفصیل حضرت شیخؒ کو اس طرح لکھتے ہیں:

"حضرت جی مدظلہ العالی کا فرمان یہ ہے اور عمل بھی یہی ہے کہ کسی کو بھی اپنے سے جدا نہیں کرنا ہے اور ہر شخص کی اپنی جان پر ہی لینی ہے اور اس کے لئے دعا مانگنا ہے۔ چنانچہ اس دفعہ حج پر یہی دعا مانگتے رہے کہ اے اللہ کسی بھی مسلمان کو اس کام سے محروم نہ فرما۔

جو ہماری مخالفت کرے اسے بھی محروم نہ فرما۔ اگر کسی کے رویہ سے ہماری ذاتوں کو نقصان پہونچتا ہے، جب بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن جب کسی کے رویہ سے اجتماعی طور پر نقصان پہونچتا ہے تو حضرت جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ جب بھی اسے جوڑنے کی کوشش کرتے رہو، توڑو مت، اللہ پاک کو منظور ہوگا تو وہ خود بخود ہٹ جائے گا اس لئے کہ اللہ پاک ہی کام کی حفاظت فرمانے والا ہے۔"

(اقتباس مکتوب محررہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ)

ذیل میں اسی۔۔ شفقت و محبت اور دلداری و خوش مزاجی کے چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں:

ایک مدرسہ کے مہتمم اپنا واقعہ لکھتے ہیں کہ!

"ایک دفعہ میں حاضر خدمت ہوا۔ بعد مغرب منشی بشیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حجرہ کے سامنے تشریف فرما تھے۔ میں نے کان میں عرض کیا کہ حضرت میرا مدرسہ مقروض ہے۔ بس اتنا سنتے ہی جیب میں ہاتھ ڈالا اور نئے نوٹوں کی دو گڈیاں نکال کر مجھے دیں۔ میں نے جب دیکھا تو پورے پندرہ ہزار روپے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت۔۔۔ اس کی رسید کیسے کٹے گی۔ فرمایا میرا نام مت لکھنا، جیسے کرتے ہو کر لینا۔" چنانچہ میں نے حضرت جی کا نام نہیں لکھا اور اس کی تین رسیدیں الگ الگ ناموں کی کاٹ کر حضرت کو پہونچا دیں۔"

● جناب حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھپرولی) اپنا اسی طرح کا ایک واقعہ اس طرح سناتے ہیں!

"ایک دفعہ رمضان میں فرمایا کہ بھائی آج کل پتہ نہیں حافظ یوسف کہاں ہیں۔ منشی بشیر صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کیا اس سے کچھ کام ہے؟ فرمایا ہاں بھائی، مجھے اس سے کچھ کام ہے۔ حافظ یعقوب صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! میں بلا لاؤں گا۔ چنانچہ وہ ٹانڈہ آئے۔ مجھے پیغام سنایا میں فوراً چل دیا۔ اور بعد مغرب مرکز پہونچ کر پہلے منشی بشیر احمد صاحب سے ملا۔ انھوں نے دیکھتے ہی فرمایا کہ بس حافظ جی ابھی ملاقات کا وقت ہے ابھی مل لینا، تو میں فوراً حجرہ میں

چلا گیا۔ اندر مولوی محمد سلیمان صاحب، مولوی احمد مرڈھی، مولوی احمد لاٹ اور ہمارے حضرت منشی اللہ دتہ صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی تم سب لوگ باہر چلے جاؤ، وہ چلے گئے۔ منشی جی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ کیا حضرت میں بھی جاؤں؟ فرمایا ہاں منشی جی تم بھی چلے جاؤ تو وہ بھی باہر چلے گئے۔ حضرت نے مجھے فرمایا۔ بھائی دروازہ بند کردو۔ میں نے بند کردیا۔ فرمایا زنجیر بھی لگادو، میں نے زنجیر بھی لگادی۔ اس وقت حضرت نے انتہائی شفقت سے کچھ باتیں ایسی فرمائیں، جن سے مجھے بھی تعجب ہوا کہ حضرت کو یہ سب بھی معلوم ہیں۔ پھر فرمایا کہ بھائی تیرے مدرسے کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت مدرسہ تو اس وقت پچاسی ہزار کا مقروض ہے۔ اس پر فرمایا، مجھے تیرے مدرسے کی بڑی فکر ہے۔ پھر کچھ اور باتیں فرمائیں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اب جو میں باہر نکلوں گا تو لوگ مجھ سے پوچھیں گے، کہ کیا بات تھی جو اتنی اہمیت کے ساتھ بلوا کر اور ایسی تنہائی میں کی تو میں انکو کیا جواب دوں؟ تھوڑی دیر خاموش رہ کر فرمایا کہ یہ کہدینا کہ کان کی بات تھی۔

بس حضرت کی توجہ کا اثر یہ ہوا کہ اس وقت کسی نے پوچھا ہی نہیں۔ الحمد للہ حضرت کی توجہ اور دعاؤں کی برکت سے یہ قرضہ ایک ماہ میں اسی ہزار سے صرف سات ہزار رہ گیا۔ دوبارہ جب حاضر ہوا اور عرض کیا تو بہت خوش ہوکر فرمایا کہ بھائی بس اللہ پاک نے اپنا فضل فرمادیا!!

● مفتی عبدالشکور صاحب (میواتی) آپ کی شفقت اور خدام کی لغزشوں پر چشم پوشی کا ایک واقعہ اس طرح نقل کرتے ہیں۔

"نصیب خاں میواتی جس زمانے میں کاشف العلوم دہلی کے طالب علم تھے حضرت کے پاس آئے اور عرض کیا کہ حضرت جی! نہ میرے ماں، نہ باپ، نہ کنبہ، نہ قبیلہ اور نہ کوئی بھائی۔ اب میری شادی ہورہی ہے، میں کس کو شادی میں سسرال لے کر جاؤں؟ آپ اس کی یہ بات سن کر بہت متأثر ہوئے۔ اور

چہرے پر ملال کا اثر صاف محسوس ہونے لگا۔ اور اس سے فرمایا کہ جس کو تو کہے گا اسی کو بھیج دوں گا۔ چنانچہ پھر مولانا محمد ہارون صاحب، مولوی مسعود ٹونکی، مولوی سعید باجھوٹ، منشی سلیم اور احقر کو آپ نے اس کے ساتھ بھیجا اور ہم اس کی شادی میں شریک ہو کر شام کو واپس آئے"۔

یہ ہی نصیب خاں اپنی طالب علمی کے زمانہ میں حضرت مولانا کی خدمت کیلئے آتا تھا ایک مرتبہ آپ کے سر میں تیل لگانے کے لئے آیا اور اندھیرے میں بجائے تیل کے سر پہ شہد ڈالدیا۔ بار بار سر پہ ہاتھ چلاتا۔ لیکن وہ چلتا ہی نہیں تھا۔ حضرت نے فرمایا۔ نصیب خاں! کیا ہوا۔ یہ شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ اور گھبرا کر عرض کیا کہ حضرت! غلطی سے شہد سر پہ ڈالدیا یہ سنکر حضرت کھڑے ہو گئے پانی منگایا۔ اور سر دھو کر پھر لیٹ گئے۔ اور نصیب خاں سے کچھ نہیں فرمایا۔

● ایک صاحب لکھتے ہیں کہ ایک شخص حضرت جیؒ کے پاس آیا اور اپنی پریشانیاں بیان کر کے رونے لگا اور بتایا کہ بہت قرضدار ہو گیا ہوں، آپ نے تسلی کے چند جملے فرما کر اسکے لئے دعا کی، اور پوچھا کہ قرضہ کس طرح لیا ہے۔ کہنے لگا، سود پہ لیا ہے۔ تب حضرت جی نے فرمایا کہ بھائی جب تم سودی قرضہ لے کر کانٹوں پر چلو گے تو تکلیف ہی سامنے آئے گی چمن جیسی خوشبو اور سرسبز فضا کانٹے بو کر نہیں مل سکتی۔ تمھاری پریشانی کی اصل وجہ بس سود پر قرضہ لینا ہے، یہی اصل پریشانی کا باعث ہے۔ آپ نے یہ جملے ایسے درد کے ساتھ فرمائے کہ اس کی آنکھیں کھل گئیں اور آئندہ کے لئے سودی قرض نہ لینے کا عہد کیا۔

● ایک عالم دین جو اس وقت ایک بڑے مدرسہ کے ذمہ دار بھی ہیں، بیان کرتے ہیں کہ جب میں طالب علم تھا تو چھٹیوں میں اکثر نظام الدین چلا جاتا اور حضرت جی کی خدمت کیا کرتا تھا جس سے مجھے سکون ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ دہلی سے واپسی میں اسٹیشن پہونچا تو معلوم ہوا کہ گاڑی میں چھ یا آٹھ گھنٹے تاخیر ہے۔ میں واپس مرکز آگیا۔ حضرت جی نے دیکھتے ہی دریافت فرمایا تم تو چلے گئے تھے۔ پھر یہاں کیسے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت گاڑی میں کافی تاخیر ہے، سوچا یہ وقت یہی آپ کی خدمت میں گذار لوں، فرمایا بہت اچھا کیا، ہمیں بھی تمھارے جانے سے قلق ہو رہا تھا۔ میں یہ جملہ سنکر بہت ہی متأثر ہوا کہ میں ایک نوعمر طالب علم

اور حضرت کو مجھ سے اتنی محبت و شفقت کہ میرے جانے سے قلق ہو رہا ہے ظاہر ہے کہ حضرت نے یہ جملہ تصنع سے نہیں کہا ہوگا کہ ان کے یہاں تصنع و تکلف نام کی کوئی چیز ہی نہیں تھی۔[1]

● مولانا شبیر احمد ناظم مدرسہ کاشف العلوم (جنگاؤں حیدرآباد) اپنی طلب علمی کے زمانہ کا ایک واقعہ اس طرح لکھتے ہیں:

"حضرت جیؒ اپنے حجرہ میں تنہائی میں ضخیم ضخیم کتب کے درمیان بیٹھے مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے حکم سے آپ کو روزمرہ کے خطوط دینے جایا کرتا تو چہرہ دیکھتے ہی مرعوب ہو جاتا تھا۔ بے تکلف تو کبھی ہوا ہی نہیں۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس حجرہ میں گیا تو وہاں خربوزے کہیں سے آئے ہوئے رکھے تھے۔ حضرت جی کے فرمانے پر میں نے ان کو چھیلا اور قاشیں تیار کر کے واپس ہو رہا تھا تو ہمارے استاذ مولانا معین صاحب مدظلہ سے فرمایا کہ اس لڑکے کو بلاؤ۔ میں حاضر ہوا تو محبت بھرے لہجے میں فرمایا، کیا سب ہم کو ہی کھلاؤ گے یا تم بھی کچھ کھاؤ گے؟ میں نے سر نیچا کر لیا، تو مولانا معین صاحب سے فرمایا اس میں سے اس لڑکے کو بھی کچھ کھلا دو۔

● حافظ محمد یوسف صاحب اپنے بڑے بھائی کے انتقال اور ایک معصوم بچہ کی وفات پر آپ کی مشفقانہ کیفیت کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:

"میں جماعت سے واپس دہلی آیا تو منشی جی بشیر صاحب نے فرمایا کہ بھائی حافظ جی تمہارے بڑے بھائی کا انتقال ہو گیا۔ یہاں اطلاع آئی تھی۔ تم گھر پہونچ جاؤ۔ چنانچہ اسی دن دوپہر کو میں حضرت جیؒ سے واپسی کے مصافحہ کے لئے پہونچا تو حضرت میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر رونے لگے اور فرمایا کہ سنا ہے کہ تمہارے بھائی کا انتقال ہو گیا۔ میں بھی رونے لگا۔ پھر حضرت نے دعائیہ کلمات فرما کر تسلی دی اور روانہ کر دیا۔

ایسے ہی بڑوت کی پھونس والی مسجد میں حضرت تشریف لائے۔ وہاں ہم لوگ ایک بچے کی نماز جنازہ پڑھنے کو تیار کھڑے تھے۔ صفیں لگ چکی تھیں نماز شروع ہوئی۔ حضرت میرے برابر میں کھڑے تھے۔ سلام کے بعد میں نے دیکھا تو حضرت کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

---

[1] ماہنامہ البنوریہ کراچی حضرت جی نمبر ص ۸۵۔

حضرت نے مجھ سے بڑی بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا کہ ارے بھائی اس بچے کے والد کہاں ہیں۔ مجھے اس سے ملاؤ تاکہ میں اس کی تعزیت کروں۔ میں نے ملا دیا حضرت نے بھرائی ہوئی آواز سے اس کو بڑی تسلی دی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر صبر کی تلقین فرماتے رہے اور دعائیں دیتے رہے۔

● حافظ صاحب موصوف حضرت مولانا کی شفقت و خوش مزاجی اور مزاح کا ذکر کرتے ہوئے مزید یہ واقعات بھی سناتے ہیں!

حضرت جیؒ بڑے نرم دل اور رحم دل تھے۔ ایک مرتبہ جب کہ حضرتؒ روانگی اور دعاء کے لئے مسجد تشریف لا چکے تھے۔ ابھی کرسی پر تشریف فرما ہوئے تھے کہ قاری ظہیر صاحبؒ مسجد میں تشریف لاتے ہوئے کسی چیز سے الجھ کر گر پڑے۔ بس حضرت جیؒ نے دیکھ لیا۔ ایک دم سفید ہو گئے۔ اور تڑپ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر قاری صاحب مرحوم فوراً ایسے اٹھ کر چل دیئے جیسے ان کو کچھ نہیں ہوا۔ تب حضرت کو قدرے سکون ہوا۔ مگر طبیعت پر بہت دیر تک اثر ظاہر ہوتا رہا۔

● مئی جون کا سخت مہینہ تھا۔ میں کشمیر کی ایک پانچ نفر کی جماعت لے کر حاضر ہوا۔ حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا۔ ارے بھائی ان کو ٹھنڈی جگہ میں رکھو۔ اور فوراً اپنی جیب سے ایک رقم نکال کر مجھے دیتے ہوئے فرمایا کہ جلدی سے ان کے لئے ٹھنڈے پانی اور ٹھنڈی بوتلوں کا انتظام کرو۔ شفقت کا یہ معاملہ دیکھ کر تمام ساتھی بہت متأثر ہوئے۔ میں نے جلدی جلدی ٹھنڈی بوتلوں کا انتظام کیا۔ تب ان کو سکون ہوا۔

● ایک بار میں نے حضرت کو اپنی طرف متوجہ نہ دیکھا تو خط لکھا کہ حضرت کیا میری طرف سے جناب عالی کے دل میں کچھ تکدر رہے کہ اپنی طرف متوجہ نہیں پا رہا ہوں۔؟ جواب آیا کہ بھائی تکدر کا تو کبھی دل میں شائبہ بھی نہ آنے دینا۔

پھر میں حاضر ہوا تو حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب مرحوم سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے مجھ سے ہنس کر فرمایا کہ حافظ جی جو تم نے لکھا ہے ایسی بات نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ بعض مرتبہ حضرت کسی دوسری ہی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ہماری طرف توجہ نہیں فرماتے، تو میں مطمئن ہو گیا۔ پھر تو اللہ پاک ان کو ہماری طرف سے بیحد جزاء خیر

عطا فرمائے کہ زندگی بھر جب بھی حاضری ہوئی، انتہائی شفقت و محبت سے ملتے اور اشارے سے پاس بلا لیتے۔

● ایک مرتبہ کیرانہ کے اجتماع میں تشریف لائے۔ میں اور میاں جی عبدالرحمن صاحب وہاں پہلے سے کام کر رہے تھے۔ ہم جب ملنے گئے تو مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔ بھائی جماعت بھی لائے ہو؟ میں نے کہا، حضرت گاؤں کی تو کوئی جماعت نہیں بنی تو حضرت نے برجستہ فرمایا، بھائی گاؤں کی نہیں بنی تھی تو جنگل کی بنا لاتے۔ اور پھر حضرت ہنس پڑے۔

● کلچھینہ ضلع میرٹھ میں دعا کے روز بچے بڑی خوشیاں منا رہے تھے۔ قاری ظہیر صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت بچوں کی تو آج عید ہو رہی ہے۔ اس پر برجستہ فرمایا اور بھائی بڑوں کی بقرعید ہو رہی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اب وہ اللہ کے راستے میں نکلیں گے اور قربانی دیں گے۔

● بڑوت کے احباب نے کہا کہ حضرت ہمیں دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اس پر مسکراتے ہوئے فرمایا بھائی تم بھی یاد دلانے کے لئے ہمارے پاس آتے رہنا۔

● حضرت جیؒ کی بڑوت تشریف آوری ہوئی، مجمع پہلے سے منتظر تھا۔ سب لوگ پھونس والی مسجد میں جمع تھے۔ جماعتیں سب تیار تھیں۔ دعا فرما کر رخصت کر دیا۔ پھر تشریف فرما ہوئے اور کہنے لگے۔ جب میں بڑوت سے گذرتا ہوں اور میرے ساتھ عرب حضرات ہوتے ہیں اور وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کون سا شہر ہے؟ تو میں ان سے (بڑوت اور بیروت میں لفظی مناسبت کی وجہ سے یہ کہا کرتا ہوں کہ یہ ہمارے ہندوستان کا بیروت ہے۔ حاضرین یہ سن کر مسکرا دیئے اور حضرت جیؒ بھی خوب مسکرائے۔

● محترم کلیم عاجز صاحب (پٹنہ بہار) لکھتے ہیں:
"شعر و ادب سے حضرت جیؒ کو کس قدر ذوق تھا یہ تو میں عرض نہیں کر سکتا۔ لیکن ان کی شفقت و محبت کا ایک واقعہ لکھتا ہوں جس سے ان کے ذوق ادب اور ذوق شعر کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ میری جتنی کتابیں بھی شائع ہوئیں ان کی سب سے پہلی جلد حضرت جیؒ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ اور حضرت جی نے ان کا مطالعہ بھی کیا۔

ایک مرتبہ آپ کا سفر حج درپیش تھا۔ میں رخصتی ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو بہت شفقت و محبت سے ملاقات فرمائی۔ پھر میں حضرت کے ساتھ ہی دستر خوان پر چلا گیا کھانے پر مجھ سے فرمایا، کلیم تم نے کوئی تازہ نعت بھی لکھی ہے؟ میں نے کہا جی حضرت لکھی ہے ــــ اور ایک کاغذ پر اس کو نقل کر کے حضرت کے حضور میں پیش کر دی حضرت جی نے اسی وقت اس کا مطالعہ فرمایا۔ اور اس کے چوتھے شعر؛

دن کو مدینے کی گلیوں میں دھڑا اپنا گائیں گے
رات کو ان کی چوکھٹ پر سر رکھ کر ہم سو جائیں گے

کو پڑھ کر فرمایا، میاں وہاں اپنا دکھڑا کیا، اس کے بدلے "گیت انھیں کا گائیں گے" ہونا چاہئے۔ قریب تھا کہ میں اس اصلاح و ترمیم کو پڑھ کر اچھل پڑتا۔ مگر ضبط کیا اور اتنا عرض کیا۔ حضرت آپ امیر تو ہیں ہی میرے پیر بھی ہیں اور اب میرے استاذ بھی ہو گئے چنانچہ حضرت سفر حج میں تشریف لے گئے۔ جب واپسی ہوئی تو اسی مقام پر اسی . . . دستر خوان پر اسی طرح بیٹھے ہوئے فرمایا: کلیم، ہم تمھارا شعر؛

دن کو مدینے کی گلیوں میں گیت انھیں کا گائیں گے
رات کو انکی چوکھٹ پر سر رکھ کر ہم سو جائیں گے

برابر پڑھتے رہے ــ میری شاعری کے متعلق حضرت کا یہ آخری توصیفی جملہ تھا جو یقیناً ان کی شفقت و محبت کا آئینہ دار ہے[1]

بمبئی میں دانتوں کے مشہور ڈاکٹر جناب داؤد بھائی کے ذریعہ حضرت مولانا نے مصنوعی دانت لگوائے۔ اس موقع پر حضرت مولانا کی جس شفقت و دلداری کا مشاہدہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے کیا وہ اس کو احقر کے نام ایک مکتوب میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں،

"کئی سال پہلے حضرت جی کا افریقہ کا سفر تھا۔ اس موقع پر آپ کا بمبئی صرف ایک رات کا قیام طے تھا۔ پہلے سے اطلاع آ گئی تھی کہ حضرت جی کے دانت بنانا ہے اور الحمد للہ اس ایک رات میں ہی کام مکمل ہو گیا میں نے صبح کی نماز کے بعد ــــــــ کھوکھا بازار

---

[1] مکتوب پروفیسر صاحب موصوف بنام مصنف کتاب،

کی مسجد میں جاکر دانت (مصنوعی) بٹھا دیئے اور ایک گھنٹہ میں حضرت روانہ ہو گئے۔ نئے دانت اکثر لگتے ہیں اور تکلیف دیتے ہیں۔ لیکن ان کے ٹھیک کرنے کا موقع ہی نہیں تھا۔

افریقہ سے واپسی پر حضرت دہلی چلے گئے۔ ایک سال بعد حضرت کی بمبئی پھر تشریف آوری ہوئی۔ میں ملا، خیریت پوچھی اور دانتوں کا حال معلوم کیا تو حضرت نے فرمایا، لگتے ہیں، تکلیف ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا۔ یہ تکلیف کب سے ہے؟ فرمایا پچھلے ایک سال سے، مجھے بڑا تعجب ہوا کہ حضرت ایک سال سے تکلیف برداشت کر رہے ہیں، وہاں دہلی میں کسی ڈاکٹر سے گھسوا لیتے تو یہ تکلیف ختم ہو جاتی۔ میں نے عرض کیا کہ وہاں کہیں گھسوا لیتے۔ حضرت اس وقت بڑی تیزی سے چلتے چلتے بات کر رہے تھے۔ میرے اس کہنے پر ایک دم کھڑے ہو گئے، اور جواب دیا کہ کیسے گھسواتے؟ دوسرا ڈاکٹر جب تک آپ کے کام میں نقص نکال کر اپنی بڑائی ظاہر نہ کرتا، اس وقت تک یہ کام نہ کرتا، اور ہم نہیں چاہتے تھے کہ آپ کے کام میں کوئی نقص نکالے۔ اس لئے درد برداشت کر لیا۔ اب آپ آئے ہیں تو اس کو ٹھیک کر دیں۔ چنانچہ میں حضرت جی کو مطب لے گیا۔ مشکل سے اس کام میں تیس سکنڈ لگے، گھسنے کے بعد ٹھیک ہو گئے۔ اور تکلیف ختم ہو گئی۔ یہ ان کی شفقت و محبت کی انتہا تھی۔"

مولانا احمد لولات صاحب گجرات (مجاز بیعت حضرت شیخؒ) نے اجتماع آنند کے موقع پر حضرت مولانا سے بخاری شریف ختم کرانے کی درخواست کی، جس کو حضرت مولانا نے ازراہ شفقت و محبت قبول فرمالیا اور بڑودہ اسٹیشن پر بخاری شریف کا ختم عمل میں آیا موصوف اس واقعہ کی تفصیلات اس طرح بیان کرتے ہیں:

"آنند گجرات میں ایک مرتبہ تبلیغی اجتماع تھا، جمادی الثانی کی آخری تاریخیں چل رہی تھیں۔ اور اس سال بندہ کے پاس دارالعلوم بڑودہ

میں پہلی مرتبہ بخاری شریف تھی۔ مجھے جب اس اجتماع میں حضرت جی کا آنا معلوم ہوا تو کوشش کر کے اجتماع سے قبل بخاری شریف کو اختتام تک پہونچایا اور آخری حدیث اس نیت سے باقی رہنے دی کہ حضرت جی رہ سے پڑھوائیں گے۔ بندہ نے اس موقع پر ایک خط آپ کو نظام الدین بھیج کر درخواست کی کہ جب آپ آنند تشریف لائیں گے تو آپ کا آنا بڑودہ سے ہوگا اسلئے تھوڑی دیر کرم فرما کر میری بخاری ختم کرادیں۔ چونکہ حضرت جیؒ حضرت شیخؒ کے خدام کے ساتھ بڑی فیاضی اور مروت اور شفقت سے پیش آتے تھے، اس لئے مجھے یقین تھا کہ میری دعوت ضرور منظور ہوگی۔ میرا یہ خط ایسے وقت دہلی پہونچا کہ گودھرا کے احباب حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کر رہے تھے کہ آپ آنند کے لئے گودھرا سے ہو کر جائیں۔ تاکہ اہل گودھرا بھی مستفید ہوسکیں۔ مشورہ ابھی چل ہی رہا تھا کہ میرا خط پہونچ گیا اور حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑودہ کا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور مجھے اس کی اطلاع مل گئی، پورے مدرسہ میں خوشی اور مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی لیکن بندہ کو خوشی کے ساتھ فکر بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ عزت کے ساتھ اس مرحلہ کو پورا فرما دے۔ اس سال دورہ میں سات طلبہ تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ دیکھو ہمارا کام کوشش کرنا ہے اور دعا کرنا ہے۔ لہٰذا سب طلبہ ایک ایک نسخہ بخاری شریف کا لے کر اسٹیشن پر چلیں۔ اور میں نے دو تین گاڑیوں کا بھی انتظام کر رکھا تھا کہ اگر حضرت جی مع رفقاء مدرسہ تک تشریف لائیں تو دقت نہ ہو، اس وقت مدرسہ جامع مسجد میں چلتا تھا۔ دوسرا انتظام میں نے اسٹیشن کے پاس کرٹک بازار کی مسجد میں کیا تھا کہ اگر گاڑی کسی وجہ سے لیٹ ہو جائے اور وقت کی تنگی کی بنا پر مدرسہ نہ جاسکیں تو یہاں مسجد میں... تشریف لے آئیں۔ تیسرا انتظام میں نے اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں..

کر رکھا تھا۔ گاڑی اپنے وقت پر ٹھیک گیارہ بجے آئی۔ ڈبہ سے اتر کر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے مصافحہ کر کے فرمایا۔ مولوی صاحب کیا خبر ہے؟ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت بخاری شریف ختم کرانا ہے۔ فرمایا کہاں پر؟ میں نے جواب دیا کہ اگر دارالعلوم جامع مسجد تشریف لے چلیں تو گاڑی حاضر ہے۔ پانچ منٹ کا راستہ ہے۔ اور اگر وہاں منظور نہیں تو اسٹیشن سے باہر ایک مسجد ہے۔ وہاں تشریف لے چلیں۔ اور اگر وہاں کی بھی رائے نہیں تو یہ اسٹیشن کا ویٹنگ روم خالی کرا رکھا ہے اور اس میں بیٹھنے کا انتظام بھی ہے۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ حضرت نے اچانک فرمایا کہ اگر یہیں ڈبہ کے پاس پلیٹ فارم پر ختم ہو جائے تو کیسا رہے گا۔ میں نے عرض کیا کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہ کہتے ہی میں نے طلبہ کو آواز دی وہ سب آ گئے پلیٹ فارم پر کپڑا بچھا دیا گیا۔ حضرت جی نے مولانا ... محمد عمر صاحب سے فرمایا کہ مولوی صاحب مولوی احمد کی تو یہ بات ماننی پڑے گی کہ یہ فرما کر ڈبہ سے نیچے تشریف لے آئے اور بیٹھتے ہی فرمایا۔ مولوی احمد میری ایک شرط بھی ہے۔ بندہ یہ سمجھا کہ فارغ طلبہ کے لئے سال بھر کی تشکیل کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ مجھے آپکی شرط منظور ہے۔ فرمایا کہ میری شرط یہ ہے کہ بخاری شریف کی عبارت میں پڑھوں گا۔ بندہ نے عرض کیا کہ یہ تو بہت ہی مبارک اور عمدہ شرط ہے چنانچہ حضرت جی بخاری شریف ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے۔ اور آخری حدیث پڑھ کر تقریباً پون گھنٹہ بیان فرمایا۔ پھر دعاء فرمائی۔ وہ منظر قابلِ دید تھا۔ ذوق و شوق اور جذبات کی کیفیت ہم خدام تو محسوس کر ہی رہے تھے۔ لیکن حضرت جیؒ پر بھی وجد کی کیفیت طاری تھی۔ اگلے دن بندہ آنند کے اجتماع میں حاضر ہوا۔ تو فرمایا مولوی صاحب کل بخاری شریف کے ختم سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت اس ختم

کے موقع پر عام لوگوں کی زبان پر یہ تھا کہ اب تک اسٹیشن پر نمازیں
تعلیم کے حلقے اور فضائل کی کتابیں پڑھی جاتی تھیں۔ اب اللہ کی شان کہ
بخاری شریف بھی ختم ہونے لگی۔"

جناب اکمل یزدانی جامعی (بہار) حضرت مولانا کی شفقت و محبت کا ایک آنکھوں
دیکھا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں :

"مارچ ۱۹۸۴ء میں ارریہ کے اجتماع کے موقعہ پر مولانا منور حسین صاحب
نے حضرت جی کو بہادر گنج تشریف آوری کی دعوت دی، تاکہ دار العلوم
بہادر گنج کے احاطہ میں ایک سو ایک ہاتھ لمبی اور سوا سو ہاتھ چوڑی تیار
ہونے والی جامع مسجد زکریا میں حضرت مولانا تشریف لا کر خیر و برکت
کی دعا فرمائیں اور اپنے دست مبارک سے چند اینٹیں رکھ دیں۔
چنانچہ وقت مقررہ پر حضرت جی اور دیگر ذمہ داران مرکز مولانا
عبید اللہ صاحب، مولانا محمد عمر صاحب جیپ کار سے تشریف لائے اور
کار سے اترتے ہی بڑی مسکراہٹ اور بشاشت کے ساتھ مجھ سے
فرمایا۔ کیا کرنا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ۔۔ مسجد میں اپنے دست مبارک
سے اینٹ لگا دیں اور تکمیل کی دعا فرما دیں۔ چنانچہ دونوں کام چند
منٹوں میں فرما کر آپ جامع مسجد زکریا کی کرسی پر چڑھ گئے اور پچھم
اور اتر کونے سے لمبے لمبے قدم اٹھاتے ہوئے اتنی تیزی سے
دکھن اور پورب کونے پر پہونچ گئے کہ ہم لوگوں کو پیچھا کرنا دشوار
ہو گیا۔ پھر مہمان خانہ میں پہونچ کر کچھ دیر رکے اور چائے ناشتہ سے
فارغ ہو کر رشید پور تشریف لے گئے۔"

شادی اور غمی پر معمول

عادت شریفہ یہ تھی کہ شادی کی تقریب پر مبارکباد یا کسی کے انتقال پر تعزیت مسنونہ کرتے ہوئے ہمیشہ دینی و دعوتی پہلو سامنے رکھتے تھے۔ اور ان دونوں مواقع پر احباب و اہل تعلق کو اہتمام کے ساتھ اس طرف متوجہ فرماتے کہ وہ صرف خوشی یا غم میں ہی۔۔ الجھ کر نہ رہ جائیں بلکہ دین اور آخرت کو سامنے رکھ کر چلیں اور ان مواقع پر شریعت کے جو تقاضے ہیں۔ ان کے مطابق عمل کریں۔ نکاح اور شادی کے موقع پر حضرت مولانا کے بیانات اور تقریروں کے بہت سے اقتباسات قارئین پہلے پڑھ چکے ہیں۔ اس لئے یہاں آپ کی ایک تعزیتی تقریر (جو مولانا موسیٰ کانجار کے بھائی کے انتقال پر کایم کولم میں کی گئی تھی) پیش کی جاتی ہے۔

خطبۂ مسنونہ اور آیت شریفہ کل نفس ذائقۃ الموت تلاوت کرنے کے بعد فرمایا:

"میرے دوستو عزیزو! اللہ نے انسان کو بنایا ہے۔ اور یہ دنیا میں ہمیشہ کے لئے نہیں ہے بلکہ بہت تھوڑے وقت کے لئے آیا ہے اس کا جسم تو ختم ہونے والا ہے لیکن روح ہمیشہ کے لئے ہے اگر اس نے اپنی روح کو سنوارنے کی محنت کی تو یہ کامیاب ہوگا ورنہ ناکام ہو جائے گا۔ کامیابی اور ناکامی خدا کے بتلائے ہوئے طریقے میں ہے۔ دنیا کی چیزوں کے ملنے نہ ملنے میں کامیابی اور ناکامی نہیں ہے۔ ہر انسان کو اللہ نے دو زندگیاں دی ہیں۔ ایک دنیا کی، جو موت پر ختم ہو جائے گی۔ اور دوسری وہ زندگی جو موت سے شروع ہوگی۔ آدمی اپنے بچاؤ کے لئے جتنی چاہے تدبیریں اختیار کرے لیکن مرنا ضرور ہے۔ اگر ساری عمر چیزوں پر محنت کرتا رہا تو یہ چیزیں موت پر چھوٹ جائیں گی۔ اور سب چیزوں کو چھوڑ کر تنہا قبر میں چلا جائے گا۔ قبر میں جانے والی چیزیں ایمان ہے، یقین ہے، اور عمل ہے۔ آدمی کی طبیعت یہ ہے کہ جس پر وہ محنت کرتا ہے۔ اس میں اس کا دل اٹکا رہتا ہے اب اگر اعمال پر محنت کرے گا تو اس میں اس کا دل اٹکا

رہے گا اور ہر وقت موت کا انتظار کرے گا۔ کہ کب موت آئے۔ اور کب اللہ کے یہاں سے اپنے عملوں کا بدلہ اور ثواب حاصل کرے۔"

• مسرت اور غم کے متضاد موقعہ پر حضرت مولانا کی مکاتبت اور تحریر کا طرز و اسلوب سمجھنے کے لئے ذیل کے چند مکاتیب کا مطالعہ بہت کافی ہے۔ ان میں پہلے دو مکتوب مسرت و خوشی کے موقعہ پر تحریر کئے گئے ہیں اور آخر کے تین مکتوب رنج و غم کے وقت اظہار تعزیت کے لئے ہیں۔

مولوی ہدایت اللہ صاحب (مدراس) کی شادی پر مبارکباد دیتے ہوئے الحاج یحییٰ غنی صاحب کو تحریر فرماتے ہیں!

"مکرم بندہ، حاجی یحییٰ غنی صاحب، وفقنا اللہ وایاکم کما تحب وترضیٰ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مولوی ہدایت اللہ کی شادی کی خبر سے مسرت ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ بہت برکت فرمائے اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنائیں۔ اور حسن معاشرت اور خدائے پاک اور اس کے رسول کی اطاعت کے زندہ ہونے کا ذریعہ بنائے۔ اس خط کے پہونچنے تک فراغت ہوگئی ہوگی۔ مولوی ہدایت کی والدہ کو بھی مبارکباد فرمادیں۔ محمد انعام الحسن۔"

دوسرے مکتوب میں خوشی کے موقعہ پر دعوت کے تقاضے پورا کرنے پر اس طرح متوجہ فرماتے ہیں!

"مکرم بندہ وفقنا اللہ وایاکم کما یحب ویرضیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ خط موصول ہوا خوشی ہوئی۔ حق تعالیٰ بہت مبارک کرے اور دونوں میں الفت ومحبت قائم فرمائیں اور اس عقد نکاح کو ذریت صالحہ کے ____ دنیا میں وجود میں آنے کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ باقی اب آپ کی ذمہ داری اور بڑھ گئی ہے وہ یہ کہ اپنے گھر میں اور ان نئے رشتہ داروں میں دعوت کے تقاضے رکھ کر ان کو دین کے کام پر آمادہ کرنا، یہ آپ کا کام ہوگا۔ خدائے پاک آسان کرے۔ فقط والسلام۔ بندہ محمد انعام الحسن۔

۱۳ر ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ

● جناب الحاج بھائی بشیر احمد (والد ماجد مولانا احسان الحق، رائے ونڈ لاہور)۔
کے انتقال پر لکھے جانے والے تعزیتی مکتوب کا ایک اقتباس:

"حاجی بشیر احمد مرحوم، اللہ رب العزت ان کی مغفرت فرماکر اعلیٰ درجات عطا فرمائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بہت عجیب انسان تھے، اس زمانہ میں ایسے لوگ نایاب ہی ہوتے جارہے ہیں۔ اپنے عمل سے زندہ رہنے والوں کو پکار کر فرماگئے کہ اے زندہ رہنے والو! آدمی اس طرح سے جاتا ہے جس طرح میں جارہا ہوں۔ تم بھی ایسی موت کے طلب میں، ملک در ملک ایمانؑ عمل لے کر پھرتے رہو، یہاں تک کہ موت آجائے، موت کا وقت اللہ کے علم میں مقرر ہے اور خود انسان اس سے جاہل ہے۔ ایسے حال میں عقلمند یہ سوچا کرتا ہے کہ ہر وقت تیاری میں لگا رہوں پتہ نہیں کب چلنا پڑے۔

لیکن آہ، آج کا انسان اس کو سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں، مٹنے والی دھوکے باز دنیا کے پھندے گلے میں اور اس کی محبت کے کانٹے اپنے قلوب میں ڈال کر اپنی قیمتی جان اور عقل جیسی مایہ کو ضائع کر رہا ہے" [1]

جناب الحاج بھائی محمد خالد صدیقی علی گڑھ کی اہلیہ محترمہ مرحومہ کے وصال پر حضرت مولانا کا تعزیتی مکتوب:

"مکرم ومحترم ڈاکٹر محمد خالد صدیقی قواکم اللہ واعانکم ورزقکم جزیل الصبر والاجر
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

کل یکم اپریل کو حیدر آباد میں سانحہ کا علم ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ جل شانہ وعم نوالہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے۔ اور بلند درجات نصیب فرمائے۔ بہت تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کی ہیں۔ لیکن یہ تکالیف اور مصائب اب کام آرہے ہوں گے۔ مصائب والوں کو جب مصائب پر خدا کے انعامات ہوں گے تو عافیت والے یہ تمنا کریں گے کہ کاش انکی

---

[1] مکتوبات مرتبہ مفتی محمد روشن صاحب۔

کھالیں قینچیوں سے کاٹی جاتیں۔ لیکن ہم ضعیف ہیں اس لئے مصائب کو مانگنا تو نہیں چاہئے۔ اللہ سے عفو وعافیت ہی مانگتے رہنا چاہئے۔ لیکن اگر مصائب آجائیں تو ان پر پامردی سے صبر کرنا چاہئے۔ مرحومہ کے جانے سے گھر کی جو ذمہ داریاں تھیں، ان کی وجہ سے یقیناً تمہیں فکر ہوگا کیونکہ گھر کی عورت کو عربی میں "رب البیت" کہا جاتا ہے۔ گھریلو اور خانگی تمام ذمہ داریاں اس کے اوپر ہوتی ہیں۔ اللہ جل شانہ وعم نوالہٗ تمھاری مدد فرمائے۔ اور بہترین صورتیں پیدا فرمائے۔

خدا کی تقدیر پر راضی رہنا ہی بندہ کا کام ہے۔ یہی رضا بالقضاء ہے۔ آدمی خدا کی تقدیر پر راضی رہتا ہے تو اجر ملتا ہے اور اگر راضی نہیں ہوتا ہے تو تقدیر تو جاری ہوکر رہتی ہے لیکن ثواب سے محروم ہی ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے المصاب من حُرم الثواب۔ مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم رہے، اور جس کو مصیبت پر خدا کی طرف سے ثواب کی امید ہو وہ مصیبت زدہ نہیں ہے۔ اور حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ مسلمانوں کو اپنی مصیبتوں پر میری مصیبتوں سے تسلی حاصل کرنا چاہئے۔ کیونکہ مسلمان کے لئے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مصیبت ہی سب سے بڑی مصیبت ہے۔

احد کے واقعہ میں جب ایک عورت کے خاوند و بھائی کے شہید ہونے کی خبر ملی تو وہ یہی دریافت کرتی رہی کہ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کیسے ہیں۔؟ جب بتایا گیا اور اس نے حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرلی، تو بے اختیار یہ کہا۔ کل مصیبۃ بعدک جلل، آپ کے بعد ہر مصیبت بہت تھوڑی ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی جب پہلی اہلیہ کا انتقال ہوا تو تین لڑکیاں غیر شادی شدہ تھیں اور ایک چھوٹی تھیں۔ اس کے بارے میں شیخ ہی نے فرمایا کہ جب میں اپنے تصنیف کے کمرے میں اپنی تصنیف میں مشغول ہوتا ہوں

اور اس کے رونے کی آواز آتی ہے تو چلتے چلتے قلم رک جاتا ہے۔ لیکن اللہ جل شانہ وعم نوالہ ہی کارساز ہیں۔ وہی تمھاری ذمہ داریوں کو پورا فرمادیں گے۔

صاحبزادیوں اور صاحبزادوں کو بھی یہ مضمون سنادیں بلکہ سمجھادیں اور صبر کے لئے اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور اللہ کے دین کے عمل میں مشغول ہونا، یہی معین ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ وعم نوالہ نے اپنے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرمایا واصبر وماصبرك الا باللہ، اور قرآن پاک میں۔۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ،

آج صبح ۹ بجے ناگپور پہونچے۔ وہاں پر ہی یہ خط لکھا گیا ہے کہ معلوم نہیں پھر موقع ملے نہ ملے۔ حیدرآباد میں بندہ کی طبیعت ناساز ہوگئی تھی۔ ڈاکٹروں نے بولنے کو منع کر دیا تھا۔ دعاء کے لئے صرف ۱۵ منٹ کی ہی اجازت دی تھی۔ جس میں سات منٹ بات ہوئی اور گیارہ منٹ دعا ہوئی۔ یہاں ناگپور میں بھی کوئی ذمہ داری آج میرے اوپر نہیں ہے۔ اس لئے موقع غنیمت جان کر یہ تحریر کرا دیا گیا۔

بس بچوں کو دعوات ۔ اور ان سے کہہ دیں کہ دنیا کے اندر ماں باپ سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔ اس کا بدل اگر ہے تو صرف خدائے پاک کا تعلق ہی ہے۔ یہی ان کا نعم البدل ہو سکتا ہے۔ جہاں تک ہو سکے اپنی امی کو پڑھ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے رہیں جس سے تمھیں تسلی ہوگی اور جانے والے کو اجر ملے گا۔ فقط والسلام

محمد انعام الحسن

بقلم محمد غزالی، وارد حال ناگپور، ۲۰ اپریل ۹۴ء۔

● ایک نوجوان نومسلم جنھوں نے عیسائیت ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا۔ اور دعوت و تبلیغ کے کاموں میں بڑی فکرمندی، دل سوزی کے ساتھ لگے ہوئے تھے دردناک طور پر شہید کر دیئے گئے۔ ان کی والدہ (غیر مسلمہ) نے حضرت مولانا کو اس

حادثہ کے بعد خط لکھ کر اپنے اضطراب اور بے چینی کا اظہار کیا، جس پر آپ نے ذیل کا مکتوب انکوارسال فرمایا۔ اس مکتوب میں تعزیت بھی ہے، تسلی و تشفی بھی ہے اور پسماندگان کے لئے ایمانی دعوت اور اس کا پیغام بھی ہے۔

"منجانب محمد انعام الحسن ، یوسف صاحب مرحوم کی والدہ کی طرف۔

اللہ سیدھے راستے پر چلائے۔ اور سلامتی ہو اس پر جو سیدھے راستے پر چلے۔

آپ کا خط موصول ہوا جس میں یوسف مرحوم کے دردناک قتل کئے جانے پر آپ کی بے چینی اور اضطراب معلوم ہوا۔ اللہ جل شانہ اس مرحوم کی نہایت مغفرت فرمائے اور جنت کے اعلیٰ درجات نصیب فرمائے۔

اس نے جو راستہ اختیار کیا تھا نہایت پاکیزہ اور صاف ستھرا تھا اور اس کی زندگی بہت پرسکون اور قابل رشک تھی اور جہاں وہ جاچکا ہے، وہاں بھی اللہ جل شانہ کی ذات سے بھلائی کی امید ہے۔ اللہ جل شانہ ہم سب کو سیدھے راستے پر چلنے والا اور اپنے احکامات پر جمنے والا بنا دے۔

یوسف مرحوم یہاں آتا تھا اور قیام کرتا تھا لیکن سانحہ کے بارے میں ہمارے سامنے کوئی اس کی تفصیلی گفتگو نہیں اور نہ خطوط سے ہمیں کچھ لکھا۔ اس لئے اس کی تفصیل بتانے سے ہم معذور ہیں۔ اللہ جل شانہ وعم نوالہ اس کے بچوں کی بہترین پرورش اور تربیت فرمائے اور اس کی اہلیہ کو بھی صبر و تسلی نصیب فرمائے۔

پریشان ہونے اور گھبرانے سے، جانے والا واپس نہیں آسکتا۔ اس سے سوائے اپنے آپ کو پریشان کرنے کے اور کوئی نتیجہ نہیں۔

اس مرحوم کی بیوہ کو بھی اللہ جل شانہ وعم نوالہ تسلی نصیب فرمائے اور اس کے ساتھ بہترین معاملہ فرمائے۔ یہ وقت سب کے لئے آنا مقدر ہے کوئی اس سے بچنے والا نہیں۔ اور جس شخص کا جو وقت مقدر رہے۔

اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی ۔
وہ شخص نہایت ہوشیار و سمجھدار ہے جو اپنے اس وقت کی آمد کی تیاری کرے اور یہ غور کرے کہ اس وقت میں کیا چیز کام دے گی فقط"

استغنا، اور شانِ بے نیازی

جن لاکھوں لوگوں نے حضرت مولانا کو دیکھا یا وہ اصحاب جنہوں نے آپ کی خدمت میں کچھ وقت گذارا وہ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ دیگر اوصاف کی طرح یہ دو وصف بھی حضرت مولانا کی زندگی میں بہت نمایاں اور ممتاز تھے ۔ استغنا، ایسا زبردست کہ اگر اس دعوتی عمل کی مصلحتیں مجبور نہ کریں تو اچھے اچھے ملک اور مال والوں عہدہ اور منصب داروں کے سامنے یہ کہکر پاؤں پھیلا دیں کہ جب سے میں نے ہاتھ کھینچا ہے، پاؤں پھیلا دیئے ہیں اور شان بے نیازی ایسے غضب کی، کہ علم میں اور عمل میں، دعوت میں اور تبلیغ میں، تزکیہ میں اور تطہیر میں اسکے ذریعہ چار چاند لگ جائیں ۔ اس طرح کے واقعات کا ایک نمونہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے اور سب سے پہلے وہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے ۔ جس کی اطلاع بذریعہ مکتوب آپ نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو دی تھی ۔ اس واقعہ کی اہمیت یوں بھی زیادہ ہے کہ یہ استغنا، اور شانِ بے نیازی کا مظاہرہ آپ نے ایک ایسی باوقار شخصیت کے ساتھ کیا تھا جو ایک اسلامی مملکت کی جانب سے ہندوستان میں ایک عظیم المرتبت عہدہ پر فائز تھی اور آپ سے بے حد نیاز مندانہ و محبانہ مراسم و تعلق رکھتی تھی ۔

حضرت شیخ کو تحریر کردہ اِس مکتوب کا اقتباس یہ ہے ۔
"کل جمعہ کی نماز میں [1] ______ تشریف لائے تھے ۔ نماز جمعہ کے بعد بندہ نے ملاقات کی ۔ ایک جنازہ کی نماز پڑھنی تھی ۔ انھوں نے کہا کہ میں بھی شریک ہوں گا ۔ جنازہ سے واپس آتے ہوئے بندہ نے چائے کی تواضع کی، تو قبول فرمالیا ۔ اور تشریف لے آئے ۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ تشریف فرما رہے ۔

---

[1] یہاں نام کا اظہار قصداً نہیں کیا گیا ۔

اثنائے گفتگو میں دو مرتبہ روئے آنسو جاری ہوئے چار بجے کے قریب واپس گئے ۔ ۵ بجے ان کا آدمی آیا کہ سلام کہلوایا ہے اور یہ کہ وہ ایک چیک کاٹ رہے تھے ۔ اس آدمی نے عرض کیا کہ پہلے میں پوچھ آؤں کہ قبول کریں گے یا نہیں ۔ بندہ نے یہ جواب دے دیا کہ الحمدللہ بالکل ضرورت نہیں ہے برکت کے لئے ایک روپیہ قبول کرلیں گے ۔ یہ جواب لے کر وہ چلا گیا ۔ پھر معلوم نہیں کہ کیا اثر ہوا ۔ اللہ جل شانہٗ بہتر صورت پیدا فرما دے "

حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھپرولی) بنگلہ دیش کے ایک سفر میں حضرت مولانا کے ہمراہ تھے ، وہ اپنا ایک چشم دید واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں :

" بنگلہ دیش سے ہندوستان واپسی ہو رہی تھی ، ٹونگی میں حضرت کی قیامگاہ پر بعد مغرب مصافحہ والوں کی بھیڑ تھی اور کمرہ کے اندر خواص کا مجمع تھا ۔ حضرت جی اپنے کپڑے وغیرہ درست کر رہے تھے ۔ بہت سے اس ملک کے تحفے تحائف اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے یہ کہہ رہے تھے ۔ حضرت یہ قبول فرمالیجئے ، حضرت یہ قبول فرمالیجئے ۔ مگر مجال نہیں کہ حضرت نے اپنی توجہ اس طرف کی ہو اور نگاہ بھر کر بھی کسی چیز کو دیکھا ہو ۔ بس اپنے کام میں مشغول رہے اور جب ایک صاحب نے زیادہ اصرار کیا تو ان کی طرف اور ان کے تحفہ کی طرف دیکھے بغیر یہ فرما کر روانہ ہو گئے کہ نہیں بھائی کیا ضرورت ہے ، ہندوستان میں یہ سب چیزیں ملتی ہیں "

مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری اسی استغناء اور شان بے نیازی کے حوالہ سے اپنے دو واقعے اس طرح بیان فرماتے ہیں :

" حضرت جی کے توکل و استغناء کے دو واقعے اس ناچیز کے ساتھ بھی پیش آئے ہیں ۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۷۰ء میں حضرت جی امارات کے دورہ پر مع اپنے قافلے کے تشریف لائے ۔ اس وقت یہاں تبلیغی کام ابتدائی مرحلہ میں تھا ۔ اب تو ماشاء اللہ ہزاروں کی تعداد میں عرب و عجم اس کام سے وابستہ ہیں ۔ اس ناچیز نے حضرت کو کھانے پر دعوت دی اور یہاں کی بعض اہم شخصیات کو

بھی مدعو کرنے کا خیال تھا کہ تعارف ہو جائے گا حضرت جی نے منظور تو فرما لیا مگر مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری مدظلہم نے بعد میں مجھ سے فرمایا کہ حضرت نے آپکے تعلق میں قبول فرما لیا ہے لیکن طبیعت پر بوجھ ہے۔ کیونکہ بڑے لوگوں کے ساتھ اس طرح کا اجتماع حضرت پسند نہیں فرماتے۔ اس ناچیز نے عرض کیا کہ مجھے تو حضرت کی رضا منظور ہے۔ چنانچہ اس ناچیز نے حضرت کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ حضرت دعوت کا پروگرام ملتوی کر رہا ہوں۔ اس پر مسرت کا اظہار فرمایا۔"

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اب سے دو سال پہلے ابوظبی کی ایک اہم شخصیت کے ہمراہ جو اس ناچیز سے بہت محبت کرتے ہیں، ہندوستان جانا ہوا، تو نظام الدین حضرت سے ملاقات کے لئے بھی حاضری ہوئی۔ ان صاحب نے ملاقات کے بعد ایک بڑی رقم حضرت کی خدمت میں ہدیہ پیش کی۔ تو حضرت نے قبول کرنے سے معذرت فرما دی۔ ان صاحب کو مطمئن کرنے کے لئے مجھے بعد میں لمبی تقریر کرنی پڑی۔ لیکن اس کا اثر ان پر یہ پڑا کہ ان کو حضرت سے اور تبلیغی تحریک سے غیر معمولی عقیدت اور حسن ظن پیدا ہو گیا۔

مشورہ کا اہتمام اور اس کی پابندی

حضرت مولانا نے اپنے آپ کو ہمیشہ شوریٰ کے ساتھ مربوط بنائے رکھا۔ کبھی اس سے بالاتر ہو کر فیصلہ نہیں فرمایا۔ کوئی بھی مسئلہ سامنے آتا تو برجستہ فرماتے، کہ مشورہ میں رکھو جیسی ساتھیوں کی رائے ہو۔"

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ابتدائی دور سے لے کر آج تک دعوت و تبلیغ سے وابستہ ایک قدیم اور معمر بزرگ حضرت مولانا کی مجلس مشاورت کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:

مشوروں میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ ہر ایک کی طرف عجیب عاجزانہ انداز سے دیکھتے تھے۔ ہر ایک سے رائے لیتے اور ہر ایک کی رائے کا بڑی عظمت اور محبت سے انتظار فرماتے تھے۔ اگر رائے صائب ہوتی تو کبھی یہ نہ دیکھتے کہ رائے دینے والا کون ہے۔ نیا ہے یا پرانا۔ بلکہ بڑی قدر فرماتے۔

مولانا مفتی محمد جمیل صاحب (پاکستان) اپنے مضمون "آفتابِ رشد و ہدایت" میں حضرت مولانا کی اس عادت اور صفت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں!

"حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے اس کام کو منظم کرنے کے لئے جو دور رس فیصلے فرمائے اس کی برکت ہے کہ آج پوری دنیا میں کام کرنے والوں کی تعداد کئی لاکھ سے تجاوز کر گئی ہے۔ حضرتؒ جماعت کے امیر تھے۔ اور تبلیغی اصولوں کے مطابق جماعت کے امیر کا فیصلہ حتمی اور آخری ہوتا ہے۔ امیر کو یہ حق حاصل ہے کہ پوری شوریٰ کی رائے کے خلاف تبلیغی کام کی افادیت کے پیش نظر فیصلہ کرے۔ لیکن حضرت مولانا انعام الحسنؒ کی پوری امارت کی تاریخ گواہ ہے کہ اتفاق رائے کے بغیر کبھی فیصلہ نہیں فرمایا۔ مجلس شوریٰ کے ارکان بھی اس کے گواہ ہیں۔ (ماہنامہ البنوریہ کراچی حضرت جی نمبر صفحہ ۲۷۸)

مشورہ اور اصحاب مشورہ کی کتنی اہمیت آپکے یہاں تھی اس کا اندازہ حافظ محمد یوسف صاحب کے بیان کردہ اس واقعہ سے ہوگا۔ لکھتے ہیں!

"جب پہلی مرتبہ یوپی کے تمام مشورہ والے احباب مرکز نظام الدین جمع ہوئے تو ہم پانچ ساتھی (بھائی نصیب الدین مرحوم، ڈاکٹر مظاہر حسن، حاجی صفت حسین، حاجی عبد الباسط میرٹھی، اور یہ فقیر) خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، کہ حضرت ساتھی تو خوب آگئے ہیں۔ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔ اس پر فرمایا کہ بھائی میں اکیلا کیا بتا سکتا ہوں۔ اپنی شوریٰ سے مشورہ کر کے بتاؤں گا۔ حاجی صفت حسین نے کہا کہ حضرت آپ تو ہمارے امیر ہیں۔ آپ جیسے فرمائیں گے ہم ایسا ہی کریں گے اسپر فرمایا کہ بھائی امیر بھی تو مشورہ کا پابند ہوتا ہے۔ میں امیر تو ہوں، مگر آمر نہیں ہوں بلکہ شوریٰ کا پابند ہوں"

ایمانی بصیرت اور مومنانہ فراست

بصیرت و فراست کی یہ قیمتی دولت اللہ جل شانہ اپنے ان ہی عباد صالحین کو عطا فرماتے ہیں جو ایمان و احتساب کی صفت رکھتے ہوں۔ حدیث شریف میں ایسے ہی مومن کی فراست سے ڈرنے کا حکم ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله

حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کو اپنی ایمانی بصیرت اور مومنانہ فراست کی وجہ سے لوگوں کے احوال، ان کی قلبی کیفیات، ان کے وساوس صدور، خطرات قلب، نیز معاصی کی ظلمات و نحوست اور طاعات و عبادات کے آثار و انوارات کا ادراک اس قدر قوت و شدت کے ساتھ ہوتا تھا کہ اس زمانہ میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ لیکن آپ کے نزدیک ان کی نہ کوئی اہمیت و حیثیت تھی اور نہ ہی اس میں آپ کے کسی قصد و ارادہ کو کوئی دخل تھا۔

ایک مرتبہ سفر سے واپس تشریف لائے۔ مرکز کی سیڑھی پر پہلا قدم رکھتے ہی فرمایا:

"ارے بھائی غیبت کی ظلمت محسوس ہو رہی ہے"

اسی طرح ایک اسلامی مملکت کی سرحد میں داخل ہوتے ہی ارشاد فرمایا:

"اوہو، ظلم کی نحوست چھائی ہوئی ہے۔ پھر فرمایا کہ اندرونی مظالم کی کثرت ہو رہی ہے اور مخلوق کو ستایا جا رہا ہے"

ایک صاحب نے عرض کیا کہ کبھی تو جی چاہتا ہے کہ آپ کے پاس خوب رہوں، اور کبھی آنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ اس پر فرمایا کہ!

"میرا اس میں کوئی عمل دخل نہیں، بلکہ یہ تمہارے معاصی کا اثر ہے"

حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی زندگی میں ایمانی فراست سے معمور اور دینی بصیرت سے بھرپور ایسے واقعات کس قدر پیش آئے، یہ تو خدا ہی کو معلوم ہے۔ تاہم چند واقعات کے ذریعہ اس کا ایک نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ قارئین چاہیں تو ان واقعات کو کشف و کرامات سے تعبیر کر لیں یا توجہ و تصرف ان کا نام رکھ دیں۔ لیکن ان میں سے کوئی واقعہ بھی ایمانی بصیرت اور مومنانہ فراست سے خالی نہیں ہے۔

واقعہ نمبر (۱) ایک دعوتی کارکن اور مبلغ اپنے ایک عالم فرزند کو حضرت مولانا سے بیعت ہونے کی متعدد مرتبہ ترغیب دے چکے تھے۔ لیکن یہ فرزند انکار کر دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے خواب دیکھا کہ کوئی صاحب ان سے کہہ رہے ہیں کہ دہلی جا کر حضرت جی سے بیعت ہو جاؤ۔ اس خواب کے بعد یہ عالم دین اسی دن اپنے والد کی معیت میں نظام الدین بیعت کے قصد سے آئے اور حضرت مولانا سے بیعت کیلئے

عرض کیا تو آپ ان صاحبزادے کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ مولوی صاحب خواب پر اتنا بھروسہ نہیں کیا کرتے۔ اور یہ فرما کر بیعت کر لیا۔ ان صاحب کو ہمیشہ اس پر حیرت رہی کہ میں نے تو اپنا خواب کسی کو سنایا نہیں تھا پھر حضرت مولانا کو کیسے معلوم ہوا۔

واقعہ نمبر (۲) مغرب کی نماز کے بعد حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اپنے نیچے والے حجرے کے سامنے اوّابین ادا فرما کر تسبیحات میں مشغول تھے کہ ایک صاحب حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کے بارے میں کسی عربی قصیدہ کی تحقیق کے لئے حاضر ہوئے۔ انکا جیسے ہی حضرت سے سامنا ہوا تو بغیر ان کے سوال کئے ہوئے فورًا ——— ارشاد فرمایا کہ اس عربی قصیدہ کی اصل فلاں جگہ ہے۔ یہاں پر اس کی نقل موجود ہے۔ یہ فرما کر پھر اسی طرح اپنی تسبیحات میں مشغول ہو گئے۔

واقعہ نمبر (۳) میوات کے ایک قدیم معمر کارکن بتلاتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے گھر پر ایک بھینس خرید کر مرکز آیا جو بارہ سو روپے کی خریدی تھی۔ اور جماعت میں جانے کیلئے صرف دو سو روپے لایا۔ میں حضرت جی کی روانگی کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ میری طرف دیکھ کر فرمانے لگے کہ لوگ بھینس تو بارہ بارہ سو میں خریدتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جانے کے لئے مشکل سے دو سو روپے لاتے ہیں حالانکہ میں نے یہ بارہ سو والی اور دو سو والی اپنی بات ابھی تک کسی سے نہیں کہی تھی۔ بس میں سمجھ گیا کہ اس کا نشانہ میں ہی ہوں۔

واقعہ نمبر (۴) ایک مرتبہ حضرت جیؒ ایک اجتماع میں تشریف لے گئے۔ اجتماع کے بعد قیامگاہ پر تشریف فرما تھے کہ ایک غیر مسلم عورت اور مرد ایک بچہ لے کر آئے۔ اور دروازہ پر ہم لوگوں کی خوشامد کرنے لگے کہ ہمارا یہ بچہ شدید بیمار ہے۔ تمہارے گرو جی اسے دیکھ لیں یا دم کر دیں تو ہمیں امید ہے کہ یہ اچھا ہو جائے گا۔ میں نے ان کی بے کسی بے بسی کو دیکھ کر ڈرتے ڈرتے حضرت سے نوعیت عرض کر دی۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی بلا لو۔
میں نے مرد کے ساتھ اس بچے کو جو انتہائی لاغر اور کمزور تھا بلا لیا۔ بس حضرت جی نے بہت سرسری طور پر اس کی طرف دیکھا۔ یہ یاد نہیں کہ چھوا بھی یا نہیں، وہ فورًا ٹھیک

ہوگیا۔ اب ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ جب تو چلے گئے۔ صبح کو جانے کیا کیا گاڑی میں تحفے تحائف لائے۔ مگر حضرت نے اس طرف توجہ تک نہیں فرمائی اور نہ کوئی بات سنی اور فوراً روانہ ہوگئے۔

واقعہ نمبر (۵) ایک عرب نوجوان مرکز آئے ہوئے تھے۔ ان پر ایسی کیفیات طاری ہوئیں کہ وہ برداشت نہ کرسکے۔ تمام مرکز ان کی وجہ سے پریشان ہوگیا۔ اکیلے ان کو عرب روانہ کرنا بھی مشکل تھا۔ ایک دفعہ نیچے حجرے میں مشورہ ہو رہا تھا۔ وہ بھی داخل ہوگیا اور نہ جانے کیا کیا کہنے لگا۔ بس حضرت جیؒ نے ان کی طرف ایک سخت نگاہ سے دیکھا تو وہ ذرا سا پیچھے کو ہٹے۔ پھر اور دیکھا تو اور پیچھے ہٹے، پھر اور دیکھا تو حجرے سے تیزی سے نکل کر باہر آگئے اور کچھ دیر بعد ٹھیک ہوگئے۔

واقعہ نمبر (۶ و ۷) حضرت کے یہاں معمول یہ تھا کہ بعد عصر چائے ہوتی تھی۔ احقر نے ایک مرتبہ سوچا کہ بازار میں کیوں پیسے خرچ کروں۔ حضرت کے یہاں چائے پی لوں گا۔ جب بندہ حاضر ہوا تو اور لوگ چائے پی رہے تھے۔ حضرت والا نے بندہ کی طرف بالکل توجہ نہیں فرمائی۔ جب میں نے محاسبۂ نفس کیا تو دل کا چور معلوم ہوا کہ جو اشراف پیدا ہوا تھا۔ یہ سب اسی کی نحوست ہے اور دل ہی دل میں استغفار کرنے لگا۔ جیسے ہی استغفار کیا، فوراً حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بھائی مولوی صاحب کو جلدی چائے دو۔ مجھے طلبہ میں بیان کرنے کے لئے جانا ہے۔

آپ کی فراست کا دوسرا واقعہ میرے ساتھ یہ پیش آیا کہ حضرت والا نے میرے کمرہ کے سامنے دروازہ کے پاس بیان فرمانا شروع کیا اور شروع یہاں سے کیا کہ علم مقصود نہیں ہے بلکہ عمل مقصود ہے۔ تو فوراً میرے جی میں اشکال آیا کہ بخاری میں العلم قبل العمل سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں ہی مقصود ہیں۔ یہ خیال دل میں آیا ہی تھا کہ فوراً حضرت والا نے طلبہ کے مجمع کے سامنے میری طرف منہ کرکے ارشاد فرمایا کہ تمھاری برکت سے ابھی اس اشکال کا یہ جواب سمجھ میں آگیا۔ دیکھو، وہ علم

مقصود ہے جو برائے عمل ہو اور جو علم برائے عمل نہ ہو وہ علم۔ مقصود نہیں ہے۔

واقعہ نمبر (۸) ۱۹۶۶ء میں اپنی امارت کے ابتدائی دور میں میری تشکیل حضرت جیؒ نے کشمیر کے لئے فرمائی۔ چنانچہ روانگی کے وقت جب میں حجرہ میں پہونچا تو بس ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ دیکھو بھائی ایسی جگہ جارہے ہو جہاں پھسلنے کے مقامات بہت ہیں۔ یہ سنکر میرے اوپر رقت طاری ہوگئی۔ مگر میں اس جملہ کا مطلب نہیں سمجھا۔ راستہ بھر غور کرتا رہا۔ وہاں پہونچ کر جو وہاں کے حالات دیکھے، تب اس ارشاد کا مطلب سمجھ میں آیا۔ پھر تو ایسی نفرت اس ماحول سے ہوئی کہ کیا بتاؤں۔ ہر طرف سے گویا ایک طرح کی بدبو آتی تھی۔ اور میرا بازار میں نکلتے ہوئے دم گھٹتا تھا۔ مجبوراً ساتھیوں کو کہنا پڑا کہ بھائی مجھے گشت میں نہ لے جایا کرو، بلکہ مسجد میں ہی پڑا رہنے دو۔ یہ پورا چلہ اس طرح گذرا کہ گویا حضرت کے فرمانے سے گناہوں سے اور ماحول سے بری نفرت دل میں پیدا ہوگئی۔ پتہ نہیں حضرت کے اس جملہ میں کیا تاثیر بھری ہوئی تھی۔

واقعہ نمبر (۹) ہمارے علاقہ کے ایک اہم شخص زین العابدین خاں (مرحوم) تھے۔ ہم نے ان کو بڑی مشکل سے چلہ کے لئے تیار کیا۔ جب نظام الدین پہونچے۔ تو فیصلہ ہوا کہ جماعت کلکتہ جائے گی۔ چنانچہ تیاری ہوئی۔ جب صبح کو روانگی ہونے لگی تو حضرت جی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ خان صاحب! کلکتہ کے بازار بہت بڑے بڑے ہیں۔ بس اتنا کہنا تھا کہ خاں صاحب پر کپکپی آگئی اور پورے چلہ کلکتہ کی مسجد سے نہیں نکلے اور فرماتے تھے کہ حضرت جی نے یہ کہا تھا کہ کلکتے کے بازار بہت بڑے بڑے ہیں۔ مجھے بازار سے نفرت ہوگئی۔ میں بازار نہیں جاؤں گا۔

واقعہ نمبر (۱۰) جب تک میری ہمت و تندرستی رہی، حضرت جیؒ کے پاس بعد نماز عشاء بدن دبانے کے لئے جاتا تھا۔ ایک مرتبہ میں لمبے سفر سے آیا۔ کافی تکان تھا۔ میں نے سوچا کہ آج حضرت کو بعد مغرب ہی دبا لوں۔ کتاب کے بعد فوراً آرام کرلوں گا۔ میں کھانے کے بعد کمرہ میں آیا تو حضرت پیر پھیلائے

بیٹھے تھے۔ اور کئی آدمی حضرت کے پاؤں دبا رہے تھے۔ میں نے سلام کرکے جو دبانا شروع کیا۔ تو حضرت نے چہرہ بدل کر فرمایا، یوں سوچا ہوگا کہ آج تو تھکا ہوا ہوں، ابھی دبالوں، تاکہ بعد میں دبانا نہ پڑے، کس نے بلایا تھا۔ میں شرم کی وجہ سے پانی پانی ہوگیا۔ اور خجالت سے چپکے چپکے نیچی گردن کرکے دباتا رہا اور پھر بعد عشاء بھی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

واقعہ نمبر (۱۱) ایک مرتبہ نانوتہ میں اجتماع تھا۔ میں بھی حاضر تھا، تو مجھ سے فرمایا کہ اگر سردی کے موسم میں کشمیر کے لئے جماعت بنا کر لاؤ گے تو گرمی میں بھی وہیں بھیج دوں گا۔ ورنہ گرمی میں کشمیر روانہ نہیں کروں گا۔ میں نے واپس پہونچ محنت کی۔ اللہ پاک نے جماعت بنوادی، میں لے کر خدمت میں حاضر ہوا۔ جب تین دن گذر گئے اور جماعت کا رخ متعین نہیں ہوا تو منشی بشیر احمد رحمۃ اللہ علیہ مجھے حضرت کے پاس لے کر گئے۔ اور عرض کیا کہ حضرت ان کی جماعت کے بارے میں کیا کریں اور کہاں بھیجیں؟ اس پر فرمایا کہ میرے ذہن میں تو بردوان ہے، وہاں بھیج دی جائے۔ رفقاء جماعت آپس میں چہ میگوئی کرنے لگے کہ ہم تو کشمیر کی نیت سے آئے تھے۔

الغرض ہم بردوان پہونچے، شام کو گشت واجتماع وغیرہ سے فراغت کے بعد ایک ہوٹل میں جو مسجد کے قریب تھا، پہونچے، چائے منگوائی، وہاں پر اسی روز کا اخبار رکھا ہوا تھا۔ اس کو اٹھا کر دیکھا تو سب سے پہلے خبر یہ تھی "کہ شیخ عبداللہ گرفتار کشمیر کے حالات خراب۔ اور ہنگامی حالات کا نفاذ" تب ساتھیوں کی سمجھ میں آیا، کہ اس لئے ہمیں حضرت نے کشمیر نہیں بھیجا تھا۔

واقعہ نمبر (۱۲) میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حج پر جانے لگا۔ میں نے سوچا کہ اس موقع پر حضرت کی خدمت میں کوئی نہ کوئی رہنا چاہئے۔ اس لئے میں نے ایک ساتھی کو اپنے ساتھ حضرت کی خدمت میں لے جانا شروع کر دیا۔ تاکہ جانبین میں مناسبت پیدا ہوجائے اور مواقع خدمت کا اسے اندازہ ہوجائے۔ کچھ دن بعد میں اپنے سفر حجاز کے لئے روانہ ہوگیا۔ یہ سفر تقریباً

نو ماہ کا تھا۔ جب میری سفر سے واپسی ہوئی تو اس ساتھی نے مجھے اپنی جو سرگزشت سنائی اس میں خصوصیت سے یہ بات سنائی کہ میں نظام الدین سے تقریباً دو کلومیٹر دور ایک بستی میں نمازوں کی امامت کیا کرتا تھا۔ میرا معمول تھا کہ جب میں بعد نماز فجر وہاں سے آتا تو سب سے پہلے حضرت کے کمرے میں حاضری دیا کرتا تھا۔ ایک روز ایسا ہوا کہ جس گھر سے میرا شام کا کھانا آتا تھا۔ اس گھر کی عورت بعد نماز عشا مسجد میں میرے پاس آئی۔ اور مجھے کسی بہانے سے اپنے گھر لے گئی۔ میں اپنی سادگی میں چلا گیا۔ وہاں جاکر معلوم ہوا کہ اس کا شوہر باہر گیا ہوا ہے۔ اس عورت نے میرے گھر میں داخل ہونے کے بعد فوراً کنڈی اور تالا لگا دیا۔ اب میں پریشان کہ یہاں تو کوئی بات ہی دوسری ہے، تو اچانک مجھے باہر سے سخت لہجے میں حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کی آواز سنائی دی کہ میرا نام لے کر فرما رہے ہیں، کہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا حضرت ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ میں دروازے کی طرف زور سے بھاگا، تو تالا کنڈی سب کھلا ہوا تھا۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کوئی نہیں ہے۔

خیر میں نے مسجد میں جاکر آرام کیا۔ صبح بعد نماز فجر معمول کے مطابق حضرت کے یہاں حاضری ہوئی تو مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگے۔ خدا کا خوف رہنا چاہیئے۔ اپنے ایمان کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ یہ نہیں کہ جس وقت جو بلائے۔ اسی کے پیچھے چل دو وقت اور آدمی بھی تو دیکھا کرو۔

واقعہ نمبر (۱۳) ایک صاحب اپنا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں ایسے موقعہ پر مرکز پہونچا کہ حضرت نظام الدین اولیاء کا عرس چل رہا تھا۔ میں اس میں ایک مشہور قوال کی قوالی سننے چلا گیا۔ صبح بعد نماز فجر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو بہت غور سے میرے چہرے کو دیکھ کر فرمایا کہ میاں رات تم کہاں گئے تھے۔ میں نے اپنے جانے کو چھپانا چاہا تو فرمایا اچھا کیا رات تم فلاں صاحب کے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ یہ سنکر اب میرے پاس اقرار کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا، چونکہ میں حقیقۃً انہی صاحب کے پاس بیٹھا تھا جن کا حضرت نے نام لیا تھا۔ اور میں نے ان سے ملاقات بھی کی تھی۔ میرے اقرار کے بعد حضرت نے مجھے محبت بھرے لہجے میں چند نصیحتیں

فرمائی جن کو میں نے گوش دل سے سنا۔ اور آئندہ سے ان پر عمل کرنے کا عزم مصمم کر لیا۔

واقعہ (۱۴۷) شاید ۱۹۷۰ء سے کچھ پہلے کی بات ہے کہ ایک مشہور و معروف "جماعت" کی تحریک سے ایک ایسا حلقہ ہماری یونیورسٹی میں پیدا ہو گیا تھا جو اس تحریک سے وابستہ تو نہیں تھا مگر حمایت میں تھا۔ اور یہ لوگ ہماری محنت کو اچھی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور کبھی کبھی ہمارے اصرار پر اتوار کے ہفتہ واری اجتماع میں شریک بھی ہو جاتے تھے۔ میں نے ایسے احباب کو —— دس دن کے لئے مرکز نظام الدین چلنے کی دعوت دی، وہ تیار ہو گئے۔ یہ حضرات پٹنہ یونیورسٹی کے شعبوں میں پروفیسر تھے۔ سب کے نام تو اس وقت ذہن میں نہیں ہیں۔ چند افراد کے نام جو ذہن میں محفوظ رہ گئے، یہ تھے۔

"ڈاکٹر محمد ضیاء الدین، ڈاکٹر عبد القدوس پروفیسر شعبہ کامرس، ڈاکٹر حدیث انصاری شعبہ کامرس۔ ڈاکٹر سبکتگین، شعبہ سائنس۔ ڈاکٹر خواجہ افضل امام شعبہ فارسی۔ پروفیسر مرتاض الدین شعبہ اردو وغیرہ۔ اس طرح تقریباً دس پروفیسر افراد تھے ہم لوگ دوپہر میں مرکز دہلی پہونچے۔ شام کو میں نے ارادہ کیا کہ حضرت سے ان کو ملانے سے پہلے ان کے رجحانات وغیرہ اور میلان کی بابت کچھ گوش گزار کر دوں گا مگر اس کا موقع نہیں مل سکا۔ اس لئے پہلے سے میں حضرت کو کوئی بات نہیں بتلا سکا۔ اشراق کے بعد حضرت سامنے والے کمرے میں تشریف لے گئے، تو کچھ وقفہ کے بعد میں اپنے ان ساتھیوں کو لے کر کمرہ میں آیا۔ اور سلام و مصافحہ کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت اس وقت کچھ گفتگو فرما رہے تھے، ہم سے مصافحہ فرمانے کے بعد پھر ان حضرات سے مخاطب ہو گئے، جن سے پہلے گفتگو جاری تھی۔ اس وقت آپ نے یہ تین مختصر جملے ارشاد فرمائے۔

"بھائی مسلمان کا منصب حکومت نہیں ہے خلافت ہے۔ حکومت جبر ہے خلافت صبر ہے۔ حکومت کی حکمرانی جسموں پر ہوتی ہے اور خلافت کی حکمرانی دلوں پر ہوتی ہے۔"

یہ جملے ارشاد فرما کر خاموش ہو گئے ۔ میرے تمام ساتھی پروفیسر حضرات جو سو فیصد اس تحریک سے متأثر بلکہ ہمنوا تھے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حضرت کو دیکھنے لگے ۔ اور میں سمجھ گیا کہ میرا ارادہ جو حضرت سے پہلے ملکر اپنے ساتھیوں کی نوعیت سے باخبر کرنیکا تھا اور جس کا مجھے موقع نہیں ملا تھا، اللہ نے وہ ان کے دل پر القاء فرما دیا ۔

نوٹ :۔ ان تمام واقعات کے راوی معلوم و موجود ہیں ۔ لیکن یہاں ان کے ناموں کا اظہار مناسب نہیں سمجھا گیا ۔

معمولات

سفر کے معمولات

حضرت مولانا کی زندگی کا زیادہ تر حصہ دینی و دعوتی اسفار میں گذرا۔ ماہ رمضان المبارک کو مستثنیٰ کرتے ہوئے پورے سال کوئی مہینہ ہی بمشکل ایسا گزرتا تھا جس میں سفر نہ ہوتے ہوں اور پھر چونکہ یہ اسفار خالص دعوتی اور تبلیغی ہوتے تھے۔ اس لئے ان میں اس کا پورا پورا لحاظ اور خیال رکھا جاتا کہ مقصد سفر پورے طور پر حاصل ہو۔ یعنی اجتماع میں بھرپور مشغولیت ہو اور نکلنے والی جماعتوں کی تعداد زائد سے زائد ہو۔ ان دونوں چیزوں کے لئے کھانے پینے کے اوقات، سونے جاگنے کے معمولات سب بدل جاتے اور وقت اور مقام کے اعتبار سے بڑا تغیر و تبدل ان میں ہو جاتا۔ چنانچہ رات کی نیند دن کے مختلف اوقات میں پوری کرنا اور دوپہر کا کھانا صبح ناشتہ میں کھا لینا ایک عام عادت سی بن گئی تھی۔ لیکن اس بھرپور مشغولیت و مصروفیت کے باوجود تمام اسفار پورے ضوابط اور اصول کے ساتھ معمولات کی پابندی کرتے ہوئے پورے فرماتے تھے۔

آپ کے سفر اور دورانِ مسافرت کے جو معمولات جو عمومی طور پر مشاہدہ میں آئے وہ یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

مرکز نظام الدین سے روانہ ہوتے وقت

معمول یہ تھا کہ زنانخانہ میں تشریف لے جا کر رخصتی سلام و دعا کرتے۔ آیات کریمہ اور معوذتین وغیرہ پڑھ کر بچوں پر دم فرما کر باہر تشریف لاتے اور مصافحہ کے خواہشمند احباب سے ملاقات کرتے ہوئے سفر پر روانہ ہو جاتے۔ سفر اگر بذریعہ کار ہوتا تو ہمیشہ پچھلی سیٹ پر بائیں جانب بیٹھتے۔ برابر میں مولانا محمد عمر صاحب یا مولانا زبیر الحسن صاحب میں سے کوئی ہوتا تھا۔ اپنی کار کے لئے ہمیشہ اس ڈرائیور کو پسند فرماتے جو معتدل رفتار کے ساتھ چلانے کا عادی ہوتا۔ تیز رفتاری آپ کو ہمیشہ ناپسند رہی۔ فرمایا کرتے تھے کہ تیز رفتار ڈرائیور خود بھی دماغی طور پر جلدی تھکتا ہے

اور مسافروں کو بھی تھکاتا ہے ۔ اتفاقی طور پر اگر ڈرائیور گاڑی کی رفتار تیز کرتا تو بہت نرم انداز میں اس کو یہ فرماکر روک دیتے کہ "بھائی ہم ضعیف اور کمزور ہیں ہمیں تو آہستہ آہستہ ہی پہونچادو ۔

۱۹۷۵ء میں ہونے والے افریقہ کے سفر میں طویل طویل مسافتیں بذریعہ کار طے ہوتی تھیں۔ وہاں کی صاف شفاف سڑکوں پر گاڑیوں کی رفتار بڑی تیز ہوتی ۔ لیکن حضرت مولانا جب بھی گاڑی میں بیٹھتے تو ڈرائیور سے فرماتے کہ بھائی اگر ضابطہ و قانون میں چلاؤ گے تو بیٹھیں گے ۔ ورنہ کسی اور گاڑی میں چلے جائیں گے ۔ چلانے والے احباب وعدہ بھی کر لیتے ۔ لیکن بسا اوقات طبیعت وعادت وعدہ پر غالب آجاتی اسلئے حضرت مولانا کی گاڑی زیادہ تر مولانا یوسف تتلا صاحب چلاتے تھے ۔

اگر سفر ریل سے ہوتا تو کھڑکی کی جانب تشریف فرما ہوتے اور سمت سفر کی طرف رخ کر کے بیٹھتے ۔ دوران سفر اگر کسی جگہ اترتے یا گاڑی سے اترے بغیر مصافحہ و دعا یا کسی صاحب کے یہاں کھانا اور ناشتہ کا وعدہ فرمالیتے تو اس کے ایفاء کا پورا پورا اہتمام فرماتے ۔ بسا اوقات کام کرنے والے احباب کی رعایت و دلداری میں دشوار گزار راستہ کی مشقت اور تکلیف بھی برداشت فرمالیتے ۔ ٹرین سے ہونے والے سفر میں منزل پر پہونچ کر اطمینان سے ملاقات و مصافحہ فرماکر دعا فرماتے جس میں سفر کی خیریت وعافیت اور اہل شہر کے لئے برکت ورحمت کی خصوصی طور پر دعا فرماتے ۔

نماز سفر خواہ ریل کا ہو یا ہوائی جہاز کا، اپنی سیٹ کے متصل ایک دو رفقاء کے ساتھ تمام نمازیں باجماعت ادا فرماتے ۔ اگر ریل کے اوقات میں گنجائش ہوتی تو نیچے اتر کر پلیٹ فارم پر جماعت کرتے، ورنہ اسٹیشن پر اتر کر جماعت کرنے میں ہمیشہ محتاط رہے کہ گاڑی چھوٹنے کا خطرہ اس میں لگا رہتا ہے ۔ تہجد، اوابین اور دیگر نوافل کا جتنا اہتمام حضر میں ہوتا تھا اتنا ہی سفر اور دوران سفر بھی تھا۔ شب میں ادائیگی تہجد کے لئے اس طرح اٹھتے کہ سونے والوں کی نیند متاثر نہ ہوتی ۔ بیت الخلاء آنے جانے کے لئے جوتا پہنتے ہوئے کسی بھی طرح کی ہلکی سی آواز محسوس نہ ہونے دیتے ۔ ایک مرتبہ ریل میں تہجد کے لئے بیدار ہوئے تو خادم نے جوتے زور سے پیچے

رکھ دیئے۔ جس سے ایک آواز پیدا ہوئی تو فوراً انھیں یہ کہہ کر تنبیہ کی کہ جوتا آہستہ رکھنا چاہئے۔ ورنہ لوگوں کے آرام میں خلل آئے گا۔ اسی طرح ریل یا ہوائی جہاز میں اگر ساتھی عام آمد و رفت کی جگہ بیٹھ جاتے یا نماز ادا کرتے تو یہ کہہ کر منع فرما دیتے کہ یہ عام آمد و رفت کا راستہ ہے، اس سے مسافروں کو دقت ہوگی۔

...عت کے زمانہ میں عموماً تمام نمازیں اجتماع گاہ میں ہی ادا کرنے کا معمول تھا آخر میں اس معمول میں یہ تغیر ہوگیا تھا کہ تمام نمازیں مولانا زبیر صاحب کی امامت میں بڑی جماعت کے ساتھ قیامگاہ پر ادا فرمانے لگے تھے۔

اول وقت

مشورہ

قیامگاہ پر پہونچ کر خواہ کیسا ہی وقت ہوا اور کتنا ہی تعب ہو فوراً عمومی مشورہ کے لئے بیٹھتے اور پورا نظام الاوقات طے فرماتے۔ کبھی پہلی نشست میں ہی پورے جلسے کا نظام طے فرما دیتے اور کبھی ایک ایک دن کا مشورہ فرمالیتے۔ مشورہ میں مغرب بعد ہونے والے بیان کے لئے جب رفقاءِ سفر مولانا کا نام پیش کرتے اور اکثریت اس پر جم جاتی تو کبھی تو قبول فرمالیتے۔ اور کبھی تقریری مشق نہ ہونے کا عذر فرما کر انکار کر دیتے۔ ایسا بھی بہت سی مرتبہ ہوا کہ مخلصین کے اصرار پر فرمادیا کہ یہ ہم پر اور مولوی محمد عمر پر چھوڑ دو۔ ہم خود طے کرلیں گے۔

رفقاء کی رعایت

سفر کے دوران رفقائے سفر کی بے حد رعایت فرماتے اور ان کے چھوٹے چھوٹے حقوق کی ادائیگی پر پوری توجہ فرماتے۔ ساتھیوں کے قیام وطعام اور ان کے راحت وآرام کے متعلق خود بھی معلوم فرماتے رہتے۔ اور مولانا احمد لاٹ کو (جو عام طور پر امیر سفر ہوتے تھے) اس طرف متوجہ کرتے رہتے۔ قافلہ میں شامل عربوں کا بہت زیادہ اہتمام واحترام فرماتے۔ اور ان کی اس نسبت کا خصوصی خیال رکھتے کہ وہ اسلام کے اولین داعی اور اولین مخاطب ہیں۔ رفقائے سفر میں جو حضرات بیان وتشکیل یا خصوصی گشت وغیرہ میں گئے ہوتے ان کا بھی بہت فکر واہتمام ہوتا۔ ان کے لئے کھانا رکھواتے۔ ان کی واپسی کا انتظام کرتے۔ چنانچہ مولانا محمد عمر صاحب بعد مغرب ہونے والے اپنے بیان

سے فارغ ہوکر جب تک قیامگاہ پر واپس پہونچ کر حضرت مولانا سے اجتماع کے احوال مجمع کی کیفیت اور تشکیل وغیرہ کی تفصیل نہ بتلا دیتے اس وقت تک آرام نہ فرماتے۔ اور انتظار میں مسند پر تشریف فرما رہتے۔ مولانا محمد بن سلیمان لکھتے ہیں،

ایک مرتبہ مولانا محمد عمر صاحب کی واپسی کا انتظار کرتے کرتے حضرت جی کی آنکھ لگ گئی جب مولانا محمد عمر صاحب واپس آئے تو میں نے ان سے کہدیا کہ حضرت سو گئے ہیں۔ یہ سنکر موصوف بھی اپنے کمرے میں چلے گئے۔ کچھ ہی دیر بعد حضرت جی کی آنکھ کھلی تو فوراً دریافت فرمایا کہ مولوی محمد عمر آگئے؟ تو بندہ نے کہا جی ہاں آئے تھے اور واپس چلے گئے اس پر فوراً ان کو بلوایا اور پھر مجمع حال اور تشکیل کی کیفیت اور جماعتوں کے نظم و انتظام کو معلوم فرمایا۔

حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھپرولی) اپنے مرسلہ مضمون میں رفقاءِ سفر کی رعایت و دلداری کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"حضرت جی کے ساتھ ایک چلہ کے لئے ہم پانچ نفر، بھائی نصیب الدین مرحوم، حاجی سبط حسن آگرہ، حاجی عبدالقدیر لکھنؤ، ڈاکٹر مظاہر حسن نہٹور اور یہ فقیر سری لنکا گئے، پورے قافلہ کے امیر مولوی احمد لاٹ صاحب تھے۔ حضرت کو ہماری اتنی فکر رہتی تھی کہ کیا کسی حقیقی ماں باپ کو ہوگی۔ ٹرین میں کئی کئی بار مولوی صاحب مذکور کو ہماری خیر خبر لینے بھیجتے۔ حالانکہ ہمارا ڈبہ حضرت کے ڈبہ سے کافی فاصلہ پر تھا۔ دونوں وقت کھانا اور دونوں وقت چائے اور ناشتہ اور پھل وغیرہ ہمارے پاس روانہ فرماتے جب کولمبو پہونچ گئے اور نظام وغیرہ بن گیا تو دن بھر ہم لوگ مصروف رہتے، لیکن شام کو ہم لوگ بعد عشاء حضرت کی خدمت میں حاضری دیتے۔ اگر ذرا بھی کسی دن تاخیر ہو جاتی تو حضرت بے چین ہو جاتے، جب تک ساتھی آ نہ جاتے اس وقت تک حضرت کو چین نہ آتا، جب ساتھی آتے تو شفقت سے فرماتے ارے بھائی تم کہاں رہ گئے تھے۔ پھر کارگزاری سنتے اور دعائیں دیتے"۔

مشہور مفسر قرآن کریم مولانا اخلاق حسین قاسمی ایک مرتبہ حضرت مولانا کی معیت میں بھوپال اجتماع میں گئے۔ وہ دورانِ سفر کا اپنا مشاہدہ و تأثر بتلاتے ہیں کہ:

"مولانا کی سیٹ میرے قریب تھی، تمام راستہ مولانا تبلیغی نصاب سنتے رہے اور اس کے نکات پر روشنی ڈالتے رہے۔ میں چونکہ نووارد کی حیثیت رکھتا تھا اس لئے مرحوم نے میرا بڑا خیال رکھا۔ اور برابر لوگوں کو میری طرف متوجہ کرتے رہے۔"

ایک معمر اور قدیم کارکن تبلیغ جو عزیز پور کے اجتماع میں شریک تھے، لکھتے ہیں:

"عزیز پور کے اجتماع میں مجمع کثیر تھا بارش ہوگئی، سردی کا موسم میں اکیلا تشکیل میں تھا۔ میں نے اپنے چالیس ساتھی اور تیار کئے۔ لیکن نہ بیٹھنے لیٹنے کی جگہ اور نہ کھانے پینے کی کوئی چیز، مجمع کی کثرت کی وجہ سے نکلنے کو راستہ نہیں تھا۔ ادھر جماعتیں اتنی تعداد میں کہ ان کا بٹھانا، ان کی ترتیب لگانا بڑا لمبا کام ہو گیا۔ ساتھی بیچارے قربانی دے رہے تھے۔ تقریباً ۱۲ بجے ہوں گے کہ دو ساتھیوں کے ہاتھ حضرت جی نے پھلوں کی دو پیٹیاں بھیجی، اور کہلوایا کہ یہ پھل تھوڑے تھوڑے سب ساتھیوں کو دیدینا میں نے گن گن کر تمام ساتھیوں کو وہ پھل تقسیم کئے۔

معائنہ جلسہ گاہ

ایک معمول (جب تک صحت رہی) یہ رہا کہ اجتماع گاہ کا خود چل پھر کر معائنہ فرماتے اور کوئی غیر معمولی بات دیکھتے، تو منتظمین سے اس کی تحقیق فرماتے۔ اور نتیجہ و انجام کے اعتبار سے اگر وہ چیز غلط ہوتی تو مناسب ہدایت دے کر اس کو ختم کرا دیتے۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ گجرات کے ایک عالم دین اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"گودھرا (گجرات) کا بڑا اجتماع تھا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اجتماع گاہ کا معائنہ فرما رہے تھے۔ آپ نے دو کیمپ لگے ہوئے دیکھے۔ تو دریافت فرمایا کہ یہ دو کیمپ کیسے ہیں؟ ذمہ دار ساتھیوں نے جواب دیا کہ ایک عمومی لوگوں کے لئے اور دوسرا خصوصی لوگوں کے لئے ہے۔ یہ سنکر اس وقت خاموش

ہو گئے۔ اور پھر اپنی قیامگاہ پر پہونچ کر تمام ذمہ داروں کو جمع کرکے فرمایا کہ ہمیں عوام میں کام کرنا ہے اور دعوت کو عمومی طور پر لوگوں میں پہونچانا ہے اسلئے خصوصی لوگ عمومی لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہیں تاکہ آپس میں جوڑ اور تعلق قائم ہو۔ البتہ مشورہ وغیرہ امور کے لئے خواص کو ایک جگہ جمع کیا جا سکتا ہے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی اس ہدایت کے بعد اب سب کیلئے ایک ہی کیمپ لگایا جاتا ہے"۔

زندگی کے آخری سالوں میں اگرچہ چل پھر کر معائنہ کرنے والی بات ختم ہوگئی تھی، لیکن اس کی جگہ تفقدِ احوال اور تحقیق حالات نے لے لی تھی۔ حضرت مولانا پر ایسے ایسے طریقوں سے حالات کا انکشاف ہوتا تھا کہ بقول خود" ان کو زبان پر نہیں لایا جاسکتا"۔ اپنے رفقاء سفر اور کام کرنے والے دیگر احباب کے حالات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اگر کوئی ناشائستہ بات معلوم ہوتی یا کسی شخص کا کسی سے سوال کرنا علم میں آجاتا تو مضبوط لب ولہجہ میں اس پر گرفت فرماتے تھے۔

آخری سالوں میں یہ بھی فرمانے لگے تھے کہ الحمد للہ اپنے ساتھیوں کے احوال کا علم رہتا ہے لیکن تنبیہ ان ہی کو کرتا ہوں جن میں استعداد ہوتی ہے اور جہاں استعداد وصلاحیت نہیں ہوتی وہاں چشم پوشی کرلیتا ہوں۔ البتہ ایسے لوگوں کے احوال کی اصلاح کے لئے دعائیں خوب کرتا ہوں"۔

اسی طرح اجتماعات میں ہونے والی تقریروں کو بھی بغور سنتے اور کوئی خامی یا قابل اصلاح بات ہوتی تو اچھے اور مناسب انداز میں اس کی اصلاح فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے تقریر کے دوران ایک حدیث سنا کر کہا" رواہ البخاری" اس پر برجستہ فرمایا" یہ بخاری کی روایت نہیں مسلم کی روایت ہے"۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے تقریر میں وہ حدیث سنائی جس میں ہے کہ سب سے پہلے عالم کو حافظ کو، قاری کو مجاہد کو بلایا جائے گا۔ اور ان کو جہنم میں منہ کے بل پھینکنے کا حکم ہوگا۔ مقرر نے تشریح وتوضیح کے زد میں ایک دو جملے ایسے کہدیئے جو اس حدیث کے مفہوم ومطلب سے ہٹ کر تھے۔ حضرت مولانا یہ تقریر سن رہے تھے۔ ان جملوں کو

سن کر راقم سطور سے جو قریب ہی میں موجود تھا فرمایا "دیکھو یہ انھوں نے غلط کہا!"

کھانا کھانا اگرچہ حضرت مولانا قدرے پرہیزی کھاتے تھے جس میں مرچ اور چکنائی وغیرہ نہیں ہوتی تھی۔ لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس کے لیے کسی فکر و اہتمام کی خواہش ظاہر کی ہو۔ بلکہ اگر آثار و قرائن سے ایسا کچھ محسوس بھی ہو جاتا تو منع فرما دیتے۔

ایک مرتبہ آپ کے خادم مولانا محمد بن سلیمان نے عرض کیا کہ حضرت آپ اپنے کھانے کے متعلق کبھی کچھ نہیں فرماتے کہ کیا پکایا جائے اور کیا کھایا جائے۔ اس پر فرمایا کہ میں نے کبھی اپنی والدہ ماجدہ سے بھی یہ نہیں کہا کہ مجھے یہ کھانا ہے اور یہ نہیں کھانا ہے بس جو کھانا تیار ہوتا تھا اسی کو شکر کے ساتھ کھا لیا کرتا تھا"

ایک مرتبہ ٹانڈہ کا سفر تھا۔ وہاں میزبان نے مغالطہ سے کھانے میں مرچیں ڈال دیں آپ نے خاموشی سے چند لقمے کھا کر اوپر سے پانی پی لیا۔ ایک خادم نے صورت حال سے مطلع ہو کر افسوس کا اظہار کیا تو فرمایا۔ اگر میں تین دن بھی کھانا نہ کھاؤں تو الحمدللہ مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔

کھانے میں اگر میزبان کی جانب سے افراط ہوتی اور دستر خوان پر متعدد قسم کے کھانے ہوتے تو خوش اسلوبی سے اس پر تنبیہ فرما دیتے۔ اکثر و بیشتر ایسے مواقع پر یہ جملہ فرماتے کہ بھائی رغبت کے ساتھ تو ایک دو چیزیں کھائی جاتی ہیں۔ اتنے کھانے دیکھ کر تو ویسے ہی بھوک ختم ہو جاتی ہے۔

دوپہر کا کھانا کھا کر تھوڑی دیر آرام ضرور فرماتے تھے اور اگر کسی وجہ سے وقت میں آرام کی گنجائش نہ ہوتی تو کھانا بھی ترک کر دیتے۔ فرماتے تھے کہ کھانے کے بعد فوراً سفر کرنے سے اعصاب بہت متاثر ہوتے ہیں۔ میوات کے اسفار میں دوپہر کا کھانا صبح ناشتے میں کھا لینا اسی وجہ سے معمول بنا لیا تھا کہ وہاں سے واپسی عام طور پر ٹھیک دوپہر میں ہوتی تھی۔

دوسرے علاقوں اور ملکوں میں استعمال ہونے والی غذا اور خورد و نوش کے متعلق ایک مرتبہ سفر کے دوران یہ عجیب بات ارشاد فرمائی کہ جہاں جاؤ وہاں کی جو

غذا ہو وہی استعمال کرو تو تندرستی قائم رہے گی ورنہ بیمار ہو جاؤ گے۔ کیونکہ جس علاقہ میں اللہ پاک جیسی غذا پیدا فرماتے ہیں وہ وہاں کی فضا اور آب و ہوا کے مطابق ہوتی ہے۔

پھر اس کی وضاحت میں اپنا ایک واقعہ سنایا کہ میں ایک دفعہ مدراس گیا، تو وہاں معمول کے مطابق روٹی کھاتا رہا۔ جس سے شدید قبض ہو گیا۔ بڑی دقت ہوئی۔ پھر میں نے وہاں کی غذا چاول شروع کئے تو الحمد للہ طبیعت ٹھیک ہو گئی۔ اور وہ قبض ختم ہو گیا۔

سامانِ سفر

سفر میں آپ کا اپنا بستر ہمیشہ ساتھ رہتا تھا جس میں دو تکیے، جانماز، تولیہ، موسم کے مطابق چادر، رضائی وغیرہ ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ مولوی محمد سلیمان نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے لئے تو ہر جگہ عمدہ سے عمدہ بستر اور آرام کی خاطر اچھا سے اچھا بندوبست میزبان حضرات اپنی سعادت سمجھ کر کرتے ہیں، پھر آپ اپنا بستر کیوں ساتھ رکھتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ بھائی اگر وہ ساتھ نہ ہو تو اشراف پیدا ہوتا ہے اور خیال لگا رہتا ہے۔ اس لئے بستر ساتھ رکھتا ہوں۔

نمازِ فجر

اذان فجر کے بعد دو رکعت سنت ادا کر کے نماز فجر سے فراغت حاصل کر لیتے اور پھر استراحت فرماتے۔ مولانا محمد سلیمان صاحب جھانجی اس وقت آپ سے تھوڑا سا فاصلے پر بیٹھ کر ذکر بارہ تسبیح مناسب جہر کے ساتھ کرتے رہتے۔ تھوڑی دیر آرام کے بعد ناشتہ ہوتا، جس میں تمام رفقاء اور موقع پر موجود دیگر حضرات شامل ہوتے۔ اس کے بعد اسی جگہ کافی دیر نشست فرماتے۔ اور ملاقات کے لئے آنے والوں سے ملاقات کرتے۔ پانی پر دم کرنا اور اہل حوائج کے پرچے پڑھنا بھی اسی وقت میں ہوتا رہتا تھا۔

نمازِ ظہر

ابتداءً معمول یہ تھا کہ کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دیر آرام فرماتے اور پھر اجتماع میں نماز ظہر ادا کرتے۔ لیکن آخر کے چند سالوں میں عوارض کی وجہ سے یہ معمول ہو گیا تھا کہ اول وقت نماز ظہر ادا کر کے کھانا کھایا جاتا۔ اور پھر حسب ضرورت قیلولہ فرما کر یا تو کتب بینی فرماتے یا مرکز نظام الدین سے آنے والی

ڈاک (جو تقریباً روزانہ ہی آتی تھی) مطالعہ فرماتے۔

نمازِ عصر ادا فرما کر قیامگاہ میں بنی ہوئی نشستگاہ میں تشریف لاتے۔ اس وقت مجمع تو حضرت مولانا کی زیارت میں مصروف ہوتا۔ لیکن خود حضرت مولانا تسبیح ہاتھ میں لے کر اپنے اوراد و وظائف، اور شام کے وقت میں پڑھی جانے والی تسبیحات پوری فرماتے۔ آپ کو دیکھ کر مجمع بھی کامل سکوت اور خاموشی کے ساتھ اپنی تسبیحات پوری کرنے میں مشغول ہوجاتا۔ اس طرح یہ مجلس شروع سے آخر تک سکوت اور خاموشی اپنے اندر لئے ہوئے رہتی تھی۔ اذانِ مغرب پر حضرت مولانا کلی وغیرہ فرما کر نماز کی جگہ صف اول میں پہونچ جاتے۔

نمازِ مغرب پڑھ کر اوابین اور نوافل ادا کرتے جس میں اچھا خاصا وقت صرف ہوجاتا اسی عرصہ میں بیعت ہونے والوں اور ذکر کا طریقہ معلوم کرنے والوں کا بڑا مجمع آجاتا تو مولانا محمد بن سلیمان اس مجمع کو جوڑ کر ان سے بات شروع کر دیتے۔ اور بیعت کا طریقہ، اس کا فائدہ بتلا کر اس کے اصول و آداب بیان کرتے۔ کچھ دیر بعد حضرت مولانا تشریف لے آتے اور سلوک و انسان کی راہ کی چند موٹی موٹی باتیں بیان فرما کر بیعت کرتے۔ اور دعا فرماتے۔ ذکر بارہ تسبیح دریافت کرنے والوں کو بھی اس کا طریقہ اور تعداد اسی موقعہ پر بتلایا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں جب مولانا زبیر الحسن صاحب کو آپ نے اجازت بیعت و خلافت دیدی تو پھر ایسے اصحاب کو ان کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیتے کہ ان سے دریافت کرلو۔ مولانا محمد بن سلیمان جھانجی بیان کرتے ہیں کہ بہت سے لوگ ذکر کے بارے میں جب معلوم کرنے آتے تو آپ ان کو مولانا زبیر صاحب کے پاس بھیج دیتے۔ ایک مرتبہ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو بیمار رہیں۔ لیکن ماشاء اللہ مولانا زبیر الحسن صاحب مہمانوں کی خیر خبر حسب مراتب ان کی خدمت اور کھانے وغیرہ کا بہت ہی خیال فرماتے ہیں۔ یہ سنکر حضرت جی کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا ہاں بھائی اسی لئے میں نے انکو اجازت دی ہے۔

نمازِ عشاء

اول وقت ادا کرنے کا معمول تھا۔ اور شام کا کھانا کبھی نماز عشاء سے مقدم فرمادیتے اور کبھی مؤخر۔ اس معاملہ میں میزبان حضرات پر اصرار نہیں تھا بلکہ ان کی سہولت و راحت دیکھتے۔ اگر معلوم ہوتا کہ کھانے کی تیاری میں ابھی وقت ہے۔ یا میزبان اور ذمہ دار احباب اجتماع میں مشغول ہیں تو تاخیر کر دیتے تھے۔ البتہ اپنی صحت کی رعایت فرماتے ہوئے سونے سے کم از کم دو گھنٹہ قبل کھانا کھانے میں راحت محسوس کرتے تھے۔ اس کے بعد کچھ دیر بیٹھتے، خدام اور دیگر ملنے جلنے والوں سے ملاقات اور گفتگو ہوتی۔ اسی اثناء میں مولانا محمد عمر صاحب اپنے بیان سے فارغ ہوکر آجاتے تو ان سے مجمع کی کیفیت اور تشکیل کی تفصیلات معلوم کرکے آرام و استراحت کے لئے اٹھ جاتے۔

سونے سے قبل

ضروریات استنجاء وغیرہ سے فارغ ہوکر بڑے اہتمام کے ساتھ مسنون طریقہ پر آنکھوں میں سرمہ ڈالتے اور کلی وغیرہ کرکے سونے سے قبل کی دعا اور معوذتین و آیۃ الکرسی وغیرہ پڑھ کر طریقۂ مسنون کے مطابق دائیں کروٹ پر آرام فرماتے۔ مولانا محمد سلیمان جھانجی، مولوی احمد لڑھی میوات وغیرہ دیگر خدام قریب ہی میں رہتے تاکہ تہجد میں اٹھ کر وضو وغیرہ کراسکیں۔

ڈاک و مطالعہ

قیامگاہ پر جتنا اہتمام روزانہ کی ڈاک ملاحظہ کرنے کا تھا۔ اتنا ہی دوران سفر بھی اس کا اہتمام تھا۔ مرکز نظام الدین سے تقریباً روزانہ ہی ڈاک آپ کی خدمت میں بھیجی جاتی جس کو بڑے اہتمام سے ساری مشغولیتوں کے باوجود ملاحظہ فرماتے۔ اور ان کے مندرجات کے متعلق مشورے فرماکر مناسب ہدایات دیتے۔

سفر میں ایک دو کتابیں ضرور ساتھ رکھتے اور ان کے مطالعہ کا کوئی نہ کوئی وقت نکال ہی لیتے تھے۔ حضرت اقدس تھانویؒ کے ملفوظات اور ان کی دیگر تالیفات نیز دیگر علمی و تاریخی کتابیں جیسے حیاۃ الصحابہ عربی، سیرۃ المصطفیٰ، سیرت رحمۃ للعالمین، نبی رحمت، انفاس عیسیٰ وغیرہ بکثرت کتابیں آپ نے سفر کے دوران ہی مطالعہ فرمائیں۔

سفر سے واپسی

پر (اگر ریل سے تشریف آوری ہوتی) تو اسٹیشن پہنچنے سے کافی وقت پہلے تیار ہوکر بیٹھ جاتے۔ سامان بستر وغیرہ ساری چیزیں خدام کے حوالہ فرما دیتے تاکہ سہولت کے ساتھ باندھ لی جائیں۔ جب گاڑی پلیٹ فارم پر ٹھہر جاتی تب اپنی سیٹ چھوڑکر باہر تشریف لاتے۔ اطمینان کے ساتھ نیچے اتر کر تمام ساتھیوں کے اترنے اور سامان باہر آجانے کا انتظار کرتے اور پھر بذریعہ کار (جو عام طور پر الحاج حافظ کرامت اللہ صاحب دہلی کی ہوتی تھی) مرکز تشریف لاکر اس کے صدر دروازہ سے داخل ہوکر مصافحہ وملاقات فرماتے ہوئے زنان خانہ میں آتے۔ چند منٹ مستورات اور بچوں کے درمیان بیٹھتے، ان کی خیر وعافیت معلوم کرتے اور پھر اپنے حجرہ میں تشریف لے آتے۔ معمول یہ تھا کہ حجرہ میں داخل ہوتے وقت مناسب آواز کے ساتھ اللہ جل شانہ کی حمد وثنا ان الفاظ سے فرماتے۔ الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات، یہ گویا سفر سے بخیر وعافیت واپسی اور اپنے نامۂ اعمال میں مزید ایک دینی ودعوتی سفر کے اضافہ پر بارگاہ ایزدی میں آپ کی جانب سے حمد وثناء ہوتی تھی۔

مرکز کے قیام میں آپکے معمولات

آپ کی امارت کے ابتدائی دور میں (جو نسبتہً صحت وقوت کا زمانہ تھا) چوبیس گھنٹہ کے معمولات ومشاغل کی ترتیب یہ رہتی تھی:

نماز تہجّد

مولانا عبدالشکور ــــــــ (میوات) آپ کی شب خیزی اور بارگاہ الٰہیہ میں سربسجود ہونے کی کیفیت اور اپنا مشاہدہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"یہ احقر جب شب میں حضرت کو بیدار کرتا تو پہلے آپ یہ دعا الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور، پڑھتے اور پھر آیت شریفہ ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار لآیات لاولی الالباب الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبہم ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ماخلقت ھذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار تلاوت کرتے۔

جب ربنا ما خلقت هذا باطلا پر پہونچتے تو اس کو آواز بلند بار بار پڑھتے۔

اس کے بعد استنجاء سے فارغ ہوکر ایک ایک سنت اور مستحبات کی رعایت رکھتے ہوئے اور ادعیۂ مسنونہ پڑھتے ہوئے وضو فرماتے، بعد وضو پہلے دو رکعتیں بالکل ہلکی ادا فرماتے اور بعد میں حسب موقع طویل رکعتیں پڑھتے۔ حضرت کا معمول پورے قرآن پاک کی تلاوت پورے سال کرنے کا تھا۔ جہاں سے بھی ترتیب ہوتی وہیں سے نوافل وسنت و تہجد میں پڑھتے۔ تہجد سے فراغت کے بعد آپ اوراد و وظائف میں مشغول ہوجاتے اور کسی سے کلام نہ فرماتے۔ نماز فجر تک آپ اسیطرح مشغول و مصروف رہتے تھے۔

نماز فجر کی سنتیں مسجد میں پہونچ کر ادا کرتے اور وہیں بیٹھے بیٹھے تلاوت فرماتے یا دعاء واستغفار میں مشغول ہوجاتے۔ مولانا عبدالشکور لکھتے ہیں:

"جماعت کی صف اول میں حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ و حضرت مولانا شاہ محمد یوسفؒ کے حجرہ سے متصلاً کھڑے ہوتے تھے۔ احقر بھی حضرت کے قریب ہی نماز ادا کرتا تھا۔ نماز ختم ہونے کے بعد حضرت کا معمول تھا کہ پہلے آیۃ الکرسی اور اللّٰھم انت ربی لا الٰہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک (الی آخرہ) اور اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم اور تین مرتبہ سورہ حشر کی تین آیات اور سورہ مؤمن میں حٰم تنزیل الکتاب من اللّٰہ العزیز العلیم سے الیہ المصیر تک پڑھتے اور اس کے بعد امام کی دعا میں اللھم انت السلام ومنک السلام۔ اور مختلف ادعیہ پڑھتے رہتے تھے۔ بعد دعاء حجرہ میں تشریف لے جاتے۔ اور مہمانوں کی چائے کے لئے دسترخوان بچھنے تک حجرہ بند رہتا۔ بعد میں جب زنان خانہ میں اوپر کمرہ بن گیا تو بعد فجر وہاں تشریف لے جانے کا معمول بن گیا"۔

ناشتہ: مسجد سے متصل نیچے کے حجرے میں صبح کی چائے ناشتہ کا معمول تھا،

اس موقع پر خصوصی مہمان نیز عرب (جو اس زمانہ میں ۵ - ۱۰ سے زیادہ نہیں ہوتے تھے) شریک دسترخوان ہوتے۔ اس دسترخوان کی ترتیب و اہتمام مولانا معین الدین کے سپرد تھا۔ چائے کی مجلس سے فراغ پر حجرہ میں ہی مرکز کے چوبیس گھنٹہ کے امور کا مشورہ ہوتا۔ پھر انفرادی ملاقات کرنے والوں کی آمد و رفت شروع ہو جاتی۔ اسی عرصہ میں ڈاک آجاتی تو اس کے ملاحظہ میں مصروف ہو جاتے۔

روانگی اور رخصتی مصافحہ

جماعتوں کی روانگی کے لئے تقریباً ۱۱ بجے کا وقت متعین تھا۔ حضرت مولانا کی مسجد میں آمد سے قبل کوئی صاحب جماعتوں کو جوڑ کر ان کے درمیان ترتیب قائم کر لیتے اور ہر جماعت کے لئے ایک پرچہ بن کر تیار ہو جاتا، جس میں افرادِ جماعت کے نام، ان کا متعینہ علاقہ، مدت سفر اور خرچ وغیرہ لکھا ہوا ہوتا تھا۔ ایسے تمام پرچے (جو کم و بیش ساٹھ، ستر ہوتے) حضرت مولانا مسجد میں آنے سے قبل ہی ملاحظہ فرما لیتے اور پھر مسجد میں بیچ کے دروازہ میں تشریف فرما ہو کر کچھ دیر تقریر فرماتے جس میں جماعت میں جانے والوں اور جماعت سے واپس آنے والوں کو مشترکہ طور پر مخاطب فرما کر نصائح فرماتے۔ جانے والوں کو ترغیب دیتے کہ وہ وقت صحیح طور پر اصولوں کے ساتھ لگا کر آئیں۔ اور واپس آنے والوں کو متوجہ فرماتے کہ وہ مقامی کام میں اہتمام کے ساتھ جڑے رہیں۔ اس کے بعد دعا پھر مصافحہ فرماتے

کھانا اور قیلولہ

دعا اور مصافحہ سے فارغ ہو کر اعلان ہوتا کہ مہمان حضرات مرکز کے عقبی حصہ میں جا کر کھانا کھالیں۔ مرکز کے مقیمین اور مختلف خواص نیز بیرونی مہمان حضرت مولانا کے دسترخوان پر کھانا کھاتے۔ یہ کھانا جس میں تنوع بھی ہوتا اور کچھ زائد اہتمام بھی، گھر کی مستورات تیار کرتی تھیں۔ گھر میں سے گرم گرم روٹی بن کر آتی رہتی۔ جس کے آپ متعدد ٹکڑے کر کے شرکاء دسترخوان پر تقسیم کرتے رہتے۔

کھانے سے فراغ پر حجرہ میں آرام فرماتے۔ بعض خدام اس وقت تھوڑی دیر سر پر تیل لگاتے پھر اذان ظہر تک آرام ہوتا۔

نمازِ ظہر کے لئے اذان پر بیدار ہو کر استنجاء وضو سے فارغ ہو کر اندر حجرہ میں چار رکعت سنت (جس کا ہمیشہ آپ نے اسفار میں بھی اہتمام کیا) پڑھتے اور پھر مسجد میں اپنی متعینہ جگہ پر آجاتے۔ نماز ظہر کے بعد اذان عصر تک حجرہ میں قیام فرماتے اس وقت کسی کو حجرہ میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ وقت تلاوت قرآن پاک اور مراقبہ جمال الٰہی اور مشاہدۂ جلال الٰہی میں غرق ہونے کے لئے مخصوص تھا۔ آخر میں کچھ وقت بچ جاتا تو حیاۃ الصحابہ کا مطالعہ فرماتے۔ اذان عصر پر خدام پہونچ جاتے اور نماز کی تیاری شروع ہو جاتی۔ جناب منشی اللہ دتہ صاحب مرحوم اس موقع پر اہتمام سے آتے اور وضو کراتے تھے۔

نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد زنان خانہ میں تشریف لے جاتے۔ گھر کے صحن میں متعدد چارپائیاں اس وقت ڈال دی جاتیں۔ یہ وقت گویا اطفال و مستورات کی مجلس کا تھا اور اس موقعہ پر چائے پی جاتی [1]

بعد میں اس معمول میں یہ تغیر ہوا کہ حضرت مولانا باہر ہی تشریف فرما رہنے لگے۔ پارک میں یا مرکز کے عقبی حصہ میں آپ کی مجلس ہوتی جن میں ۲، ۳ خدام کے علاوہ مولانا اظہار الحسن صاحب مولانا محمد عمر صاحب، منشی بشیر احمد صاحب، مولانا یعقوب صاحب، مولانا محمد سلیمان جھانجی، مولانا احمد لاٹ ـــــ منشی اللہ دتہ صاحب وغیرہ بیٹھتے تھے۔ یہ مجلس عمومی نہیں ہوتی تھی، انفرادی طور پر خصوصی مہمان یا دہلی کے احباب مصافحہ کے لئے آتے جاتے رہتے تھے۔ حضرت مولانا اس وقت تسبیح ہاتھ میں لے کر اپنی تسبیحات پوری فرماتے ـــــ تاہم مولانا محمد عمر صاحب گاہ بگاہ کوئی اہم خط بھی اس وقت ملاحظہ کے لئے پیش کر دیتے تھے۔ اذان مغرب سے چند منٹ قبل کلی وغیرہ فرما کر مسجد پہونچ جاتے۔

نمازِ مغرب کی ادائیگی کے بعد اوّابین ادا فرماتے جس میں کافی وقت لگ جاتا کئی سپارے اس وقت تلاوت کرنے کا معمول تھا۔ پھر گھر کے

---

[1] حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا بھی یہی معمول تھا کہ بعد عصر اہتمام کے ساتھ گھر تشریف لیجا کر والدہ ماجدہ و اہلیہ محترمہ مرحومہ کے درمیان تشریف رکھتے اور چائے نوشی فرماتے تھے۔

دروازہ (یا کھڑکی) پر پہونچ کر اندر آنے کی اجازت لیتے جس کے لئے کبھی تو بچوں یا
سے زبیر و صالح کو آواز دے لیتے۔ کبھی "میں آجاؤں" کہہ کر اپنی آمد کی اطلاع فرما دیتے۔
زنان خانہ میں تشریف لاکر کھانے سے فارغ ہوتے، اہلیہ محترمہ اور دیگر مستورات بھی
اس وقت موجود رہتیں۔ جماعتوں میں آنے والی مستورات کو اگر کچھ دریافت کرنا یا اپنے
مقاصد کے لئے دعاء کی درخواست کرنا ہوتا تو اس کے لئے بھی یہی وقت ہوتا تھا حضرت
مولانا کو چھوٹے گود کے بچوں سے بہت اُنس تھا۔ اس موقعہ پر کوئی معصوم و بے زبان
بچہ بھی حضرت مولانا کے قریب ہوتا تو اس سے بے تکلفانہ لب و لہجہ میں بات چیت فرماتے،
اس کو چمکارتے، اس کے کان کے پاس ہو کر بہت ملائم اور نرم لب و لہجہ میں اللہ اللہ
کی صدا لگاتے۔ اور پھر جب اللہ جل شانہ نے آپ کو بہت سے پوتے و نواسے اور
پوتیاں و نواسیاں مرحمت فرمائیں تو آپ کی دل بستگی اور مسرت و شادمانی میں مزید
اضافہ ہو گیا۔ اب یہ بعد مغرب کی مجلس میں آپ کے سامنے ہونے لگے۔ سردی کا موسم
ہوتا تو آپ اپنی انگلی پر شہد لگا کر سب کو چٹاتے اپنے ہاتھ سے گاہ بگاہ زعفران کی ایک ایک
دو دو پتیاں ان کے منہ میں ڈالتے۔ اسی طرح گرمی سے بچانے کے لئے ٹھنڈی چیزیں
استعمال کراتے۔ اذان عشاء تک یہ سلسلہ چلتا رہتا۔

نماز عشاء مسجد میں ادا فرما کر فوراً اپنے حجرہ میں واپس آجاتے اور سنت و وتر
یہاں ادا کرتے۔ پھر پان کھا کر حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر کتاب
حیاۃ الصحابہ لے کر مسجد کے وسط میں پہونچ جاتے اور پہلے سے بچھی ہوئی ایک چوکی پر
بیٹھ کر بلند آواز کے ساتھ عربی عبارت پڑھ کر اس کا ترجمہ و مطلب بیان فرماتے۔
سیرت نبویہ اور صحابہ کرام کے واقعات سے نتائج اخذ کر کے سامعین کو اس طرف متوجہ
کرتے اور پھر دعا فرماتے۔ آپ کتاب سنانے کا وقت بہت محدود و مختصر رکھتے تھے۔
فرمایا کرتے تھے کہ بڑے حضرت جی بھی بس تھوڑی دیر پڑھا کرتے تھے۔ کتاب سے فارغ ہو کر
مولانا محمد بن سلیمان جھانجی یا کوئی دیگر شخص مسجد میں کپڑا بچھا کر سونے اور نماز تہجد کی ترغیب
پر چند جملے کھڑے ہو کر کہتے۔ مولانا محمد بن سلیمان راوی ہیں کہ!

"ایک مرتبہ حضرت جیؒ نے مجھ سے فرمایا کہ مولوی سلیمان تم فقط سامان کی حفاظت کا

اعلان کرتے ہو حالانکہ سامان کی تو عام طور پر لوگ حفاظت کر ہی لیتے ہیں اس لئے تم ایمان کی حفاظت کا اعلان کیا کرو اس لئے کہ ایمان کی حفاظت میں لوگوں کی طرف سے بڑی سستی ہو رہی ہے۔ اس پر بندہ نے دوسرے دن سے اس طرح اعلان شروع کیا کہ بھائیو! اپنے ایمان کی اور سامان کی حفاظت کریں۔ چند ہی دن گذرے تھے کہ حضرت جی نے فرمایا کہ مولوی سلیمان ایمان کی حفاظت کیسے کریں یہ بات تو تم اپنے اعلان میں بتاتے نہیں۔ بندہ نے کہا کہ مجھے تو معلوم نہیں اس پر فرمایا کہ حضرت اقدس مدنی اور دیگر علماء کرام نے ایمان کی حفاظت کے لئے ایمان پر خاتمہ کی دعائیں اور سنتوں کی پابندی کرنے کی تاکید لکھی ہے چنانچہ پھر بندہ نے اس طرح اعلان کرنا شروع کر دیا کہ ایمان کی حفاظت کے لئے سنتوں کی پابندی کے ساتھ ساتھ یہ دعائیں مانگی جائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمادے اس ترغیب پر یہ مجلس ختم ہو جاتی اور پھر حضرت مولانا حجرہ میں تشریف لاتے تو خدام چند منٹ بدن دباتے۔ سر پر تیل کی مالش ہوتی اور پھر آپ سنت کے مطابق بائیں کروٹ پر آرام فرماتے۔"

حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھپرولی) اس مسنون ہیئت پر سونے سے متعلق ایک واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں!

"میرا معمول تھا کہ میں کتاب کے بعد کچھ دیر خدمت کی غرض سے حجرہ میں حاضر ہو کر بدن دبایا کرتا تھا اور میں ہمیشہ حضرت کو بائیں کروٹ پر چھوڑ کر چلا آتا تھا۔ مجھے ایک روز دباتے دباتے خیال آیا کہ دائیں کروٹ پر سونا سنت ہے لیکن میں حضرت کو بائیں کروٹ پر ہی چھوڑ کر چلا جاتا ہوں۔ بس یہ خیال آیا ہی تھا کہ حضرت جیؒ نے فوراً دائیں جانب کروٹ بدلی۔ میں یہ منظر دیکھ کر بھاگا۔ میں نے سوچا کہ میرے دل میں تو نہ جانے کیا کیا خیالات آتے رہتے ہیں خدانخواستہ کوئی غلط خیال آ گیا تو فوراً پکڑ ہو جائے گی۔"

آخری دور کے معمولات

وفات سے چند سال قبل ربیع الاول ۱۴۰۴ھ (دسمبر ۸۳ء) میں جب ضعف وعلالت کی بنا پر ـــــ مرکز کی

جدید عمارت کے کمرہ ۶[1] میں آپ کا قیام ہوگیا اور معالجین کی ہدایات کے مطابق زیادہ تر اوقات وہیں گذرنے لگے تو پھر شب وروز کے معمولات یہ ہوگئے۔ کہ تہجد کی نماز کی ادائیگی کے بعد اپنے مصلی پر تشریف فرما رہتے اور اذانِ فجر کے ساتھ ہی نماز ادا کرتے آرام فرماتے تقریبا ۸ بجے زنان خانہ میں تشریف لاکر چائے ناشتہ کرتے اور پھر مشورہ میں (جو کمرہ ۶ میں ہی ہوتا تھا) شرکت فرماتے۔ اسی عرصہ میں ڈاک اور جماعتوں کی روانگی کی تفصیلات آپ کی خدمت میں پہونچ جاتی۔ تو ان کو ملاحظہ فرماتے۔ تقریبا ۱۱ بجے بیعت کے خواہشمند لوگ آجاتے ان سے اولاً مولوی محمد بن سلیمان مختصر بات کرتے اور پھر حضرت مولانا انکو بیعت اور نصائح فرماکر دعا فرماتے۔ مستورات بھی اس موقعہ پر بیعت ہوتیں جن کے لئے الگ کمرے میں بیٹھنے کا انتظام ہوتا۔ اور مائک کے ذریعہ وہاں تک آواز پہونچائی جاتی تھی۔ ۱۱½ بجے نیچے تشریف لاکر آنے اور جانے والی جماعتوں سے خطاب فرماکر دعاء ومصافحہ ہوتا اور پھر اوپر تشریف لے جاکر مرکز کے مقیمین اور آنے والے ملکی وغیر ملکی خواص کے ساتھ کھانا کھاتے۔ اور پھر نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد عصر تک آرام فرماتے۔ عصر اور مغرب کے درمیان مجلس ہوتی۔ لیکن اس کی نوعیت عمومی نہیں ہوتی تھی۔ نماز مغرب کے بعد اوابین سے فارغ ہوکر کچھ دیر تشریف رکھتے اور پھر کھانا.. کھاتے۔ جس میں حضرت مولانا اور ایک دو خدام اور گھر کے بچے شریک ہوتے۔ گاہ بگاہ مولانا اظہار الحسن صاحب بھی شرکت فرماتے۔ حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی کا معمول اس موقع پر ہمیشہ شریک طعام ہونے کا رہا۔ کھانے سے فراغ پر نماز عشاء اول وقت ادا فرمالیتے اور پھر کچھ دیر اپنی مسند پر تشریف فرما رہتے اس موقعہ پر آپکے آخری چند سالوں کے معالج خصوصی ڈاکٹر محسن ولی بڑے اہتمام سے روزانہ آکر حضرت مولانا کا طبی معائنہ فرماتے۔ دواؤں کے استعمال اور شوگر وغیرہ کا چارٹ ملاحظہ کرتے۔ اور اس مجلس میں مولانا محمد بن سلیمان ملکی وغیر ملکی اور عالمی خبروں کی

---

[1] کمرہ نمبر ۶ میں حضرت مولانا کی پنجوقتہ نمازوں کے امام شروع کے چند ماہ میں تو مختلف حضرات (مولانا محمد یعقوب، مولانا محمد بن سلیمان وغیرہ) رہے لیکن ۲۴ ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۸۳ء جمعہ کی عصر سے پانچوں نمازوں کی امامت مولانا زبیر الحسن صاحب کی متعین ہوگئی تھی جیساکہ موصوف نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے۔

تفصیلات ریڈیو اور اخبارات سے معلوم کرکے آپ کے گوش گذار کرتے ۔ گیارہ بجے حضرت مولانا آرام فرمانے کے لئے اپنی چارپائی پر پہونچ جاتے اور اذان فجر سے ایک گھنٹہ قبل بیدار ہوکر تہجد ادا کرتے ۔ اس نماز میں تین سپارے تلاوت کرنے کا معمول تھا۔ درمیان شب میں اگر کسی ضرورت استنجاء وغیرہ کے لئے اٹھتے تو ایسے آہستہ اور خاموش طور پر بیت الخلاء تشریف لے جاتے کہ قریب میں سونے والے خدام کو اسکا احساس بھی نہ ہوتا۔ مولانا محمد بن سلیمان جھانجی لکھتے ہیں کہ بالکل آخری دور میں.. ڈاکٹروں نے ضعف وکمزوری کو دیکھتے ہوئے یہ تاکید کی کہ حضرت جی کو شب میں استنجاء کے لئے بیت الخلاء لے جانے کے بجائے چارپائی کے قریب ہی ضرورت سے فارغ.. کرادیا کرو ۔ لیکن حضرت رات میں بہت خاموشی کے ساتھ آہستہ آہستہ بیت الخلاء پہونچ جاتے اور کمرہ کی بجلی بھی یہ سوچ کر نہیں جلاتے تھے کہ سونے والوں کے آرام میں خلل آئیگا اس صورت حال سے ہمیں بڑی تشویش ہونے لگی ۔ تو پھر ہم خدام نے باری باری جاگنے کی ترتیب قائم کرلی ۔

لباس اور یوم جمعہ کے معمولات

عادت شریفہ یہ تھی کہ جمعرات کی شام میں خط وحجامت بنوالیا کرتے تھے جس کے لئے گذشتہ بیس بائیس سال سے غازی آباد سے دو اہل تعلق نوجوان محمد احمد صاحب اور محمد فاروق صاحب ہر جمعرات کو بالالتزام آتے تھے ۔ مونچھیں ہمیشہ بالکل صاف فرماتے تھے ۔ ڈاڑھی اگر یک مشت سے زائد ہوتی تھی تو اس کو بھی سنت کے مطابق کرالیتے ۔ ناخن تراشنے میں ہمیشہ سنت کے مطابق ترتیب اختیار فرماتے ۔ نماز جمعہ کے لئے غسل اور صاف ستھرے کپڑوں کا پورا خیال فرماتے ۔ غسل ہمیشہ ہلکے گرم پانی سے فرماتے ۔ کبھی صفائی ستھرائی کے پیش نظر نیم کے پتے بھی پانی میں ڈلوادیتے ۔ موسم کے مطابق لباس زیب تن فرماتے ۔ کرتا ہمیشہ گھٹنوں سے نیچے اور پائجامہ ہمیشہ ٹخنوں سے اوپر ہوتا تھا ۔ گرمی میں ہلکے کپڑے اور اس پر ٹھنڈی واسکٹ اور لو سے بچنے کے لئے ہلکا ٹھنڈا رومال استعمال فرماتے ۔ سردی میں گرم شلوکہ یا چوغہ، گرم رومال اور.. واسکٹ کا بھی استعمال ہوتا ۔ اور ان پر عطر خوب ملتے جو بسا اوقات بڑے بڑے

دھوں کی شکل اختیار کرلیتا۔ عطور میں عود اور شمامۃ العنبر پسند تھا۔ جدید خوشبوئیں بالکل استعمال نہیں کرتے تھے۔ کوئی دوسرا شخص بھی اگر ایسے عطر کے ساتھ آجاتا تو فوراً آپ کو چھینک آجاتی۔

نماز جمعہ سے قبل سورہ کہف کا اہتمام تھا۔ جو کبھی نوافل میں اور کبھی بغیر نماز کے تلاوت فرمالیتے۔ کھانا ہمیشہ نماز جمعہ کے بعد کھانے کا معمول تھا۔ اسی طرح اس دن نماز عصر کے بعد والا درود شریف " اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی آلہ وسلم تسلیماً بھی اسّی مرتبہ پڑھنے کا معمول تھا۔

رمضان المبارک کے معمولات

اس عنوان کے تحت پیش نظر کتاب کی جلد اول میں جو تفصیلات لکھی گئی ہیں وہ حضرت مولانا کے دور امارت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اب یہاں وہ معمولات لکھے جاتے ہیں جو آپ کے دور امارت سے قبل کے ہیں۔

راقم سطور، مولانا مفتی عبدالشکور صاحب (میوات) کا ممنون و مشکور ہے، کہ انھوں نے اس سلسلہ کی واضح تفصیلات قلم بند کر کے ارسال فرمائیں۔ یہاں یہ تفصیلات انہی کے الفاظ میں پیش کی جاتی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

"حضرت اقدس سیدی و مرشدی مولانا محمد انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول رمضان المبارک حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے زمانہ میں یہ تھا کہ بعد نماز فجر آرام فرماتے اور ساڑھے آٹھ یا نو بجے تک بیدار ہو کر مرکز سے مقبرہ و مسجد عیسیٰ خاں تک بلا ناغہ سیر و تفریح کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اور حجرہ سے حفظ تلاوت فرماتے ہوئے مقبرہ کے ہرے بھرے میدان میں چہل قدمی فرماتے۔ وہاں سے واپس ہوتے ہوتے دس پارے تلاوت فرمالیتے تھے۔ یہ تلاوت حضرت کی بہت دھیمی آواز سے ہوتی تھی۔ حجرہ میں تشریف لاکر وضو فرماتے اور حضرت شیخ الہندؒ والے قرآن پاک سے اپنا تراویح میں پڑھا جانے والا سوا پارہ دیکھ کر بار بار تلاوت فرماتے۔

ظہر سے قبل حضرت ڈاک دیکھتے۔ پھر نماز ظہر ادا فرماتے۔ اور پھر تلاوت شروع فرما دیتے۔ عصر سے آدھ گھنٹہ پہلے مولانا کی ہدایات پر حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے خادم خاص مولانا معین الدین صاحب ریلوے اسٹیشن سے صحیح وقت معلوم کر کے آتے۔ پھر حضرت مولانا اپنی تمام گھڑیوں کی جانچ فرماتے، ان کے اوقات درست کرتے۔ پھر وضو فرما کر عصر کی نماز کے لئے اپنی جگہ پہونچ کر نماز باجماعت ادا فرماتے۔

بعد عصر مراقبہ فرماتے تھے۔ اس وقت حجرہ کا دروازہ بند ہو جاتا تھا۔ غروب سے پندرہ منٹ پہلے باہر تشریف لاتے اور خدام کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر غروب شمس دیکھنے کا حکم فرماتے اور بار بار دریافت فرماتے کہ اب کتنا ہوا جانچا ہے۔ جب ہم یہ کہدیتے کہ بالکل غروب ہو چکا تو اپنی گھڑی سے اطمینان فرماتے اور واپس حجرہ میں تشریف لاتے۔ بسا اوقات خود بہ نفس نفیس چڑھ کر غروب کو دیکھتے۔ ایک مرتبہ مسجد کی چھت پر جو جنگلے لگے ہوئے ہیں ان پر چڑھ کر آپ غروب دیکھ رہے تھے کہ اچانک پاؤں پھسل گیا اور چوٹ آگئی۔ کافی دن تک ہم اس کی مرہم پٹی کرتے رہے۔

افطار و طعام سے فراغ پر نماز مغرب ادا کی جاتی۔ بعد نماز مغرب سوا پارہ نوافل میں پڑھتے۔

تراویح شروع میں مسجد نل والی میں پڑھاتے تھے۔ ایک مرتبہ میوات کے میاں جی رحمت نے کہا کہ مولوی انعام! ہم کو روٹی کھلانے میں بہت دیر ہو جاتی ہے۔ اور مسجد کی تراویح تراویح نکل جاتی ہے۔ اس لئے آپ ہم کو تراویح پڑھا دیا کرو۔ ہم میانجی، میانجی آپ کے پیچھے پڑھ لیا کریں گے۔ حضرت نے ان کی درخواست قبول فرمالی۔ اور پھر کئی برس تک مطبخ کی چھت پر یہ تراویح ہوتی رہی۔ وہاں آپ کے مقتدی صرف تین چار ہوتے تھے۔ میانجی رحمت نا گل، میانجی مشرف، میانجی عیسیٰ، میانجی سلیمان، جب قرآن ختم ہوتا تو دعا کے بعد کھجور بانٹتے تھے، ہم طلباء بھی ختم قرآن

میں شریک ہوتے تھے۔[1]

تراویح سے فارغ ہوکر آپ حجرہ میں تشریف فرما ہوتے۔ ایک مرتبہ بندہ اپنی تراویح سے فارغ ہوکر حضرت کے پاس پہونچا تو دیکھا کہ حضرت نوافل کی تیاری فرما رہے ہیں۔ چنانچہ نماز کی نیت باندھ لی۔ احقر نے بھی اس ارادہ سے نیت باندھ لی کہ حضرت ایک آدھ پارہ پڑھ کر سلام پھیر دیں گے۔ لیکن حضرت نے دوسرا پھر تیسرا یہاں تک کہ سات پارے دو رکعت میں پڑھے اور پھر سلام پھیرا۔ سلام پھیرتے ہی میں نے نیند کی مدہوشی میں کہا کہ آپ کو اتنی لمبی رکعتیں نہیں پڑھنی چاہئے تھیں۔ آپ نے کچھ جواب نہیں دیا اور دعاء کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ میں نے بھی آپ کے ساتھ دعاء میں شرکت کی۔

حضرت جب پارہ ولو اننا تلاوت فرماتے اور آیت واذا جاءتہم آیۃ قالوا لن نومن حتی نوتی مثل ما اوتی رسل اللہ، اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ پڑھتے تو رسل اللہ پر بہت وقفہ فرماتے۔ ہر تلاوت میں یہی معمول تھا۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ وقفہ کیسا ہے؟ تو فرمایا کہ دونوں اسم جلالت کے درمیان دعاء قبول ہوتی ہے۔ اس لئے میں میں مشغول ہوجاتا ہوں۔

پھر جب تلاوت فرماتے تو پہلے اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم پڑھتے اور پھر جہاں سے پڑھنا ہوتا پڑھتے۔

بسا اوقات تراویح کے بعد مسائل کی کوئی کتاب ہدایہ یا عالمگیری وغیرہ

---

[1] مطبخ کی چھت کے اوپر والے مقتدیوں میں مولانا محمد عامر صاحب ابن حکیم محمد طیب صاحب اور بابو ایاز صاحب بطور خاص ہوتے تھے۔ بقول مولانا عامر صاحب آپ کے قرآن کریم کی یادداشت نوادرات میں سے تھی۔ اور پڑھنے کا انداز از اول تا آخر یکساں ہوتا تھا الفاظ خلط ملط ہونے یا حروف کے کٹنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ کبھی کبھی تراویح سے فارغ ہونے کے بعد پڑھے ہوئے پارے کے مضامین کو اجمالاً مقتدیوں کے سامنے بیان بھی فرماتے تھے۔ (روایت مولانا محمد الیاس پتھرالوی میوات)

کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ کبھی کبھی کچھ دلچسپ حالات اور واقعات بھی سنا دیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے تراویح کے بعد کی مجلس میں فرمایا کہ تم میں ہر شخص اپنی بیوی کی کوئی خصوصی صفت بیان کرے کہ اس میں کیا خوبی ہے۔ حاضرینِ مجلس نمبروار اپنی اپنی بیویوں کے اوصاف بیان کرنے لگے۔ کسی نے کہا پانچ وقت کی نماز کی پابند ہے۔ کسی نے کہا خدمت میں بہت آگے ہے، کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ جب حضرت کا نمبر آیا، تو فرمایا، بھائی مجھے بھی بیان کرنا پڑے گا؟ پھر سب کے عرض کرنے پر فرمایا کہ میری بیوی کے اندر یہ صفت ہے کہ جب وہ چاہتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر لیتی ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں بڑے حضرت جیؒ کے زمانہ میں ماہ رمضان المبارک کاندھلہ گذارتا تھا۔ اور تراویح کا قرآن شریف ختم کر کے فوراً وہاں سے روانہ ہو کر عید کی نماز دہلی میں بڑے حضرت جی کے ساتھ پڑھتا۔ جب کاندھلہ سے چلتا تو قرآن شریف پڑھنا شروع کر دیتا۔ مسجد بنگلہ والی تک پہونچتے پہونچتے ایک کلام پاک پورا ہو جاتا۔ ایک مرتبہ میں اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا پڑھ رہا تھا۔ سامنے کی سیٹ پر ایک غیر مسلم عورت بیٹھی ہوئی میرے مسلسل پڑھنے کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ کہنے لگی۔ "ہائے رام اس کا منہ بھی نہیں دکھتا"

تراویح کے بعد کی یہ مجلس تھوڑی دیر جمتی اور پھر آپ کچھ دیر نوافل پڑھتے یا کوئی حدیث وفقہ کی کتاب مطالعہ کرتے اور پھر ادعیۂ ماثورہ اللّٰھم لك اسلمت وجھی ووضعت جنبی اور اللھم باسمك اموت واحیی، نیز چاروں قل پڑھتے ہوئے آرام فرماتے۔ سحری کے وقت بسا اوقات خود ہی بیدار ہو جاتے اور بسا اوقات ہم خدام بیدار کرتے جیسے بیدار ہوتے فوراً الحمد للّٰہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور اور ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف اللیل والنھار لآیات

لاولی الالباب، الذین یذکرون اللّٰہ قیاما وقعودًا وعلی جنوبہم ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض، ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحٰنک فقنا عذاب النار تلاوت کرتے، جب ربنا ما خلقت ھذا باطلا پر پہونچتے، تو اس تو بآواز بلند بار بار پڑھتے۔ اس کے بعد وضو و نوافل سے فارغ ہوکر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے پاس تشریف لیجاتے اور سحری تناول فرماتے [1]

مختلف عادات اور معمولات و اہتمام

(۱) دوا کے استعمال اور پرہیز کا پورا اہتمام فرماتے تھے۔ بڑے بڑے معالج اور ڈاکٹر، اطباء آپ کی خدمت میں آتے، آپ سے احوال کی تشخیص کرتے ادویہ تجویز کرتے، آپ بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ان کے مشوروں اور تجویزوں کو سنتے، لیکن عمل اپنے متعین معالج کی رائے پر کرتے تھے۔ شروع میں صرف یونانی دوا کا استعمال پسند فرماتے تھے۔ بعد میں ڈاکٹری دوائیں بھی استعمال کرنے لگے تھے۔

(۲) آخری پندرہ بیس سالوں میں ماء زمزم کا اہتمام شروع فرماکر پانی کا استعمال بالکل ختم فرما دیا تھا۔ جب بھی ضرورت ہوتی صرف زمزم استعمال فرماتے۔ اہل تعلق عرب احباب بڑی مقدار میں تازہ تازہ زمزم بھیجتے رہتے جو پورے سال چلتا رہتا۔

(۳) مسواک و سرمہ کا بڑا اہتمام تھا، پنجوقتہ نمازوں کی وضو بغیر مسواک کے نہیں فرماتے تھے۔ اسی طرح شب میں سوتے وقت سرمہ ڈالنے کی عادت تھی جو سنت کے مطابق دونوں آنکھوں میں ڈالتے تھے۔ نیز بعد نماز فجر آرام کرتے وقت ایک ایک سلائی خالص شہد کی آنکھ میں لگاتے تھے۔ آنکھ کے مریضوں کو بھی شہد کے استعمال کا یہ کہہ کر مشورہ دیتے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی ہے۔

(۴) سورج گرہن کے موقعہ پر دعاء و استغفار اور متوجہ الی اللہ ہونے کا بڑا اہتمام تھا۔ اور شریعت اسلامیہ کی ہدایت کے موافق اس موقعہ پر مرکز کی مسجد میں نماز بھی پڑھواتے۔ جس میں تمام مجمع شریک ہوتا۔ عام طور پر یہ نماز مولانا زبیر الحسن صاحب

---

[1] مکتوب مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ہینگوٹہ (میوات)

پڑھاتے تھے۔ جس میں سورہ بقرہ سورہ آل عمران اور سورہ نساء جیسی بڑی سورتوں کی قراءت ہوتی تھی۔

(۵) پان کھانے کا معمول ہمیشہ رہا اور خوب رہا۔ ڈبیہ بٹوہ سفر و حضر میں ساتھ رہتا تھا۔ لونگ، الائچی پان میں کھاتے تھے۔ سردی کے موسم میں تھوڑی زعفران کا بھی اضافہ ہو جاتا۔ دعاء یا تقریر اور درس کے موقعہ پر پان نہیں کھاتے تھے۔ بلکہ کلی کے بعد خوب منہ صاف کر کے ان چیزوں میں مشغول ہوتے تھے۔

حضرت مولانا کے کمالات وخصوصیات، اخلاق وصفات اور معمولات وعادات پر یہ مضمون اس احساس وتاثر کے ساتھ ختم کیا جاتا ہے کہ ابھی اس کے بہت سے گوشے تشنہ تکمیل ہیں، بہت سے پہلو نوکِ قلم پر آنے سے رہ گئے ہیں۔ اور کتنے ہی زاویوں سے نئے نئے عنوانات اس میں مزید قائم ہو سکتے ہیں لیکن ؎

ورق تمام ہوا، اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لیے

انیسواں باب

دعا کی اہمیت، اس کا مقام

اور

آخری اجتماع کی آخری دُعا

اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرق ناک

دعا کی اہمیت، اس کا مقام اور آخری اجتماع کی آخری دعا

مادیت پرستی کے اس ماحول میں جہاں ہر طرف لات و منات بکھرے پڑے ہیں۔ حضرت مولانا اس جدوجہد اور کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں کہ مخلوق کا رخ دعا کے ذریعہ ان کے خالق اور مالک حقیقی کی طرف موڑ دیا جائے تاکہ تمام دنیا کے محتاج سراپا احتیاج بن کر اس پاک ذات سے اپنا رشتہ جوڑ لیں جو ہر طرح سے غیر محتاج ہے۔

جن لاکھوں بندگانِ خدا کو حضرت مولانا کی دعاؤں میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی ہے ان کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اللہ جل شانہ وعم نوالہٗ نے اس مردِ حق کو دعوت کے ساتھ دعا کی حقیقت بھی مرحمت فرمائی تھی۔ سوز و ساز، تپش و کڑھن، استغاثہ و فریاد، مانگنے والے کی عبدیت و بیچارگی، دینے والے کی صمدیت و بے نیازی سے حیرانی و سرگردانی اور نہ معلوم کیا کیا کچھ ان کی دعاؤں میں دل کی آنکھ رکھنے والوں کو عیاں طور پر محسوس ہوتا تھا۔

دعا کی اہمیت اس کا مقام اس کے ذریعہ حالات کے بننے و سنورنے کے یقین پر حضرت مولانا کے ارشادات کا ایک جامع نمونہ یہاں پیش کر کے آپ کی عربی اور اردو دعا نقل کی جائے گی۔

• ایک مرتبہ دعا کی حقیقت اور اہمیت پر فرمایا کہ:

"میرے عزیزو، دوستو اور بزرگو! دعا کی حقیقت کو سمجھو حدیث پاک میں بتایا

گیا ہے الدعا سلاح المومنین دعا مومن کا ہتھیار ہے' اللہ ہی کرنے والے ہیں اللہ ہی کے قبضے میں سب کچھ ہے' اللہ ہی سے مانگنا تمام مشکلات کا حل ہے لیکن اللہ جل شانہ' غافل قلب کی دعا نہیں سنتے۔ لہٰذا بہت ہی اہتمام بہت توجہ کے ساتھ رو رو کر مانگنا بہت اونچی دولت ہے خدائے پاک سے مانگنے والا محروم نہیں رہتا۔ اللہ جل شانہ' ہر مانگنے والے کی آواز کو سنتے ہیں۔

خدائے پاک نے دعا کی قبولیت کا وعدہ بھی فرمایا ہے ادعونی استجب لکم اس لیے جو بھی بات پیش آئے اس میں اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور اللہ سے مانگنا بس اسی کا اہتمام کیا جائے۔ نیز یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اس طرح دعا کرو کہ اس کی اجابت اور قبولیت کا یقین ہو' اور اس کے قبول ہونے میں کوئی تردد اور اور شک نہ ہو۔"

• ایک مجلس میں قبولیت دعا کی تین صورتیں اور اللہ جل شانہ' سے ہدایت مانگنے پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"خدا کے یہاں ــ دعا قبول ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ مانگا جائے وہ مل جائے اور ایک یہ کہ اس کے ذریعہ بلائیں اور مصیبتیں دور ہو جائیں' تیسری صورت یہ ہے کہ آخرت میں اس کو اس کی دعا کا بدلہ مل جائے اب اگر جو کچھ مانگا گیا ہے وہ نہیں ملا تو اس سے مایوس نہ ہو' دل گرفتہ نہ ہو بلکہ یوں سمجھے کہ اللہ کی مصلحت یہ ہے کہ آخرت میں ملے یا اس دعا کے بد لے مصیبتیں دور ہوں اللہ جل شانہ سے سب کچھ مانگا جائے لیکن اللہ جل شانہ' ، اصل مانگنے کی چیز ہدایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور سارے عالم کو ہدایت' یب فرمائیں' بڑوں سے بڑی چیز مانگی جاتی ہے اگرچہ ہم اس کے مامور ہیں کہ ۔۔ سے چھوٹی سے چھوٹی چیز مانگیں لیکن اصل یہی ہے کہ بڑوں سے بڑی چیز ہی مانگی جاتی ہے اس لیے اصل چیز مانگنے کی ہدایت ہی ہے' اپنی ہدایت اپنے علاقہ والوں کی ہدایت اپنے قوم کی ہدایت' اپنے نبی کی امت کی ہدایت اور تمام اقوام عالم کی

ہدایت یہ مانگنے کی چیز ہے"۔[1]

• ایک موقع پر دعا کے اصول وآداب اور اللہ جل شانہٗ کی داد و دہش کو بیان کرتے ہوئے فرمایا،

بھائیو، دوستو! اللہ بہت دینے والے ہیں اللہ سے مانگنا بہت اچھی عبادت ہے، دعا مانگنے میں جو لوگ ناک منہ چڑھاتے ہیں اللہ نے ان کے لیے وعید رکھی ہے الدعاء مخ العبادۃ دعا عبادت کا مغز ہے جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس سے غصہ ہوتے ہیں، بندے کا اپنے آپ کو بے بس سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف دست سوال دراز کرنا یہ اللہ کو بہت پسند ہے۔ لیکن میرے بھائیو اور دوستو! ہر چیز کے اصول وآداب ہوتے ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے جو چاہتا ہے اس میں ہم لگتے نہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ ہم جو چاہیں اللہ کر دے اور وہ جو چاہے ہم اس کو کر کے نہ دیں۔ یہ کتنی الٹی بات ہے۔ ہم خدا کے راستے میں نثار ہونے کے لیے آئے ہیں لگے رہیں تاکہ ویسے ہی فیصلے آئیں جو ہم چاہتے ہیں خدا سے مانگے بغیر کسی کی گاڑی نہیں چلتی ہم کو تو اللہ سے وہ مانگنا چاہیے جو اللہ کو محبوب ہے یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اور آپ کی سنتیں۔ اللہ تعالیٰ کو اس سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب اور پسندیدہ نہیں ہے لیکن آج تو ہمارے اعمال و افعال خدا کے عذاب کو اتارنے والے بن رہے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ اس سے خوش ہوتے ہیں کہ ان سے مانگا جائے۔ دنیا والے تو مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں لیکن اللہ جل شانہٗ نہ مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں۔ مانگو اللہ سے اپنے کو ضرورت مند سمجھ کر۔ مانگو اللہ سے، اللہ مانگنے والے کو محروم نہیں فرماتے، اللہ جو ہاتھ ان کی طرف اٹھائے اس کو خالی بھیجنے سے شرماتے ہیں، البتہ ادب اس کا یہ ہے کہ اللہ کی قدرت کا دھیان ہو اور اس سے ملنے کا یقین ہو، پھر اللہ تعالیٰ دیتے ہیں اور کمی نہیں کرتے۔

• دعا کیوں مانگی جاتی ہے اور اگر نہ مانگی جائے تو حق تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اس کے متعلق ایک تقریر میں فرمایا:۔

---

[1] ارشاد بموقع اجتماع بنگلہ دیش، بشکریہ جناب عبدالعزیز سورتی (کراچی)

عبادت میں بھی عبدیت ہے اور دعا میں بھی عبدیت ہے، ہوگا وہی جو مقدر میں ہے لیکن دعا صرف اس لیے مانگنی ہے تاکہ اپنی عاجزی اور بے کسی خدا کے سامنے ظاہر ہو جائے آج تو بجائے بندگی کے خدائی چاہتا ہے خدا جو چاہیے وہ تو کر کے نہیں دیتے اور خود — جو چاہتا ہے وہ خدا کر دے ایسا نہیں ہوگا، خدا کی کونسی غرض اٹکی ہوئی ہے جو تمہاری چاہی کرے ہاں خدا جو چاہتا ہے وہ کرو، پھر تم جو چاہو گے خدا وہ اپنے کرم سے فرمائیں گے اصل تو یہ ہے کہ اپنی بے کسی بے بسی اور عاجزی ان کی بارگاہ میں ظاہر کی جائے۔

بے طریقہ دعا مانگنے والے سے اللہ تعالیٰ خفا ہوتے ہیں، دنیا کا انسان جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اگر اس سے بھی بے طریقہ مانگے تو دھتکار دیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے بے طریقے کیوں مانگا جائے، اللہ کے یہاں بھی مانگنے کے اصول اور آداب ہیں۔ ان میں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ کچھ کر کے مانگا جائے۔ اب عمل کا ارادہ کر کے مانگو تو زیادہ قبول ہوگی۔ ارادہ کرو پھر مانگو تو زیادہ جاندار بات ہے۔

- دعا میں طاقت اور اس میں قوت وصفتِ قبولیت پیدا ہونے کے لیے جن اعمال کا کرنا ضروری ہے۔ حضرت مولانا اپنے ایک مکتوب میں ان کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"مکرم بندہ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

گرامی نامہ موصول ہوا، کاشف احوال ہوا، آپ نے دعا کے بارے میں تحریر فرمایا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے جملہ جائز مقاصد میں کامیابی وکامرانی عطا فرمائیں۔ میرے عزیز اس عالم میں جملہ احوال کا تعلق اللہ رب العزت سے ہے سب حالات کی سرسبزی وفروغ کو اللہ رب العالمین نے اعمال صالحہ کے ساتھ جوڑا ہے اور اعمالِ صالحہ کا ایمان ویقین کے ساتھ تعلق ہے اور یقین کی مایا کا حصول مجاہدہ پر رکھا ہے اور بقدر جہد ایمان پیدا ہوتا ہے اور اس کی ترتیب یہ ہے کہ روزانہ اپنے مشاغل سے نکل کر اہتمام کے ساتھ تعلیم میں بیٹھنا، نمازوں کو اہتمام کے ساتھ جماعت کے ساتھ ادا کرنا، تلاوت وتسبیحات اور ذکر کا وقت مقررہ پر معمول بنانا

مذکورہ اعمال کی استعداد و قوت پیدا کرنے کے لیے دو گشت ہفتہ میں پابندی سے کرنا' ہفتہ میں تین روز باہر نکل کر یکسوئی کے ساتھ ان انفرادی و اجتماعی اعمال میں لگ کر اپنی دعاؤں میں طاقت پیدا کرنا اور اس محنت کے ساتھ راتوں کو خدا تعالےٰ کی بارگاہ میں اپنی محنت کی نفی کرتے ہوئے اپنے لیے اور اپنے خاندان کے لیے اور پوری امت محمدیہ کے لیے' خصوصاً پوری انسانیت کے لیے عموماً دعا کرنا اور ہر لائن کی صحیح محنت حتی الامکان کر کے خدا تعالےٰ سے دعا مانگنا۔ یہی کامیابی کا زینہ ہے۔ حق تعالےٰ شانہ' ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

بندہ محمد انعام الحسن "[1]

اجتماعی طور پر حضرت مولانا جس طرح اہتمام دعا اور احتیاج دعا کی طرف احباب کو متوجہ فرماتے تھے انفرادی طور پر بھی اہل تعلق کو اس کی ترغیب دیتے تھے کہ وہ تنہائیوں میں خوب الحاح وزاری کے ساتھ دعائیں کریں۔ چنانچہ ایک مرتبہ مولانا روح الحق صاحب (ترچی) کو مخاطب کر کے فرمایا:

" بھائی ہمارے لیے اور اپنے لیے دعا کرو' دعا کا اہتمام ہو اللہ سے رجوع ہو اور انابت ہو فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب اور دیکھو دعا کا زبردست اثر ہے روایت میں ہے کہ الدعاء والقضاء یختلجان بین السماء والارض الی یوم القیمة کہ آسمان سے خدا کا فیصلہ' سلسلۂ عذاب اترتا ہے اور زمین سے دعا اوپر جاتی ہے اور یہ دونوں درمیان میں متصادم ہو کر قیامت تک لڑتے رہتے ہیں اس لیے بھائی خوب دعا کیا کرو"[2]

- حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھپر ولی) کو ایک مرتبہ تنہائیوں میں دعا کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

"تنہائیوں میں دعا کی مقدار کو خوب بڑھاؤ' خوب آنسو بہاؤ' ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ تنہائی کی دعائیں لمبی ہوں اور مجمع کی دعائیں مختصر ہوں' لیکن بھائی ہو یہ رہا ہے کہ مجمع کی دعائیں لمبی اور تنہائی کی دعائیں مختصر ہو رہی ہیں"[3]

---

[1] نقل مکتوب بہ شکریہ مولانا شمیم احمد اعظمی۔ [2] مکتوب مولانا روح الحق ترچی بنام مصنفِ کتاب۔
[3] مکتوب حافظ صاحب موصوف بنام راقم سطور۔

محرم ۱۴۰۰ھ میں حرم مکہ مکرمہ میں المناک سانحہ پیش آنے پر حضرت مولانا نے ذیل کی چند سطور مولانا سعید احمد خاں صاحبؒ کو تحریر فرماتے ہوئے اس وقت کا سب سے اہم عمل دعا کو تبلایا۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

"مولانا کھیڑہ افغان سے بعد سلام مسنون کہہ دیں کہ اس وقت بس دعا ہی عمل ہے انفرادی اعمال کی انفرادی کوشش ہے اور اللہ جل شانہٗ سے بڑی بڑی امیدیں باندھیں املوا وابشروا ہمیں حکم ہے رنج سے فائدہ نہیں ہم سب دعا گو ہیں اور اچھی امیدیں ہیں"۔[1]

آخری اجتماع کی آخری دعا

چھ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ (۶ رجون ۱۹۹۵ء) میں حضرت مولانا نے کیروہ (ضلع مظفر نگر) کے اجتماع میں اپنی حیات کی آخری دعا اس طرح فرمائی :

اللہم صل علی محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما صلیت علی ابراهیم و علی آل ابراهیم انک حمید مجید .

ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین . رب اغفر وارحم و تجاوز عما تعلم، انک انت الاعز الاکرم .

اللہم اغفرلنا و للمومنین و المومنات و المسلمین والمسلمات، الاحیاء منہم و الاموات . ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان و لاتجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم .

ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکفرین . ربنا لاتؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا، ربنا ولاتحمل علینا اصراً کما حملته علی الذین من قبلنا، ربنا

---

[1] راقم سطور کا قیام اس وقت مدینہ منورہ میں تھا اور اس کے نام کے مکتوب ــــ (محررہ ۱۶ رجنوری ۱۹۸۰ء) میں یہ چند سطور لکھی گئی تھیں۔

وَلا تحملنا مالا طاقة لنا به ، واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا على القوم الكفرين . اللهم اشرح صدورنا للاسلام و زينه فی قلوبنا ، وکره الينا الكفر و الفسوق والعصيان.اللهم اجعلنا من الراشدين ، اللهم اجعلنا من الراشدين، اللهم اجعلنا من الراشدين . اللهم الهمنا مراشد امورنا و اعذنا من شرور نفوسنا ، واعذنا من شرور نفوسنا ، واعذنا من شرور نفوسنا .

اللهم اشرح صدورنا للاسلام . اللهم حبب الينا الايمان، وزينه فی قلوبنا ، وکره الينا الكفر و الفسوق و العصيان. اللهم اجعلنا من الراشدين . اللهم الهمنا مراشد أمورنا ، واعذنا من شرور نفوسنا .

يا مقلب القلوب ثبت قلوبنا على دينک ، يا مقلب القلوب ثبت قلوبنا على دينک ، يا مقلب القلوب ثبت قلوبنا على دينک. يا مصرف القلوب صرف قلوبنا على طاعتک.

اللهم ان قلوبنا و نواصينا و جوارحنا بيدك لم تملكنا منها شيئا ، فاذا فعلت ذلک بنا فکن أنت ولينا و اهدنا إلى سواء السبيل . اللهم اهدنا الى سواء السبيل ، اللهم اهدنا الى سواء السبيل .

اللهم انا نسئلک الهدى والتقى و العفاف و الغنى . اللهم اهدنا واهدبنا ، اللهم اهدنا واهدبنا، اللهم اهدنا واهدبنا .اللهم اهد الناس جميعا. اللهم افتح ابواب هدايتک ، اللهم افتح ابواب هدايتک ، اللهم افتح ابواب هدايتک . اللهم انا ضعفاء فقو فی رضاك ضعفنا ، وخذ الى الخير بنواصينا واجعل الاسلام منتهى رضائنا.

اللهم انفس بنا فی تيسير كل عسير فان تيسير كل عسير عليک يسير، ونسئلک اليسر و المعافات فی الدنيا و الآخرة ،

ونسئلک الیُسر و المعافات فی الدنیا و الآخرۃ ، ونسئلک الیُسر و المعافات فی الدنیا و الآخرۃ۔

اللھم انا نسئلک العفوَ و العافیہ والفوز بالجنۃ و النجاۃ من النار۔

اللھم احی الدین کلّہ فی العالم کُلہٗ ، اللھم احی الدین کلہ فی العالم کلہ ، اللھم احی الدین کلہٗ فی العالم کلہ۔

اللھم اجعلنا دُعاۃَ الیک و الی رسولک ، اللھم اجعلنا دُعاۃَ الیک و الی رسولک ، اللھم اجعلنا دُعاۃَ الیک و الی رسولک۔ اللھم اجعلنا من الذین یجاھدون فی سبیلک حقا۔

اللھم لاسھل الا ما جعلتہ سھلا وانت تجعل الحزن سھلا اذا شئت۔ لااله الا الله الحلیم الکریم ، سبحانَ الله ربِ العرش العظیم ، الحمد للہِ ربِ العالمین ، نسئلکَ موجباتِ رحمتک ، وعزائم مغفرتک و الغنیمۃَ منُ کلِ برِ ، والسلامۃ منَ کل اثم۔

لاتدع لنا ذنبا الا غفرتہ ، ولاھماً الا نفستہ ، ولا کربا الا فرجتہ ، ولا ضرًا الا کشفتہ ، ولامرضاً الا شفیتہ ، ولا بلاءً الا رفعتہ ولا حاجۃً ھیَ لک رضاً الا قضیتھا یا ارحم الراحمین ، یا ارحم الراحمین ، یا ارحم الراحمین۔

الیک رب فحببنا ، وفی انفسِنا لک ربِ فذللنا ، وفی أعیُنِ الناس فعظمنا ، ومن سیئی الاخلاق فجنبنا ، وعلی صالح الاخلاق فقومنا وعلی الصراط المستقیم فثبتنا ، وعلی الاعداء اعدائک اعداء الاسلام فانصرُنا۔

اللھم انصرنا ولا تنصر علینا وزدنا ولا تنقُصنا و اکرِمُنا ولا تُھنا ، وایسرنا ، ولاتعسر علینا ، واعطنا ولا تحرِمنا ، واعطنا ولا تحرمنا ، واعطنا ولاتحرمنا و امکر بنا ولاتمکر علینا ، اللھم ارحمنا ولا تسلط علینا من لایرحمنا

اللهم انا نسئلک من خير ما سئلک منه نبيک سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم ، ونعوذبک من شر ما استعاذك منه نبيک سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم .

اللهم انا نسئلک الجنة وما قرب اليها من قولٍ او عمل ، ونعوذ بک من جهنم و ماقرب اليها من قولٍ او عمل . اللّٰهم نسئلک رضاك و الجنة ، ونعوذ بک من غضبک والنار ، ونعوذبک من غضبک والنار .

اللهم انا نسئلک حُبک و حب رسولک ، وحب من ينفعنا حبنک ، والعمل الذى يبلغنا حبک . اللهم اجعل حبک احب الاشياء الينا ، واجعل خشيتک اخوف الاشياء عندنا . وقضى عنا حاجات الدنيا بالشوق الى لقائک من غير ضراء مضرة ولا فتنة مُضلة وقنا السيئات ومن تق السيئات يومئذٍ فقد رحمته وذلک هو الفوز العظيم .

ربنا آتنا فى الدنيا حسنة ، وفى الآخرة حسنة وقنا عذاب النار.

يا حى يا قيوم برحمتک نستغيث ، اصلح لنا شأننا كله ولاتكلنا الى انفسنا طرفة عين ، اللهم لا تكلنا الى انفسنا طرفة عين ، اللهم لاتكلنا الى انفسنا طرفة عين ، فانک ان تكلنا الى نفسناتكلنا الى ضعف و عورة و ذنب و خطية و انا لانسق الا برحمتک . يا ارحم الرحمين يا ارحم الرّحمين يا ارحم الرّحمين .

اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما، یااللہ ہماری خطاؤں سے درگذر فرما، اے اللہ ہماری سیئات کو حسنات سے مبدل فرما، اے اللہ ہم نے یااللہ اپنی زندگی میں، یااللہ تیرے احکامات کو توڑا ہے اور اے اللہ تیرے نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی سنتوں کو چھوڑا ہے، اے اللہ ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرما، اے اللہ اپنے کرم سے معاف فرما، اے اللہ اپنے کرم سے معاف فرما۔

اے اللہ سنت والی زندگی ہم کو نصیب فرما، اے اللہ سنتوں کا شوق ہمارے اندر پیدا فرما، اے اللہ توحیدو سنت کی ہوائیں چلادے، اے اللہ توحید و سنت کی ہوائیں چلادے، اے اللہ توحید و سنت کی ہوائیں چلادے۔ اے اللہ شقاق و نفاق کو ختم فرمادے، اے اللہ اتفاق واتحاد کو زندہ فرمادے، اے اللہ اتفاق واتحاد کو زندہ فرمادے۔

اے اللہ اپنے حبیب پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی امت پر رحم فرمادے، اے اللہ کرم فرمادے۔ اے اللہ بے کسی ہے بے بسی ہے اے اللہ ترے سوا کوئی سہارا نہیں ہے، اے اللہ تو ہمیں بے سہارا نہ چھوڑدے۔ اے اللہ اپنے حبیب کی امت پر رحم فرمادے، اے اللہ خصوصی رحم فرمادے، اے اللہ کرم فرمادے، اے اللہ بے یارو مددگار نہ چھوڑدے، اے اللہ پوری پوری دستگیری فرما، اے اللہ بھرپور نصرت اور مدد فرما، اے اللہ غیبی تائید شامل حال فرما۔

اے اللہ اپنے والے طریقے کو یا اللہ پورے عالم میں زندہ فرما، اے اللہ عرب میں اور عجم میں، یا اللہ یورپ میں ایشیا میں، اے اللہ افریقہ، امریکہ میں اے اللہ آسٹریلیا میں غرض ہر براعظم میں ہر ہر براعظم میں اے اللہ ایمانی زندگی کو زندہ فرما، اے اللہ بے ایمانی کو ختم فرما، اے اللہ بے ایمانی کو ختم فرما، اے اللہ بے ایمانی کو ختم فرما۔ اے اللہ ایمان کی ہوائیں چلادے، اے اللہ ایمان کی ہوائیں چلادے، اے اللہ ایمان کی ہوائیں چلادے۔ اے اللہ بے ایمانی کو مٹادے، اے اللہ بے ایمانی کو مٹادے، اے اللہ بے ایمانی کو مٹادے، اے اللہ ایمانی اعمال کا شوق ہمارے اندر پیدا فرمادے، اے اللہ ایمانی اخلاق ہم کو نصیب فرمادے، اے اللہ ایمانی معاشرت ہم کو نصیب فرمادے، اے اللہ ایمانی معاملات ہمارے فرمادے، اے اللہ ہمارے معاملات کو یا اللہ پاک اور صاف فرمادے، اے اللہ، اے اللہ پاک اور صاف فرمادے، اے اللہ ہماری معاشرت کو یا اللہ پاکیزہ فرمادے، اے اللہ ہمارے اخلاق کو یا اللہ بلند تر فرمادے۔

اے اللہ پوری انسانیت پر رحم فرما، اے اللہ پوری انسانیت پر رحم فرما، اے اللہ تیری یہ ضعیف مخلوق اے اللہ یہ انسان جو حیوانی زندگی گذار رہا ہے اور اے اللہ بے ایمانی کی زندگی بسر کر رہا ہے اے اللہ اس پر رحم فرما کر یا اللہ اسکو صحیح انسانی زندگی گذارنے والا بنادے، اے اللہ اسے سچا اور پکا انسان بنادے۔

اے اللہ انسانیت کو زندہ فرمادے، اے اللہ حیوانیت کو مردہ فرمادے، اے اللہ

شیطنت کو ختم فرمادے، اے اللہ ظلم وتعدی کو ختم فرمادے، اے اللہ عدل وانصاف کو زندہ فرمادے، اے اللہ عدل وانصاف کو زندہ فرمادے، اے اللہ رحمت کی ہوائیں چلادے اے اللہ ہدایت عامہ کے فیصلے فرمادے۔ اے اللہ تمام عالم کو ہدایت نصیب فرمادے، اے اللہ پورے عالم کی یااللہ قوموں کو یااللہ صحیح راہ پر چلنے والا بنادے، اے اللہ غلط راہوں میں رکاوٹیں پیدا فرمادے، اے اللہ غلط راہوں میں رکاوٹیں پیدا فرمادے۔

اے اللہ صحیح انسانی زندگی کو زندہ فرمادے، اے اللہ صحیح انسانی زندگی کو زندہ فرمادے۔ اے اللہ آج تیری مخلوق اے اللہ جو جانوروں سے اور حیوانات سے بھی بدتر ہوگئی ہے اے اللہ اسکو تو نوازدے، اے اللہ اس کو انسانیت مرحمت فرمادے، اے اللہ آخرت کی فکر نصیب فرمادے۔

اے اللہ موت کے بعد کی زندگی کی یااللہ، تیاری کرنے کی یااللہ توفیق نصیب فرمادے۔ اے اللہ یہ دنیا کی زندگی یااللہ جو ختم ہی ہونے کے لئے ہے اے اللہ باقی رہنے کے لئے نہیں ہے، اے اللہ اسی میں الجھ کر اور اے اللہ اسی میں پھنس کر اے اللہ ہمیں اپنی آخرت بگاڑنے والا نہ بنا، اے اللہ اپنی آخرت سدھارنے والا بنادے۔ اے اللہ موت کے بعد کی زندگی کو یااللہ کامیاب فرمادے، اے اللہ اس میں نجات مقدر فرمادے۔

اے اللہ دنیا کی زندگی بھی میں عافیت نصیب فرمادے۔ اے اللہ دنیا اور آخرت کی عافیت مقدر فرمادے، اے اللہ دنیااور آخرت کی عافیت مقدر فرمادے، اے اللہ دنیاوآخرت کی آفات سے حفاظت فرمالے، اے اللہ دنیاوآخرت کی آفات سے حفاظت فرمادے، اے اللہ تمام امور میں ہمارے انجام کو خیر فرما، اے اللہ تمام احوال کو درست فرما۔ اے اللہ مظلومین کی حمایت فرما۔ اے اللہ محرومین کی حمایت فرما، اے اللہ مجرومین کی حمایت فرما۔

اے اللہ جن بھائیوں نے یااللہ دعاؤں کیلئے کہا ہے یااللہ یا ہمیں لکھا ہے اور اے اللہ ہم سے متوقع ہیں اور کہہ نہیں پائے ہیں، اے اللہ ان کی حاجات کو اے اللہ ان سے زیادہ جانتا ہے اے اللہ ان کی جائز حاجات کو پورا فرما، اے اللہ ان کی پریشانیوں کو دور فرما، اے اللہ ان کی دشواریوں کو ختم فرما، اے اللہ جو مقروض ہیں ان کے قرضوں کے ادا ہونے کی غیب سے صورتیں پیدا فرما۔ اے اللہ جو بیمار ہیں یااللہ ان کو شفا نصیب فرما، اے اللہ جس کی جو حاجت ہے اے اللہ اپنے کرم سے، یااللہ اپنے فضل سے، یااللہ اسکو پوری فرمادے۔ اے

اللہ امت، کی پوری مدد فرما، اے اللہ بھرپور تائید فرما۔

اے اللہ ہماری اور ہمارے ساتھیوں کی اور اے اللہ ہمارے سے تعلق اور محبت رکھنے والوں کی اور اے اللہ ہمیں بھلی نگاہوں سے دیکھنے والوں کی پوری پوری حفاظت فرما، اے اللہ پوری پوری حفاظت فرما، اے اللہ پوری پوری حفاظت فرما۔ اے اللہ ہر شر سے حفاظت فرما۔

اے اللہ ہمارے اس کام کی اے اللہ کام کرنے والوں کی، یا اللہ ہر طرح سے حفاظت فرما، اے اللہ تشتت سے تفرق سے، یا اللہ انتشار سے خلفشار سے اے اللہ حفاظت فرما۔ اے اللہ اخلاص اور للٰہیت نصیب فرما، اے اللہ اغراض سے پاک فرما۔ اے اللہ حب جاہ سے یا اللہ حب مال سے اور اے اللہ حب دنیا سے اور اے اللہ ہر رزیلہ عافیت کے ساتھ پاک فرما، اے اللہ خصائل سے آراستہ اور پیراستہ فرما۔

اے اللہ ہمارے اس اجتماع کو قبول فرما، اے اللہ اسکی محنت کرنے والوں کو قبول فرما، اے اللہ اس میں شرکت کرنے والوں کو قبول فرما، اے اللہ اس اجتماع سے یا اللہ اپنی راہ میں جانے والوں کو قبول فرما، اے اللہ ان کی جان میں مال میں یا اللہ آل میں اعمال میں یا اللہ برکت نصیب فرما۔

اے اللہ ان کی ہم سب کی یا اللہ بہترین تربیت فرما، اے اللہ تو ہی مربی حقیقی ہے اے اللہ تیری ہی تربیت حقیقی تربیت ہے، اے اللہ ہم سب کی بہترین تربیت فرما، اے اللہ بہترین تربیت فرما۔ اے اللہ اس اجتماع کو قبول فرما، اے اللہ اسکو پورے عالم میں اے اللہ ہدایت کے آنے کا ذریعہ فرما، اے اللہ انسانیت کے زندہ ہونے کا ذریعہ فرما، اے اللہ بہیمیت کے اور اے اللہ حیوانیت کے ختم ہونے کا ذریعہ فرما۔

اے اللہ جتنے مدارس عربیہ ہیں اور اے اللہ جتنے مکاتب قرآنیہ ہیں اور اے اللہ جتنے مراکز دینیہ ہیں، اے اللہ ان سب کی حفاظت فرما، اے اللہ پوری پوری حفاظت فرما، اے اللہ پوری پوری حفاظت فرما۔ اے اللہ شریر کی شرارت سے اور اے اللہ فتین کے فتنے سے اور اے اللہ بدخواہ کی بدخواہی سے یا اللہ پوری پوری حفاظت فرما۔

اے اللہ پوری انسانیت کو یا اللہ صحیح سمجھ نصیب فرماکر اے اللہ سیدھی راہ پر چلنے کیلئے قبول فرما۔ اے اللہ اپنی نادانی سے یا اللہ جو اپنی تباہی کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں اے

اللہ ان کو سمجھ نصیب فرما کر اے اللہ صحیح راستے پر چلنے والا بنادے۔ اے اللہ اپنی ضعیف مخلوق کو یا اللہ جہنم کے راستہ پر چلنے کے بجائے جنت کے راستہ پر چلنے والا بنادے۔

اے اللہ ہمارے اس اجتماع میں یا اللہ جتنی ہم سے کوتاہیاں ہوئی ہیں اے اللہ جتنی تقصیرات ہوئی ہیں اے اللہ اپنے کرم سے معاف فرما، اے اللہ اپنے کرم سے معاف فرما، اے اللہ ہم مقصر ہیں، اے اللہ کوتاہ ہیں، یا اللہ ہمیں اے اللہ اپنے قصور کا اعتراف ہے اور اے اللہ تیرے یہاں جو اپنے قصور کا اعتراف کر کے آتا ہے اے اللہ تو معاف فرمادیتا ہے، اے اللہ ہمیں یا اللہ اعتراف ہے اے اللہ اپنے قصوروں کا اقرار ہے لیکن تو عفو ہے اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے اور اے اللہ معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے، اے اللہ ان کوتاہیوں کو معاف فرما، اے اللہ ان بے عنوانیوں کو معاف فرما، اور اے اللہ جو تیرے ہی کرم سے ذرہ خیر وجود میں آگیا ہو اے اللہ اس کو قبول فرمالے۔ اے اللہ اسکو آب یاری نصیب فرمادے۔ یا اللہ اسکو بار آور فرمادے۔

اے اللہ قلوب تیرے قبضے میں ہے اے اللہ تو ہی دلوں کا پھیرنے والا ہے اے اللہ تو ہی دلوں کا موڑنے والا ہے اے اللہ پوری انسانیت کے یا اللہ دلوں کو یا اللہ خیر کی طرف موڑدے اے اللہ شر کی طرف سے ہٹادے۔ اے اللہ خیر کے فیصلے فرمادے، اے اللہ خیر کے فیصلے فرمادے، اے اللہ خیر کے فیصلے فرمادے، اے اللہ پوری انسانیت میں یا اللہ صحیح راہ پر چلنے کے جذبے پیدا فرمادے، اے اللہ صحیح راستہ پر چلنے والا بنادے، اے اللہ امت کے تمام طبقات میں یا اللہ دینی فکر پیدا فرمادے، اے اللہ اسکی محنت کے جذبے پیدا فرمادے، اے اللہ اس پر جان ومال لگانے کے حوصلے پیدا فرمادے۔

اے اللہ تو ہی قبول فرمانے والا ہے، اے اللہ تو ہی کرم فرمانے والا ہے، اے اللہ ہماری ساتھ یا اللہ اپنے کرم کا معاملہ فرما، اے اللہ ہماری ساتھ استحقاق پر معاملہ نہ فرما، اے اللہ اگر استحقاق پر معاملہ رکھا تو اے اللہ خسارہ ہی خسارہ ہے، اے اللہ تباہی ہی تباہی ہے۔ اے اللہ تو کریم ہے اے اللہ کرم کا معاملہ فرما، اے اللہ فضل کا معاملہ فرما، اے اللہ اپنی یا اللہ رحمت عامہ سے یا اللہ پوری انسانیت کو نوازدے، اے اللہ ہدایت عامہ کے فیصلے فرمادے، اے اللہ ہدایت عامہ کے فیصلے فرمادے، اے اللہ اقوام عالم کو ہدایت نصیب

فرمادے، اے اللہ ہدایت کی ہوائیں چلادے۔

اے اللہ ہمارے سفر کو ہمارے حضر کو قبول فرما، اے اللہ عافیت اور سہولت کا معاملہ فرما اے اللہ اخلاص اور للہیت نصیب فرما، اے اللہ اغراض سے اور اے اللہ، اے اللہ حب دنیا سے اور اے اللہ حب جاہ سے اے اللہ حب مال سے یا اللہ ہماری سب کی حفاظت فرمادے۔

یا اللہ اپنے راضی کرنے کے جذبہ کے ساتھ قدم بڑھانے والا بنادے، اے اللہ قدم اٹھانے والا بنادے، اے اللہ قدموں کے پیچھے ہٹنے سے اور اے اللہ قدموں کے یا اللہ ڈگمگا جانے سے اے اللہ قدموں کے اے اللہ غلط اٹھانے سے ہماری حفاظت فرما۔

اے اللہ تو ہی حفیظ ہے، اے اللہ تو ہی نصیر ہے، اے اللہ تو نے اگر مدد فرمائی تو اے اللہ بال بیکا نہیں ہو سکتا ہے اور اے اللہ تو نے اگر اپنی نظر ہٹالی تو اے اللہ کوئی ناصر و مددگار نہیں ہے۔ اے اللہ بھرپور مدد فرما، اے اللہ بھرپور مدد فرما، اے اللہ پوری پوری مدد فرما، اے اللہ غیبی تائید شامل حال فرما۔

اے اللہ ہمارے ان دوستوں کو اور اے اللہ اس اجتماع میں شرکت کرنے والوں کو، اے اللہ اس میں کہنے سننے والوں کو، اور اے اللہ جو جس نیت سے آیا ہو اے اللہ اس کے آنے کو قبول فرما کر اے اللہ اس راہ پر چلنے کے فیصلے فرما، اے اللہ سیدھی راہ پر چلنے کے فیصلے فرما۔

اے اللہ ہمارے گھروں کو اور اے اللہ ہماری بستیوں کو، اے اللہ ہمارے علاقوں کو یا اللہ ایمانی اعمال سے عافیت کے ساتھ آباد فرمادے، اے اللہ ایمانی اعمال سے آباد فرمادے، اے اللہ ایمانی اعمال سے عافیت کے ساتھ آباد فرمادے، اے اللہ شیطانی اثرات سے پاک فرمادے، اے اللہ شیطانی اثرات سے پاک فرمادے۔

اے اللہ بیماروں کو شفا نصیب فرما، اے اللہ ہمیں اور ہماری اولادوں کو اے اللہ قیامت تک آنے والی اولادوں کو یا اللہ دین کی خدمت کیلئے قبول فرما، اے اللہ اے اللہ اخلاص کے ساتھ اس پر لگے رہنے کی اس پر جمے رہنے کی توفیق نصیب فرما اور اے اللہ ضروریات کا متکفل فرما، اے اللہ ماسوا کی محتاجگی سے یا اللہ پوری پوری حفاظت فرما۔

اے اللہ اپنی ذات پر یا اللہ نگاہیں جمانے کی توفیق نصیب فرما، اے اللہ اپنی ذات پر

اعتماد و یقین کی دولت نصیب فرما، اے اللہ اپنی ذات پر اعتماد و یقین کی دولت نصیب فرما، اے اللہ اپنی ذات پر اعتماد و یقین کی دولت نصیب فرما۔ اے اللہ ہمیں یا اللہ اپنی ذات پر یقین کرنے والا بنادے، اے اللہ اس پر اعتماد کی حقیقت نصیب فرمادے یا اللہ ہمارے یقینوں کو اے اللہ خالص یقین فرمادے، اے اللہ یقینوں میں یا اللہ قوت فرمادے، اے اللہ ہمارے یقین جو آج منتشر ہوئے ہوئے ہیں اے اللہ، اے اللہ عالم کی چیزوں میں بکھرے ہوئے ہیں، یا اللہ ان یقینوں کو اپنی ذات کی طرف جوڑ دے، اے اللہ اپنی ذات کی طرف جوڑ دے، اے اللہ اپنی ذات کی طرف جوڑ دے۔

اے اللہ اپنا تعلق نصیب فرمادے، اے اللہ اپنا تعلق نصیب فرمادے، اے اللہ اپنا تعلق نصیب فرمادے، اے اللہ اپنی رضا کی دولت سے مالامال فرمادے، اے اللہ اپنی رضا کی دولت سے مالامال فرمادے، اے اللہ اپنی رضا کی دولت سے مالامال فرمادے۔ اے اللہ اپنی رضا والے کاموں میں یا اللہ لگنے والا بنادے، اے اللہ اپنے ناراضگی والے کاموں سے یا اللہ ہماری حفاظت فرمادے۔

اے اللہ موت اور مابعد الموت میں ہمارے لئے برکت مقدر فرما، اے اللہ شدائد موت اور غمرات موت پر ہماری اعانت فرما، اے اللہ قبر کے عذاب سے اور جہنم کے عذاب سے ہماری حفاظت فرما، اے اللہ جنت الفردوس کا ہمارے لئے فیصلہ فرما، اے اللہ اپنے اپنے وقت پر یا اللہ حسن خاتمہ مقدر فرما، اے اللہ سوئے خاتمہ سے یا اللہ اپنی پناہ میں لے لے۔
اے اللہ ہم سب کی جو اصلی ضرورت ہے اے اللہ وہ حسن خاتمہ ہے اے اللہ اس کا ہم سب کے لئے فیصلہ فرما، اے اللہ رحم کا معاملہ فرما۔ اے اللہ اپنے فضل و کرم سے ہماری دعاؤں کو قبول فرما۔"

(بہ شکریہ خاص نمبر احوال و آثار کاندھلہ)